احادیث صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف

جلد اوّل

دو جلدوں پر مشتمل ۲۵۵ آیات قرآنی اور ۱۵۲۰ احادیث نبویہ کا بیش بہا ذخیرہ، عام فہم تشریح اور دل نشیں استدلال کے ساتھ

تصنیف
مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی
صدر المدرسین وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ناشر: مجلس برکات
زیر اہتمام: دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم
مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ.

(سورۃ الحشر: ۵۹، الآیۃ: ۱)

اور رسول تمہیں جو کچھ عطا فرمائیں وہ لو ● اور جس سے منع فرمائیں باز رہو ● اور اللہ سے ڈرو۔

احادیثِ صحیحین

سے

غیر مقلدین کا انحراف

(جلد اوّل)

دو جلدوں پر مشتمل ۲۵۵ آیات قرآنی اور ۵۲۰ احادیث نبویہ کا

بیش بہا ذخیرہ، عام فہم تشریح اور دل نشیں استدلال کے ساتھ

تصنیف

مفتی محمد نظام الدین رضوی برکاتی

صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ناشر

مجلس برکات

زیرِ انتظام: دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، اعظم گڑھ

سلسلۂ اشاعت: ۸۹

(دو جلدوں پر مشتمل ۲۵۵ آیات اور ۵۲۰ احادیث کا مستند مجموعہ)

احادیثِ صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف

(جلد اوّل)

تصنیف : (مفتی) محمد نظام الدین رضوی برکاتی، صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

تصحیح و نظر ثانی : ● صدر العلماء حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، ناظم تعلیمات و صدر مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ

: ● محمد نظام الدین رضوی، مصنف کتاب ● حضرت مولانا محمد دست گیر عالم مصباحی

: ● حضرت مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی ● حضرت مولانا محمد ہارون مصباحی، (اساتذۂ جامعہ)

کمپوزنگ : مولانا محمد اسلم مصباحی، استاذ شعبۂ کمپیوٹر جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ناشر : مجلس برکات، زیر انتظام دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

طبع اوّل : شعبان ۱۴۴۲ھ / مارچ ۲۰۲۱ء

تعداد : ۱۱۰۰ صفحات : ۵۲۸

ملنے کے پتے
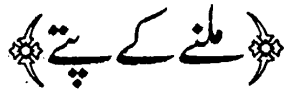
(۱) مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی - پن ۲۷۶۴۰۴

(۲) مجلس برکات، ۱۴۹ر گراؤنڈ فلور، کٹرا گوکل شاہ مارکیٹ، مٹیا محل جامع مسجد، دہلی - پن ۱۱۰۰۰۶

(1) MAJLIS-E-BARKAT

Al-Jamiatul Ashrafia, Mubarakpur, Azamgarh, U.P.
PIN : 276404, Mobile No.: 07237876095

(2) MAJLIS-E-BARKAT

149 Ground Floor Katra Gokul Shah Markat, Matiya Mahal, Jama Masjid, Delhi, PIN : 110006. Mobile No.:09911198459, 09990268735

انتساب

جملہ اساتذۂ کرام اور والدین کریمین

کے نام

جن کی تعلیم و تربیت اور دعاؤں کی برکت سے
مجھے اس خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔

جزاهم الله تعالیٰ خيرا في الدّارين.

محمد نظام الدین رضوی برکاتی

جلد اوّل کے

ابواب اور موضوعات

ایک نظر میں

پہلا باب

عقائد کے بیان میں

ساتواں مسئلہ:

آٹھواں مسئلہ:

نواں مسئلہ:

دسواں مسئلہ:

گیارہواں مسئلہ:

بارہواں مسئلہ:

تیرہواں مسئلہ:

چودہواں مسئلہ:

پندرہواں مسئلہ:

سولہواں مسئلہ:

سترہواں مسئلہ:

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کتاب اور صاحبِ کتاب

از

حضرت صدر العلما، مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی، ناظم مجلس برکات و ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم   حامدًا وّمصلّیًا ومسلّمًا

غیر مقلدین تقلید سے دامن کشی کے لیے کتاب و سنت کا نام بڑے زور شور سے لیتے ہیں، لیکن ان کے عقائد و اعمال کا جائزہ لیجیے تو کتاب و سنت سے انحراف صاف دکھائی دیتا ہے، اسی طرح کسی عمل کی بحث آتی ہے تو وہ حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں اور کتبِ حدیث میں بھی خاص بخاری و مسلم کا نام لیتے ہیں یعنی ان دونوں میں جو ہے وہی دین اور شریعت ہے اور ان سے باہر جو کچھ ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں، اگرچہ وہ قوی سے قوی تر دلیل سے ثابت ہو۔

زیر نظر کتاب میں غیر مقلدین کے بلند بانگ دعووں کی نقاب کشائی بڑی خوش اُسلوبی سے کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ قدم قدم پر صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) سے ان کا انحراف اور کتاب و سنت سے دوری ان کے خمیر میں داخل ہے۔

اس کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے دلائل و شواہد کی مضبوط زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے، چشم بینا ہو تو دیکھے، گوشِ شنوا ہو تو سُنے۔ کھلے دل سے مطالعہ کریں، اس میں ہدایت و بصیرت کا سامان وافر مقدار میں مُہیّا پائیں گے۔ واللہ الهادي والنصير.

صاحب کتاب: جی چاہتا ہے کہ مصنف کا بھی کچھ ذکر خیر کر دیا جائے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں درجۂ فضیلت کا نصاب مکمل کرنے کے بعد یہیں انھوں نے تحقیق فی الفقہ کا نصاب مکمل کیا اور انہی کی جماعت سے جامعہ میں "تحقیق فی الفقہ" کا آغاز ہوا اور اب بھی جاری ہے۔

درجۂ تحقیق میں اسباق کی تکمیل اور مشقِ افتا کے ساتھ کم از کم سو صفحات پر مشتمل ایک مقالہ بھی لکھنا ہوتا ہے، موصوف کے مقالے کا عنوان تھا: "فقہ حنفی کا تقابلی مطالعہ، کتاب و سنت کی روشنی میں"۔ ان کا یہ مقالہ تقریباً ۱۵۰ر صفحات پر مشتمل ہے جس میں مذاہب اربعہ کے ۱۷ر اصولی اور فروعی اختلافی مسائل کا تقابلی مطالعہ و محاکمہ ہے۔

انھوں نے تدریس، افتا، قضا، مذاکرہ، تصنیف، تقریر، وغیرہ مختلف میدانوں میں نمایاں کام کیا ہے، میں یہاں اجمالاً ان کا کچھ ذکر کروں گا۔

① ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں جامعہ سے فراغت کے بعد یہیں سے ان کی تدریسی زندگی کا آغاز ہوتا ہے جو ۳۱؍ مارچ ۲۰۲۱ء (شعبان ۱۴۴۲ھ) تک تقریباً اکتالیس، بیالیس سال(۱) پر پھیلا ہوا ہے۔ اور ان شاء اللہ الرحمٰن تا حیات جاری رہے گا۔

جہاں تک مجھے یاد آتا ہے عموماً درجۂ سادسہ تا فضیلت یا درجۂ تحقیق کی کتابیں ان کے زیر تدریس رہیں۔ جو کتاب بھی ان کے ذمہ آئی بحسن و خوبی اسے پڑھنے، پڑھانے، سمجھنے، سمجھانے اور طلبہ کو ذہن نشین کرانے کی کوشش کی، ان کتابوں میں ہدایہ اخیرین، ترمذی شریف، مسلم شریف، بخاری شریف، الاشباہ والنظائر اور فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مسلم شریف پر انھوں نے مذہب حنفی کی تائید کے لیے عربی میں مختصر حاشیہ بھی لکھا ہے۔

ہدایہ اخیرین کی تدریس میں انھوں نے خاص محنت و شغف سے کام لیا، اسی سے استخراج و استنباط کا اسلوب سیکھا، فقہی ضوابط اخذ کیے اور حوادث پر ان کی تطبیق کا طرز اپنایا، جس سے ان کے فتاوی، مقالات اور بحثوں میں بڑا نکھار آیا۔ فقہ و فتوی، اصول فقہ، اصول افتا اور دیگر علوم کی کتابوں کا مطالعہ اور ان سے استفادہ مزید برآں ہے۔

تدریس میں اوقات درس کی پابندی اور مناسب مدت میں نصاب کی تکمیل کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کا انھوں نے ہمیشہ لحاظ رکھا۔

② جامعہ اشرفیہ میں آغاز تدریس کے ساتھ دار الافتا سے بھی برابر ان کی وابستگی رہی۔ پہلے شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ ان سے فتاویٰ املا کراتے، پھر یہ خود بھی فتوے لکھتے اور حضرت شارح بخاری کی نظر ثانی اور تصدیق کے بعد انھیں جاری کرتے۔ اس باب میں ان کا قابل ذکر وصف یہ ہے کہ انھوں نے تن آسانی اور سہل پسندی سے گریز کرتے ہوئے مشکل مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جس کے لیے انھیں زیادہ محنت و مشقت اور بڑی مشق و ممارست سے گزرنا پڑا، اس روش کا نتیجہ یہ ہوا کہ شارح بخاری علیہ الرحمہ کی زندگی ہی میں وہ ایک ماہر مفتی اور عمدہ محقق کی حیثیت سے متعارف ہو گئے۔

---

(۱) انگریزی سنہ کے لحاظ سے تقریباً ۴۱؍ سال اور عربی سنہ کے لحاظ سے تقریباً ۴۲؍ سال۔

③ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء میں شارح بخاری علیہ الرحمہ کے وصال کے تھوڑے دنوں بعد شعبۂ افتا کی صدارت بھی ان کے ذمہ آگئی۔ اس کے بعد دیگر مفتیانِ ادارہ کی رہ نمائی، ان کے فتاوی پر نظر ثانی اور ذمہ دارانہ تصدیق بھی ان کا معمول بن گئی۔

④ بعض مسائل وہ ہوتے ہیں جن کا حل محض دار الافتا کی بجاے دار القضا سے وابستہ ہوتا ہے۔ اس کا احساس کرتے ہوئے دار الافتا کے ساتھ یہاں دار القضا کا قیام بھی عمل میں آیا۔ قضا کے مسائل، قاضی کا دائرۂ کار، قضا کے اصول وضوابط ان امور پر مفتی محمد نظام الدین صاحب نے باقاعدہ مضامین لکھے اور ضرورت مند شائقین کو قضا کی تعلیم وتربیت سے بھی سرفراز کیا۔ نئے چاند کے مواقع پر وہ برابر مستعد رہتے ہیں اور پابندی سے رویت یا عدم رویت کا عموماً اعلان بھی کرتے ہیں۔

⑤ جولائی ۲۰۱۴ء سے مارچ ۲۰۲۱ء تک انھوں نے جامعہ اشرفیہ میں بحیثیت "صدر المدرسین" کام کیا۔ اب ریٹائرڈ ہونے والے ہیں۔ یہ عہدہ بڑے اداروں ہی نہیں، چھوٹے مدرسوں میں بھی کلفت وآلام سے بھرا ہوتا ہے۔ طلبہ کا لحاظ، مدرسین کی دل جوئی، انتظامیہ کی خوشنودی، عوام کا اعتماد سب کا حصول بہت مشکل ہوتا ہے، نظام تعلیم کی بہتری اور طلبہ ومدرسین کی کارکردگی پر ہمیشہ نظر رکھنا پڑتا ہے اور کسی ابتری پر صدر المدرسین جواب دِہ ہوتا ہے، اس لیے اس عہدے کے ساتھ سلامت گزر جانا کوئی آسان کام نہیں۔ مگر کچھ لوگ! سمجھتے ہیں کہ آساں ہے "پرنسپل ہونا"۔ جو لوگ امانت ودیانت سے عاری اور جلبِ منفعت کے عادی ہوتے ہیں، ان کے نزدیک یہ منصب یا کوئی منصب کسی "حلواے تر" سے کم نہیں۔

مگر جو لوگ امانت ودیانت، عدل وانصاف اور صدق وراستی کے پابند اور مشکلات سے خبر دار ہوتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ: اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔

مفتی صاحب نے اپنے دور صدارت میں میری بہ نسبت زیادہ مشکلات اور ناخوشگوار حالات کا سامنا کیا مگر ثابت قدمی، صبر وتحمل اور حکمت وتدبر سے اپنا دور پورا کیا، گویا

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

⑥ تصنیف سے بھی انھیں دل چسپی ہے، ان کے طویل فتوے اور سیمناروں کے تحقیقی مقالات خود عمدہ تصنیف کا درجہ رکھتے ہیں، ۲۵ر سے زیادہ کتابیں ان کے قلم سے منظر عام پر آچکی ہیں۔

⑦ مذاکرات اور سیمیناروں سے انھیں فطری لگاؤ ہے، ملک کے مختلف سیمیناروں میں شرکت کر چکے ہیں اور مجلس شرعی کے سیمینار تو گویا انھی کے دم قدم سے جاری وساری ہیں۔

⑧ ان کا انوکھا اور مقبول ومشہور سلسلہ وہ ہے جو جلسوں میں اور اجتماعات میں فقہی سوالات وجوابات کی صورت میں رونما ہوتا ہے، اس کے لیے کمال استحضار اور ماہرانہ تفہیم ضروری ہے، تاکہ عوام وخواص بخوبی مستفید ہو سکیں۔ جہاں تک مجھے علم ہے وہ اس وصف میں بہت نمایاں، ممتاز، مقبول اور ہر دل عزیز ہیں۔ ان کے بعض جوابات قلم بند ہو کر شائع بھی ہو چکے ہیں۔

⑨ ضرورت مندوں کی خدمت کے لیے وہ کچھ اوقات کے استثنا کے ساتھ ہمیشہ کمر بستہ رہتے ہیں اور موبائل پر آنے والے سوالات کا بھی شافی جواب دیتے ہیں اور کبھی کبھی آئندہ کے لیے مؤخر کرتے ہیں، بعض مفتیان کرام کا کہنا ہے کہ موبائل پر جواب نہیں دینا چاہیے، ہو سکتا ہے کہ مسئلہ پوری طرح مستحضر نہ ہو اور جواب میں غلطی ہو جائے، اس کے باوجود ہمارے مفتی صاحب کی ہمت اور مسلسل خدمت قابل آفریں ہے۔

⑩ انھوں نے فتاوی اشرفیہ کی تدوین کا بھی بیڑا اٹھایا ہے، اس میں کئی معاونین کی اعانت بھی شامل ہوتی ہے مگر آخری نظر ثانی اور تصحیح انھی کی ہوتی ہے۔ اس کے لیے ''مجلس فقہی'' کے نام سے ایک بورڈ کی بھی تشکیل ہوئی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا وجود انھی کی ہمت ومحنت کا صدقہ ہے۔

⑪ مفتی صاحب کی اور بھی خوبیاں ہیں، مثلاً: تقریر، خوش اخلاقی، رابطۂ عامہ، ضیافت، فیاضی، حاضر جوابی، وغیرہ، ان کا ذکر آپ دوسرے رفقا کے قلم سے کبھی دیکھیں گے۔ جس قدر میں نے ماسبق میں اجمالاً بیان کیا ہے انھی کو کوئی صاحب قلم تفصیل سے لکھ دے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

میں علالت، کمزوری اور کبر سنی کے دور سے گزر رہا ہوں اس لیے ایک شش جہت عالم ربانی، مفتیِ متبحر اور سراج الفقہا کے تعارف میں چند سطریں لکھنے کی ہمت کی۔ آئندہ اتنی سطور کی بھی ہمت وقوت ملے، نہ ملے، کوئی ضمانت نہیں۔ والله المستعان على نوائب الزمان وبيده الخير وأصلّي وأسلّم علىٰ حبيبه وآله وصحبه أجمعين.

محمد احمد مصباحی
ناظم تعلیمات، الجامعۃ الاشرفیہ
مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ

المجمع الإسلامي
۳ر شعبان ۱۴۴۲ھ / ۱۶ر مارچ ۲۰۲۱ء
شب سہ شنبہ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذی له ما فی السماوات و ما فی الأرض وهو الحکیم الخبیر • يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيهَا وَ هُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُوْرُ • أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شریک له فی ملکه ولا رادّ له فی قضائه ولا معقّب له فی حکمه • يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ • وهو علی کل شیء قدیر • وأشهد أن سیّدنا ونبینا ومولانا محمّداً عبده ورسوله وصفیّه من خلقه وحبیبه • بعثه الله رحمةً للعالمین • أرسله الله کافةً للناس بشیرًا ونذیرًا وداعیًا إلیه بإذنه وسراجًا منیرًا • يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ • يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ • يُخْرِجُ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ • فَمَنْ أَطَاعَهٗ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا • وَمَنْ عَصَاهُ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَّعِيْدًا • اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وأَصْحَابِهٖ وَأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَاتِهٖ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ" وأخلصوا دینهم لله، وعلی الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ.

مقدمہ

شعائیں

(۱)

ارشاداتِ نبوی کی بے بہا سوغات اور سعادتِ سرمدی

رسول اللہ ﷺ کا ایک امتی آپ کے ہی ارشادات وہدایات کی بے بہا سوغات لے کر اپنے بھائیوں کی خدمت میں حاضر ہے، اس توقع کے ساتھ کہ آپ اسے دل سے قبول فرمائیں گے جو دارین کی سعادت اور نجاح وفلاح کا ذریعہ ہے۔

① عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: ذَكَرَ(أبو بكرة) النَّبِيَّ -صلى الله عليه وسلم-...قَالَ:...لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَإِنَّ الشَّاهِدَ عَسَى أَنْ يُبَلِّغَ مَنْ هُوَ أَوْعَى لَهُ مِنْهُ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکرہ سے روایت ہے کہ ان کے والد ماجد حضرت ابوبکرہ نے نبی کریم ﷺ کا ذکرِ جمیل کرتے ہوئے بیان کیا کہ آپ نے فرمایا: حاضر کو لازم ہے کہ غائب کو میرا ارشاد پہنچائے کیوں کہ ہو سکتا ہے کہ غائب میرے ارشاد کو حاضر سے زیادہ یاد رکھنے والا اور سمجھنے والا ہو۔

---

(۱) صحیح البخاری،ج:۱، ص:۱٦، کتاب العلم/ بابُ قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم: رُبَّ مبلِّغٍ أوعیٰ من سامع، مجلس البرکات.

اسی حدیث کی دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

قَالَ: فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ.(۱)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حاضر کو لازم ہے کہ غائب تک میرا پیغام پہنچادے کیوں کہ جن لوگوں تک یہ پیغام پہنچے گا ان میں کچھ سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھنے والے اور سمجھ دار ہوں گے۔

یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مختلف ابواب میں متعدد صحابۂ کرام سے اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الدیات میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے(۲) روایت کی ہے۔

② خَرَجَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ . . . فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ.

وَفِي الْبَابِ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ، وَجُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، وَأَبِي الدَّرْدَاءِ، وَأَنَسٍ. حَدِيثُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ.(۳)

ترجمہ: صحابیِ رسول حضرت زید بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تازہ اور مسرور رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی تو اسے یاد رکھا یہاں تک کہ دوسرے شخص کو وہ حدیث پہنچادی کہ بہت سے حافظِ حدیث ایسے شخص کو حدیث پہنچائیں گے جو ان سے زیادہ فقیہ ہوں گے، اور بہت سے حافظ حدیث غیر فقیہ ہوتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں: ''نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا شَيْئاً''(٤) وارد ہے، یعنی ''اللہ اسے شاداب رکھے جس نے ہم سے کچھ سنا۔''

امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.(٥) یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔

---

(١) صحيح البخاري، ج:١، ص:٢٣٥، كتاب الحج/ بابُ الخطبة أيام مِنىٰ، مجلس البركات.

(٢) الصّحيح لمسلم، ج:٢، ص:٦١، كتاب القسامة والدّيات/ بابُ تغليظِ تحريم الدّماء، مجلس البركات.

(٣) جامع الترمذي، ج:٢، ص:٩٠، أبواب العلم/ بابُ ما جاء في الحثّ على تبليغ السماع، مجلس البركات.

(٤) جامع الترمذي، ج:٢، ص:٩٠، أبواب العلم/ بابُ ما جاء في الحثّ على تبليغ السماع، مجلس البركات.

(٥) جامع الترمذي، ج:٢، ص:٩٠، أبواب العلم/ بابُ ما جاء في الحثّ على تبليغ السماع، مجلس البركات.

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ حدیث سننے اور یاد رکھنے والے تین طرح کے ہیں:

- افقہ
- فقیہ
- غیر فقیہ

یہ واقعہ کے مطابق ہے اور اس میں یہ ہدایت ہے کہ افقہ حدیثِ نبوی کا جو مفہوم بتائے اس پر عمل، حدیث نبوی پر عمل ہے۔

راقم الحروف کی دلی تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ اسے ان احادیث پر عمل اور دوسروں تک احادیث رسول پہنچانے کی سعادت نصیب فرمائے، الحمدللہ اس کتاب کے ذریعہ وہ سعادت نصیب ہو رہی ہے۔

(۲)

سببِ تصنیف

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں فروغِ حدیث کے لیے "اختصاص فی الحدیث" کا شعبہ قائم ہوا تو نصاب بورڈ نے اس کے نصاب میں ایک موضوع "صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف" بھی تجویز کیا۔

وجہ یہ ہوئی کہ نصاب بورڈ کے جائزے میں یہ بات سامنے آئی کہ بزعم خویش سلفی حضرات کوئی بھی عقیدہ عوام یا علما کے سامنے رکھتے اور کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں حدیث پیش کرو اور حدیث صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی ہونی چاہیے، کبھی کبھی وہ یہ بھی جتاتے ہیں کہ صحیحین پر عمل انھیں کا ہے، اس کی وجہ سے عوام تذبذب میں پڑ جاتے ہیں پھر اپنے علما سے سوال کرتے ہیں کہ کیا ہمارے عقائد حدیثوں سے ثابت نہیں؟ کیا صحیح بخاری و صحیح مسلم پر ہمارا عمل نہیں؟ تو حفظِ دینِ عوام کے لیے اس موضوع کا انتخاب ضروری ہوا۔ پھر "قرعۂ فال بنامِ منِ دیوانہ زدند" اس پر درس و خطاب کی ذمہ داری مجھے تفویض ہوئی۔

میں نے ایک سال تک اس موضوع کے متعدد عناوین پر طلبۂ اختصاصِ حدیث کو دروس دیے اور ساتھ ہی انھیں وہ دروس املا بھی کرا دیے، دوسرے سال بھی کچھ دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا اور بعد میں معمول یہ ہو گیا کہ طلبہ دفترِ تعلیم سے وہ مجموعہ حاصل کر کے مطالعہ کرتے اور امتحانات دیتے، اس دوران میرا کام بس یہ تھا کہ کچھ احادیث اور تشریحات کا اضافہ مناسب مقامات پر کر کے طلبہ کو ہدایات دے دیتا، یا کچھ ضروری رہنمائی کر دیتا۔

کئی سال کے بعد ایک روز مجھے خیال آیا کہ یہ دروس، عامۂ امت کے لیے بھی مفید ہیں، انھیں باضابطہ کتابی شکل میں مرتب کر دیا جائے تو نفع بہت عام ہو جائے گا؛ کیوں کہ اس سے:

- **ایک** تو عوامِ اہل سنت کے دین و عقیدے کی حفاظت ہو گی۔
- **دوسرے** بزعم خویش سلفیوں کی غلط فہمی دور ہو گی جس کے باعث اِن شاء اللہ تعالیٰ ایک فتنے کا سدّ باب ہو گا۔
- اور خدا کی توفیق شاملِ حال ہو جائے تو وہ اپنی اصلاح کر کے سوادِ اعظم کے عقائد اختیار کر لیں گے۔
- اور ان سب کے ساتھ **ایک عظیم سعادت** اس بے مایہ کے حصے میں یہ آئے گی کہ "احادیث سید المرسلین" کا مفید ترین مجموعہ مرتب ہو جائے گا جس سے احادیث و سُنن کی نشر و اشاعت ہو گی، اور یہی میرا اصل مقصود ہے، پھر اسی مقصد خیر کے تحت تدوین و تشریح کا کام شروع کر دیا۔

(۳)

انتخابِ مسائل

ہم نے انتخابِ احادیث کے لیے تین طرح کے مسائل کی فہرست تیار کی:

- عقائد
- فروعی عقائد
- فروعی مسائل

مسائل کی فہرست طویل تھی، لیکن اب ہم بتیس (۳۲) مسائل کی احادیث پر ہی قلم روک رہے ہیں، اللہ عزّ و جلّ قبول فرمائے تو یہ خدمتِ حدیث بھی کافی ہے۔

ہم نے اس انتخاب میں کوشش کی ہے کہ مسائل کی بنیاد صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی احادیث پر ہو، ساتھ ہی بقیہ صحاح ستہ اور دوسری کتب احادیث کی صحاح و حسان کو بھی لیا ہے، کہیں کہیں تائید کے لیے ضِعاف کو بھی شامل کیا ہے اور تائید و تشریح کے لیے ضعاف کا سہارا لیا جا سکتا ہے تاہم مدعیان حدیث کو اس سے کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے وہ تو صرف صحاح و حسان پر ہی اپنی نظر مرکوز رکھیں۔

ہم نے کہیں کہیں کچھ باتیں اور حدیثیں خاص اپنے سنی بھائیوں کے اطمینانِ قلب کے لیے بھی لکھی ہیں، ان سے اتفاق نہ ہو تو ان کی طرف توجہ بھی نہ کی جائے۔

کتاب کا نام ”احادیثِ صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف“ ہے، یہ نام احباب نے ”عقائد اہل سنت سے انحراف“ کے پیش نظر پسند کیا جو در اصل جز کے نام پر کل کا نام ہے اور اس طرح کا نام عام ہے، صحیح البخاری وغیرہ میں بھی اس کے شواہد دیکھے جاسکتے ہیں۔[1]

(۴)

صحیح اور حَسَن حدیثوں اور حدیث کی مستند کتابوں کا ضروری تعارف

(الف) صحاحِ ستہ:

حدیث کی چھ کتابوں کو کہا جاتا ہے:

- صحیح البخاری
- صحیح مسلم
- جامع الترمذی
- سنن ابی داوٗد
- سنن النسائی
- سنن ابن ماجہ

اور بعض کے نزدیک چھٹا مقام ”موطا امام مالک“ کو حاصل ہے، یہ صاحبِ جامع الاصول نے اختیار کیا ہے۔

اخیر کی چاروں کتابوں میں صحیح حدیثیں بھی ہیں اور حَسَن بھی اور ضعیف بھی۔ مگر صحیح حدیثیں زیادہ ہیں اس لیے ان کا شمار صحاح سے ہوا۔

---

(۱) مثلاً یہ احادیث:

● عن أبي مسعود الأنصاري، قال: قال النبيُّ -صلى الله تعالى عليه وسلم-: الأيتانِ مِن أخرِ **سورةِ البقرة** مَن قرأ بِهِما في ليلة كَفَتاهُ.

● عمر بن الخطّاب يقول: سمعتُ هشامَ بنَ حكيم ابنِ حزام يقرأ **سورة الفرقان** فى حياة رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- فاستمعتُ بقراءته . . .فقلتُ: يا رسولَ الله. إنّي سمعتُ هذا يقرأ "سورة الفُرقان" على حروفٍ لم تُقرئنيها وأنك أقرأتني "سورة الفرقان" إلخ.

(صحيح البخاري، ج:۲،ص:۷۵۳، ۷۵٤، كتابُ أبواب فضائل القرآن / بابُ مَن لم يَرَ باساً يقول سورة البقرة وسورة كذا. مجلس البركات.) ۱۲ منه

پہلی دو کتابوں کو صَحیحَین، بعد کی چار کتابوں کو سُنَنِ اَربَعہ اور سب کا مجموعہ "صِحاحِ سِتّہ" کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ افادہ فرمایا۔[1]

صحیح بخاری کا اصل نام "الجامع المسندُ الصحیح المختصر من أمور رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وسُنَنِهٖ وأيامهٖ" ہے، جسے مختصرین میں "الجامع" بھی کہا جاتا ہے اور اس کا عرفی نام "صحیح البخاری" اور "بخاری شریف" ہے۔

بخاری شریف کی جملہ حدیثوں کی تعداد مکررات کو چھوڑ کر: چار ہزار

مسلم شریف کی جملہ حدیثوں کی تعداد مکررات کو چھوڑ کر: قریب چار ہزار

یہ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شمار کے مطابق ہے، اس کی صراحت انھوں نے تقریب میں کی ہے۔[2]

(ب) احادیث صحیحہ کے مختلف درجات:

احادیث صحیحہ کے مختلف درجات ہیں جن میں بعض بعض سے اعلیٰ ہیں جیسا کہ نیچے دی ہوئی ترتیب سے عیاں ہے۔

۱- بخاری و مسلم کی مُتّفَق علیہ حدیث، جسے دونوں نے تخریج کیا۔

۲- جسے تنہا امام بخاری نے روایت کیا۔

۳- جسے تنہا امام مسلم نے روایت کیا۔

۴- جو حدیث بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہو۔

۵- جو تنہا امام بخاری کی شرط پر صحیح ہو

۶- جو تنہا امام مسلم کی شرط پر صحیح ہو۔

۷- جو دوسرے محدثین کے نزدیک صحیح ہو۔[3]

---

(۱) مقدمة لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح، ج:١، ص:٤٢، طلبة الجامعة الأشرفية، مبارك فور.
ایسا ہی "مقدمة أشعة اللمعات" میں بھی ہے۔

(۲) التقريب، المطبوع مع "التدريب"، ج:١، ص:٤٩، ٤٨، النوع الأول: الصحيح، دارُ الكتب العلمية بيروت.

(۳) التقريب، المطبوع مع "التدريب"، ج:١، ص:٦٠، النوع الأول: الصحيح، دارُ الكتب العلمية، بيروت.

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے درج بالا سات مدارجِ صحیح کے بعد مزید پانچ مدارجِ صحیح کا ذکر اور کیا ہے جس میں حاکم کی اپنی نجی تصحیح کو بارہویں نمبر پر رکھا ہے جب کہ وہ حدیث، شیخین میں سے کسی کی شرط پر نہ ہو۔[1] کیوں کہ وہ حدیث شیخین یا ان میں سے کسی کی شرط پر ہو تو وہ **چوتھے، پانچویں، چھٹے** درجے کی صحیح حدیث ہوگی۔

برکۃ المصطفیٰ فی الہند، حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی نے بھی احادیثِ صحاح کے یہ ساتوں مدارج بیان کیے ہیں، ساتھ ہی ساتویں درجے کی کچھ تشریح اور **شروطِ بخاری و مسلم** کی وضاحت بھی کی ہے، شیخ کے کلمات یہ ہیں:

''ثُمّ ما رواہ غیرُھم مِن الأئمة الذینَ التزموا الصّحّة وصحّحوہُ فالأقسام سبعة.

والمرادُ بِشَرطِ **البخاري ومسلم** أن یکون الرّجالُ متصفین بالصفات التي یتّصف بھا رجالُ البخاري ومسلم مِن الضّبطِ والعدالةِ وعدم الشّذوذ والنّکارة والغفلة.

وقیل: المرادُ بشرط البخاري ومسلم رجالُھا أنفسُھم، والکلامُ في ھذا طویل ذکرناہُ في مقدمة ''شرحِ سفر السعادة.''[2]

ترجمہ: ان چھ مدارج حدیث کے بعد ساتواں درجہ ایسے محدثین کی تخریجات و مرویات کا ہے جنھوں نے حدیثِ صحیح کی روایت کا التزام کیا اور تصحیح فرمائی۔ــــ تو احادیث صحیحہ سات اقسام کی ہوئیں۔

(ج) شروط بخاری و مسلم:

شرط بخاری و مسلم سے مراد یہ ہے کہ راویان حدیث میں بخاری و مسلم کے راویوں کی صفات موجود ہوں، یعنی تمام راوی ضابط ہوں، عادل و تقویٰ شعار ہوں، شاذ اور منکر اور غافل نہ ہوں (کہ یہ تینوں راوی ضعیف ہیں۔)

اور ایک قول یہ ہے کہ شرط بخاری و مسلم سے مراد خود بخاری اور مسلم کے راویان حدیث ہیں۔ گفتگو اس بارے میں طویل ہے جسے ہم نے اپنی کتاب ''شرح سفرالسعادۃ'' میں ذکر کیا ہے۔

---

(۱) تدریب الراوی، ج:۱، ص:۶۱، النوع الأول: الصحیح، دار الکتب العلمیة، بیروت.

(۲) مقدمة لمعات التنقیح شرح مشکاة المصابیح، ج:۱، ص:۴۱، طلبة الجامعة الاشرفیه، مبارك فو.

(د) متفق علیہ کا مطلب:

حضرت شیخ فرماتے ہیں:

والحديثُ الذي اتفق البخاري ومسلم على تخريجه يُسمّىٰ متفَقاً عليه، وقال الشيخ: بِشرط أن يكون عن صحابي واحد.[1]

ترجمہ: جس حدیث کی تخریج امام بخاری و مسلم دونوں نے کی اسے متفَق علیہ کہا جاتا ہے، شیخ کہتے ہیں کہ یہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ دونوں کی روایت ایک ہی صحابی سے ہو۔

اور **تخریج** سے مراد حدیث کو اسناد کے ساتھ روایت کرنا ہے۔

(ہ) اَلمستدرَک کی احادیث کے مدارج:

شاہ عبد العزیز صاحب محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب: "بستان المحدّثین" میں المستدرک وغیرہ تصانیفِ حاکم کو طبقہ رابعہ سے شمار کیا ہے، اس کے بارے میں امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

شاہ (عبد العزیز محدث دہلوی) صاحب نے تصانیف حاکم کو بھی طبقۂ رابعہ میں گنا حالاں کہ بلاشُبہ مستدرک حاکم کی اکثر احادیث اعلیٰ درجہ کی صِحاح و حسان ہیں بلکہ اُس میں صدہا حدیثیں بر شرط بخاری و مسلم صحیح ہیں، قطع نظر اس کے کہ تصانیفِ شاہ صاحب میں کتبِ حاکم سے کتنے استناد ہیں اور بڑے شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) کی ازالۃ الخفاء و قُرّۃ العین میں تو مستدرک سے احادیث نہ صرف فضائل، بلکہ خود احکام میں مذکور۔

لطیف تر یہ ہے کہ خود ہی "بستانُ المحدّثین" میں امام الشان ابو عبد اللہ ذہبی سے نقل فرماتے ہیں:

"انصاف آنست کہ در مستدرک قدرے بسیار شرط ایں ہر دو بزرگ (امام بخاری و امام مسلم) یافتہ می شود، یا بشرط یکے ازینہا، بلکہ ظن غالب آنست کہ بقدر نصفِ کتاب ازیں قبیل باشد، وبقدر رُبع کتاب از آں جنس است کہ بظاہر[2] اسناد او صحیح ست لیکن بشرط ایں ہر دو نیست وبقدر ربع باقی

---

(۱) مقدمة لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح، ج:۱، ص:٤١، طلبة الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(۲) لفظ "بظاہر" درآنچہ امام خاتم الحفاظ در تدریب ازذہبی آورد نیست، لفظش ہمین است کہ: فيه جملة وافرة على شرطهما وجملة كثيرة على شرط أحدهما، لعل مجموع ذلك نحو نصف الكتاب وفيه نحو الربع مما صح سنده، وفيه بعض الشيء، أوله علة. (إمام أحمد رضا رضى الله تعالى عليه.)

واہیات و مناکیر، بلکہ بعضے موضوعات نیز ہست[1] چنانچہ من در اختصار آں کتاب کہ مشہور "تلخیص ذہبی" است خبردار کردہ ام"، انتہی۔

شاہ صاحب اس کلام امام ذہبی کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

"ولہذا علماے حدیث قرار دادہ اند کہ بر مستدرک حاکم اعتماد نباید کرد مگر از دیدنِ تلخیص ذہبی۔"

اور اس سے پہلے لکھا:

"ذہبی گفتہ است کہ حلال نیست کسے را کہ بر تصحیح حاکم غرہ شود تا وقتے کہ تعقبات و تلخیصات مرانہ بیند و نیز گفتہ است احادیث بسیار در مستدرک کہ بر شرط صحت نیست، بلکہ بعضے از احادیث موضوعہ نیز ست کہ تمام مستدرک بآنہا معیوب گشتہ۔"

ان عبارات سے ظاہر ہوا کہ وجہ، بے اعتمادی یہی اختلاطِ صحیح و ضعیف ہے اگرچہ اکثر صحیح ہی ہوں جیسے مستدرک میں تین ربع کتاب کی قدر احادیث صحیحہ ہیں، نہ کہ سب کا ضعیف ہونا، چہ جائے ضعف شدید، یا بطلان محض کہ کوئی جاہل بھی اس کا اِدّعا (دعویٰ) نہ کرے گا اور اس بے اعتمادی کے یہی معنی کہ اگر خود لیاقت نقد رکھتا ہو آپ پرکھے، ورنہ کلام ناقدین کی طرف رجوع کرے، بے اس کے حجت نہ سمجھ لے۔[2]

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

والحاكم أبو عبد الله النيسافوري صنَّفَ كتاباً سمّاهُ "المستدرَك" بمعنى أن ما تركه البخاري ومسلم منَ الصِّحاح أورده في هذا الكتاب وتلافى واستدْرَكَ بعضَها على شرط الشيخين، وبعضَها على شرط أحَدِهما وبعضها على غير شرطهما.

وقال: إن البخاري ومسلماً لم يحكما بأنه ليس أحاديث صحيحة غير ما خَرّجاهُ في هذَينِ الكتابين ... ونقل عن البخاري أنه قال:"حفظتُ مِنَ الصِّحاح مائة ألف حديث ومن غير الصِّحاح مائتي ألف." والظاهرُ-والله تعالى أعلم-أنه

---

(۱) مُستدرک میں تین چوتھائی کی مقدار صحیح احادیث ہیں جن میں دو چوتھائی کی مقدار حدیثیں بخاری و مسلم یا ان میں سے ایک کی شرط پر صحیح ہیں اور باقی ایک چوتھائی حدیثیں مُنکر، بلکہ بعض موضوعات بھی ہیں۔(بستان المحدثین)۱۲منہ

(۲) الفتاوی الرضو یہ، ج: ۲، ص: ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، (ملتقطاً) كتاب الصلاة/ باب الأذان والإقامة، رسالہ: منیر العین، رضا اکادیمی، مومبائی.

يرادُ الصحيحَ على شرطه.[1]

ترجمہ: امام حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے ایک کتاب "المستدرَك" کے نام سے تصنیف کی ہے جس میں انھوں نے امام بخاری اور امام مسلم کی چھوڑی ہوئی صحیح حدیثوں کو جمع کیا ہے اور حدیثوں کی کمی پوری کی ہے۔

- ان میں کچھ احادیث شرطِ شیخین (بخاری و مسلم) پر صحیح ہیں۔
- اور کچھ احادیث شیخین میں سے کسی ایک کی شرط پر صحیح ہیں۔
- اور کچھ حدیثیں شیخین کے علاوہ کی شرط پر صحیح ہیں۔

امام حاکم فرماتے ہیں کہ امام بخاری اور امام مسلم نے یہ فیصلہ نہیں سنایا ہے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ان کی تخریج کردہ احادیث کے سوا دوسری احادیث صحیح نہیں ہیں۔۔۔ بلکہ انھوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ خود امام بخاری نے یہ بیان دیا ہے کہ: "مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح"۔
اور اللہ خوب جانتا ہے کہ "صحیح" سے ان کی مراد "ان کی اپنی شرط پر صحیح حدیث ہے" جیسا کہ یہی ظاہر ہے۔

اس کے بعد حضرت شیخ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ:
صحیح بخاری کی حدیثوں کی مجموعی تعداد (مکرر حدیثوں کو چھوڑ کر) چار ہزار ہے۔ اور دوسرے ائمہ نے بھی احادیثِ صحاح کو جمع کیا ہے، جیسے:

- صحيح ابن خزيمه
- صحيح ابن حبان
- صحيح الحاكم موسوم به مستدرك
- المختارة للحافظ ضياء الدين المقدسي
- صحيح أبو عوانة
- صحيح ابن السكن
- المنتقى لابن الجارود.
- وغيرها

یہ تمام کتبِ احادیث، صحاح کے ساتھ خاص ہیں۔[2]
یہ ساتویں درجے کی کتبِ صحاح ہیں، ان میں بھی بعض بعض سے افضل ہیں۔

---

(۱) مقدمة لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح، ج:۱، ص:۴۲، طلبة الجامعة الاشرفيه، مبارك فور.
(۲) مقدمة لمعات التنقيح فى شرح مشكاة المصابيح (ملخصًا)، ج:۱، ص:۴۲، طلبة الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(و) غریب، عزیز، مشہور، متواتر حدیث صحیح کی اقسام ہیں:

ہمارے اس مجموعۂ احادیث میں غریب، مشہور اور متواتر کے الفاظ بھی کہیں کہیں ملیں گے اس لیے مختصراً ان کا تعارف پیش کرتے ہیں، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

غریب: حدیثِ صحیح کا راوی ایک ہو تو غریب کہتے ہیں۔

عزیز: اور اگر دو شخص حدیثِ صحیح کی روایت کریں تو اسے عزیز کہتے ہیں۔

مشہور: اور اگر حدیث صحیح کے راوی دو سے زیادہ ہوں تو اسے مشہور اور مستفیض سے موسوم کرتے ہیں۔

متواتر: اور اگر اس کے راوی اتنے کثیر ہوں کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہو تو اس کا نام متواتر ہے۔

حدیث غریب کا دوسرا نام "فرد" بھی ہے۔

فرد نسبی: اب اگر راوی پورے سلسلۂ اسناد میں بس ایک جگہ تنہا ہے تو اسے فرد نسبی کہتے ہیں۔

فرد مطلق: اور اگر سلسلۂ اسناد میں راوی ہر جگہ ایک ایک ہوں تو اسے فرد مطلق سے موسوم کرتے ہیں۔

اور راوی دو ہونے سے مراد یہ ہے کہ پورے سلسلہ اسناد میں ہر جگہ راوی (کم از کم) دو ہوں اور اگر مثلاً کسی جگہ ایک ہی راوی ہو تو وہ حدیث عزیز نہ ہوگی، غریب ہوگی۔

ان سب سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں، ہوسکتا ہے کہ حدیث صحیح، غریب ہو کہ اس کا ہر راوی ثقہ ہو۔[1]

ہاں! غریب کا لفظ جب شاذ[2] کے معنی میں ہو اور شذوذ سے مراد "ثقات کی مخالفت" ہو تو وہ حدیث ضعیف ہوگی اور اگر اس سے مراد "تنہا راوی" ہو تو یہ شذوذ، حدیث کی صحت کے منافی

---

(۱) مقدمة لمعات التنقيح شرح مشكاة المصابيح، ج:۱، ص:۳۹، طلبة الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(۲) **شذوذ:** کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے: ● تنہا ایک راوی حدیث کی روایت ● ثقہ و مستند راویانِ حدیث کی روایت کے خلاف روایت۔ دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

"شذوذ" سے مراد پہلا معنی ہو تو یہ حدیث کے صحیح ہونے کے منافی نہیں اور اگر اس سے مراد دوسرا والا معنی ہو تو حدیث ضعیف ہوگی۔ یہ حضرت شیخ کی عبارت کا آسان مفہوم ہے۔ ۱۲ محمد فضل الرحمٰن برکاتی

نہ ہوگا۔ ایسے مقام پر بہت سوچ سمجھ کر کچھ فیصلہ کرنا چاہیے۔ یہ بات بھی حضرت شیخ کے افادات سے ہے جو مقدمہ لمعات میں اسی مقام پر مذکور ہے۔

حضرت شیخ نے "حدیث متواتر" کو "صحیح" کی اقسام سے شمار کیا ہے کیوں کہ یہ حدیث سب سے اعلیٰ درجے کی صحیح ہوتی ہے، ہاں اس کی صحت راویوں کی عدالت پر نہیں، بلکہ ان کی کثرت پر موقوف ہوتی ہے۔

یہاں سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ کسی حدیث کو کوئی محدث غریب کہے تو صرف یہ دیکھ کر اسے ضعیف و ناقابل حجت نہیں کہنا چاہیے کہ وہ غریب ہے، بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ وہ غریب ہونے کے ساتھ صحیح، و حسن بھی ہے، جیسا کہ امام ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس طرح کی احادیث پائی جاتی ہیں۔

(ز) حدیث متواتر میں کثرت ملحوظ ہے، عدالت نہیں:

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیثِ صحیح کی سب سے اعلیٰ قسم متفق علیہ حدیث کو بتایا، أعلاها ما اتفق عليه البخاري ومسلم. (تقریب)

اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حدیث کی سب سے اعلیٰ قسم "حدیثِ متواتر" ہے جس سے یہ علم یقینی حاصل ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے، اس بارے میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ وضاحت فرمائی:

أورد على هذا المتواتر، وأجيب بأنهُ لا يعتبر فيه عدالةٌ، والكلامُ فى "الصحيح" بالتعريف السابق.[1]

ترجمہ: یہاں حدیث متواتر سے اعتراض وارد ہوتا ہے اور جواب یہ ہے کہ حدیث متواتر میں عدالت کا اعتبار نہیں، جب کہ صحیح کی تعریف کے مطابق اس میں عدالت کا اعتبار ضروری ہے اور گفتگو یہاں حدیث صحیح میں ہی ہے۔

دراصل حدیثِ متواتر میں راویوں کی کثرت ملحوظ ہوتی ہے، عدالت نہیں اور حدیث صحیح میں

---

(۱) تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ج:۱، ص:۶۰، النوع الأول: الصحیح، دار الكتب العلمية، بيروت.

راویوں کی عدالت ملحوظ ہوتی ہے، کثرت نہیں۔ تو مطلقاً حدیث کی سب سے اعلیٰ واَولیٰ قسم "متواتر" ہے اور حدیث صحیح میں سب سے اعلیٰ قسم "متفق علیہ" ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث کی پہلی قسم متواتر کو شمار کیا، ان کے کلمات یہ ہیں:

فالأوّلُ: المتواترُ المفيد للعلم اليقيني بشروطه، والثاني: المشهور وهو المستفيض. والثالثُ: العزيز، والرابع: الغريب. وكأنها سوى الأول أٰحاد ... وخبرُ الآحاد بنقلِ عدل، تام الضبط ...هو الصحيحُ لِذاته.[1]

ترجمہ: حدیث کی پہلی قسم متواتر ہے جو اپنی شروط کے ساتھ علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور دوسری قسم مشہور، تیسری عزیز اور چوتھی غریب ہے، ان تینوں کو "اخبار آحاد" کہا جاتا ہے، اور اخبار آحاد کو عادل، تام الضبط راوی روایت کرے تو وہ صحیح لِذاتہٖ ہے۔

(۵)

اخبار متواترہ اور حدیث صحیح کے چھ اقسام سے استناد

ہم نے سواد اعظم کے عقائد کے ثبوت میں خبر متواتر سے بھی استناد کیا ہے اور حدیثِ صحیح کی ابتدائی چھ اقسام سے بھی۔ ان میں چوتھی، پانچویں، چھٹی قسم "المستدرك على الصحيحين" کی حدیثوں کی ہے۔ ہاں! کہیں کہیں اجماع امت سے بھی استناد کیا ہے کیوں کہ اس کی حجیت قرآن کے نص قطعی اور اخبار متواترۃ المعنیٰ سے ثابت ہے تو اس سے استناد کتاب اللہ اور اخبار متواترہ سے ہی استناد ہے۔

حضرت شیخ لکھتے ہیں:

الاحتجاجُ في الأحكام بالخبر الصّحيح مجمعٌ عليه، وكذلك بالحَسَنِ لِذَاتِهِ عند عامّة العلماء، وهو مُلحقٌ بالصّحيح في باب الاحتجاج وإن كان دونَهٗ في المرتبة. والحديثُ الضّعيفُ الّذي بلغ بتعدّدِ الطّرق مرتبةَ الحَسَن لغيرهِ أيضًا مجمعٌ. وما اشتهر أنّ الحديث الضّعِيف معتبر في

---

(۱) أوائل نخبة الفكر فی مصطلح أهل الأثر مع شرحها نزهة النظر، ملتقطاً، ص: ۱۰ تا ص: ۲۴، مجلس البركات.

فضائلِ الأعمال ، لا في غيرها، المراد مفرداتُه، لا مجموعُها لأنّهٗ داخلٌ في الحسَن، لا في الضّعيف ، صرّح بهِ الأئمّة.[1]

ترجمہ: احکام میں حدیث صحیح سے استدلال پر اجماع ہے، یوں ہی عامۂ علما کے نزدیک حَسَن لِذاتہ بھی حجت ہے اور یہ بابِ استدلال میں صحیح کے ساتھ مُلحق ہے اگرچہ مرتبہ میں اس سے کم ہے۔ اور حدیث ضعیف جو تعدّدِ طُرق کی وجہ سے حَسَن لِغیرہٖ کے مرتبے میں پہنچ جائے یہ بھی بالاجماع حجت ہے۔

اور یہ جو مشہور ہے کہ ”حدیث ضعیف فضائل اعمال میں معتبر ہے، احکام میں نہیں“ اس سے مراد تنہا تنہا حدیث ضعیف ہے، مجموعۂ کثرت طرُق سے مروی حدیث نہیں؛ کیوں کہ وہ کثرتِ طرق کی وجہ سے قوی ہو کر شاملِ حَسَن ہو جاتی ہے، ضعیف نہیں رہ جاتی۔ ائمہ کرام نے اس کی صراحت کی ہے۔

(٦)

مقامِ احتیاط میں حدیثِ ضعیف بھی احکام میں حجت ہے

ہم نے تیسرے باب میں مقامِ احتیاط میں ضعیف حدیثوں کو بھی حجت میں پیش کیا ہے گو وہ اجتماعی طور پر حَسَن ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ احتیاط اور تقویٰ کے مقام میں حدیثِ ضعیف مقبول و معتبر ہے، ائمہ حنفیہ تقویٰ واحتیاط کے لیے اس پر عمل کرتے ہیں کہ اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے ہے اور دوسرے ائمہ نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے جیسا کہ فتاوی رضویہ کے اس اقتباس سے عیاں ہے:

”علماے کرام نے تصریحیں فرمائیں کہ **دربارۂ احکام بھی ضعیف حدیث مقبول ہوگی جب کہ جانب احتیاط میں ہو**، امام نووی نے اذکار[2] میں، پھر شمس سخاوی نے فتح المغیث پھر شہاب خفاجی نے نسیم الریاض میں فرمایا:

أمّا الأحكامُ كالحلال والحرام والبيع والنكاح والطلاق وغير ذلك فلايعمل فيها إلا بالحديث الصحيح أوالحسن، إلا أن يكون في احتياطٍ في شيء

(١) مقدمة لمعات التنقيح، ص: ٤٠، طلبة الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(٢) الأذكار المنتخبة من كلام سيّد الأبرار للإمام النووي، ص: ١١، مقدمة المؤلف، فصل في الأمر بالإخلاص، دار الحديث، القاهرة.

من ذلك، كما إذا ورد حديث ضعيف بكراهة بعض البيوع أو الأنكحة، فإن المستحبّ أن يتنزه عنه ولكن لا يجب.

یعنی محدثین وفقہا وغیرہم علما فرماتے ہیں کہ حلال، حرام، بیع، نکاح، طلاق، وغیرہا احکام کے بارے میں صرف حدیث صحیح یا حَسَن ہی پر عمل کیا جائے گا مگر یہ کہ وہ ان مواقع میں کسی احتیاطی بات میں (وارد) ہو جیسے کسی بیع یا نکاح کی کراہت میں حدیث ضعیف آئے تو مستحب ہے کہ اس سے بچیں، ہاں واجب نہیں۔

امامِ جلیل، جلال سیوطی "تدریب"[1] میں فرماتے ہیں:

و يعمل بالضَّعيف أيضا في الأحكام إذا كان فيه احتياط.

حدیث ضعیف پر احکام میں بھی عمل کیا جائے گا جب کہ اُس میں احتیاط ہو۔

علامہ حلبی "غُنیہ" میں فرماتے ہیں:

الأصل أن الوصل بين الأذان والإقامة يكره فی كل الصّلوة، لماروى الترمذي:

③ "عن جابر رضي الله تعالى عنه: انَّ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال لبلال: إذا أذّنتَ فترسّل وإذا أقمت فاحدر، واجعل بين أذانك وإقامتك قدرَ ما يفرغ الأكلُ من أكله في غير المغرب، والشاربُ من شربه والمعتصرُ إذا دخل لقضاء حاجته."[2]

وهو وإن كان ضعيفا، لكن يجوز العمل به فی مثل هذا الحكم.

یعنی اصل یہ ہے کہ اذان کہتے ہی فوراً اقامت کہہ دینا مطلقاً سب نمازوں میں مکروہ ہے اس لیے کہ ترمذی نے:

"جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اذان ٹھہر ٹھہر کر کہا کر اور تکبیر جلد جلد، اور دونوں میں اتنا فاصلہ رکھ کہ کھانیوالا کھانے سے (مغرب کے علاوہ میں) اور پینے والا پینے اور ضرورت والا قضاے حاجت سے فارغ ہو جائے۔"

---

(۱) تدريب الراوي، ص: ۲۵۷، النوع الثاني والعشرون، المقلوب، مؤسسة الريان، بيروت.

(۲) جامع الترمذي، ج: ۱، ص: ۲۷، أبواب الصلاة/ باب ما جاء في الترسل في الأذان، مجلس البركات.

یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے مگر ایسے حکم میں اس پر عمل روا ہے۔[۱]

یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مقام احتیاط میں حدیث ضعیف پر عمل مستحب ہے اور اس بارے میں یہ حجت ہے، عامۂ ابواب فقہ میں ایسا ہی ہے، مگر عبادات میں احتیاط پر عمل واجب ہے اس کی صراحت فتاوی رضویہ، جلد سوم اور جلد چہارم میں ہے، عبارات یہ ہیں:

”عبادات میں احتیاط مطلقاً واجب ہے، نہ کہ نماز کہ اہم واعظم عبادات ہے جس کے لیے علما فرماتے ہیں کہ اگر اس کی صحت وفساد میں اشتباہ پڑے ایک وجہ سے فاسد ہوتی ہو اور متعدد وجوہ سے صحیح، تو اس ایک ہی وجہ کا اعتبار کرکے اس کے فساد ہی کا حکم دیں گے۔ فتح القدیر، صلاۃ المسافر میں ہے:

هذه مسائل الزيادات: مسافر، ومقيم، أمّ أحدُهما الآخرَ فلمّا شرعا، شكّا في الإمام استقبالا، لأن الصلاة متى فسدت من وجه وجازت من وجوه حُكم بفسادها. وإمامةُ المقتدي مفسدةٌ واحتمال كون كلّ منهما مقتديا قائم، فتفسد عليهما.[۲]

في مبسوط السرخسي: من أن الأخذ بالاحتياط في بابِ العبادات واجب، اھ[۳]

(۷)

رسول اللہ کی تمام احادیث صحیحہ بخاری ومسلم میں مُدوّن نہیں ہوئی ہیں

حضور سید عالم، سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ بے شمار ہیں اور صحیحین کی تمام احادیث حد شمار میں۔

● امام اہل سنت، امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”آخر امام بخاری وامام مسلم کا علم محیط نہ تھا، کیا جو کچھ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور

(۱) الفتاوی الرضوية، ج: ۲، ص: ۴۶۲، ۴۶۳، کتاب الصلاة/ باب الأذان والإقامة، رساله: منير العين، رضا اكاديمى، مومبائی.

(۲) الفتاوی الرضوية، ج:۳، ص:۲۱۲، کتابُ الصّلاۃ / باب الامامة، رساله: منير العين، رضا اكاديمى، مومبائی.

(۳) الفتاوی الرضوية، ج: ٤، ص: ٤٩٦، كتاب الزكاة، رضا اكاديمى، مومبائی.

صحابہ نے امتِ مرحومہ تک پہنچایا، ان سب کا علم امام بخاری وامام مسلم کو حاصل تھا۔

خود اجلّۂ صحابہ کرام جو گاہ وبے گاہ سفر وحضر میں دائما بارگاہ عرش جاہ حضور رسالت پناہ-علیہ وعلیہم صَلواتُ اللہ-میں حاضر رہتے۔(یعنی سفر وحضر جو وقتًا فوقتًا یا وقت بے وقت ہوتا اس میں ہمیشہ حاضر بارگاہ رہتے۔)

یہاں تک کہ حضرات خلفاے اربعہ وحضرت عبد اللہ بن مسعود، وغیرُہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہ دعوی نہیں کر سکتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کُل اقوال وافعال پر ہمیں اطلاع ہے۔

کتبِ احادیث پر جسے نظر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ بعض باتیں ان حضرات پر بھی خفی رہیں پھر امام بخاری وامام مسلم، وغیرہما کیوں کر علمِ کل کا دعویٰ کر سکتے ہیں"۔ [۱]

پھر جتنی احادیث کے وہ حافظ وضابط تھے ان میں سے بس تھوڑی سی احادیث کی تخریج انھوں نے اپنی کتابوں میں کی ہے، باقی بیشتر کو چھوڑ دیا۔

تقریب میں ہے:

وَلم یستوعبا الصحیح ولا التزماہُ. [۲]

ترجمہ: امام بخاری اور امام مسلم نے تمام صحیح حدیثوں کو جمع نہیں کیا ہے اور نہ ہی انھوں نے اس کا التزام کیا ہے۔

بلکہ صاحبِ "فتح المغیث" کے مطابق جو احادیث ان کی شرط پر صحیح ہیں ان کا بھی احاطہ ان حضرات نے نہیں کیا، چناں چہ رقم طراز ہیں:

بل لو قیل: إنھما لم یستوعبا مشروطَھما لکان موجّھا، وقدصرَّح کلٌ منھما بعدم الاستیعاب. [۳]

(۱) ● رسالہ: صفائح اللُّجین فی کون التصافح بکفّی الیدین، ص: ۲۰، رضا اکادیمی، ممبئی.
● وطبع سوم مطبع اھل سنت، بریلی شریف.

(۲) تقریب النواوی المطبوع مع تدریب الراوی، ج:۱، ص:۴۶، النوع الأول: الصحیح، دار الکتب العلمیۃ، بیروت.

(۳) فتح المغیث بشرح ألفیّۃ الحدیث، ص:۵۳/ أصح کتب الحدیث، مکتبۃ دارُ المنھاج، الریاض.

ترجمہ: بلکہ اگر کہا جائے کہ ان حضرات نے اپنی شرط پر صحیح حدیثوں کا بھی استیعاب نہیں کیا ہے تو بجا ہوگا۔ اور دونوں نے عدم استیعاب کی صراحت بھی کی ہے۔

اور حق یہ ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالی نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے تمام صحیح حدیثوں کو جمع نہیں کیا ہے جیسا کہ درج ذیل شواہد سے بخوبی عیاں ہوگا۔

امام بخاری کا اعتراف:

شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بصیرت افروز "مقدمہ فتح الباری" میں لکھتے ہیں:

وقال أبو علي الغسّاني: رُوِي عنه، أنه قال: "خَرَّجتُ الصحيحَ مِن سِتّ مائةِ ألف حديث."

وروى الإسماعيلي عنهُ، قال: لم أخرج فى هذا الكتاب إلّا صحيحا، وما تركتُ مِنَ الصحيح أكثر.

قال الإسماعيلي: لأنه لو أخرجَ كلّ صحيح عنده لجمعَ فى الباب الواحد حديثَ جماعةٍ من الصَّحابة، ولذكرَ طريقَ كلِ واحد منهم إذا صحّت، فيصيرُ كتاباً كبيراً جدّاً.

وقال أبو أحمد بنُ عدى: سمعتُ الحسنَ بنَ الحسنِ البزار، يقول: سمعتُ إبراهيم بن معقل النسفي يقول: سمعتُ البخاري يقول: "مَا أدخلتُ فى كتابى "الجامع" إلا ما صَحَّ وتركتُ مِن الصحيح حتّى لا يطول."[1]

ترجمہ: ابو علی غسّانی کہتے ہیں کہ امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے چھانٹ کر صحیح بخاری کی احادیث لکھی ہیں۔

اور اسماعیلی نے روایت کیا ہے کہ امام بخاری نے فرمایا کہ میں نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں صرف صحیح حدیثوں کی تخریج کی ہے اور جو صحیح حدیثیں چھوڑ دی ہیں وہ زیادہ ہیں۔

امام اسماعیلی فرماتے ہیں کہ امام بخاری اگر اپنی تمام صحیح حدیثوں کی تخریج کرتے تو ایک باب میں بہت سے صحابہ کی حدیثیں جمع ہو جاتیں اور ان میں سے ہر ایک کی سندِ صحیح بھی بیان کرتے تو ایک باب ہی ایک بہت بڑی کتاب ہو جاتا۔

---

(۱) هدى السّاري مُقدمة فتح البارى، ج:۱، ص: ۱۰/ الفصل الأول، دارُ طيبة، الرياض.

اور ابو احمد بن عدی فرماتے ہیں کہ میں نے حسن بن حسن بزار سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم بن معقل نسفی سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب ''الجامع''میں صرف صحیح احادیث شامل کی ہیں، اور کتاب کو طویل ہونے سے بچانے کے لیے میں نے (بہت سی) صحیح احادیث کو چھوڑ بھی دیا ہے۔

نیز امام ابن حجر لکھتے ہیں:

وقال محمّدُ بنُ حمدوَيه: سمعتُ البخاري يقول: أحفظُ مائة ألف حديث صحيح، وأحفظُ مائتي ألف حديث غير صحيح.[1]

ترجمہ: محمد بن حمدَویہ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری سے یہ فرماتے سنا کہ مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں یاد ہیں اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں۔ (یعنی جو ان کی شرط پر غیر صحیح ہیں۔ن)

مقدمۂ فتح الباری میں ایک مقام پر یہ صراحت بھی ہے:

وعن البخاري، قال: صنّفتُ الجامعَ مِن ستِّ مائةِ ألف حديث في ستّ عشرة سنةً وجعلتُه حجةً فيما بيني و بين الله.[2]

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ''الجامع'' کو سولہ سال کی مدت میں چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کر کے تصنیف کیا ہے اور اسے میں نے اپنے درمیان اور اللہ عزّ وجل کے درمیان حجت قرار دیا ہے۔

ممکن ہے باقی تین لاکھ حدیثیں وہ ہوں جو دوسرے محدثین کے یہاں صحیح ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ پہلے چھ لاکھ حدیثوں سے انتخاب کیا ہو، پھر تین لاکھ حدیثوں سے۔ اور حقیقت حال تو خدا ہی جانتا ہے۔

امام مسلم کا اعتراف:

(۴) صحیح مسلم شریف کے بابُ التشہد میں یہ انکشاف ہے:

قال أبو إسحاق: قال أبو بكر بنُ اخت أبي النضر ... فحديثُ أبي هريرة،

---

(۱) هدي السّاري مقدمة فتح الباري، ج:۲،ص:۱۳۰۶ / ذكر جُملٍ مِن الأخبار الشاهدة لِسعَة حفظه، دار طيبة، الرياض.

(۲) هدي الساري مقدمة فتح الباري، ج:۲،ص:۱۳۰۹، ذكر فضائل الجامع الصحيح، دار طيبة، الرياض.

فقال : هو صحيح، يعني:"وإذا قرأ فأنصتوا؟"

فقال: هو عندى صحيحٌ. فقال: لِـم لم تضعه هاهنا؟

قال: ليس كلُّ شيءِ عندى صحيح وضعته هاهنا، إنما وضعتُ هاهُنا ما أجمعوا عليه. (۱)

ترجمہ: امام مسلم کے تلمیذ خاص اور صحیح مسلم کے راوی ابو اسحاق ابراہیم بن سفیان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ ابو بکر بن اخت ابی النضر نے امام مسلم سے دریافت کیا کہ:

● حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث: "وإذا قرأ فأنصِتُوا" [جب امام قراءت کرے تو تم لوگ چپ رہو] کیا صحیح ہے؟

توامام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ حدیث میرے نزدیک صحیح ہے۔

● حضرت ابو بکر نے پوچھا کہ پھر آپ نے یہ حدیث یہاں اپنی کتاب صحیح مسلم میں لکھی کیوں نہیں؟

توامام مسلم نے فرمایا کہ ہر حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہے میں نے یہاں نہیں لکھی، میں نے تو یہاں صرف ان حدیثوں کو لکھا ہے جن کی روایت پر اجماع ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب کی آخری شق پر کچھ تشریحی گفتگو مقدمہ شرح مسلم میں کی ہے۔ (۲)

واضح ہو کہ اس امر کی صراحت بہت سے محدثین وفقہا نے بھی کی ہے کہ حضرات شیخین نے تمام صحاح کو جمع کرنے کا التزام نہیں کیا ہے۔ اور نہ ہی تمام صحاح ان کی کتابوں میں جمع ہوئی ہیں، اس کا اعتراف خود شیخین نے بھی کیا ہے جس کی صراحت حافظ شمس الدین سخاوی نے فتح المغیث (۳) میں اور حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے مقدمہ لمعات (٤) میں کی ہے۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۷٤، كتاب الصلاة/ بابُ التشهُّد في الصلاة، مجلس البركات.

(۲) دیکھیے: مقدمه شرح صحيح مسلم، ج:۱، ص:۲۱ / أما قول مسلم في صحيحه، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) فتح المغيث بشرح ألفية الحديث ، ج : ۲، ص : ٥۳ / أصح كتب الحديث، مكتبة دارُ المنهاج، الرياض.

(٤) مقدمة لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح، ج:۱، ص:٤۱، مبارك فور.

الغرض جب امام بخاری اور امام مسلم نے زیادہ ترصحیح حدیثوں کو چھوڑ دیا ہے اور لاکھوں صحیح احادیث میں سے صرف چند ہزار حدیثوں کو اپنی صحیحین میں جمع کیا ہے تو کیا باقی تمام صحیح حدیثیں ساقط الاعتبار ہیں، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، صحیح حاکم، المختارۃ، صحیح ابن عوانہ وغیرہا کتب صحاح سب ناقابلِ حجت ہیں۔ خدا ایسے قول سے محفوظ رکھے، پھر وہابیہ اہل حدیث کی کتابیں دیکھیے مطلب کی جو بھی حدیث جہاں سے بھی مل جائے استدلال کر لیتے ہیں جیسے: "لا یُحرّمُ الحرامُ الحلالَ" اور "قُولوا: ما شاء اللهُ وحدَه" وغیرہ کہ اول حدیث نہیں، یا سخت ضعیف ہے[1] اور دوم منقطع وضعیف ہے۔[2]

---

(۱) "اول حدیث نہیں، یا سخت ضعیف ہے"، چناں چہ امام اہل سنت امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

● حدیث: "لا یُحرّمُ الحرامُ الحلالَ" (حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا) سخت ضعیف وساقط وناقابلِ احتجاج ہے۔ بیہقی نے باآنکہ انتصارِ شافعیت میں اہتمامِ شدید رکھتے ہیں، اسے حدیث ام المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرکے تضعیف کر دی کما فی التیسیر شرح الجامع الصغیر.

● أقول: دلیلِ ضعف کو یہی کافی کہ ام المومنین خود قائل حرمت ہیں۔ اگر خاص اس باب میں خود ارشادِ اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنے ہوتیں تو خلاف کے کیا معنی تھے۔

● لاجرم امام احمد نے فرمایا نہ وہ ارشاد اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، نہ اثرِ اُم المومنین، بلکہ عراق کے کسی قاضی کا قول ہے کما فی الفتح۔

روایت حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں "عثمان بن عبد الرحمن وقاصی" ہے جو سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل عمرو بن سعد کا پوتا ہے۔ امام بخاری نے فرمایا: ترکوہ. محدثین نے اسے متروک کر دیا۔ امام ابوداؤد نے فرمایا: لیس بشيء کوئی چیز نہیں۔ امام علی بن مدینی نے سخت ضعیف بتایا۔ نسائی ودارقطنی نے کہا متروک ہے۔ حتیٰ کہ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: یکذب. (جھوٹ بولتا ہے۔)

(فتاوی رضویہ، ج:۵، ص:۱۳۰، ۱۳۱، کتاب النکاح/ باب المحرمات، رسالہ ھبۃ النساء فی تحقق المصاھرۃ بالزنا، سنی دار الاشاعت، مبارک پور)

امام اہل سنت نے اس حدیث پر مختلف حیثیتوں سے بسط کے ساتھ کلام کیا ہے، تفصیل کے لیے اسے دیکھنا چاہیے۔ ۱۲ منہ

(۲) صاحبِ مشکاۃ نے "وفی روایۃ منقطعًا" لکھ کر یہ حدیث روایت کی ہے "لا تقولوا : ما شاء اللهُ وما شاء محمدٌ"۔ (دیکھیے: ص:۴۰۸، کتاب الآداب/ باب الاسامی، مجلس البرکات) اس میں صاف صراحت ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے پھر بھی یہ حضرات اسے کلمہ ما شاء محمد کے شرک ہونے کی دلیل ٹھہراتے ہیں۔ اس پر مزید گفتگو ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آ رہی ہے۔ ۱۲ منہ۔

(۸)

اہل سنت و جماعت اور وہابیہ اہل حدیث کے دو بنیادی اختلافات

اہل سنت و جماعت اور وہابیہ اہل حدیث کے درمیان دو بنیادی باتوں میں فرق ہے جن کے باعث دونوں کے درمیان اختلافات رونما ہوئے اور پھر وہ نہ پٹنے والی خلیج کی طرح دونوں کے درمیان حائل ہو گئے۔

پہلا بنیادی فرق: ہم اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ شرک کبھی معاف یا مباح نہیں ہوتا، لہذا جو بات کسی دور یا کسی حال میں شرک ہو وہ کبھی جائز و مباح نہیں ہو سکتی۔ اور جو بات کسی دور یا حال میں جائز و مباح ہو وہ کبھی شرک نہیں ہو سکتی۔

اس کے بر خلاف وہابیہ کا موقف یہ ہے کہ ایک ہی بات کسی دور یا کسی حال میں جائز و مباح اور دوسرے کسی دور یا حال میں شرک ہوتی ہے مثلاً وہ کہتے ہیں کہ انبیا و اولیا سے ان کی حیات میں توسّل جائز اور بعدِ وصال شرک ہے۔ یوں ہی ان حضرات کی حیات میں انھیں ندا کرنا، مثلاً: یا رسولَ اللہ کہنا جائز اور بعدِ وصال شرک ہے، ان حضرات کے پاس اپنے اس عقیدے پر کتاب و سنت سے کوئی دلیل نہیں جب کہ ہماری دلیل قرآن حکیم کی یہ نص قطعی ہے:

۞ ”اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ“(۱)

ترجمہ: اللہ اسے نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو (گناہ) شرک کے نیچے ہے اسے جس کے لیے چاہے بخش دے گا۔

اس آیتِ کریمہ میں مطلقاً شرک کو ناقابل معافی و مغفرت قرار دیا گیا ہے جو ہر دور اور ہر حال کو عام ہے۔

لہذا اگر خاصانِ خدا سے توسّل اور ندا کا جواز ان کی حیات طیبہ میں احادیثِ شریفہ سے ثابت ہو جائے تو پھر وہی احادیثِ شریفہ بعد وصال بھی ان سے توسّل اور ندا کے جواز کا روشن ثبوت ہوں گی،

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النساء: ٤، الآیۃ: ٤٨.

کیوں کہ توسّل ونداشرک ہوتے تو حیات میں بھی جائز و مباح نہ ہوتے، جیسے غیرُاللہ کی عبادت شرک ہے تو وہ "غیر" زندہ ہو تو بھی اس کی عبادت شرک ہے اور فوت ہو چکا ہو تو بھی شرک ہے، یا وہ سرے سے غیر جاندار ہو تو بھی شرک ہے، نبی یا ولی ہو تو بھی شرک ہے اور اللہ کا باغی و نافرمان ہو تو بھی شرک ہے اور غیراللہ کی یہ عبادت حضرت سیدنا آدم علی نبیّنا وعلیہ الصّلاۃ والسلام کے زمانے میں بھی شرک تھی اور آج بھی شرک ہے اور قیامت تک شرک رہے گی، یہ روز روشن کی طرح ایک کھلی حقیقت ہے جسے ہر صاحب عقل وفہم کو تسلیم کرنا چاہیے۔

دوسرا بنیادی فرق: کتابُ اللہ کی آیات میں فی الواقع کوئی تعارض واختلاف نہیں، خود قرآن مجید اس کا شاہد ہے، چناں چہ ارشاد باری ہے:

⑥ "اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا ﴿۸۲﴾"[۱]

ترجمہ: توکیا قرآن میں غور نہیں کرتے، اوراگر وہ غیر خدا کے پاس سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے۔

مگر یہ تواللہ کے پاس سے ہے، اللہ کی کتاب ہے اس لیے اس میں کچھ بھی اختلاف نہیں، یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں، اس حد تک اہل سنت وجماعت اور ہمارے خصم کے درمیان بظاہر اتفاق ہے مگر جب اس کے تقاضوں پر عمل کی بات آتی ہے تو دونوں میں کھلا فرق واختلاف نظر آتا ہے۔

اس کا سبب یہ ہوا کہ کتابُ اللہ میں کچھ ایسے امور کا ذکر ہے جن کا ثبوت بظاہر کچھ آیات سے ہوتا ہے اور ان کی نفی بھی بظاہر کچھ دوسری آیات سے ہوتی ہے۔ اس طرح کی آیتوں میں "فرقہ وہابیہ" کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ ایک نوع کی آیت کو اختیار کرلیتا ہے اور دوسری نوع کی آیات کو چھوڑ دیتا ہے جب کہ اہل سنت تدبر سے کام لیتے ہوئے دونوں طرح کی آیات کو قبول کرتے ہیں اور دونوں کے معانی کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کرکے ان کے ظاہری اختلاف کو دور کردیتے ہیں اسی لیے قرآن نے اپنی آیات میں تدبُّر وتذکُّر کا حکم دیا ہے۔

بظاہر دو مخالف آیتوں میں سے بعض کو ماننا اور بعض کو چھوڑ دینا ان کے درمیان واقعی

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النساء: ٤، الآیۃ: ٨٢.

اختلاف وتعارض کا پتہ دیتا ہے اور دونوں کی الگ الگ مراد واضح کر کے دونوں کو ماننا ان کے درمیان واقع میں عدم اختلاف وتعارض کو عیاں کرتا ہے اس لیے ایک مضمون سے متعلق قرآن حکیم کی دونوں انواع کی آیات کو سامنے رکھ کر ان کے مفاہیم اور مراد کو سمجھنے کے لیے تدبّر ضروری ہے، صرف ظاہر بینی سے مراد تک رسائی نہیں ہو سکتی، دو تین مثالوں سے اسے آپ بھی سمجھیے:

پہلی: مثال:

اللہ تعالی فرماتا ہے:

⑦ "قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝" (١)

ترجمہ: اے محبوب فرما دیجیے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ غیب کو نہیں جانتے مگر اللہ، اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

اس آیت میں ساکنانِ ارض وسما سے غیب کے علم کی نفی کی گئی ہے۔

جب کہ دوسری آیت کریمہ میں بظاہر اس کے خلاف یہ ارشاد فرمایا گیا:

⑧ "عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" (٢)

ترجمہ: اللہ "عالم الغیب" ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

اس آیت میں "رسولِ مرتضیٰ" کے لیے علم غیب کا اثبات ہے۔ تو بظاہر دونوں آیتوں میں اختلاف وتعارض ہے۔

مگر دونوں آیتوں میں ادنیٰ تدبُّر سے کام لیا جائے تو عیاں ہو جائے گا کہ دونوں میں قطعًا کوئی اختلاف نہیں کیوں کہ پہلی آیت میں ساکنانِ ارض وسما سے بذات خود غیب دانی کی نفی کی گئی ہے اور دوسری آیت میں اللہ کے بتانے سے "رسولِ مرتضیٰ" کے غیب پر آگاہ ہونے کا ذکر ہے۔

اس کے بر خلاف امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی صاحب نے اللہ کے سوا غیب کا علم کسی کے لیے ماننے کو مطلقًا شرک قرار دیا ہے اگرچہ اللہ کے بتانے سے یہ عقیدہ رکھا جائے۔

---

(١) القرآن الحکیم، سورۃ النمل: ٢٧، الآیۃ: ٦٥.

(٢) القرآن الحکیم، سورۃ الجن: ٧٢، الآیۃ: ٢٦، ٢٧.

وہ تدبر قرآن ہے اور یہ ظاہر بینی یا کچھ اور۔ اول آیاتِ قرآن میں توفیق ہے اور یہ تعارض کا مظاہرہ۔

دوسری مثال:

تقویۃ الایمان میں ہے:

اللہ صاحب نے سورۂ مومنون میں فرمایا ہے:

⑨ ”قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ یُجِیْرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ ۝“(۱)

ترجمہ: کہہ کون ہے وہ شخص کہ اس کے ہاتھ میں ہے تصرف ہر چیز کا اور وہ حمایت کرتا ہے اور اس کے مقابل کوئی حمایت نہیں کر سکتا جو تم جانتے ہو۔ سو وہی کہہ دیں گے کہ اللہ ہے، کہہ، پھر کہاں سے خبطی ہو جاتے ہو۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ صاحب نے کسی کو عالم میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں دی اور کوئی کسی کی حمایت نہیں کر سکتا۔(۲)

حالاں کہ اللہ نے بے شمار بندوں کو تصرف کی قوت عطا کی ہے اور اپنے خاص بندوں کو تو حیرت انگیز تصرف کی بھی قوت بخشی ہے ہم نے تصرفاتِ انبیا کی بحث میں کثیر آیات و احادیث سے اس کا روشن ثبوت پیش کیا ہے، مثلا: ایک آیت ملاحظہ ہو، ارشاد باری ہے:

⑩ ”قَالَ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ۝ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۫“(۳)

ترجمہ: سلیمان نے فرمایا: اے درباریو! تم میں کون ہے جو اس کا (ملکۂ سبا کا) تخت میرے پاس لے آئے، اس سے پہلے کہ وہ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہو، ایک بڑا خبیث جن بولا کہ وہ تخت میں حضور کی بارگاہ میں حاضر کر دوں گا، اس سے پہلے کہ حضور اجلاس برخاست کریں اور بے شک میں قوت

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ المؤمنون: ۲۳، الآیۃ: ۸۸، ۸۹.

(۲) تقویۃ الایمان، ص: ۷، پہلا باب توحید و شرک کے بیان میں، راشد کمپنی، دیوبند۔

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ النمل: ۲۷، الآیۃ: ۳۸، ۳۹، ۴۰.

والا، امانت دار ہوں (اور) "جس کے پاس کتاب کا علم تھا" اس نے عرض کی کہ میں اسے آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا، پھر جب سلیمان نے اپنے پاس اس تخت کو رکھا ہوا دیکھا، تو کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔

ایک "عالمِ کتاب" نے اللہ کی دی ہوئی طاقت سے بہت ہی وزنی اور محفوظ تخت کو طویل مسافت کے باوجود پلک جھپکنے سے پہلے بارگاہِ سلیمانی میں حاضر کر دیا، جو بلا شبہ ایک حیرت انگیز تصرف ہے، پھر انبیا و سید الانبیاء ﷺ کی عطائی قوت تصرف کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ تدبّر قرآن ہے اور وہ ظاہر بینی یا کچھ اور۔

تیسری مثال:

ارشاد باری ہے:

⑪ "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۝"(۱)

ترجمہ: بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس سے امام الوہابیہ اور ان کے ہم نواؤں نے یہ استدلال کر دیا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ پر بھی قادر ہے، ایسا نہ ہو تو بندے کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ جائے گی۔

حالاں کہ دوسری آیات سے کذب و امکانِ کذب سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ثابت ہوتی ہے، مثلاً ارشاد باری ہے:

⑫ "لَیۡسَ کَمِثۡلِهٖ شَیۡءٌ ۚ"(۲) ترجمہ: اللہ کے جیسی کوئی چیز نہیں۔

اگر کذب باری ممکن ہو تو اللہ کے جیسی بے شمار چیزیں ہوں گی۔

بظاہر دونوں آیات میں اختلاف و تعارض ہے حالاں کہ کلام الٰہی اختلاف و تعارض سے پاک ہے، حق یہ ہے کہ پہلی آیت میں "ہر چیز پر قدرت" سے مراد "ہر چیز کے خلق پر قدرت" ہے جو اپنی جگہ ایک بے مثال اور ناقابل انکار حقیقت ہے اور اس طور پر دوسری آیت کریمہ سے کسی طرح اختلاف و تعارض کا امکان بھی نہیں رہ جاتا۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، الآیۃ: ۲۰۔

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الشّوریٰ: ۴۲، الآیۃ: ۱۱۔

یہ تدبر قرآن ہے اور وہ محض ظاہر بینی یا کچھ اور۔

احادیث نبویہ کتاب الٰہی کی تشریح و تبیین ہیں، جیسا کہ ارشاد ربانی "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ "[1] سے عیاں ہے اس لیے زبانِ نبوت سے نکلے ہوئے کلمات اور آپ کے سُنن و سیر اور آثار مقررہ بھی اختلاف و تعارض سے پاک ہیں، اگر بادی النظر میں کہیں اختلاف یا تعارض سمجھ میں آئے تو اسی تدبّر خداداد سے کام لے کر اور ان کے مفاہیم عالیہ کی گہرائیوں میں جاکر انھیں سمجھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔

چوتھی مثال:

اہل سنت و جماعت کا طریقۂ مرضیہ تو یہی ہے، مگر علماے وہابیہ یہاں بھی وہی یک طرفہ روش اختیار کرتے ہیں ایک نمونہ اس کا بھی دیکھیے:

مُحَلِّل (حلالہ کرنے والے) پر لعنت کے باب میں دو حدیثیں وارد ہیں، ایک مطلق، جو ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ دوسری مقید، جو سنن ابن ماجہ شریف کی حدیث ہے، اِس کے کلمات یہ ہیں:

⑬ قال عقبة بن عامر: قالَ رسولُ الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-: ألا أُخبِرُكُمْ بالتَّيسِ المُستَعار، قالوا: بَلیٰ، يَا رسُولَ الله، قَالَ: هُوَ المُحَلِّل، لَعَنَ اللهُ المُحَلِّلَ، والمُحَلَّلَ لَهُ."[2]

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں "عاریت پر لیے ہوئے سانڈ" کے بارے میں نہ بتاؤں؛ صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! فرمایا: وہ مُحَلِّل ہے (حلالہ کرنے والا) **اللہ کی لعنت حلالہ کرنے والے پر، اور اس پر جس کے لیے حلالہ کیا جائے۔**

یہ جلی کلمات ترمذی میں بھی ہیں اور ابن ماجہ میں بھی، جو بظاہر مطلق ہیں اور ان کا مفاد یہ ہے کہ جو شخص بھی حلالہ کرے ملعون ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة النحل: ۱٦، الأية: ٤٤. ترجمہ: تاکہ اے محبوب لوگوں کی طرف جو کچھ نازل کیا گیا ہے آپ اسے کھول کر بیان کردیں۔

(۲) سُنن ابن ماجه، ص: ۲۱۰، کتاب النکاح/ باب المحلِل وَالمُحَلَّل لَهُ، رقم الحديث: ١٩٣٦.

مگر سُنن ابن ماجہ میں حدیث کے ان کلمات سے پہلے سرکار ابد قرار ﷺ نے "مُحلِّل" کی جس دل نشیں انداز میں "ألا أخبركم بالتيس المستعار" [کیا میں تمھیں عاریت پر لیے ہوئے سانڈ کے بارے میں نہ بتاؤں] سے پہچان کرائی ہے اس سے روز روشن کی طرح ہر انصاف پسند پر عیاں ہو جاتا ہے کہ حدیث پاک میں مُحلِّل سے وہ "شخصِ خاص" مراد ہے جو سانڈ کی طرح اپنے کو جُفتی کے لیے خاص کر لے اور اسی کی تلاش میں رہے، اس کے سوا اس کا کوئی اور مقصد خیر نہ ہو مثلاً ہمدردی، کسی کا اُجڑا گھر بسانا، میاں، بیوی، بچوں کا دل خوش کرنا۔ جو قابل ستائش اور باعثِ اجر و ثواب کام ہیں۔

اس طرح دونوں حدیثوں کو سامنے رکھیے تو واضح ہو جاتا ہے کہ حدیث پاک میں لعنت، خاص اُس محلِّل پر ہے جو سانڈ سے مشابہت اختیار کرے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص خالص انسانیت کے جذبے سے کسی کا اُجڑا گھر بسائے اور بچوں کو حسرت و مایوسی سے بچانے اور ان کو اور ان کے والدین کو خوش کرنے کے نیک ارادے سے کسی عورت سے نکاحِ حلالہ کرے تو وہ ضرور جائز، بلکہ باعث اجر ہے کہ یہ عین انسانیت ہے، حیوانیت نہیں، اور لعنت حیوانیت پر ہے، انسانیت پر نہیں۔ یہ ہے تدبُّر حدیث۔

ہم نے اس مجموعۂ احادیث میں ایسی ہی آیات و احادیث کو سواد اعظم کے طریقہ حسنہ پر سمجھانے اور ان کے درمیان عدم اختلاف و تعارض کے حسین مناظر کا مشاہدہ کرانے کی کوشش کی ہے۔

ہاں ہم نے تمام مثبت و منفی نصوص کو جمع کر کے یہ مناظر نہیں پیش کیے ہیں۔ بلکہ بقدر ضرورت پر اکتفا کیا ہے، کیوں کہ ہمارا مقصود صرف ایضاحِ حق ہے، نہ کہ احاطۂ نصوص و استیعابِ جمیعِ شواہد، یوں ہی صحاح کے مدارج کی ترتیب اور متونِ احادیث کی کامل تخریج کا بھی التزام نہیں کیا ہے، ہماری نظر صرف مقصد پر رہی ہے اور اسی کے احقاق اور تشریح و تائید کے لیے ایک حد تک انتخاب و تخریجِ احادیث کیا ہے، خدائے کریم اس بے ہنر کی یہ کاوش قبول فرمائے اور اس سے راضی ہو تو یہ بخشش کا ذریعہ بن جائے۔

می توانی کہ دہی اشک مُرا حسن قبول
اے کہ در ساختۂ قطرۂ بارانی را

(۹)

توحید و تقدیس باری کے لیے عقلی دلیل اور ائمہ کے اقوال سے استدلال

ہم نے بعض مباحث میں احادیث نبویہ کے ساتھ کچھ عقلی دلائل پیش کیے ہیں، ائمہ اہل سنت کے اقوال نقل کیے ہیں، عُقلا کے اتفاق سے بھی تمسک کیا ہے جب کہ احادیث سید المرسلین -علی صاحبها الصلاۃُ و التحیّۃ- پر ہی اکتفا کرنا چاہیے، ایسا کیوں؟

تو عرض ہے کہ:

❶ صانعِ عالم کا وجود اور اس کی تقدیس و تنزیہ سمعیات پر موقوف نہیں، بلکہ عقلِ سلیم ان کے اثبات کے لیے کافی ہے اور قرآن حکیم سے عقل کی حجیت ثابت ہے، مثلاً سورۂ ابراہیم میں فرمایا گیا:

⑭ ”وَ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۵۲“(۱)

ترجمہ: تاکہ وہ جان لیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقل والے نصیحت مانیں۔

سورۂ رعد میں متنبہ فرمایا گیا:

⑮ ”اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۹“(۲)

ترجمہ: نصیحت وہی مانتے ہیں جنھیں عقل ہے۔

تدبّر قرآن کے لیے بھی عقل ضروری ہے:

⑯ ”اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۶۸“(۳)

ترجمہ: کیا انھوں نے اس قول میں تدبّر نہیں کیا، یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے باپ دادا کے پاس نہ آیا تھا۔

تدبُّر اور تذکُّر دونوں کا تعلق عقل سے ہے، ان آیات میں اللہ تعالی نے منکروں کو عقل کے

---

(۱) القرأن الحکیم، سورۃ إبراھیم: ۱٤، الأیۃ: ۵۲.

(۲) القرأن الحکیم، سورۃ الرعد: ۱۳، الأیۃ: ۱۹.

(۳) القرأن الحکیم، سورۃ المؤمنون: ۲۳، الأیۃ: ٦۸.

صحیح استعمال پر متوجہ کیا ہے، اور عقل کا صحیح استعمال کرنے والوں کی مدح فرمائی ہے، جن سے عقل کے دلیل ہدایت ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

۲ ائمہ اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کے ترجمان ہیں، اس لیے وہ جو عقائد بیان کرتے ہیں وہ سواد اعظم کے عقائد ہوتے ہیں اور سواد اعظم خود دلیل حقانیت ہے، ہادیِ اعظم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے اتباع کا حکم دیا ہے، اس مضمون کی حدیثیں متواتر المعنیٰ ہیں، ہم نے اجماع کی بحث میں زیادہ تر احادیث کو جمع کرنے کی کوشش ہے، اس زاویۂ نگاہ سے اتباعِ سوادِ اعظم فی الواقع اتباعِ رسولِ اعظم ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو سواد اعظم کے ترجمان "ائمہ امت" اس پاکیزہ رشتے سے ترجمان رسول اللہ ہوئے اور اسی کے پیش نظر ہم نے بعض مقامات پر ائمہ ہدیٰ کے اقوال نقل کیے ہیں

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

بہتر ہوگا کہ ہم یہ "کلمۂ حق" خود سواد اعظم کے ایک ترجمان امام احمد رضا قدس سرہ سے سنیں، آپ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

"جس طرح فقہ میں چار اصول ہیں: ● کتاب ● سنت ● اجماع ● قیاس،
(اسی طرح) عقائد میں بھی چار اصول ہیں: ● کتاب ● سنت ● سوادِ اعظم ● عقلِ صحیح۔
تو جو ان میں ایک کے ذریعہ سے کسی مسئلہ عقائد کو جانتا ہے، دلیل سے جانتا ہے، نہ کہ بے دلیل، محض تقلیداً۔ اہل سنت ہی سواد اعظم اسلام ہیں تو ان کا حوالہ، دلیل کا حوالہ ہے، نہ کہ تقلید۔

اقوال ائمہ: یوں ہی اقوال ائمہ سے استناد اسی معنی پر ہے کہ یہ اہل سنت کا مذہب ہے۔

سواد اعظم: سواد اعظم کی طرف ہدایت (ورہنمائی) اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کمالِ رحمت ہے، ہر شخص کہاں قادر تھا کہ عقیدہ کتاب وسنت سے ثابت کرے، عقل تو خود ہی سمعیات میں کافی نہیں، ناچار عوام کو عقائد میں تقلید کرنی ہوتی، لہذا یہ واضح، روشن دلیل عطا فرمائی کہ سواد اعظم مسلمین جس عقیدہ پر ہو وہ حق ہے۔

سواد اعظم کی پہچان: اس کی پہچان کچھ دشوار نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وقت میں تو کوئی بدمذہب تھا ہی نہیں اور بعد کو اگرچہ پیدا ہوئے مگر دنیا بھر کے سب بدمذہب ملا کر بھی اہل سنت کی گنتی کو نہیں پہنچ سکے۔

فقہ میں جس طرح اجماع اقوی الاَدِلّہ ہے کہ اجماع کے خلاف کا مجتہد کو بھی اختیار نہیں۔۔۔

(اسی طرح) "سواد اعظم" یعنی اہل سنت کا کسی مسئلۂ عقائد پر اتفاق یہاں اَقوی الادلّہ ہے، کتاب وسنت سے اس کا خلاف سمجھ میں آئے تو فہم کی غلطی ہے، حق سواد اعظم کے ساتھ ہے۔

عقل: اور ایک معنی پر یہاں اَقوی الاَدِلّہ عقل ہے کہ اور دلائل کی حُجیت بھی اسی سے ظاہر ہوتی ہے مگر محال ہے کہ سواد اعظم کا اتفاق کسی بُرہانِ صحیح عقلی کے خلاف ہو۔"(۱)

اس کے باوجود ہم نے کتاب میں جہاں عقلی دلائل کا سہارا لیا ہے اور ائمۂ اہل سنت کے اقوال پیش کیے ہیں وہاں ہم نے متعدّد آیات کریمہ اور کثیر احادیث شریفہ سے بھی مضبوط استناد کیا ہے تاکہ جو لوگ ائمہ کے اقوال اور عقل کی باتوں سے اتفاق نہیں کرتے وہ احادیث کے چشمۂ صافی سے اپنی پیاس بجھا سکیں، وما علینا إلا البلاغ المبین.

اجماع سے استدلال: اس امت پر خدائے کریم کا یہ فضل واحسان ہے کہ کسی حکم پر اس امت کے اجماع کو گمراہی سے محفوظ و معصوم قرار دیا ہے اور یہ امر بھی احادیث نبویہ سے ثابت ہے، لہٰذا ہم نے سواد اعظم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اجماع سے بھی استدلال کیا ہے جو فی الواقع کتاب وسنت سے ہی استدلال ہے۔

(۱۰)

ہمارے مخاطب

ہم نے جہاں وہابیہ اہل حدیث کی عبارتیں پیش کی ہیں ان کا تعلق صاحب عبارات سے ہے اور ساتھ ہی ان تمام سے بھی جو ان باتوں کو حق سمجھیں، ان کی حمایت کریں اور مقصود یہ ہے کہ ان احادیث صحیحہ کو سامنے رکھ کر اپنے عقائد میں غور کریں پھر اپنے دل سے فیصلہ لیں کہ انھیں احادیثِ رسول کو اختیار کرنا چاہیے یا اپنے عقائد پر جمے رہنا چاہیے، میرا مقصود تو اصلاح ہے۔

---

(۱) الفتاوی الرضویة، ج: ۲۹، ص: ۲۱٤، ۲۱۵، باب العقائد والکلام، رضا فاؤنڈیشن.

(۱۱)

حوصلہ افزائی

عزیز ملت شہزادۂ استاذ العلما، حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ دام ظلہ العالی، سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کو جب میرے اس کام کا علم ہوا تو بہت مسرور ہوئے اور گراں قدر الفاظ سے حوصلہ افزائی فرمائی۔ اور آپ اس سے پہلے بھی مجلس شرعی کے سیمیناروں میں کھلے دل سے اس حقیر کی دل جوئی اور عزت افزائی فرماتے رہے ہیں، مگر یہ اس بندۂ عاجز کی کسی خوبی و کشش کی وجہ سے نہیں، بلکہ یہ خوے نیک تو انھیں اپنے گرامی مرتبت والد حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے میراث میں ملی ہے، فجزاھم اللّٰہ تعالی خیرًا فی الدّارین.

کسی کے سامنے اس کی تعریف اچھی نہیں ہوتی کہ یہ بسا اوقات غرور نفس کا سبب بن جاتی ہے مگر بہت ایسا ہوتا ہے کہ اس سے روح کو ایک نئی توانائی ملتی ہے اور انسان کے جوہر خوابیدہ بے دار ہو جاتے ہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ حوصلہ افزائی کا ایک جملہ پوری قوم کو درس حیات دے جاتا ہے۔ حافظ ملت، مولانا شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، بانی جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے اسی طرح کا ایک جملہ جاں بخش کبھی ارشاد فرمایا تھا کہ **"میرے یہاں کا ناکارہ بھی کارآمد ہوتا ہے۔"**

تو یہ ایسے تمام طلبہ کے لیے سرمایۂ افتخار بن گیا، ان کے اندر زندگی کی ایک نئی روح دوڑ گئی، اب حال یہ ہے کہ یہ طلبہ جہاں بھی ہوتے ہیں اس ارشاد کو اپنی منزل مقصود تک رسائی کا وسیلہ سمجھ کر اخلاص اور لگن کے ساتھ جدوجہد کرتے ہیں، پھر منزلیں دور ہو کر بھی ان کے قدموں کو بوسہ دیتی ہیں، مجھے بھی احساسِ بے مائگی کے باوجود اس ارشاد سے بڑی توانائی ملی اور دنیا سے بے نیاز ہو کر احادیثِ صحیحین کی تدوین و تشریح کا کام شروع کر دیا، میں سمجھتا ہوں کہ اس کرامت خیز جملے کا اثر مجھ میں در آیا اور میں اس منزل اقصیٰ تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب ہوا جس تک رسائی بظاہر میرے بس کی بات نہ تھی۔

اہل علم اپنے معیار علم و فقہ سے اس کام کا جائزہ نہ لیں، بلکہ اس ناکارہ کے معیار علم کو سامنے رکھ کر کام کی اہمیت کا اندازہ کریں۔

میں مکتب فقہ کا ایک ادنی سا طالب علم ہوں، مجھے احساس ہے کہ آج بھی جامعہ اشرفیہ میں علمائے کبار اور فضلائے نامدار موجود ہیں ان کے سامنے اس بے مایہ کی کوئی حیثیت نہیں، سوائے اس کے کہ عمر کچھ زیادہ ہے، پھر بھی اس طرح کے کام کی ہمت، پھر ایک حد تک اس کی تکمیل حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامت نہیں تو کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان بافیض اور پاکیزہ نفوس اور مقبولانِ بارگاہ سے ہیں جن پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کا یہ مضمون صادق آتا ہے کہ ''کسی بات پر اللہ کی قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم سچی فرمادیتا ہے'':

عن أنس، . . . قال النبيُّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- إنّ من عباد الله مَن لو أقسم على الله لأبرَّهٗ.[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ کی قسم (کسی بات پر) کھالیں تو اللہ ان کی قسم ضروری سچی فرمادے۔

حضرت عزیز ملت دام ظلہ العالی کے حوصلہ افزا کلمات نے حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس ارشاد کی یاد تازہ فرمادی، خدائے کریم حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر انور پر اپنے انعامات کی بارشیں نازل فرمائے اور آپ کے شہزادۂ عالی مرتبت کو آپ کے نقش قدم پر ثابت رکھے اور آپ کو دارین کی نعمتیں اور شادکامیاں نصیب فرمائے۔ آمین

(۱۲)

شرکائے کار کا امتنان و تشکُّر

(الف) تخریج وتشریحِ احادیث:

''احادیثِ صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف'' کی تخریج کا کام زیادہ تر ولد اعز مولوی محمد فضلُ الرحمٰن سلّمہ المنّان متعلّم جامعہ اشرفیہ نے کیا ہے، چند عناوین امام اہل سنت، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱،ص:۳۷۲، كتاب الصلح/ باب الصلح فى الدّية، مجلس البركات.

"ختم نبوت"، "الامن وُالعُلیٰ" اور "صفائح اللُجین" سے ماخوذ ہیں ان کی احادیث کی بھی تخریج کر کے متن حدیث کو سند کے آخری راوی کے ساتھ لکھا ہے تاکہ اس کتاب کے طرز پر ان کو مرتب کیا جا سکے، **تخریج** سے مراد عام ہے تخریجِ احادیث بھی، اور تخریجِ حوالہ جات بھی، دونوں کام عزیز موصوف نے بڑی محنت اور سلیقے سے انجام دیے ہیں، اللہ عزوجل انھیں اخلاص سے نوازے اور دارین میں انھیں ان جاں فشانیوں پر بہتر صلہ عطا فرمائے۔

(ب) ایک مخلص کی یاد:

مجھے اس کتاب کی تصنیف کے دوران بار بار ایک مخلص کی یاد آتی رہی جنھوں نے زرِ کثیر سے لیپ ٹاپ خرید کر اور ہزار ہا ہزار کتابیں اس میں محفوظ کر کے نیاز مندی کے ساتھ پیش کیا اور اس طرح میرے لیے تخریج و تصنیف کی آسانی فراہم ہوئی، آج بھی جب کسی تحقیق کے وقت اس لائبریری سے استفادہ کرتا ہوں تو دل میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور زبان پر کوئی کلمۂ دعا ہوتا ہے، میں نے تخریج و تشریحِ احادیث کا یہ کام زیادہ تر رمضان شریف کی راتوں میں جاگ کر کیا ہے، جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں اور ضرورت کی کتابوں کی فراہمی دشوار ہوتی ہے اُس وقت یہی لائبریری کام آتی رہی ہے، وہ مخلص ہیں عزیز سعید مولانا تصبیر متولے مصباحی ازہری، ساکن ممبئی، خدائے پاک انھیں بھی جزائے خیر سے نوازے۔

(ج) تصحیح و نظر ثانی کا اہتمام:

ہم نے یہ مجموعۂ احادیث جامعہ اشرفیہ کے چار اساتذہ کرام کی خدمت میں نظرِ ثانی اور تصحیح کے لیے پیش کیا:

(۱) صدر العلما حضرت مولانا محمد احمد مصباحی، استاذ تفسیر و ناظم تعلیمات و صدر مجلس شرعی و سابق صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۲) حضرت مولانا محمد دستگیر عالم مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ

(۳) حضرت مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ

(۴) حضرت مولانا محمد ہارون مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ

اخیر کے دونوں حضرات نے شروع کتاب کے چند اجزا اور مولانا محمد دست گیر عالم مصباحی نے تقریباً باقی نصف کتاب پر نظر ثانی کی اور تصحیح فرمائی۔ یہ حضرات باصلاحیت مدرس، صحیح فکر و نظر کے حامل اور تصحیح کا اچھا ذوق رکھنے والے باعمل عالم ہیں، انھوں نے کتاب تصحیح کے بعد بغیر کسی حذف واضافہ کے واپس کی تو خوشی ہوئی۔ آخری خواندگی مولانا محمود علی مشاہدی صاحب نے بغور تنقیدی نگاہ سے کی تو کچھ تعبیری خامیاں سامنے آئیں اور ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق ان کی اصلاح کردی، بہت سے کلمات میں رسم الخط کی اصلاح مولانا موصوف نے کی۔

اوّل الذکر بزرگ دقت نظر، وسعت فکر اور کثرت مطالعہ جیسے اوصاف کے جامع ہونے کے ساتھ بہترین مصنف اور ناقد بھی ہیں، آپ نے پوری کتاب کا حرف بہ حرف مطالعہ کرکے اس تاثر کے ساتھ اسے واپس فرمایا:

"کتاب میں تحقیق کے ساتھ تسہیل اور حسنِ تفہیم کی بھی کوشش کی گئی ہے، اس لیے عوام وخواص دونوں کے لیے بہت ہی مفید ہے، خواص اس سے استفادہ کرکے عقائد ومسائل کو حسن وخوبی سے سمجھا سکتے ہیں اور عوام بھی بغور پڑھیں تو مباحث ان پر اچھی طرح منکشف ہوجائیں گے، حوالوں کی تخریج میں بڑی محنت کارفرما ہے۔

نظر ثانی اور کمپوزنگ کی پوری تصحیح باقی ہے، پروف ریڈنگ میں جو نشان دہی ہوچکی ہے اسے بغور دیکھ کر درست کرنا ذمہ داری کا کام ہے، جس کی کتابت باقی ہے اس کی کمپوزنگ بھی خصوصی توجہ چاہتی ہے، اندازہ ہے کہ کرکشن اور کمپوزنگ مکمل ہونے کے بعد بھی کم از کم دوبار دیکھنے کی ضرورت پڑے گی۔" (محمد احمد مصباحی)

اس کے بعد مجھے کافی اطمینان ہوا کہ یہ کاوش اغلاط سے محفوظ ہے، ہم ان تمام کرم فرماؤں کے اخلاص قلب کے ساتھ شکر گزار ہیں، خداے پاک انھیں دارین میں اس کا بہتر صلہ عطا فرمائے، آمین۔

کتاب پر نظر ثانی کے دوران کچھ مقامات ایسے سامنے آئے جہاں حوالے درج نہیں تھے ان کی تخریج عزیز سعید مولانا محمد اعظم مصباحی محافظِ کتب "اشرفی دار المطالعہ" نے کی ہے اور کچھ سہ را محترم مولانا حبیب اللہ مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، ولد عزیز مولوی محمد ضیاء الدین سلمہ اور ولد عزیز محمد ساجد الرحمٰن سلمہ المنان متعلم جامعہ اشرفیہ نے بھی دیا ہے ہم ان کرم فرماؤں کے بھی شکر گزار ہیں، **خداے**

پاک انھیں علم و عمل سے سرفراز فرمائے، ساتھ ہی انھیں، ہمیں اور ہمارے سارے رفقاے کار اور اساتذہ اور والدین کو دارین کی سعادتوں، نعمتوں، رحمتوں، برکتوں سے نوازے۔

(۱) حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی (۲) حضرت مولانا مفتی محمد نسیم مصباحی (۳) حضرت مولانا اختر حسین فیضی (۴) حضرت مولانا زاہد علی سلامی (۵) مولانا توفیق احسن برکاتی، اساتذۂ جامعہ اشرفیہ نے کمپوزنگ کی آخری تصحیح کے دوران کچھ مفید مشورے دیے، ہم ان کے بھی شکر گزار ہیں۔

ساتھ ہی اول الذکر کی اس قدر دانی پر بھی ہم شکر ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اس ناکارہ کے حالات اپنی مرضی سے لکھے اور اپنے تاثرات قلبی سے نوازا۔ مولانا موصوف کی فرمائش پر ان کی تحریر شامل اشاعت ہے۔

(۱۳)

مدتِ کار

میں نے یہ کام اواخر شعبان ۱۴۳۷ھ میں شروع کیا تھا اور آج ۱۵؍ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ مطابق ۹؍ مئی ۲۰۲۰ء شنبہ، وقت ظہر میں مکمل ہو رہا ہے، اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف میں چار سال لگے، مگر کام صرف رمضان شریف کی تعطیل میں ہوا ہے، باقی سال بھر معطل رہا ہے اس لیے میں نے آج کام کے دن گنے تو ۹۹؍ دن ہوئے، خداے پاک کے اسماے حُسنیٰ کے مطابق۔ خداے کریم اپنے نام پاک کی برکتیں کتاب وصاحب کتاب میں ظاہر فرمائے، آمین۔

التجا

ہم انسان ہیں، ہم سے خطا ہو سکتی ہے، خدا کرے یہ تصنیف اس سے محفوظ ہو، تاہم بتقاضاے بشری کہیں کوئی سہو و نسیان ہو گیا ہو تو اس سے رجوع کر کے حق کی طرف رجوع کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ ”فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ“. (۱)

اگر کسی صاحب علم کی نگاہ میں کوئی خطا آئے تو اس سے آگاہ فرمائیں، بہتر سمجھیں تو اس کی اصلاح

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ یوسف: ۱۲، الآیۃ: ۷۶.

بھی فرمادیں۔ ظہور حق کے بعد قبولِ حق کے لیے ہمارا سینہ ہمیشہ کشادہ ہے۔ "رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۗ وَاغْفِرْ لَنَا ۗ وَارْحَمْنَا ۗ اَنْتَ مَوْلٰىنَا"(۱)

ایں سعادت بزورِ بازو نیست: اور راقم الحروف تو مکتبِ فقہ کا ایک ادنیٰ طالب علم ہے جسے فقہ سے کچھ نسبت کا شرف حاصل ہے، یہ خداے ذوالجلال کا فضل خاص ہے کہ اس نے مجھے اپنے محبوب ﷺ کے سُنن واحادیث صحیحہ کے جمع کرنے کی سعادت بخشی، ساتھ ہی سوادِ اعظم کے عقائد و فروع کو ان احادیث وسنن کے صاف وشفاف آئینے میں دیکھنے، دکھانے اور سمجھنے، سمجھانے کی توفیق عطا فرمائی، سچ یہ ہے کہ:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد، خداے بخشندہ

ہم خداے کریم کے اس فضل خاص پر اس کا سجدۂ شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی پاکی بیان کرتے ہیں، سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ.(۲) رَبَّنَا لا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ.(۳) رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ.(٤)

محمد نظام الدین رضوی، برکاتی
صدر شعبہ افتا وصدر المدرسین جامعہ اشرفیہ
مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

۱۵؍ رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ
۹؍ مئی ۲۰۲۰ء (شنبہ)

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، الآیۃ: ۲۸۶.

(۲) صحیح البخاری، ج: ۲، ص: ۱۱۲۹، کتاب التوحید / باب قولِ الله: وَنَضَعُ الموازین، رواه أبو هریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّمَ مرفوعًا، مجلس البرکات.

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ آل عمران: ۳، الآیۃ: ۸.

(٤) القرآن الحکیم، سورۃ الأعراف: ۷، الآیۃ: ۸۹.

پہلا باب

عقائد کے بیان میں

پہلا مسئلہ

امتناعِ کذبِ باری کا عقیدہ
کتاب و سنت کی روشنی میں

خدائے سُبّوح و قُدّوس کذب اور ہر طرح کے نقص و عیب سے منزّہ و پاک ہے کیوں کہ اللہ عزّ وجل کی ذات جامع کمالات میں نقص و عیب محال ہے، یہ امتِ مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔

اس کے بر خلاف وہابیہ غیر مقلدین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے، وہ کہتے ہیں کہ بندہ جھوٹ پر قادر ہے اگر اللہ اس پر قادر نہ ہو تو بندے کی قدرت خدائے قدیر کی قدرت سے بڑھ جائے گی، چناں چہ امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی اپنے رسالہ "یک روزی" میں لکھتے ہیں:

" **أقول:** اگر مراد از محال مُمتنع لِذاتِہٖ است کہ تحتِ قدرتِ الٰہی داخل نیست، پس لَا نُسَلِّمُ کہ کذبِ مذکور محال بمعنی مسطور باشد، چہ عقدِ قضیہ غیر مطابقہ لِلوَاقعِ، وِالقاے آں بر ملائکہ و انبیا خارج از قدرتِ الٰہیہ نیست، وَ اِلَّا لازم آید کہ قدرتِ انسانی اَزیَد از قدرتِ ربّانی باشد، چہ عقدِ قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقاے آن بر مخاطبین در قدرتِ اکثر افرادِ انسانی ست۔ [1]

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ "خدا کے لیے جھوٹ کے محال ہونے" سے (علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی) مراد اگر "محال بِالذّات" ہو جو قدرتِ الٰہی کے تحت داخل نہیں، تو ہم نہیں

(۱) رسالہ یك روزی فارسی، ص: ۱۷، فاروقی کتب خانہ، ملتان.

مانتے کہ یہ جھوٹ "محال بالذّات ہے" کیوں کہ کوئی جھوٹی بات بنا کر فرشتوں کو بتانا اور انبیا کو اِلقا کرنا خدا کی قدرت سے باہر نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ آدمی کی قدرت، خدا کی قدرت سے زیادہ ہو جائے کیوں کہ زیادہ تر لوگ جھوٹی بات بنا کر اپنے مخاطبین کو سنانے پر قادر ہیں۔

امکانِ کذبِ الٰہی پر وہابیہ کی دلیل:

اس عبارت میں امکانِ کذبِ الٰہی پر جو دلیل دی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"اگر کذبِ الٰہی محال ہو تو اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہوگا، حالاں کہ اکثر آدمی اس پر قادر ہیں، تو آدمی کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ جائے گی، اور یہ محال ہے تو واجب کہ اس کا جھوٹ بولنا ممکن ہو۔"

تبصرہ:

یہ حضرات وہابیہ کی بہت مضبوط دلیل ہے اور حقیقت میں یہ سخت مغالطہ وفریب ہے:

ہم امام الوہابیہ کے اس موقف اور دلیل پر تین حیثیتوں سے گفتگو کریں گے۔

(۱) عقلی حیثیت سے (۲) کتاب وسنت کی روشنی میں (۳) اجماع مسلمین کے نقطۂ نظر سے

"عقلی حیثیت سے" اس لیے کہ عیوب ونقائص سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور اس کا اِدراک ورودِ شرع پر موقوف نہیں اور "شرعی نقطہ نظر سے" دیکھیے تو یہ مسئلہ ضروریاتِ دین سے ہے پھر اس پر "اہل اسلام کا اجماع" بھی منعقد ہے۔

دلائل اہل سنت

تنزیہ باری کا ثبوت عقلی حیثیت سے:

امام الوہابیہ نے امکانِ کذبِ باری پر جو دلیل قائم کی ہے کہ "اللہ تعالیٰ جھوٹ پر قادر نہ ہو تو آدمی کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ جائے گی" یہ قطعی ناقابلِ اعتنا ہے۔

پہلا ثبوتِ عقلی: آدمی کا کوئی فعل بشمولِ کذب، قدرتِ الٰہی سے باہر نہیں، اللہ تعالیٰ بندے کا بھی خالق ہے اور اس کے افعال کا بھی، چناں چہ ارشاد باری ہے:

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (۱)

ترجمہ: اللہ نے تم کو بھی پیدا کیا اور تمھارے افعال کو بھی۔

"بندہ جھوٹ بولتا ہے" اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ جھوٹ بولنے کی کوشش کرتا ہے اور اللہ اس کوشش کے نتیجے میں جھوٹ کو پیدا کر دیتا ہے، بندہ اپنے جھوٹ، سچ کا خالق نہیں، خالق تو اللہ ہے۔

اب غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے لیے جھوٹ کا خَلق فرمائے جو بندہ کبھی نہیں کر سکتا کہ "خَلق" تو خدا کی شان ہے اور بندہ اس سے عاجز ہے، تو بندے کی قدرت خدا کی قدرت سے زیادہ کیسے ہو جائے گی، بندہ اپنے کذب اور دوسرے اعمال کے خلق میں پہلے بھی اللہ کا محتاج تھا، اور اب بھی اللہ کا محتاج ہے۔

دوسرا ثبوتِ عقلی: امامِ اہل سنت، امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"یہاں دو چیزیں ہیں:

ایک: کذبِ انسانی، وہ قدرتِ انسانی میں مجازاً ہے اور قدرتِ ربّانی میں حقیقۃً۔ (کہ قدرت حقیقۃً و بالذات اسی کی ہے)

دوم: کذبِ ربّانی، اس پر قدرتِ انسانی ہے، نہ قدرتِ ربّانی۔

تو انسان کی قدرت کس بات میں مولیٰ سبحانہٗ و تعالیٰ سے بڑھ گئی۔۔۔ جو شے قدرتِ انسانی میں تھی وہ قدرتِ ربانی سے کب خارج ہوئی۔" (۲)

وہ تو قدرتِ ربانی میں پہلے بھی حقیقۃً تھی اور اب بھی حقیقۃً ہے۔

تو جس دلیل کی بنیاد پر "امکان" کی عمارت کھڑی کی گئی تھی وہ بنیاد ہی نہ رہی اس لیے کذب باری کے "محال بالذّات" ہونے میں کوئی شبہہ نہیں۔

بلفظ دیگر یوں سمجھئے کہ:

اللہ تعالیٰ بندے سے جھوٹ صادر کرانے پر قادر ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ سے جھوٹ صادر

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الصّافات: ۳۷، الآیۃ: ۹۶

(۲) حاشیۃ الفتاوی الرضویۃ، ج: ٦، ص: ۲۳۳، کتاب السیر/ الرسالۃ: سُبحٰن السُّبُّوح، سُنّی دارُ الإشاعۃ، مبارکفور.

کرانے پر قادر نہیں، تو قدرت کس کی زیادہ ہوئی؟ ــــ اللہ تعالیٰ کی!

اور آیتِ کریمہ:

" اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ "[1] " بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے" سے کذبِ باری کے امکان پر استناد اس لیے بجا نہیں کہ یہ آیت بالاتفاق اپنے عموم پر نہیں ہے کیوں کہ خود واجب تعالیٰ "شَئے" ہے مگر وہ اپنی فنا پر قادر نہیں، یوں ہی سونے اور اونگھنے پر بھی قادر نہیں، یوں ہی دوسرے محالات بھی تحتِ قدرت نہیں۔ تو " كُلِّ شَیْءٍ " یا "ہر چیز" سے مراد وہ چیز ہے جو حادث و ممکن ہو۔ اور جو واجب یا محال ہو وہ اس آیتِ کریمہ کے عموم میں شامل نہیں اور کذب نقص ہونے کی وجہ سے محال ہے اس لیے اس آیت کریمہ سے استدلال نہیں ہوسکتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ تمام صفاتِ کمال بشمولِ صدق سے ازلاً، ابداً متصف ہے، کبھی یہ صفات اس سے الگ نہیں ہوسکتے اس لیے کذب اور ہر طرح کا نقص وعیب اس سے محال بالذّات ہے۔

"اے مسلمان! کمالِ حقیقی یہ ہے کہ اس صاحب کمال کی نفس ذات، مقتضیِ جملہ کمالات و منافیِ تلوّثات ہو اور قطعاً جو ایسا ہوگا اس پر ہر عیب ونقصان "محالِ ذاتی" ہوگا کہ ذات سے مقتضاے ذات کا ارتفاع، یا ذات و منافیِ ذات کا اجتماع دونوں قطعاً بدیہی الامتناع۔ اور بے شک ہم اہل سنت اپنے رب کو ایسا ہی مانتے ہیں اور بے شک وہ سچا کمال والا ایسا ہی ہے۔"[2]

علماے اہل سنت نے اس بارے میں واضح تصریحات فرمائی ہیں: ہم یہاں ان میں سے چند نقل کرتے ہیں:

امتناعِ کذبِ باری پر علماے اہل سنت کی تصریحات:

- مسلم الثبوت اور اس کی شرح جلیل فواتح الرحموت میں ہے:

(و) المعتزلهُ قَالُوا (ثانياً: أنّهُ لَولا) كونُ الحكم عقليا (لم يمتنع الكِذبُ منه

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الآية: ۲۰

(۲) الفتاوى الرضوية، ج: ٦، ص: ۲۳۹، كتاب السِّير / الرسالة: سبحنَ السُّبّوح، سنی دار الإشاعة، مبارك پور.

تعالی) عقلاً . . . (والجوابُ أنّه، نقصٌ) فيجبُ تنزيهُه، تعالی عنه (وقد مرّ أنّهُ لا نِزاع فيه) فَإِنّهُ عقليٌّ باتّفاق العُقلاءِ ... (لأنّ ما ينافي الوجوبَ الذّاتي . . . من جملة النّقص فی حقّ الباري، ومِن الاستحالاتِ العقليّة عليه سبحانَهُ. (ولهٰذا) أي لكونه من الاستحالات العقلية (أثبتَهُ الحكماءُ) أي أثبت كونَه نقصاً مستحيلاً اتّصافُه تعالی به الفلاسِفةُ مع كونهم لا يسندون أقوالهم إلى نبيّ مِن الأنبياء. إهـ ملتقطاً.[1]

ترجمہ و تشریح: مُعتزلہ نے اہل سنت کو خطاب کر کے کہا کہ اگر حکم عقلی نہ ہو تو کذبِ باری محال عقلی نہ رہے حالاں کہ اسے ہم سب لوگ بالاتفاق محال عقلی مانتے ہیں۔

تو اہل سنت نے انھیں یہ جواب دیا کہ کذب باری اس لیے محال عقلی ہے کہ یہ نقص و عیب ہے تو واجب ہے کہ اللہ تعالی کو اس سے مُنَزّہ و پاک مانیں اور اس بارے میں ہمارے تمھارے درمیان کوئی نزاع نہیں کیوں کہ عیب باتفاقِ عقلاء، اللہ تعالی پر محال عقلی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ کذب نقص ہے جو خدائے برحق کے خدا ہونے کے منافی اور اس کے حق میں محال ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حکَما جو کسی نبی پر ایمان نہیں رکھتے اور کسی شریعت کے قائل نہیں وہ بھی کذب کو نقص اور ذاتِ باری پر محال جانتے ہیں۔

● شرح عقائد جلالی میں ہے:

الكذبُ نقصٌ، والنقصُ عليه محالٌ، فلا يكونُ من الممكنات وهذا كما لا يشمل القدرةُ سائر وجوه النقص عليه تعالیٰ كالجهل والعجز.[2]

---

(۱) فواتح الرّحموت بشرح مسلم الثبوت، ج: ۱، ص: ۴۳، المقدّمة الثانية في الأحكام / فائدة في تحقيق صدور الأفعال الاختيارية للعبد، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(۲) شرح عقائد جلالی، ج: ۲، ص: ۱۹۵ – ۱۹۷، هل يجوز الخلف في الوعيد في حقه تعالی أم لا؟

"شرح عقائد جلالی" یہ "متن العقائد العضدیہ" کی شرح ہے۔

"العقائد العضدیۃ" یہ قاضی عضد الدین بن عبد الرحمن بن احمد ایجی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۷۵۶ھ) کی عقائد میں ایک مختصر مگر جامع کتاب ہے، اس کی شرح فاضل جلیل علامہ جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی رحمۃ اللہ علیہ (وفات: ۹۰۸ھ) نے لکھی (کشف الظنون) شارح رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی مناسبت سے ان کی کتاب کو "شرحِ عقائد جلالی" کہا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ

ترجمہ: جھوٹ نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے، لہٰذا کذب الٰہی ممکنات سے نہیں ہے، نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اسے شامل ہے، جیسے نقص کے دوسرے اسباب۔ مثلاً اللہ کا جاہل ہونا، عاجز ہونا۔ ممکنات سے نہیں، نہ قدرتِ الٰہی انھیں شامل۔

یہ بڑے واضح لفظوں میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کذب، جہل، عجز ناممکنات سے ہیں کیوں کہ یہ سب نقص و عیب ہیں اور نقص و عیب قدرت باری کے تحت نہیں، تو اللہ تعالیٰ سے کذب محال بالذّات ہے۔

● شرح مقاصد کے "مبحثِ کلام" میں ہے:

الكذب محالٌ بإجماع العلماء، لأنّ الكذبَ نقصٌ باتفاقِ العُقلاء، و هو على الله تعالى محال، لما فيه من أمارة العجز أو الجهل أو العبث. اه ملخصًا.[1]

ترجمہ: جھوٹ باجماعِ علما محال ہے، اس لیے کہ جھوٹ اربابِ عقل کے نزدیک بالاتفاق نقص و عیب ہے اور نقص و عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے؛ کیوں کہ یہ عجز، یا جہل، یا عبث کی علامت ہے۔

● مواقف کی "بحثِ کلام" میں ہے:

إنّه تعالى يمتنع عليه الكذبُ اتفاقًا، أمّا عند المعتزلة، فلأنّ الكذبَ قبيح و هو سبحانهٗ لا يفعل القبيح. و أمّا امتناع الكذب عليه تعالى عندنا، فلأنّه نقصٌ، و النقص على الله تعالى محالٌ إجماعًا.[2]

ترجمہ: اہل سنت و معتزلہ سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ سے کذب محال ہے۔ مُعتزلہ تو اس لیے محال کہتے ہیں کہ کذب قبیح ہے اور اللہ سبحانہٗ کوئی قبیح کام نہیں کرتا۔

اور ہم اہل سنت کے نزدیک اللہ عزوجل سے کذب اس لیے محال ہے کہ کذب عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر بالاجماع محال ہے۔

ان عبارات میں محال سے مراد محال بالذّات ہے کہ نقص و عیب اللہ تعالیٰ کے لیے ناممکنات

---

(۱) شرح المقاصد، ج ٤، ص ١٥٨، المقصد الخامس في الإلٰهيات / الفصل الثالث في الصفات الوجودية / المبحث السادس أنّه متكلم / الدليل الثالث، من منشورات الشريف الرضي.

(۲) شرح المواقف الجزء الثامن من المجلد الرابع، ص: ١١٤، الموقف الخامس في الإلٰهيات / المقصد الرابع في الصفات الوجودية / المقصد السابع أنه تعالى متكلم، دار الكتب العلمية.

سے ہیں اور یہ اس کی قدرت کے تحت نہیں آتے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ اس دور پر فتن میں امکانِ کذبِ باری کا شگوفہ خاص وہابیہ نے نکالا، اور جس دلیل کی بنا پر نکالا وہ خالص مغالطہ وفریب ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

دامانِ باغ سبحانَ السّبوح کے چند ضروری اقتباسات:

ہم اس مقام پر مجدد اسلام، مولانا احمد رضا خاں قدس سرہ کے ایک رسالہ "دامانِ باغ سبحانَ السبوح" کے چند ضروری اقتباسات پیش کرتے ہیں جن سے "رسالہ یک روزی" کی دلیل اور مصنف رسالہ کے موقف کا فساد بخوبی نمایاں ہو کر سامنے آجائے گا۔ ان شاء اللہ تعالی۔ آپ رقم طراز ہیں:

میں نے اپنے رسالے "سبحانَ السبوح عن عیب کذب" مقبوح میں تیس نصوص اور تیس دلائل قطعیہ سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالی کا کذب محال بِالذات ہے اور یہ کہ اس کے محال بِالذات ہو نے پر تمام ائمۂ امت کا اجماع ہے۔ مسلمان جس کے دل میں اس کے رب کی عظمت اور اس کے کلام کی تصدیق ہو اگر کچھ بھی سمجھ رکھتا ہے تو اس کے لیے یہی دو حرف کافی ہیں۔

اول: یہ کہ کذب ایسا گندا، ناپاک عیب ہے جس سے ہر تھوڑی ظاہری عزّت والا بھی بچنا چاہتا ہے اور اپنی طرف اس کی نسبت سے عار رکھتا ہے، اگر وہ اللہ عزّوجلّ کے لیے ممکن ہوا تو وہ عیبی، ناقص، ملوث، گندی گھناونی نجاست سے آلودہ ہو سکے گا، کیا کوئی مسلمان اپنے رب پر ایسا گمان کر سکتا ہے، مسلمان تو مسلمان کہ اس کے لیے اس کے رب کی امان، ادنی سمجھ والا یہودی نصرانی بھی ایسی بات اپنے رب کی نسبت گوارا نہ کرے گا۔ پاکی ہے اسے جس کے سرا پردۂ عزت و جلال کے گرد کسی عیب و نقص کا گزر قطعًا محال بِالذات ہے، جس کی عظمت و قدوسیت کو ہر لوث و آلودگی سے بِالذّات منافات ہے۔...

اہلِ سنت کا مذہب یہ ہے کہ تمام جہان حادث و نو پیدا ہے، اور اس کا بنانے والا قدیم اور صفاتِ قدیمہ سے موصوف ہے، نہ اس کا جہل ممکن ہے، نہ کذب ممکن ہے، نہ اس میں کسی طرح کے عیب و نقص کا امکان ہے۔

دوم: یہ کہ جب اس کا کذب ممکن ہو تو اس کا صدق ضروری نہ رہا، جب اس کا صدق

ضروری نہ رہا، تو اس کی کون سی بات پر اطمینان ہو سکے گا، ہر بات میں احتمال رہے گا کہ شاید جھوٹ کہہ دی ہو، جب وہ جھوٹ بول سکتا ہے تو اس یقین کا کیا ذریعہ ہے کہ اس نے کبھی نہ بولا، کیا اس کو کسی کا ڈر ہے، یا اس پر کوئی حاکم و افسر ہے جو اسے دبائے گا اور جو بات وہ کر سکتا ہے نہ کرنے دے گا۔

ہاں ذریعہ صرف یہی ہو سکتا تھا کہ خود اس کا وعدہ ہو کہ:

"ہمیشہ سچ بولوں گا، یا اس نے فرمادیا ہے کہ میری سب باتیں سچی ہیں۔"

مگر جب اس کا جھوٹ ممکن ٹھہرا تو سرے سے اس وعدہ و فرمان ہی کے صدق پر کیا اطمینان رہا، ہو سکتا ہے کہ پہلا جھوٹ یہی بولا ہو۔

غرض معاذاللہ اس کا کذب ممکن مان کر دین و شریعت اور اسلام و ملّت کسی کا اصلا پتا نہیں رہتا، جزا و سزا، جنت و نار، حساب و کتاب، حشر و نشر کسی پر ایمان کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا، تعالی اللہ عمّا یقولُ الظّٰلِمونَ عُلوًّا کبیرًا.[1]

سوم: اس قائل نے اگرچہ مسلمانوں کا دل رکھنے کو اپنے "رسالہ یک روزی" میں جہاں یہ ناپاک دلیل لکھی ہے یہ اظہار کیا کہ خدا کا کذب ممکن بالذات ہونے پر بھی "ممتنع بِالغیر" ضرور ہے مگر دلیل وہ پیش کی جس نے امتناع بِالغیر کو بھی صاف اڑا دیا۔

ظاہر ہے کہ انسان کا کذب نہ ممتنع بِالذات، نہ ممتنع بِالغیر، بلکہ ہر روز و شب ہزاروں بار واقع، تو کذب پر اس کی قدرت آزاد ہوئی جس پر کوئی روک نہیں اور برابر کام دے رہی ہے، مگر خدا کی قدرت بستہ و مسدود ہے کہ واقع کرنے کی مجال نہیں اور شک نہیں کہ آزاد قدرت "مسدود قدرت" پر صریح فوقیت رکھتی ہے تو یوں کیا انسانی قدرت اس کی قدرت سے فائق نہ رہی، باعتبارِ مقدورات کمّاً نہ سہی، تو باعتبارِ نفاذ کیفاً سہی، ناچار تمھیں ضرور ہے کہ امتناع بِالغیر بھی نہ مانو کہ انسانی قدرت سے شرمانا تو نہ پڑے۔

چہارم: ساری بات یہ ہے کہ اس شخص نے افعالِ انسانی کو خدا کی قدرت سے علاحدہ سمجھا ہے کہ آدمی اپنے کام، اپنی قدرت سے کرتا ہے یہ رافضیوں، معتزلیوں فلسفیوں کا مذہب ہے، اہلِ سنت

---

(۱) الفتاوى الرضوية (ملتقطاً) ج: ٦، ص: ٢٧٥، كتاب السِّيَر/ الرسالة: دامانِ باغ سُبْحٰنَ السُّبُّوح ۔ سنی دار الإشاعة، مبارك فور.

کے نزدیک انسانی، حیوانی تمام جہان کے افعال، اقوال، اعمال، احوال سب اللہ عزوجل ہی کی قدرت سے واقع ہوتے ہیں، اوروں کی قدرت ایک ظاہری قدرت ہے جسے تاثیر و ایجاد میں کچھ دخل نہیں، تمام کائنات و ممکنات پر قدرتِ مُؤثّرہ خاص اللہ عزوجل کے لیے ہے، تو کذب ہو یا صدق، کفر ہو یا ایمان، حُسن ہو یا قبح، طاعت ہو یا عصیان، انسان سے جو کچھ واقع ہوگا وہ اللہ ہی کا مقدور اور اللہ ہی کا مخلوق ہوگا، اسی کی قدرت اور اسی کی ایجاد سے پیدا ہوگا، پھر کیوں کر ممکن کہ انسان کوئی فعل قدرتِ الٰہی سے جُدا کر سکے۔

مقاصد میں ہے:

فعلُ العبد واقع بقدرة الله تعالى، وَإنما لِلعَبدِ الكسبُ، والمعتزِلةُ بقدرة العبد صحةً، والحكماءُ إيجابًا.[1]

یعنی بندے کا ہر فعل اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے واقع ہوتا ہے۔ بندہ کا فقط کسب ہے اور معتزلہ و فلاسفہ کہتے ہیں کہ بندے کا فعل خود بندے کی قدرت سے ہوتا ہے، معتزلہ کے نزدیک امکانی طور پر کہ قدرتِ بندہ سے وقوعِ فعل ممکن ہے، واجب نہیں اور فلاسفہ کے نزدیک وجوبی طور پر، کہ تخلف ممکن نہیں۔

پنجم: اس سے پوچھو، انسان کو کس کے کذب پر قدرت ہے، اپنے (کذب پر) یا خدا کے۔ ظاہر ہے کہ انسان قادر ہے تو صرف کذبِ انسانی پر، نہ کہ معاذاللہ کذبِ ربانی پر۔ اور شک نہیں کہ کذبِ انسانی ضرور قدرتِ ربّانی میں ہے، پھر اگر کذبِ ربانی قدرتِ ربانی میں نہ ہُوا تو قدرتِ انسانی کیوں کر بڑھ گئی، وہ (قدرتِ انسانی) کذبِ ربانی پر کب تھی اور جس پر تھی یعنی کذبِ انسانی، اسے ضرور قدرتِ ربانی محیط ہے۔

ششم: ہم پُوچھتے ہیں قدرتِ انسانی بڑھ جانے سے کیا مراد ہے، آیا یہ کہ انسان کے مقدورات گنتی میں خدا کے مقدورات سے زائد ہوجائیں گے، یہ تو کھلے طور پر باطل ہے کہ کذب و جملہ نقائص سرکارِ عزت کے لیے سرکارِ عزت کی قدرت میں نہ ہونے پر بھی اس کے مقدورات غیر متناہی

(۱) شرح المقاصد، الجزءُ الرابع، ص: ۲۱۹، المقصد الخامس في الإلٰهيات / الفصل الخامس في الأفعال وفيه مباحث/ من منشورات الشريف الرضي.

ہیں اور انسان کتنی ہی ناپاکیوں پر قادر ہو آخر اس کے مقدورات محدود ہی رہیں گے اور متناہی کو نامتناہی سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔

ہاں یہ کہیے کہ ایک چیز بھی ایسی نکلنا جو انسان کے زیرِ قدرت ہو اور رحمٰن کے زیرِ قدرت نہ ہو محال ہے (اور بے شک ایسا ہی ہے) اسی کو "زیادتِ قدرت" سے تعبیر کیا ہے تو اب ہم دریافت کرتے ہیں۔

یہ خاص کذب کہ انسان سے واقع ہوا، قدرتِ خدا سے ہوا ● یا قدرتِ خدا سے جدا؟

بر تقدیرِ اول وہ کون سی چیز نکلی جو انسان کے زیرِ قدرت تھی اور رحمٰن کے زیرِ قدرت نہ تھی کہ یہ جو قدرتِ انسان سے ہوا خود مانتے ہو کہ قدرتِ رحمن سے ہوا۔ پھر زیادت کہاں۔

بر تقدیرِ دوم رحمٰن اگرچہ -معاذاللہ- اپنے کروڑ کذبوں پر قادر ہو وہ کذب اُس کذب کے عین نہ ہوں گے جو انسان سے واقع ہُوا، بلکہ کذب ہونے میں اس کے مثل ہوں گے اور مثل پر قدرت، شے پر قدرت نہیں، وُہ خاص کذبِ انسانی جو قدرتِ انسانی سے واقع ہوا اسے صراحۃً قدرتِ خدا سے جدا کہہ رہے ہو تو خدا کا کذب ممکن بلکہ اب واقع مان کر بھی وُہ کال نہ کٹا کہ ایک شَے جو زیرِ قدرتِ انسانی تھی زیرِ قدرتِ رحمانی نہ ہوئی اس کی نوع، مقدورِ خدا ہوئی، نہ کہ خود وہ فرد۔ تو تو نے خدا اور انسان کو دربارۂ کذب برابر کے دو عاجز مانا کہ نوعِ کذب کے افراد سے جس فرد پر انسان قادر ہے خدا قادر نہیں۔ اور جس فرد پر خدا قادر ہے انسان قادر نہیں۔

اسی پر اس مسئلہ میں اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.[1] (بے شک اللہ تعالیٰ ہر شَے پر قادر ہے۔) پڑھتے اور کذبِ الٰہی محال جاننے والے مسلمانوں پر عجز ماننے کی تہمت رکھتے ہو، حالاں کہ تم خود ہی وُہ ہو کہ خدا کو افرادِ مقدورۂ عبد پر قادر نہیں مانتے جب تو وزن برابر کرنے کو اَمثالِ مقدوراتِ عبد خود اس کے نفسِ کریم میں گھڑنا چاہتے ہو۔

اس کی مثال یُوں سمجھو کہ زید و عمرو دونوں اپنی اپنی زوجہ کو طلاق دینے پر قادر ہیں مگر ایک دوسرے کی زوجہ کو طلاق نہیں دے سکتا تو ہر ایک دوسرے کے مقدور پر قادر نہیں، بلکہ اس کی نظیر پر قادر ہے۔

---

(١) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ٢، الآية: ٢٠.

لیکن حق جلَّ مجدہٗ دونوں پر قادر ہے کہ ان میں جو اپنی زوجہ کو طلاق دے گا وُہ طلاق اللہ ہی کی قدرت سے واقع و موجود و مخلوق ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ زید و عمرو ہر ایک کے عینِ فعل پر بھی قادر ہے اور مثلِ فعل پر بھی کہ ایک کا فعل دوسرے کا مثل تھا، مگر امام الوہابیہ نے اسے خدا کی قدرت نہ جانا، بلکہ قدرت کے لیے یہ لازم سمجھا کہ جیسے وہ اپنی اپنی جورو کو طلاق دے سکتے ہیں خدا خود بھی اپنی جورو[1] کو طلاق دے سکے، و لا حول و لا قوّۃ إلا باللہ العليّ العظیم.

ہفتم: یہ قضیہ بے شک حق تھا کہ جس پر انسان قادر ہے اس پر اور اس کے علاوہ نامتناہی اشیا پر مولیٰ عزوجل قادر ہے۔ وہ (انسان) بقدرتِ ظاہریہ عطائیہ اور حق (تعالیٰ) بقدرت حقیقیہ ذاتیہ۔ مگر اس حق کو یہ کس طرح باطل محض کی طرف لے گیا انسان کا کسی فعل کو کرنا کسب کہلاتا ہے انسان کی قدرت ظاہریہ صرف اس قدر ہے، قدرتِ حقیقیہ -خلق وایجاد- میں اس کا حصہ نہیں وہ خاص مولیٰ عزوجل کی قدرت ہے تو اس کلمۂ حق کا حاصل یہ تھا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے اللہ عزوجل اس کے خلق اور پیدا کرنے پر قادر ہے کہ وہ کسب نہ ہوگا مگر بقدرتِ خدا— اس شخص نے یہ بنالیا کہ انسان جس چیز کے کسب پر قادر ہے، رحمٰن بھی خود اپنے لیے اس کے کسب پر قادر ہے سبحٰنَ اللہِ ربِّ العرش عما یصفون.[2]

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ "یہ اہل حدیث" صحیح بخاری و صحیح مسلم سے امکانِ کذبِ باری کے ثبوت میں کم از کم دو چار احادیثِ نبویہ ایسی پیش کرتے جو احتمال تاویل سے محفوظ اور مُحکم ہوتیں، کچھ دوسری صحاحِ ستہ وغیرہ سے بھی استناد کر سکتے تھے کہ ہم اہل سنت پر احتجاج کے لیے یہ بھی کافی ہے، مگر ایسا نہ کر سکے۔

اب ہم ذیل میں قرآن حکیم کی کچھ آیات اور احادیث نبویہ پیش کرتے ہیں جن سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگا کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے، اور اس کے کلام کے گرد کذب و شائبہ کذب کا گزر نہیں ہو سکتا۔

---

(۱) اگر کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ "جورو" سے پاک ہے- تو ہم کہیں گے کہ وہ "کذب" سے بھی پاک ہے، لہذا جیسے اس کی طرف سے طلاق متصور نہ ہونے کے باعث بندے کی قدرت زیادہ نہیں ہوتی، یوں ہی اس سے کذب متصور نہ ہونے کے باعث بندے کی قدرت اس کی قدرت سے زائد نہ ہوگی۔ ۱۲منہ

(۲) الفتاوی الرضویه (بالتقاط وتصرف یسیر)ج: ٦، ص: ٢٧٧، ٢٧٨، ٢٧٩، کتاب التیسیر/ الرسالة: دامانِ باغِ سبحٰنَ السُّبّوح، سُنّی دار الإشاعة، مبارك فور.

تنزیہ باری کا ثبوت کتاب اللہ سے

پہلا ثبوت: اللہ سے زیادہ سچا کوئی نہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

❶ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ۝(۱) اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

نیز ارشادِ الٰہی ہے:

❷ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝(۲) کس کی بات اللہ سے زیادہ سچی ہے۔

ان آیات کا مفاد یہ ہے کہ خدائے سبّوح وقدّوس کی بات ہر بات سے زیادہ احتمالِ کذب سے پاک ومنزّہ ہے، کوئی بات اور کسی کی بات صداقت اور سچائی میں اس کے برابر نہیں ہو سکتی، کیوں کہ اس طرح کے کلمات میں صرف زیادت کی ہی نہیں، بلکہ سرے سے ہمسری کی نفی مقصود ہوتی ہے جیسے حضور سید کائنات ﷺ کا ارشاد ہے: أنا خیرُ ولد آدم۔(۳)

اس سے مسلمان یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص حضور سید عالم ﷺ کا ہمسر وبرابر نہیں۔

"اَخبار" تین طرح کی ہیں: ● خبرِ واحد ● خبرِ مشہور ● خبرِ متواتر

ان میں سب سے زیادہ قوی "خبرِ متواتر" ہے، کیوں کہ:

☆ یہ خبر کبھی خلافِ واقع نہیں ہوتی۔

☆ بلکہ اس کا احتمال بھی نہیں رکھتی۔

اس لیے اس سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ قطعی ویقینی ہوتا ہے اور اس میں کذب کا کوئی احتمال وشائبہ نہیں ہوتا، ان سب کے باوجود "کذب کا امکانِ ذاتی" باقی رہتا ہے کیوں کہ اہلِ تواتر کا کذب پر متفق ہونا قدرتِ خداوندی سے باہر نہیں۔

اب اگر خدائے بے نیاز کے قول وخبر میں بھی کذب کا یہ امکانِ ذاتی باقی ہو تو پھر اس کا

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النّساء: ٤، الآیة: ١٢٢.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ النّساء: ٤، الآیة: ٨٧.

(۳) کتاب الضُّعفاء للعقیلی، ج: ۲، ص: ۳۳۵، عبد الرحمٰن بن ضباب الأشعری، دارُ الکتب العلمیة.

قول و خبر ہر طرح کے قول و خبر سے، بالخصوص اہلِ تواتر کے قول و خبر سے زیادہ سچا نہ ہوا کہ کذب کا امکانِ ذاتی دونوں جگہ موجود ہے، حالاں کہ ارشادِ الٰہی کا مفاد یہ ہے کہ اس کا قول سب سے زیادہ سچا ہے اور اس کی بات سے زیادہ کسی کی بات سچی نہیں، اس لیے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے کذب ناممکن و محال ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کریمہ سے جو استدلال فرمایا ہے یہ اس کا حاصل و خلاصہ ہے ہم یہاں آپ کی تقریرِ استدلال کی اصل عبارات قدرے اختصار و وضاحت کے ساتھ نقل کرتے ہیں تاکہ پوری دلیل اپنی جامعیت کے ساتھ سامنے آجائے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آیتِ اولیٰ کا مفہوم و مراد سمجھانے کے لیے پہلے تین مقدمات بیان کیے ہیں پھر اس کے مفاد کو واضح فرمایا ہے، کلمات یہ ہیں:

"قال عزّ و جلّ: وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۝"[1] اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے۔

آیتِ کریمہ نصِ جلی، کہ کذب محال عقلی ہے۔

(اس کی وضاحت کے لیے پہلے **تین مقدمات** ذہن نشین کریں۔)

پہلا مقدمہ:

خادم تفسیر و حدیث و واقف کلماتِ فقہا پر روشن ہے کہ اَمثالِ عبارات اگرچہ بظاہر نفیِ مزیتِ (فضیلت) غیر کرتی ہیں مگر حقیقۃً وہ تفضیلِ مطلق و نفیِ برتر و ہمسر کے لیے لائی جاتی ہیں۔

○ "سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے افضل کوئی نہیں، یعنی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے افضل ہیں۔

○ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً.[2] صبغۃ اللہ سب سے احسن ہے۔

○ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا.[3]

یعنی اللہ پر جھوٹا افترا باندھنے والے سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔

تفسیر ارشاد میں اس آیت کے تحت ہے:

---

(١) القرآن الحکیم، سورۃ النّساء: ٤، الأیۃ: ١٢٢.

(٢) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ٢، الأیۃ: ١٣٨.

(٣) القرآن الحکیم، سورۃ الأنعام: ٦، الأیۃ: ٢١.

هو إنكارٌ و استبعادٌ لأن يكون أحدٌ أظلمَ مِمَّنْ فَعَلَ ذٰلِك أَوْ مُسَاوٍ يا لَه .[1]
اس افترا پرداز سے بڑھ کر یا اس کے برابر کوئی ظالم نہیں۔
تولاجرم معنیٰ آیت یہ ہیں:
مولیٰ عزّوجلّ کی بات سب کی باتوں سے زیادہ صادق ہے، جس کے صدق کو کسی کلام کا صدق نہیں پہنچتا۔

دوسرا مقدمہ:

اور پُر ظاہر کہ صدقِ کلام بذات خود اصلاً قابلِ تشکیک نہیں-کہ کسی وجہ سے اس میں تفاوت (کمی، بیشی) مان سکیں۔ سچی سچی باتیں مطابقتِ واقع میں سب یکساں، اگر ذرا بھی فرق ہوا تو سرے سے سچ ہی نہ رہا، أصْدَق (بہت سچا) اور صادق (سچا) کہاں سے صادق آئے گا...

❀ قرآن عظیم نے فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ[2] ہم بھی کہتے ہیں: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ۔ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلَّم۔
کیا وہ جملہ "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ" کہ قرآن میں آیا زیادہ مطابقِ واقع ہے، اور ہم نے جو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کہا کم مطابقِ واقع ہے؟
حاشا کوئی مجنون بھی اس میں تفاوت گمان نہ کرے گا۔
یا متعدّد باتوں میں دیکھیے تو یوں نظر کیجیے:

❀ فرقان عزیز نے فرمایا: وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا[3] (بچے کا پیٹ میں رہنا اور اس کا دودھ چھوٹنا تیس مہینے میں ہے) اور ہم کہتے ہیں: لآ إلٰه إلَّا اللهُ الملِكُ الحقُّ المبين. (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بادشاہ ہے اور حق و مبین)
کیا وہ ارشاد کہ "بچے کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھوٹنا تیس مہینے میں ہے" زیادہ سچا ہے؟ اور اس قول کے صدق میں کہ "اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں" معاذ اللہ کچھ کمی ہے؟

---

(۱) تفسير أبي سعود أو: إرشاد العقل السليم إلى مزايا بالكتاب الكريم، ج:۲،ص: ۱۸٤، تحت آيةِ سورة الأنعام، الأية: ۲۱، مكتبة الرياض الحديثة بالرياض
(۲) القرآن الحكيم، سورة الفتح: ٤٨، الأية: ٢٩.
(۳) القرآن الحكيم، سورة الأحقاف: ٤٦، الأية: ١٥.

تو ثابت ہوا کہ اَصدقیت بمعنی اَشَدُّ مُطابقَةً للواقع غیر معقول ہے۔

تیسرا مقدمہ:

ہاں نظرِ سامع میں ایک تفاوت متصور، اور اس تشکیکِ اَصْدَق و صادق میں وہی مقصود و معتبر۔ جسے دو عبارتوں سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

ایک یہ کہ: "وقعت و قبول میں زائد ہے"

مثلاً: رسول کی بات ولی کی بات سے زیادہ سچی ہے۔ یعنی ایک کلام کہ ولی سے منقول ہوا گر وہی بِعَینہٖ رسول سے ثابت ہو جائے (تو وہ) قلوب میں وقعت اور قبول کی قوت اور دلوں میں سکون و طمانیت ہی اور پیدا کرے گا کہ ولی سے ثبوت تک اس کا عُشر نہ تھا اگرچہ بات حرف بہ حرف ایک ہے۔

دوسرے "احتمالِ کذب سے اَبْعَد ہونا" مثلاً مستور (جو بظاہر پابند شرع ہو) کی بات سے عادل (جو ظاہر و باطن میں پابند شرع ہو) کی بات صادق تر ہے یعنی بہ نسبت اس کے احتمالِ کذب سے زیادہ دور ہے۔

اور حقیقۃً تعبیر اول، اسی تعبیر دوم کی طرف راجع، کہ سامع کے نزدیک جس قدر احتمالِ کذب سے دوری ہوگی اُسی درجہ وقعت و مقبولیت پوری ہوگی۔

جب یہ امر مُمہّد ہوگیا تو آیت کریمہ کا مفاد یہ قرار پایا کہ:

" اللہ عزّ و جلّ کی بات، ہر بات سے زیادہ احتمالِ کذب سے پاک و منزّہ ہے، کوئی خبر اور کسی کی خبر اس امر میں اس کے مساوی نہیں ہو سکتی"

اب جو ہم خبرِ اہلِ تواتر کو دیکھتے ہیں تو وہ بالبداہت، بروجہِ عادتِ دائمہ، ابدیہ، غیر مُتخلّفہ علمِ قطعی، یقینی، جازم، ثابت، غیر محتمل النقیض کو مفید ہوتی ہے جس میں عقل کسی طرح تجویزِ خلاف روا نہیں رکھتی اگرچہ نفسِ ذاتِ خبر و مُخبِر کے پیش نظر امکانِ ذاتی باقی ہے کہ ان کا جمع علی الکذب قدرتِ الٰہیہ سے خارج نہیں۔

اسے پیش نظر رکھ کر کلام باری تعالیٰ کی طرف چلیے:

(اللہ تعالیٰ کے لیے) امکانِ کذب ماننے کے بعد... غایت درجہ اس قدر کہ کلامِ ربّانی و خبرِ اہل تواتر کانٹے کی تول ہم پلّہ ہوں گے۔ جیسا احتمالِ کذب۔ یعنی نافیِ قطع و مُنافیِ جزم۔ اس کلامِ پاک میں نہیں، اُس سے خبرِ تواتر کا بھی دامن پاک۔ اور بہ نظرِ امکانِ ذاتی جو احتمالِ عقلی خبرِ تواتر میں ناشی، وہ بعینہٖ کلامِ الٰہی میں بھی باقی۔

پھر کلامِ الٰہی کا سب کلاموں سے اَصدق ہونا، اور کسی کی بات اس سے صِدْقًا بھی ہمسری نہ کر سکنا۔ کہ مفادِ آیتِ کریمہ تھا۔ معاذ اللہ کب درست آیا۔

بخلاف عقیدۂ اہل سنت یعنی "کذبِ الٰہی کا امتناعِ عقلی" کہ اس تقریر پر کلامِ مولیٰ جلّ وعلا میں کسی طرح احتمالِ کذب کا امکان نہیں، بخلاف خبرِ تواتر کہ احتمالِ امکانی رکھتی ہے۔ اور یہ بات صرف اسی کے کلامِ پاک سے خاص۔ محال ہے کہ کوئی شخص ایسی صورت نکال سکے کہ کسی غیرِ خدا پر کذبِ محالِ عقلی ہو جائے۔[1] اھ ملتقطاً۔

دوسرا ثبوت: کلامِ باری انتہائے درجاتِ صدق پر ہے:

(۳) ارشادِ الٰہی ہے:

وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۱۵﴾[2]

اور پورا ہے تیرے رب کا کلام صدق و انصاف میں، کوئی بدلنے والا نہیں اس کی باتوں کا، اور وہی ہے سننے والا، جاننے والا۔

کلام کی صداقت کے **سات درجات** ہیں اور ہر درجہ صداقت کا آئینہ اور سچائی کی تصویر ہوتا ہے مگر چھ درجات تک کذب کا کوئی گوشہ یا پھر امکانِ کذب کا کوئی تصور پایا جاتا ہے اور ساتویں درجے میں کسی طرح کا کوئی امکان بھی نہیں رہ جاتا، اس لیے صرف یہی ایک درجہ ہے جہاں کلام، **صداقت** کے درجۂ کمال پر ہوتا ہے اور یہ "صدقِ تمام" کا درجہ ہے۔

اللہ رب العزّت جلّ جلالُہٗ کا کلام صداقت کے اسی درجۂ کمال و صدقِ تمام پر فائز ہوتا ہے

---

(۱) الفتاوى الرضوية، ج:٦، ص: ٢٢٧، ٢٢٨، ٢٢٩، كتاب السِّيَر/ الرسالة: سُبحٰنَ السُّبّوح/ الدّليل السّابع والعشرون، سُنّي دار الإشاعة، مبارك فور.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الأنعام: ٦، آيت: ١١٥

جس کے اوپر کوئی اور درجہ نہیں، اس لیے اس کے کلام میں کذب محال بالذات ہے، اگر ایسا نہ ہو تو وہ کلام پاک "صدق تمام" نہ ہوگا جس کی شاہد آیت مذکورہ بالا ہے۔

اب صدق کلام کے یہ درجات اور آیتِ مذکورہ سے وجہ استدلال امام اہل سنت، امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ میں سنیے، آپ ارقام فرماتے ہیں:

"باری عزّوجل کا کلام صدق وعدل کے درجۂ انتہا پر ہے جس کا مثل ان امور (صدق وعدل) میں متصور نہیں۔"

بیضاوی میں ہے:

بلغتِ الغايةَ أخبارُه و أحكامُه و مواعيدُه (صدقًا) في الأخبار والمواعيد (وعدلاً) في الأقضية والأحكام.[1]

(اللہ تعالیٰ کی خبریں اور احکام اور وعدے صداقت کی انتہا کو اور اس کے فیصلے وفرامین عدل و انصاف کی انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ن)

صدق قائل کے سات درجات ہیں:

پہلا درجہ: روایات و شہادات میں قطعاً کذب سے احتراز کرے اور مخاطبات میں بھی زنہار ایسا جھوٹ روا نہ رکھے جس میں کسی کا اِضرار ہو، اگرچہ اسی قدر کہ غلط بات کا باور کرانا۔ مگر مزاحًا یا عبثًا ایسے کذب کا استعمال کرے جو نہ کسی کو نقصان دے، نہ سننے والا یقین لا سکے۔ مثلاً آج زید نے منوں کھانا کھایا، آج مسجد میں لاکھوں آدمی تھے۔ ایسا شخص کاذب نہ گنا جائے گا، یا آثم و مردودُ الروایہ نہ ہوگا، تاہم بات خلافِ واقع ہے اور محض فضول و غیر نافع، اگرچہ نفس کلام میں حکایتِ واقع مراد نہ ہونے پر دلیل قاطع۔ ولہٰذا حدیث میں ارشاد فرمایا:

إنّي وإن داعَبْتُكم فلا أقولُ إلّا حقًّا.

أخرجه أحمدُ والترمذي بإسنادٍ حسن عن أبي هريرة رضي الله تعالى

---

(۱) أنوار التنزيل وأسرار التاويل المعروف بہ تفسير البيضاوي، ج:۲، ص:۱۷۹، سورة الأنعام: ۶، الأية:۱۱۵، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

عنه، عن النّبي ﷺ.[۱]

("میں تمھارے ساتھ تفریح کرتا ہوں تو بھی سچ ہی بولتا ہوں۔")

(احمد و ترمذی نے باسنادِ حسن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انھوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث تخریج کی۔ن۔)

دوسرا درجہ: ان لغو و عبث جھوٹوں سے بھی بچے، مگر نثر یا نظم میں خیالاتِ شاعرانہ ظاہر کرتا ہو، جس طرح قصائد کی تشبیبیں:

"بَانَتْ سُعادُ فقلبي اليوم متبول".[۲] (سُعاد مجھ سے جدا ہوگئی تو میرا دل آج رنجیدہ ہے۔ن)

سب جانتے ہیں کہ وہاں نہ کوئی عورت سُعاد نامی تھی، نہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پر مفتون۔ نہ وہ ان سے جدا ہوئی، نہ یہ اس کے فراق میں مجروح۔ محض خیالاتِ شاعرانہ ہیں۔ مگر نہ فضول بحث، کہ یہ تشحیذِ خاطر و تشویقِ سامع و ترقیقِ قلب و تزیینِ سخن کا فائدہ رکھتے ہیں، تاہم ازانجا کہ یہ بے محکی عنہ کے حکایت ہے فرمایا گیا:

وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ[۳]۔ نہ ہم نے اسے (یعنی: اپنے رسول کو) شعر سکھایا، نہ وہ اس کی شان کے لائق۔ ﷺ۔

تیسرا درجہ: ان سے بھی احتراز کرے مگر مواعظ و امثال میں ان امور کا استعمال کرتا ہو جن کے لیے حقیقتِ واقعہ نہیں، جیسے "کلیلہ دِمنہ" کی حکایتیں، "منطق الطیر" کی روایتیں... سب جانتے ہیں وعظ

---

(۱) ☆ مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ٦٤٠، مسند المكثّرين/ مسندُ أبي هريرة، رقم الحديث: ٨٧٠٨.

☆ جامع الترمذي، ج:٢،ص: ٢٠، أبواب البر والصِّلة، باب ما جاء في المزاح.

مسند احمد اور جامع الترمذی میں مجھے ان مقامات پر حدیث کے یہ الفاظ ملے:

عن أبي هريرة قال: قيل: يا رسول الله، انك تُداعبنا، قال: إنّي لا أقول إلا حقًّا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کی، یارسول اللہ، آپ ہم سے تفریح کرتے ہیں: تو آپ نے فرمایا: میں (تفریح میں بھی) صرف حق بات ہی کہتا ہوں۔ ۱۲ منہ

(۲) المديح النبوي، ص:١٤٨، قصيدة بانت سعاد، مجلس البركات.

(۳) القرآن الحكيم، سورة يٰس: ٣٦، الأية: ٦٩.

و نصیحت کے لیے یہ تمثیلی باتیں بیان کی گئی ہیں جن سے دینی منفعت مقصود ہو، پھر بھی اس کا مصداق معدوم ہے۔ اس لیے قرآن عظیم کو اساطیر الاولین (پہلوں کے بے اصل قصے) کہنا کفر ہوا۔[1]

چوتھا درجہ: ہر طرح کی فرضی حکایت کو قصداً بیان کرنے سے کلی اجتناب کرے اگرچہ بوجہ سہو و خطا خلافِ واقع حکایت کا ذکر ہو جائے۔ یہ درجہ خاص اولیاء اللہ کا ہے۔

پانچواں درجہ: اللہ عزّوجلّ سہواً و خطاءً بھی صدورِ کذب سے محفوظ رکھے، اگرچہ امکانِ وقوعی باقی ہو، یہ مرتبہ اَعاظمِ صدّیقین کا ہے۔

إنّ الله تعالىٰ يكره فوق سمائه أن يخطأ أبو بكرن الصّدّيق في الأرض. رواه الطبراني في "المعجم الكبير" و الحارث في "مسنده" واللفظ له. و ابن شاهين فی "السنّة" عن معاذ بن جبل رضي الله عنه عن النبيّ صلى الله تعالى عليه وسلم.[2]

(بے شک اللہ کو فوقَ السّمٰوٰت یہ ناگوار ہے کہ ابوبکر صدیق سے زمین میں کوئی خطا ہو جائے۔ طبرانی نے "معجم کبیر" میں اور حارث نے اپنی "مسند" میں اور ابن شاہین نے "السنّۃ" میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی۔ ن)

---

(۱) "کفر ہوا" کیوں کہ یہ قرآن حکیم کے نص قطعی کی تکذیب و انکار ہے، ارشاد باری ہے:
"اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝" (القرآن الحكيم، سورة المطففين، ۸۳، الأية: ۱۳)
ترجمہ: جب اس پر (ہر سرکش پر) ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو کہے کہ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔
نیز ارشادِ ربّانی ہے: "وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰی عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ." (القرآن الحكيم، سورة المطففين، ۸۳، الأية: ۱۳)
ترجمہ: مشرکین (قرآن کریم کے بارے میں) بولے، یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں جو انھوں نے لکھ لی ہیں تو وہ ان پر صبح و شام پڑھی جاتی ہیں، آپ فرما دیجیے کہ اسے تو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر بات جانتا ہے۔ (یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ) ۱۲ منہ

(۲) ● المعجم الكبير للإمام الطبراني، ج: ۲۰، ص: ۶۸، ۶۷ / من اسمه معاذ، رقم الحديث: ۱۲٤.
● بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، ج: ۲، ص: ۸۸۶، كتاب المناقب/ باب فضل أبي بكرن الصديق، المملكة العربية/ مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ۸۷۰۸.
● السُّنة للإمام ابن شاهين. عن معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه.
● مسند الشاميين، ج: ۳، ص: ۲۷۵ / عبادة بن نسى عن عبد الرحمن بن غنم، رقم الحديث: ۲۲٤۷، موسسة الرسالة.

چھٹا درجہ: معصوم مِنَ اللّٰہ و مُؤَیَّد بِالمعجزات ہو کہ کذب کا امکانِ وقوعی بھی نہ رہے، مگر بہ نظرِ نفسِ ذات، امکانِ ذاتی ہو۔

یہ رتبہ حضرات انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام اجمعین کا ہے۔

ساتواں درجہ: کذب کا امکانِ ذاتی بھی نہ ہو، بلکہ اس کی عظمتِ جلیلہ و جلالتِ عظیمہ بالذات کذب و غلط کی نافی و منافی ہو اور اس کی ساحتِ عزت کے گردِ اُس گردِ لوث کا گزر محال عقلی ہو۔ یہ **"نہایتِ درجاتِ صدق"** ہے جس سے مافوق متصور نہیں۔

اب آیتِ کریمہ ارشاد فرما رہی ہے کہ تیرے رب کا صدق و عدل اعلیٰ درجۂ منتہیٰ پر ہے، تو واجب کہ جس طرح اس سے صدورِ ظلم و خلافِ عدل باجماعِ اہل سنت محالِ عقلی ہے، یوہیں صدورِ کذب و خلافِ صدق بھی عقلاً ممتنع ہو، ورنہ صدقِ الٰہی غایت و نہایت تک نہ پہنچا ہو گا کہ اس کے مافوق ایک درجہ اور بھی پیدا ہو گا، یہ خود بھی محال اور قرآنِ عظیم کے خلاف ہے۔[قدرے تسہیل والتقاط کے ساتھ][1]

تیسرا ثبوت: تسبیح باری کے تعلق سے آیات واحادیث:

(۴) ہر چیز اللہ کی تسبیح پڑھتی اور پاکی بیان کرتی ہے:

ارشادِ ربانی ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَ لٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾ .[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور وہ تمام جو ان میں ہیں اور کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی پاکی نہ بولتی ہو۔ ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر چیز اللہ کے پاک و بے عیب ہونے کا وظیفہ پڑھتی ہے۔

(۵) ساکنانِ ارض و سما بھی خدائے قدوس کی پاکی کا اعلان کرتے ہیں، فرمان خداوندی ہے:

---

(۱) الفتاوی الرضویة، ج:٦، ص: ۲۲۹، ۲۳۰، کتابُ السِّیَر / الرسالة: سبحٰنَ السُّبُّوح ، سُنّی دار الإشاعة، مبارك فور.

(۲) القرآن الحکیم، سورة الإسراء: ۱۷، الآیة: ٤٤.

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الطَّیۡرُ صٰٓفّٰتٍ ۔[1]

ترجمہ: کیا تم نے دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمان اور زمین میں ہیں اور پرندے پر پھیلائے۔

(۶) بے عقل مخلوق بھی اللہ کی پاکی بیان کرنے میں رطب اللسان ہے، چناں چہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

یُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ الۡمَلِكِ الۡقُدُّوۡسِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَكِیۡمِ ۝[2]

ترجمہ: اللہ کی پاکی بولتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، بادشاہ ہے کامل پاکی والا، عزت والا، حکمت والا۔

(۷) عرش کے فرشتے بھی تسبیح کرتے ہیں، "سورۃ الغافر" میں ہے:

اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَ مَنۡ حَوۡلَهٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ ۔[3]

ترجمہ: وہ جو عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بولتے ہیں۔

(۸) سواری پر بھی اللہ کی پاکی کا اعلان کیا جائے، اس بارے میں قرآن نے یہ فرمان جاری کیا:

ثُمَّ تَذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ اِذَا اسۡتَوَیۡتُمۡ عَلَیۡهِ وَ تَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِیۡنَ ۝ وَ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ ۝ ۔[4]

ترجمہ: پھر اپنے رب کی نعمت یاد کرو جب اس پر ٹھیک بیٹھ لو، اور یوں کہو "پاکی ہے اسے جس نے اس سواری کو ہمارے بس میں کر دیا اور یہ ہمارے قابو کی نہ تھی۔ اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔"

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النور: ۲٤، الآیۃ: ٤١.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الجمعۃ: ٦٢، الآیۃ: ١.

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ الغافر: ٤٠، الآیۃ: ٧.

(٤) القرآن الحکیم، سورۃ الزخرف: ٤٣، الآیۃ: ١٣، ١٤.

(۹) خدائے قدیر اپنی قدرت کا اظہار کرتے ہوئے خود اپنی پاکی کا اعلان فرماتا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا .[1]

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصا تک لے گئی۔

(۱۰) اللہ کی حمد و تسبیح کرنے والوں کے ایمان کی شہادت قرآن دیتا ہے:

اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ .[2]

ترجمہ: ہماری آیتوں پر وہی ایمان لے آتے ہیں کہ جب وہ انھیں یاد دلائی جاتی ہیں سجدہ میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولتے ہیں۔

(۱۱) تسبیح اللہ کے لیے ہے اور توقیر رسول اللہ کے لیے:

سورۃ الفتح میں ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ۙ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝[3]

ترجمہ: (اے نبی) بے شک ہم نے آپ کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا، تاکہ اے لوگو● تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ● اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو● اور صبح و شام اللہ کی بیان کرو۔

اس آیت کریمہ "تُوَقِّرُوْهُ" پر وقف کرکے "وَ تُسَبِّحُوْهُ" کو اس سے جدا رکھا گیا ہے جس سے یہ ذہن ملتا ہے کہ تسبیح کے لائق صرف خدائے پاک کی ذات ہے اور یہ بس اسی کے شایانِ شان ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول کی ذات کے لیے تعظیم و توقیر کا حکم ہوا، نہ کہ تسبیح کا۔

قرآن مقدس میں اس طرح کی کثیر آیات ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ کے پاک و بے عیب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الإسراء: ۱۷، الآیۃ: ۱.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ السجدۃ: ۳۲، الآیۃ: ۱۵.

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ الفتح: ۴۸، الآیۃ: ۸، ۹.

تسبیح کا معنی ہے جو چیز شانِ الٰہی کے لائق نہ ہو اس سے اللہ کی پاکی بیان کرنا، ہر عیب ونقص سے اللہ کی پاکی بیان کرنا، اور **سبحان** کا معنی ہے: تمام عیوب ونقائص سے اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا۔

کذب، ظلم، جہل، حدوث، نوم، موت وغیرہ جتنی بھی سلبی صفات ہیں یہ کلمات ان سب سے اللہ تعالیٰ کے پاک ومنزہ ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ شانِ الٰہی کے لائق نہ عیب ونقص ہیں، نہ امکانِ عیب ونقص، تو یہ الفاظ ان سب سے تنزیہ باری کی دلیل ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کی "تسبیح وتنزیہ" کامل ہے، ناقص نہیں اور کامل تسبیح وتنزیہ یہی ہے کہ وہ عیب وامکان عیب ہر ایک سے منزّہ وبری ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تسبیح صرف اللہ تعالیٰ کی کی جاتی ہے، اس کے سوا کسی اور کی نہیں۔

تسبیح کا ایک معنی عبادت کرنا، نماز پڑھنا بھی آتا ہے اور نماز نفل کو سُبحہ بھی کہا جاتا ہے مگر فی الواقع اس میں اور پہلے والے معنی میں کوئی منافات نہیں کیوں کہ جو ذات ہر طرح کے عیب ونقص اور امکانِ عیب ونقص سے پاک ومنزہ ہوگی وہی ذات اس لائق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، اس کی نماز پڑھی جائے اور وہ ذات صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات جامعِ کمالات ہے۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ تسبیح صرف اللہ کی کی جاتی ہے، اللہ کے سوا کسی اور کی نہیں۔

لغاتِ عرب کی مستند کتاب "لسان العرب" میں ہے:

والتَّسبيحُ: التنزيه.

وسبحانَ الله: معناه: تنزيهاً لله من الصاحبة والولد.

وقيل: تنزيه الله تعالى عن كل ما لا ينبغي له أَن يوصف به.

قال الزجاج: وسبحان: في اللغة تنزيه الله عز وجل عن السُّوء.

وقيل: قوله: سبحانك أَي أُنزِّهك يا رب من كل سوء وأُبرِّئك... ومن صفات الله عز وجل السُّبُّوحُ القُدُّوسُ. قال أَبو إِسحق: السُّبُّوح: الذي يُنَزَّه عن كل سُوء. إهـ ملتقطا.[1]

تسبیح کا معنی تنزیہ ہے اور سبحان اللہ کا معنی ہے اللہ بیوی، بچے سے منزہ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایسی چیز سے منزہ ہے جس سے موصوف ہونا اس کے لیے مناسب نہیں۔

---

(۱) لسان العرب، ج:۳، ص:۱۹۱۴، ۱۹۱۵، باب السين، دار المعارف، قاهره.

زجاج نے کہا کہ سبحان کا لغوی معنی ہے: اللہ ہر عیب اور بُری چیز سے پاک ہے۔
اور کہا گیا کہ سُبحانَكَ کا معنی ہے: اے اللہ! ہر عیب اور بُری چیز سے تجھے پاک وبَری مانتا ہوں۔

اور اللہ عزوجل کے صفات سے السُّبُّوح القُدوس ہے۔ امام ابواسحاق نے فرمایا کہ سُبُّوح وہ ہے جو ہر قبیح وبری چیز سے منزہ ہو۔
تسبیح اور سبحان کے یہ معانی ہر عیب ونقص سے اللہ تعالی کے پاک ومنزہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور تنزیہ کامل یہی ہے کہ وہ نقص وامکان نقص دونوں سے پاک ہو۔

ورَوى الأزهري بإسنادهِ أن ابن الكَوَّاء سأل علياً رضوان الله تعالى عليه عن ''سبحانَ الله'' فقال: كلمةٌ رضيها الله لنفسه فأوصىٰ بها.[1]

ازہری نے اپنی اسناد سے روایت کیا کہ ابن الکَوّا نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے سبحان اللہ کے بارے میں دریافت کیا، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا کلمہ ہے جسے اللہ نے اپنے لیے پسند فرمایا اور اس کے ورد کی تاکید فرمائی۔

یہی وجہ ہے کہ تسبیح صرف اللہ کی پڑھی جاتی ہے اور سبحان کا اطلاق اللہ کی ذات پر ہوتا ہے اور یہ عمل اللہ عزوجل کو اس قدر محبوب وپسندیدہ ہے کہ اس نے انسان، جن، فرشتے اور شجر وحجر ہر چیز کو اپنی تسبیح کے لیے مامور ومسخّر فرمادیا ہے، یہاں تک کہ خود بھی اپنی پاکی کا بیان فرماتا ہے۔

چوتھا ثبوت: اللہ کے جیسی کوئی چیز نہ ہونے کا اعلان:

(۱۲) اللہ تعالی اپنی سلبی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی بیان فرماتا ہے:
لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ⑪.[2]
ترجمہ: اس کے جیسی کوئی چیز نہیں، اور وہ سنتا، دیکھتا ہے۔
اشیا دو طرح کی ہیں:

---

(۱) لسان العرب، ج:۳، ص:۱۹۱٤، باب السين، دار المعارف، قاهره.
(۲) القرآن الحكيم، سورة الشُّورىٰ:٤٢، الآية: ١١.

● کچھ وہ جو کذب اور دوسرے عیوب و نقائص سے ملوث ہوتی ہیں ● اور کچھ وہ جو کذب وغیرہ عیوب و نقائص سے ملوث تو نہیں ہوتیں، مگر امکانِ عقلی پایا جاتا ہے۔

اور اللہ تعالی ہر چیز سے بالا تر ہے، اس کے جیسی کوئی چیز نہیں تو معلوم ہوا کہ وہ کذب وغیرہ عیوب سے نہ ملوث ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے یہاں اس کا امکان پایا جاتا ہے۔

تنزیہ باری کا ثبوت احادیث نبویہ سے

اب ہم سید الانبیاء، افضل الرسل، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی احادیث کریمہ پیش کرتے ہیں جن سے بخوبی عیاں ہو جائے گا کہ اللہ عزّ وجلّ کا کلام سب سے اچھا اور سب سے سچا ہے اور اس کو یہ لازم ہے کہ اس میں کذب کا کوئی امکان نہ پایا جائے۔

(۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ، وَعَلَا صَوْتُهُ ... وَيَقُولُ: أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ وَخَيْرَ الْهدي هدي مُحَمَّدٍ، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ، ثُمَّ يَقُولُ: أَنَا أَوْلَى بِكُلِّ مُؤْمِنٍ مِنْ نَفْسِهِ، مَنْ تَرَكَ مَالًا فَلِأَهْلِهِ، وَمَنْ تَرَكَ دَيْنًا أَوْ ضَيَاعًا فَإِلَيَّ وَعَلَيَّ.(۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بھی بلند ہو جاتی... اور فرماتے: أمّا بعد! بے شک سب سے بہتر کلام، کتابُ اللہ ہے اور سب سے بہتر ہدایت/سیرت محمد ﷺ کی ہدایت/سیرت ہے۔ اور سب سے بُرے کام بدعات (دین میں کتاب و سنت کے خلاف نئی باتوں کی ایجادات) ہیں اور ہر بدعت گمرہی ہے۔

پھر فرماتے: ● مجھے ہر مومن پر اس کی اپنی ذات سے زیادہ ولایت ہے ● جو مال چھوڑے وہ اس کے وارثوں کا ہے ● اور جو دَین (قرض) یا محتاج بچے چھوڑے تو وہ قرض اور بچوں کی کفالت

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۲۸۴، كتاب الجمعة / فصلٌ في خطبة الجمعة، مجلس البركات الجامعة الأشرفيه، مبارك فور.

میرے ذمہ ہے۔

(۲) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ يَحْمَدُ اللهَ وَيُثْنِي عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ يَقُولُ: "مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهُ. **إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ** وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرَّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ وَكُلَّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ".(۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے خطبے میں اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان اس کی حمد و ثنا کرتے ہوئے فرماتے:

جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں، اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ بے شک سب سے سچا کلام کتاب اللہ ہے اور سب سے اچھی ہدایت/سیرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت/سیرت ہے اور سب سے برے امور دین میں کتاب وسنت کے خلاف نئی نئی ایجادات و بدعات ہیں، دین میں کتاب وسنت کے مخالف ہر نئی ایجاد بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔

(۳) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- كَانَ يَقُولُ فِي صَلاَتِهِ بَعْدَ التَّشَهُّدِ « أَحْسَنُ الْكَلاَمِ كَلاَمُ اللهِ وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ -صلى الله عليه وسلم- ».(۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی نماز میں بعد تشہد فرمایا کرتے کہ سب سے اچھا کلام، اللہ کا کلام ہے اور سب سے اچھی سیرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت ہے۔

(٤) عَنْ مُخَارِقٍ: سَمِعْتُ طَارِقًا قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ

---

(۱) ● سنن النسائي، كتاب صلاة العيدين/ بابٌ كيف الخطبة. ص: ۱۸٦، رقم: الحديث: ۱۵۷۸، بيت الأفكار الدولية.

● و سنن ابن ماجه ص: ۲۲۰، كتاب المقدمة / باب اجتناب البِدَع والجدل، بيت الأفكار الدولية.

(۲) سنن النسائي، ص: ۱۵٤، كتاب السِّيَر/ باب نوع آخر الذكر بعد التشهد، بيت الأفكار الدولية.

كِتَابُ اللهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ تعالى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[1]

ترجمہ: مخارق کا بیان ہے کہ میں نے طارق سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سب سے اچھی بات "کتاب اللہ" (اللہ کا کلام) ہے اور سب سے اچھی ہدایت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت ہے۔

اور ظاہر ہے کہ کذب بُری بات ہے، وہ "اچھی" وہ بھی "سب سے اچھی بات" نہیں ہوسکتا۔

(٥) أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ: سَمِعْتُ مُرَّةَ الْهَمْدَانِيَّ يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللهِ: إِنَّ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللهِ، وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا.[2]

ترجمہ: عمرو بن مُرّہ نے بتایا کہ میں نے مُرّہ ہمدانی سے یہ فرماتے سنا کہ حضرت عبدُاللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ سب سے اچھا کلام، کتابُ اللہ ہے اور سب سے اچھی ہدایت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت ہے، اور سب سے بُرے امور بدعات (دین میں کتاب وسنت کے خلاف نئی باتوں کی ایجاد) ہیں۔

(٦) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ قَالَ: إِنَّمَا هُمَا اثْنَتَانِ، الْكَلَامُ وَ الْهَدْيُ ، فَأَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللهِ ، وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ.[3]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دو چیزیں ہیں، کلام اور ہدایت۔ تو سب سے اچھا کلام، اللہ کا کلام ہے اور سب سے اچھی ہدایت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہدایت ہے۔

تقریرِ استناد: ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلامِ اقدس کو:

● "خيرُ الحديث" ● أَحسَنُ الحديث ● أحسنُ الكلام ● اور أَصْدَقُ

---

(١) صحيح البخاري، ج:٢، ص: ٩٠١، كتاب الأدب / باب في الهدي الصالح، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(٢) صحيح البخارى، ج:٢، ص: ١٠٨٠، ١٠٨١ ، كتاب الاعتصام/ باب الاقتداء بسُنَن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، مجلس البركات، الجامعة الاشرفية، مبارك فور .

(٣) سنن ابن ماجه، ص: ٢٣، كتاب المقدمة / باب اجتناب البدع و الجدل، بيت الأفكار الدولية.

الحدیث" بتایا ہے۔ یعنی:

● "سب سے بہتر بات ● سب سے اچھی بات ● سب سے اچھا کلام ● سب سے سچی بات"۔

یقیناً جو کلام سب سے بہتر اور سب سے اچھا ہوگا وہ ضرور سب سے زیادہ سچا بھی ہوگا، اور جو کلام سب سے زیادہ سچا ہوگا وہ ضرور سب سے بہتر اور سب سے اچھا ہوگا۔ یہ اوصاف کلام الٰہی کے حق میں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔ اسی کی شہادت کلام اللہ بھی دیتا ہے کہ اللہ کا قول سب سے زیادہ سچا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾ [(۱)]　وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾ [(۲)]

ان آیات سے استدلال کے ضمن میں واضح کر دیا گیا ہے کہ خبرِ واحد، خبرِ مشہور، و خبرِ متواتر میں سب سے زیادہ سچی، پکی، قطعی، یقینی بات خبرِ متواتر ہے تاہم یہاں بھی کذب کا امکانِ ذاتی موجود ہے اور اللہ تعالیٰ کی بات سب سے زیادہ بہتر اور اچھی اور سچی ہے تو یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کی بات میں کذب کا امکان ذاتی بھی نہ رہے، ورنہ اس کا قول اور خبرِ اہل تواتر ایک درجے کے ہوں گے، حالاں کہ یہ ایک درجے کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول اس سے بھی زیادہ سچا اور اچھا اور بہتر ہے۔

یہاں اس نکتے کی طرف بھی توجہ مبذول کرنا چاہیے کہ ان احادیث میں کلامِ الٰہی کو سب سے اچھا، سچّا اور بہتر بتانے کے بعد فوراً یہ صراحت بھی کر دی گئی ہے کہ سب سے برے امور مُحدَثات و بدعات ہیں یعنی دین میں کتاب و سنت کے مخالف نئی نئی باتوں کی ایجاد۔ آخر اس موقع سے اس کا ذکر کیوں کیا گیا اور کلام الٰہی کی اَصدقیت سے اس کا کیا لگاو؟

میں سمجھتا ہوں کہ کلام الٰہی کی اَصدقیت سے اس کا جانبِ مخالف میں گہرا لگاو ہے۔

وہ یہ کہ مذہبِ اسلام کے دینِ حق، دینِ ہدایت، دینِ صادق، و دینِ سماوی ہونے کے لیے کلام الٰہی کا ہر کلام سے بہتر، ہر کلام سے اچھا اور سچا ہونا ضروری ہے جس سے امکانِ کذبِ ذاتی کی نفی لازمی

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النساء: ٤، الآیۃ: ۱۲۲.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ النسّاء: ٤، الآیۃ: ۸۷.

طور پر ہر صاحب عقل و فہم سمجھتا ہے اور اس پر اربابِ عقل و دانش کا اجماع بھی ہے اور یہی کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کا مفاد بھی۔

لیکن ان سب کے بر خلاف امکانِ کذبِ الٰہی کا عقیدہ ظاہر کرنا اور یہ کہنا کہ "اللہ جھوٹ بول سکتا ہے" یقیناً "شرُّ الأمور" ہے سب سے بُری بات اور بدتر کام۔ یہ دین اسلام میں ایک ایسے عقیدے کا اظہار ہے جو نہ کتاب اللہ میں ہے، نہ سنتِ رسول اللہ میں، نہ اجماع میں اور سلف و خلف سب اس سے ناآشنا ہیں۔ یہ ہے وہ بدعت جو گمراہی ہے۔ کلّ بدعة ضلالةٌ.

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دانائے غیوب، نبیِ مرتضیٰ، ہادیِ امت ﷺ کو وحیِ الٰہی سے یہ معلوم تھا کہ توحید کا کلمہ پڑھنے والا ایک فرقہ اس امت میں رونما ہوگا جو کلام الٰہی کے اَحسَن و اَصدَق ہونے کو چیلنج کرے گا، اس لیے آپ نے پہلے ہی ایک کلام جامع کے ذریعہ اس بدعت کی خبر دے دی کہ "خیرُ الحدیث" کلام اللہ ہے اور "شرُّ الحدیث" اس کے خلاف عقیدے کا اظہار ہے۔ کاش کہ یہ مدّعیانِ حدیث، اس حدیث کا کچھ احترام کرتے۔

(۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلّم: كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ، خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ، ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ "سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ."(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

دو کلمے رحمٰن کو محبوب، زبان پر ہلکے، میزان میں بھاری ہیں:

● سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ.

(۸) عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ،رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ. . . .وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَصَلَّى لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، مَا لَكُمْ حِينَ نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي الصَّلاَةِ أَخَذْتُمْ بِالتَّصْفِيحِ، إِنَّمَا التَّصْفِيحُ لِلنِّسَاءِ، مَنْ

---

(۱) ☆ صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۱۱۲۸، ۱۱۲۹ ، كتاب التوحيد/ باب قول الله تعالى: ونضع الموازين القسط وأن أعمال بني آدم، مجلس البركات، الجامعة الأشرفيه مبارك فور .
☆ الصحيح لمسلم، ج:۲،ص: ۳٤٤، كتاب الذكر والدعاء/ بابُ فضلِ التّهليل والتسبيح والدعاء، مجلس البركات.

نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلاَتِهِ فَلْيَقُلْ: "سُبْحَانَ اللهِ." (۱)

ترجمہ: ابو حازم روایت کرتے ہیں کہ سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ... رسول اللہ جل اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر لوگوں کو نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا:

اے لوگو! کیا بات ہے کہ جب تمھیں نماز میں کچھ بتانے کی حاجت پیش آئی تو تم لوگ تالی بجانے لگے، تالی تو صرف عورتوں کے لیے ہے۔ جسے نماز میں کچھ بتانے کی حاجت ہو وہ "سُبْحَانَ اللهِ." " پڑھ دیا کرے۔

(۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، قَالَ: جَاءَ الْفُقَرَاءُ إِلَى النَّبِيِّ صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّم، فَقَالُوا: ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ مِنَ الأَمْوَالِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلاَ وَالنَّعِيمِ الْمُقِيمِ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ وَلَهُمْ فَضْلٌ مِنْ أَمْوَالٍ يَحُجُّونَ بِهَا وَيَعْتَمِرُونَ وَيُجَاهِدُونَ وَيَتَصَدَّقُونَ.

قَالَ: أَلاَ أُحَدِّثُكُمْ بِأَمْرٍ إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ أَدْرَكْتُمْ مَنْ سَبَقَكُمْ وَلَمْ يُدْرِكْكُمْ أَحَدٌ بَعْدَكُمْ وَكُنْتُمْ خَيْرَ مَنْ أَنْتُمْ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِ إِلاَّ مَنْ عَمِلَ مِثْلَهُ تُسَبِّحُونَ وَتَحْمَدُونَ وَتُكَبِّرُونَ خَلْفَ كُلِّ صَلاَةٍ ثَلاَثًا وَثَلاَثِينَ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ فقراے صحابہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ مال دار صحابہ نے اپنے مال کی وجہ سے بلند درجات اور ہمیشگی کی نعمت حاصل کرلی، وہ ہم لوگوں کی طرح نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور ان کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہ اپنے اموال کی وجہ سے

- حج کرتے ہیں۔
- عمرہ کرتے ہیں۔
- جہاد کرتے ہیں۔
- اور صدقہ کرتے ہیں۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۶۲، كتاب التهجد/ باب رفع الأيدي في الصّلاة لأمرٍ ينزل به، مجلس البركات.

(۲) ☆ صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۱۶، كتاب الأذان/ باب الذّكر بعد الصّلاة، مجلس البركات، الجامعة الأشرفيه مبارك فور.

☆ الصحيح لمسلم، ج:۱،ص: ۲۱۷، كتاب المساجد/ باب استحباب الذكر بعد الصلاة و بيان صفته، مجلس البركات.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تمھیں ایسا وظیفہ نہ بتادوں جسے پڑھ کر تم لوگ سبقت لے جانے والے صحابہ کے درجے تک پہنچ جاؤ اور تمھارے بعد کوئی تمھارے درجے کو نہ پا سکے، اور تم موجودہ صحابہ سے افضل ہو جاؤ، اِلّا یہ کہ وہ بھی وہ وظیفہ پڑھنے لگیں۔

ہر نماز کے بعد ۳۳/ بار **سبحان اللہ** پڑھو — اور ۳۳/ بار الحمد للہ پڑھو — پھر ۳۴/ بار اللہ اکبر۔

(۱۰) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: "مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ".(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا... جو دن میں سو بار "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" پڑھے تو اس کے (صغیرہ) گناہ مٹا دیے جائیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔

(۱۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- «مَنْ قَالَ حِينَ يُصْبِحُ وَحِينَ يُمْسِي: سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ مِائَةَ مَرَّةٍ. لَمْ يَأْتِ أَحَدٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهِ إِلاَّ أَحَدٌ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ أَوْ زَادَ عَلَيْهِ».(۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو صبح وشام "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" سو سو بار پڑھے تو قیامت کے دن کوئی اس سے افضل وظیفہ لے کر نہ آئے گا مگر یہ کہ کسی نے یہی وظیفہ سو بار پڑھا ہو (تو وہ فضیلت میں برابر ہوگا) یا سو سے زیادہ پڑھا (تو وہ افضل ہوگا)۔

(۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- «لأَنْ أَقُولَ "سُبْحَانَ اللَّهِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ" أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا

---

(۱) ☆ الصحيح لمسلم، ج:۲،ص: ۳۴۴، كتابُ الذّكر والدعاء/ باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء، مجلس البركات.

☆ صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۹۴۸، كتاب الدعوات/ بابُ فضلِ التّسبيح، مجلس البركات.

(۲) الصحيح لمسلم، ج:۲،ص: ۳۴۴، كتابُ الذكر والدعاء/ بابُ فضلِ التهليل والتسبيح والدعاء، مجلس البركات.

طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ».[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ'' میرے نزدیک دنیا کے تمام اذکار سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

● ان دونوں حدیثوں میں ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ'' کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے وہ ظاہر یہ ہے کہ عام اذکار کی طرف نسبت کرتے ہوئے ہے یا مخصوص اوقات واحوال کے لحاظ سے ہے، ورنہ کلام اللہ کی فضیلت تو تمام اذکار سے زیادہ ہے۔

(۱۳) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- ''أَحَبُّ الْكَلاَمِ إِلَى اللّٰهِ أَرْبَعٌ: ● سُبْحَانَ اللّٰهِ ● وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ● وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ ● وَاللّٰهُ أَكْبَرُ.''[2]

ترجمہ: صحابیِ رسول حضرت سمرہ بن جُندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ کلام چار ہیں:

● سُبْحَانَ اللّٰهِ ● وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ ● وَلاَ إِلَهَ إِلاَّ اللّٰهُ ● وَاللّٰهُ أَكْبَرُ.

کہ اول میں ہر عیب ونقص سے اللہ تعالیٰ کی پاکی کا، اور دوسرے میں اس کے تمام صفات کمالیہ کے جامع ہونے کا، تیسرے میں اس کی توحید کا، اور چوتھے میں اس کی کبریائی کا اعلان ہے۔

(١٤) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم-: «أَلاَ أُخْبِرُكَ بِأَحَبِّ الْكَلاَمِ إِلَى اللّٰهِ». قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَخْبِرْنِي بِأَحَبِّ الْكَلاَمِ إِلَى اللّٰهِ. فَقَالَ: إِنَّ أَحَبَّ الْكَلاَمِ إِلَى اللّٰهِ «سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ».[3]

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۲،ص: ۳٤٥، كتابُ الذكر والدعاء/ بابٌ فضلِ التهليل والتسبيح والدعاء، مجلس البركات.

(۲) الصحيح لمسلم، ج:۲،ص: ۲۰۷، كتاب الآداب/ باب كراهةِ التسمية بالأسماء القبيحة وبنافع ونحوه، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) الصحيح لمسلم، ج:۲، ص: ۳٥۱، كتابُ الذكر والدّعاء/ باب فضل سُبْحَان الله وبحمده، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: عبد اللہ بن صامت سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں بارگاہِ الٰہی کا سب سے زیادہ محبوب وپسندیدہ کلام نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ، بتائیے۔ تو آپ نے فرمایا اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ کلام " سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ" ہے۔

(١٥) عَنِ ابْنِ الصَّامِتِ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- سُئِلَ أَيُّ الْكَلاَمِ أَفْضَلُ قَالَ « مَا اصْطَفَى اللّٰهُ لِمَلاَئِكَتِهِ أَوْ لِعِبَادِهِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ ».[١]

ترجمہ: عبد اللہ بن صامت حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا کلام افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو کلام اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں یا اپنے بندوں کے لیے چُن لیا ہے: "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ"۔

مطلب یہ ہے کہ جن کلمات سے اللہ تعالیٰ کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں جیسے: "الرحمٰن الرحیم" ان میں یہ کلمات اس لیے زیادہ محبوب وپسندیدہ ہیں کہ " سُبْحَانَ اللّٰهِ " پڑھ کر بندہ یہ اعلان کرتا ہے کہ خدائے قدّوس ہر عیب ونقص سے پاک ہے۔ اور "وَبِحَمْدِهٖ " پڑھ کر یہ اعلان کرتا ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے، مختصر کلموں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بڑی جامع تعریف ہے اس لیے اسے یہ کلمات بہت محبوب ہیں۔

(١٦) عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- يُكْثِرُ مِنْ قَوْلِ « سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهِ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ».[٢]

ترجمہ: حضرت مسروق سے روایت ہے کہ حضرت اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ" پڑھا کرتے تھے۔

(١٧) عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، أَنَّ عَائِشَةَ نَبَّأَتْهُ أَنَّ رَسُولَ

---

(١) الصحيح لمسلم، ج:٢،ص: ٣٥١، كتاب الذكر والدعاء/ باب فضل سُبحان الله وبحمده، مجلس البركات، مبارك فور.

(٢) الصحيح لمسلم، ج:١،ص: ١٩٢، كتاب الصلاة/ باب ما يقال في الركوع والسُّجود، مجلس البركات، مبارك فور.

اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلم- كَانَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ « سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ ».[۱]

ترجمہ: مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع و سجود میں "سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ" پڑھا کرتے تھے۔

(۱۸) عَنْ حُذَيْفَةَ، قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ -صلَّى الله تعالىٰ عليه وسلم- ذَاتَ لَيْلَةٍ .... ثُمَّ رَكَعَ، فَجَعَلَ يَقُولُ: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ» . ... ثُمَّ سَجَدَ فَقَالَ: «سُبْحَانَ رَبِّيَ الأَعْلَى».[۲]

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں ایک شب نماز پڑھی۔ حضور رکوع میں " سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ " اور سجدہ میں " سُبْحَانَ رَبِّيَ الأَعْلَى " پڑھتے تھے۔

(۱۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، عَنْ جُوَيْرِيَةَ بِنْتِ الحَارِثِ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلَيْهَا وَهِيَ فِي مَسْجِدٍ ثُمَّ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَا قَرِيبًا مِنْ نِصْفِ النَّهَارِ ، فَقَالَ لَهَا : مَا زِلْتِ عَلَى حَالِكِ فَقَالَتْ: نَعَمْ ، قَالَ : أَلا أُعَلِّمُكِ كَلِمَاتٍ تَقُولِينَهَا: ● "سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهِ ● سُبْحَانَ اللّٰهِ رِضَا نَفْسِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رِضَا نَفْسِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رِضَا نَفْسِهِ ● سُبْحَانَ اللّٰهِ زِنَةَ عَرْشِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ زِنَةَ عَرْشِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ زِنَةَ عَرْشِهِ ● سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ ، سُبْحَانَ اللّٰهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ."

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱،ص: ۱۹۲، كتاب الصلاة/ باب ما يقال في الركوع والسُّجود، مجلس البركات، مبارك فور .

(۲) ● الصحيح لمسلم، ج:۱،ص: ۲٦٤، كتاب صلاة المسافرين وقصرها/ باب استحبابِ تطويلِ القراءة في صلاة الليل، ، مجلس البركات، مبارك فور .

● جامع الترمذي، ج:۱،ص: ۳٦، أبواب الصلاة/ باب ما جاء في التسبيح في الرُّكوع والسجود، مجلس البركات، مبارك فور.

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس جویریہ بنت حارث سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے گزرے اور وہ مسجد میں تھیں، پھر نبی کریم ﷺ ان کے پاس سے نصف النہار کے قریب گزرے اور وہ اسی حال پر تھیں تو حضور نے فرمایا: کیا میں تمھیں کچھ کلمات نہ سکھادوں جو تم پڑھتی رہو۔ (پھر آپ نے انھیں یہ کلمات سکھائے:)

● "سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ، سُبْحَانَ اللهِ عَدَدَ خَلْقِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ، سُبْحَانَ اللهِ رِضَا نَفْسِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ، سُبْحَانَ اللهِ زِنَةَ عَرْشِهِ ● سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ، سُبْحَانَ اللهِ مِدَادَ كَلِمَاتِهِ."

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۲۰) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ أُمَّ سُلَيْمٍ غَدَتْ عَلَى النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- فَقَالَتْ عَلِّمْنِي كَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ فِي صَلاَتِي. فَقَالَ « كَبِّرِي اللَّهَ عَشْرًا وَسَبِّحِي اللَّهَ عَشْرًا وَاحْمَدِيهِ عَشْرًا. ثُمَّ سَلِي مَا شِئْتِ يَقُولُ نَعَمْ نَعَمْ ». قَالَ: وَفِي الْبَابِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو وَالْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ وَأَبِي رَافِعٍ. قَالَ أَبُو عِيسَىٰ حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.[۲]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ام سلیم نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں صبح سویرے آئیں اور عرض کیا کہ حضور مجھے کچھ کلمات سکھادیں جو میں اپنی نماز میں پڑھا کروں۔ تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: دس بار "الله أكبر" کہو، دس مرتبہ "سُبحان الله" کہو، اور دس مرتبہ "الحمدُ لله" پڑھو۔ پھر جو چاہو اللہ سے دعا کرو، وہ فرمائے گا: ہاں، میں نے قبول کیا، ہاں تمھاری دعا مقبول ہے۔

اس باب میں حضرت ابن عباس، عبد اللہ بن عمرو اور فضل بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت انس کی حدیث حسن صحیح ہے۔

(۱) جامع الترمذي، ج:۲، ص: ۱۹۴، ۱۹۵، أبواب الدعوات/ باب منه، مجلس البركات.

(۲) جامع الترمذي، ج:۱، ص: ۶۳، أبواب الوتر/ باب ما جاء في صلاةِ التسبيح، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲۱) حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي لَيْلَى ، عَنْ دَاوُدَ بْنِ عَلِيٍّ هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَيْلَةً حِينَ فَرَغَ مِنْ صَلاَتِهِ :

"اللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِي نُورًا فِي قَلْبِي، وَنُورًا فِي قَبْرِي، وَنُورًا مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ، وَنُورًا مِنْ خَلْفِي، وَنُورًا عَنْ يَمِينِي، وَنُورًا عَنْ شِمَالِي، وَنُورًا مِنْ فَوْقِي، وَنُورًا مِنْ تَحْتِي ، وَنُورًا فِي سَمْعِي ، وَنُورًا فِي بَصَرِي ، وَنُورًا فِي شَعْرِي ، وَنُورًا فِي بَشَرِي ، وَنُورًا فِي لَحْمِي ، وَنُورًا فِي دَمِي ، وَنُورًا فِي عِظَامِي ، اللّٰهُمَّ أَعْظِمْ لِي نُورًا ، وَأَعْطِنِي نُورًا ، وَاجْعَلْ لِي نُورًا ، سُبْحَانَ الَّذِي تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهِ ، سُبْحَانَ الَّذِي لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهِ ، سُبْحَانَ الَّذِي لاَ يَنْبَغِي التَّسْبِيحُ إِلاَّ لَهُ، سُبْحَانَ ذِي الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ ، سُبْحَانَ ذِي الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ، سُبْحَانَ ذِي الْجَلاَلِ وَالإِكْرَامِ.

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ ، لاَ نَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ حَدِيثِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک شب۔جب آپ نماز سے فارغ ہوئے۔یہ پڑھتے ہوئے سنا:

اللّٰهُمَّ ● اجْعَلْ لِي نُورًا فِي قَلْبِي ● وَنُورًا فِي قَبْرِي ● وَنُورًا مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ ● وَنُورًا مِنْ خَلْفِي ● وَنُورًا عَنْ يَمِينِي ● وَنُورًا عَنْ شِمَالِي ● وَنُورًا مِنْ فَوْقِي ● وَنُورًا مِنْ تَحْتِي ● وَنُورًا فِي سَمْعِي ● وَنُورًا فِي بَصَرِي ● وَنُورًا فِي شَعْرِي ● وَنُورًا فِي بَشَرِي ● وَنُورًا فِي لَحْمِي ● وَنُورًا فِي دَمِي ● وَنُورًا فِي عِظَامِي ● اللّٰهُمَّ أَعْظِمْ لِي نُورًا ● وَأَعْطِنِي نُورًا ● وَاجْعَلْ لِي نُورًا ● سُبْحَانَ الَّذِي تَعَطَّفَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهِ ● سُبْحَانَ الَّذِي لَبِسَ الْمَجْدَ وَتَكَرَّمَ بِهِ ● سُبْحَانَ الَّذِي لاَ يَنْبَغِي التَّسْبِيحُ إِلاَّ لَهُ ● سُبْحَانَ ذِي الْفَضْلِ وَالنِّعَمِ ● سُبْحَانَ ذِي الْمَجْدِ وَالْكَرَمِ ● سُبْحَانَ ذِي الْجَلاَلِ وَالإِكْرَامِ.

امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث غریب ہے، ہمیں یہ حدیث ابن ابو لیلیٰ کی اس سند سے ہی معلوم ہے۔

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۲، ص: ۷۸، أبواب الدّعوات/ باب منه، مجلس البركات.

افادات:

ان احادیث شریفہ سے بہت سے افادات حاصل ہوتے ہیں، ہم چند بیان کرتے ہیں:

افادہ (۱): ان احادیث کریمہ سے جہاں تسبیح و تقدیس کے فضائل معلوم ہوتے ہیں وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خداے سُبّوح و قُدوس نے کثرت سے اس کے پڑھنے کا اعلیٰ اہتمام فرمایا ہے۔ ● فرشتوں کے لیے یہ وظیفہ منتخب فرمایا تاکہ وہ برابر پڑھتے رہیں ● اور انسانوں کو اپنے محبوب ﷺ کے ذریعہ اس کی ترغیب دی تاکہ وہ بھی اس وظیفہ میں رطب اللسان رہیں ● نماز جیسی افضلُ العبادات کے اہم ارکان رکوع و سجود میں اس کا پڑھنا مستحب قرار دیا تاکہ جو بندۂ صالح عام احوال واوقات میں اس کا ورد کسی وجہ سے نہ کرسکے تو وہ نماز میں ضرور پڑھ لے ● یہاں تک کہ کائناتِ عالم کی ہر چیز کو اپنی تسبیح کے لیے مامور فرمادیا، حیوانات، نباتات، جمادات اور ان کے سوا ساری مخلوقات اس کی پاکی بیان کرتی ہیں ● اپنے اسماے حُسنیٰ میں سُبُّوح، قُدُّوس کو بھی پسند فرمایا جو ہر عیب وامکانِ عیب اور نقص وامکانِ نقص سے اس کی تنزیہ وپاکی پر دلالت کرتے ہیں۔ اس سے بخوبی عیاں ہوتا ہے کہ ہر عیب و نقص سے خداے کریم کا ازلاً، ابداً پاک ہونا ضروریاتِ دین سے ہے جس کا اعتراف ہر ذی عقل و بے عقل اور شجر و حجر ہر چیز کرتی اور اسے پاک وبے عیب مانتی ہے۔

افادہ (۲): ساتھ ہی بار بار اس کی ہدایت وترغیب دے کر اور ہر چیز کی تسبیح خوانی کا اعلان کر کے، اور اپنے کو سُبُّوح و قُدُّوس بنا کر اپنے بندوں کو یہ شعور واذعان بخشا ہے کہ ذات الٰہی کذب وامکانِ کذب، یوں ہی ہر طرح کے عیب وامکانِ عیب سے پاک ہے مگر یہ اذعان وشعور اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو تسبیح کے مفہوم کو سمجھ کر دل سے اسے پڑھے، ایسا نہ ہو کہ حلق سے آگے نہ بڑھے، یا بے سمجھے بلا اعتقادِ معنی پڑھتا رہے۔

افادہ (۳): تسبیح اسی کی شان ہے: "لا ینبغی التّسبیحُ إلّا لَہٗ" کیوں کہ وہ ہر طرح کے عیب ونقص کے امکانِ ذاتی سے پاک ہے جس سے اس کی ذات سے امکانِ کذب کی بھی نفی ہوتی ہے۔

تسبیح، سُبحان، اور سُبوح کے معانی امام ابوزکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ یہ لکھتے ہیں:

قال أهلُ العربية وغيرُهم: التسبيح: التنزيه. وقولهم: "سبحانَ الله " منصوبٌ على المصدر، يقال: سبَّحتُ الله تسبيحا و سبحانا. فسبحانَ اللهِ معناه: براءةً

وتنزیها له من كل نقص وصفة للمُحدث،اھ.[1]

ترجمہ: اہل عربیہ اور دوسرے علما فرماتے ہیں کہ تسبیح کے معنی ہیں تنزیہ، پاکی بیان کرنا، اور سُبحانَ الله مفعول مطلق ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ پوری عبارت ہوگی: "سبّحتُ الله تسبيحا و سُبحانا" تو سُبحان کا معنی ہے "میں نے حادث کے ہر نقص اور ہر صفت سے اللہ کی تنزیہ و پاکی بیان کی۔"

ومعنیٰ "سُبُّوح" المبرأ من النّقائص والشريك وكلِّ ما لا يليق بالإلٰهية، و"قدُّوس" المطهر من كل م لا يليق بالخالق.[2]

ترجمہ: "سبُّوح" کے معنی ہیں "وہ ذات جو نقائص سے، شریک سے اور ان تمام چیزوں سے جو الوہیت کے منافی ہوں پاک و مبرا ہے۔

حادث کی جملہ صفات اور نقائص، الوہیت کے منافی ہیں تو اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ "سبُّوح" حادث کی ہر صفت و نقص سے پاک ہوتا ہے۔

وقد سبق أن معنى التسبيح التنزيه عمّا لا يليق به سبحانَهٗ وتعالىٰ من الشّريك والولد والصاحبة والنقائص مطلقا وسمات الحدوث مطلقا.[3]

ترجمہ: پہلے بیان ہو چکا کہ تسبیح کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالی ان تمام چیزوں سے پاک و منزہ ہے جو اس کے شایان شان نہیں۔ تو وہ شریک سے، اولاد و زن سے اور مطلقا جملہ نقائص سے اور علی الاطلاق تمام علاماتِ حدوث سے منزہ ہے۔

تقریر استدلال: کذب، ظلم، جہل، نوم، احتیاج، عجز، موت نقائص سے ہیں اور ان امور کا امکان علامات حدوث سے۔ تو ثابت ہوا کہ اللہ جل شانہ کذب و امکانِ کذب سے پاک ہے، یوں ہی

---

(۱) المنهاج شرح الإمام النووى لصحيح مسلم، المطبوع مع الصحيح، ج:۱،ص: ۱۹۲، كتاب الصلاة/ باب ما يقال في الركوع والسجود، مجلس البركات.

(۲) المنهاج شرح الإمام النووى لصحيح مسلم، المطبوع مع الصحيح، ج:۱،ص: ۱۹۲، كتاب الصلاة/ باب ما يقال في الركوع والسجود، مجلس البركات.

(۳) المنهاج شرح الإمام النووى لصحيح مسلم، المطبوع مع الصحيح، ج:۲، ص: ۳۴۵، كتاب الذكر والدعاء والتوبة/ باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء، مجلس البركات.

علی الاطلاق ہر طرح کے نقص و امکان نقص سے بھی پاک و منزہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تسبیح سوائے خدائے قدوس کے کسی اور کی نہیں پڑھی جاتی کیوں کہ بڑی سے بڑی ہستی نقائص سے پاک ہو سکتی ہے، بلکہ ہوتی ہے مگر حدوث کی ساری صفات و علامات — جیسے اونگھ، نیند، کھانا، پینا، بول و براز، عجز، یہاں تک کہ وفات و امکانِ وفات اگرچہ ایک آن کے لیے کسی — سے پاک و منزّہ نہیں جو علی الاطلاق ان سب سے منزّہ ہو اسی کی شان سبّوحیت و قدوسیت ہے اور وہی اس لائق ہے کہ اس کی تسبیح کی جائے۔ اسی لیے سید کائنات ﷺ نے اپنی بعض احادیث میں فرمایا:

سُبْحَانَ الَّذِي لاَ يَنْبَغِي التَّسْبِيحُ إِلاَّ لَهُ.(۱)

پاک ہے وہ ذات کہ اس کے سوا کسی کے لیے تسبیح مناسب نہیں۔

عقیدۂ اہل سنت کی تائید:

(۲۲) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنّ الله يعتذر إلىٰ آدم يوم القيامة بثلاثة معاذير:

يقول الله تعالى: يا آدم! لولا أني لعنتُ الكذّابين وأبغضتُ الكذب والخلف وأوعدتُ عليه لَرحمتُ اليومَ ذُرِّيَّتك أجمعين مِن شِدَّة ما أعددتُ لهم من العذاب، ولكن حق القول منّي لمن كذّب رُسُلي وعصىٰ أمري، لَأملأنّ جهنّم منهم أجمعين.(۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام سے (آپ کی اولاد کے بارے میں) اپنے فیصلے کے تعلق سے تین صفائیاں دے گا:

- اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! اگر میں نے کذّابین پر لعنت نہ کی ہوتی اور جھوٹ اور وعدہ خلافی سے بغض نہ رکھتا، اور اس پر میں نے وعید نہ کی ہوتی تو آج میں تیری ساری اولاد پر ضرور

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۱،ص:۶۳، أبواب الوتر / باب ما جاء في صلاة التسبيح، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) كنز العمّال في سنن الأقوال و الأفعال ج ۲، ص: ۱۹۳۵، رقم الحديث: ۳۹۷۶۸، كتاب القيامة/ الميزان، بيت الأفكار الدولية.

رحم فرماتا اور جو عذاب شدید میں نے ان کے لیے تیار کر رکھا ہے اس سے نجات عطا فرما دیتا۔ لیکن میرا قول حق ہے کہ جو میرے رسولوں کو جھٹلائے گا اور میری نافرمانی کرے گا تو میں ضرور جہنم کو ان سب سے بھر دوں گا۔

یہ حدیث امام حکیم ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نوادر الاصول میں تخریج کی ہے اس کی ابتدا میں کچھ اضافہ ہے جو مع سند یہ ہے:

حدّثَنا عبدُ الله بن أبي زياد، قال: حدّثَنا سيّار، قال: حدّثَنا أبوعاصم العُباداني، قال: حَدّثَنا الفضلُ بن عيسىٰ، عن الحسَن قال: خَطَبَنا أبوهريرة رضي الله تعالى عنه على منبرِ رسولِ الله صلّى اللهُ تعالىٰ عليه وسلَّم بالمدينة، فقال: سمعتُ رسولَ الله صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّم يقول: إنّ الله يعتذر إلى آدم يوم القيامة بثلاثة معاذير ... إلخ .(۱)

ترجمہ: ہم سے عبد اللہ بن زیاد نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہم سے سیّار نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہم سے ابوعاصم عُبادانی نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہم سے فضل بن عیسیٰ نے حدیث بیان کی، وہ حضرت حسن بصری سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ حضرت ابوہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہمیں خطبہ دیا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ تعالیٰ (اولاد آدم کے متعلق اپنے فیصلے کا عین حق ہونا واضح فرمانے کے لیے) حضرت آدم کو تین طرح سے صفائی دے گا۔ آخر تک۔

یہ حدیث ضعیف ہے، یہاں اسے صرف اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ جو عقیدہ عقلِ سلیم اور کتاب و سنت و اجماعِ امت سے ثابت ہے اس کی تائید اس حدیث سے ہو جائے۔

اس حدیث پاک میں یہ صراحت ہے کہ:

- اللہ تعالیٰ جھوٹ اور وعدہ خلافی کو مبغوض رکھتا ہے۔
- اور کذب و خلف پر اللہ نے وعید فرمائی ہے۔

---

(۱) نوادر الأصول في معرفة أحاديث الرسول ص: ٦٧١، رقم الحديث: ٩٢٦، الأصل التاسع والستون و المائة، مكتبة الإمام البخاري، قاهره.

اس لیے اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اپنے اور اپنے رسولوں کے نافرمانوں پر رحم نہیں فرمائے گا اور انھیں جہنم میں ڈال دے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے کذب اور وعدہ خلافی ناممکن ہے کہ جو چیز اس کی نگاہ میں مبغوض ہے وہ اس کے لیے ممکن نہ ہوگی۔

تنزیہ باری کا ثبوت اجماعِ مسلمین سے:

اللہ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے پاک و منزہ ہے اس پر اجمالی طور پر عامۂ مسلمین کا اجماع ہے کیوں کہ جس سے بھی معلوم کیجیے وہ یہی کہے گا کہ اللہ تعالیٰ پاک، بے عیب ہے اور اس کے خلاف کوئی بات کہی جائے تو اس سے نفرت و ناگواری کا اظہار کرے گا۔

خلاصۂ کلام:

یہ تین طرح کے دلائل ہوئے:

● عقلی دلائل ● کتاب و سنت کے دلائل ● عامۂ مسلمین کا اجماع

یہ سب اس امر کے شاہد ہیں کہ خداے سُبّوح وقدّوس کذب اور ہر طرح کے عیوب و نقائص سے پاک و منزہ ہے، ساری کائنات عالم اسے سراہتی اور اس کی پاکی بیان کرتی ہے۔ خود خداے برتر و توانا بھی اپنی پاکی اور اصدقیت کا اعلان کرتا ہے اس لیے اہل حق - اہل سنت و جماعت - اس کے حق میں کذب و امکانِ کذب کو محال ذاتی مانتے ہیں۔ کاش وہابیہ اپنے اس عقیدے سے باز آکر ان دلائل کی روشنی میں اپنی اصلاح کر لیں اور خداے قدّوس کی اَصدقیت کے قائل ہو جائیں۔

دوسرا مسئلہ

ختم نبوت

احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

عقیدۂ ختم نبوت کی تشریح اور اسلام میں اس کی اہمیت:

اس امر پر ساری امتِ مسلمہ کا سلفًا، خلفًا اجماع ہے کہ حضور سید عالم، تاجدار بنی آدم و آدم، جناب محمد رسول اللہ ﷺ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ہیں، یعنی سارے نبیوں اور رسولوں میں سب سے آخری اور پچھلے نبی۔ حضور کے ساتھ، یا حضور کے بعد قیامت تک کسی کو نبوت ملنی ناممکن و محال ہے۔

پھر یہ عقیدہ نہ صرف یہ کہ اجماعی و قطعی ہے، بلکہ ضروریاتِ دین سے بھی ہے لہٰذا اگر کوئی آپ کے آخری نبی ہونے کا انکار کرے، یا اس میں شک کرے، یا آپ کے ساتھ یا آپ کے بعد کسی کو نبوت ملنی ممکن جانے تو وہ اسلام سے خارج و کافر ہو جائے گا۔

علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ "شرح الفرائد" میں لکھتے ہیں:

تجويزُ نبيٍّ مع نبيّنا صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّم، أو بعدَه يستلزم تكذيبَ القراٰن، إذ قد نصّ علىٰ أنّه خَاتَمُ النبيّين و اٰخِرُ المرسلين ... فأجمعتِ الأمّة على إبقاءِ هذا الكلام علىٰ ظاهره، و هذهِ إحدى المسائل المشهورة الّتي كفّرْنَا بها الفلاسفةَ.

لعنهم الله تعالىٰ. اھ ملتقطاً[1]

ترجمہ: ''ہمارے نبی (احمد مجتبیٰ) ﷺ کے ساتھ، یا آپ کے بعد کسی نبی کی آمد ممکن ماننا تکذیبِ قرآن کو مستلزم ہے کیوں کہ قرآن نے صراحت فرمادی ہے کہ آپ خاتم النبیین و آخر المرسلین ہیں ... اور امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے اور یہ ان مسائل مشہورہ میں سے ایک ہے جن کے باعث ہم علمائے امت نے فلاسفہ کی تکفیر کی۔ اللہ ان پر لعنت کرے۔''

اس عقیدے کے ثبوت میں کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ و اجماعِ امت کی شہادتیں کثرت کے ساتھ موجود ہیں جیسا کہ ہم عن قریب بیان کریں گے۔

لیکن اس کے بر خلاف فرقۂ وہابیہ کے امام مولوی اسماعیل دہلوی اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

''اُس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم ''کُن'' سے چاہے تو کروروں نبی اور ولی اور جن و فرشتے، ''جبرئیل اور محمد'' ﷺ کی برابر پیدا کر ڈالے''۔[2]

امام الطائفہ نے اس عبارت میں اپنے دو عقاید بیان کیے ہیں:

پہلا عقیدہ: حضور خاتم النبیین ﷺ کے بعد نبی پیدا ہو سکتا ہے۔

دوسرا عقیدہ: بلکہ کروروں نبی آپ کے برابر پیدا ہو سکتے ہیں۔

پہلا عقیدہ امت مسلمہ کے عقیدۂ ختم نبوت کا انکار ہے۔ اور

دوسرا عقیدہ اس کے ساتھ ''امتناعِ نظیر'' کا بھی انکار ہے۔

ہم دوسرے عقیدے پر آگے چل کر ''امتناعِ نظیر'' کے عنوان سے کلام کریں گے، اور یہاں حضور جانِ نور ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

اللہ عزّ و جلّ کا ارشاد ہے:

---

(۱) المُعتقد المُنتقد، ص: ۱۰۷، ۱۰۸ / الباب الثاني في النُّبوّات، رضا أكاديمی، عن شرح الفرائد، للإمام عبد الغني النابلسی رحمه الله تعالى.

(۲) تقوية الإيمان، ص: ۲۶. الفصل الثالث فی ذكر رد الإشراك فی التصرف، راشد كمپنی، دیو بند.

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ"(۱)

ترجمہ: محمد تمھارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے خاتم اور پچھلے ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے آج تک ساری امت مسلمہ نے اس آیت کریمہ کا معنی یہی سمجھا کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے آخری اور پچھلے نبی و رسول ہیں۔

اسی معنیٔ ظاہر پر سب کا اجماع ہے اور یہ ضروریاتِ دین سے ہے جس میں کوئی تاویل یا تخصیص مسموع نہیں۔ چناں چہ امام حجۃ الاسلام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

إنّ الأُمّة فهمت بالإجماع مِن هٰذا اللفظِ ومن قرائنِ أحوالهٖ أنّهٗ أفْهَم عدم نبيٍّ بعدَهٗ أبَدًا، و عدم رسولٍ بعدهٗ أبدًا، و أنّهٗ ليس فيه تأويلٌ و لا تخصيص فمُنكر هذا لا يكون إلا منكر الإجماع، إھ.(۲)

فَمَنْ أَوَّلَهٗ بتخصيصٍ فكلامُه من أنواع الهذيان، لايَمْنَعُ الحكم بتكفيرِہ، لأنّه مُكَذِّبٌ لهٰذا النّصّ الذِي أجمعت الأمة علىٰ أنّهٗ غيرُ مؤوّلٍ وّ لا مخصوص. اھ(۳)

ترجمہ: تمام امت مرحومہ نے لفظ "خاتَمَ النبیین" کا معنی بالاجماع یہی سمجھا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے کہ اس کے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی ہوگا، نہ کبھی کوئی رسول۔ ساتھ ہی ساری امت نے یہ تسلیم کیا ہے کہ اس میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں تو اس کا منکر، اجماع کا منکر ہوگا۔

تو جو شخص لفظ خاتَمَ النبیّین کو عموم و استغراق سے پھیر کر اس میں کوئی تخصیص کرے تو اس کا یہ کلام ہذیان اور بکواس ہوگا، اور ایسی تاویل یا تخصیص اس کی تکفیر سے مانع نہ ہوگی، کیوں کہ وہ اس نصِّ قرآنی کو جھٹلا رہا ہے جس کے بارے میں اجماعِ امت ہے کہ اس میں کوئی تاویل و تخصیص نہیں۔

الغرض آیتِ کریمہ: "وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" کا مفہوم بالاجماع یہی ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ۳۳، الآية: ۴۰.

(۲) الاقتصاد في الاعتقاد للإمام محمد بن محمد الغزالي، رحمه الله تعالى، ص: ۱۳۷، طبعة دارُ الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۳) الاقتصاد في الاعتقاد للإمام محمد بن محمد الغزالي، رحمه الله تعالى، ص: ۱۳۷، طبعة دارُ الكتب العلمية، بيروت.

تمام انبیا و مرسلین میں سب سے آخری نبی و رسول ہیں، آپ کے بعد کبھی بھی کوئی نیا نبی یا رسول نہ ہوگا۔

امت نے اس معنی پر اتفاق اس لیے کیا کہ لفظ خاتم النبیین سے یہی معنی ظاہر و متبادر ہے۔ اور اس لیے بھی کہ نبی عربی ﷺ - جن پر قرآن نازل ہوا - نے بھی اس کا یہی معنی سمجھا اور اپنی احادیث شریفہ میں یہی معنی بیان فرمائے جیسا کہ عن قریب احادیث نبویہ کے مطالعہ سے عیاں ہوگا۔

آسانی کے لیے ہم ان احادیث کو سات انواع میں تقسیم کرتے ہیں:

پہلی نوع	:	احادیثِ ظہورِ دجال
دوسری نوع	:	احادیث رتبۂ ہارون علیہ السلام و علی رضی اللہ عنہ
تیسری نوع	:	احادیثِ اسمائے نبوی
چوتھی نوع	:	احادیث مبشّرات
پانچویں نوع	:	احادیث تمثیلِ خاتم
چھٹی نوع	:	احادیث قیادتِ انبیا و خلفاے رسول
ساتویں نوع	:	احادیث امتناعِ نبوت بعد ظہورِ قدسی

واضح ہو کہ یہ ساتوں انواع بجاے خود عقیدۂ ختم نبوت کے سات دلائل ہیں۔

پہلی نوع

احادیثِ ظہورِ دجال

① عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- ، عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- قَالَ : وَلاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبًا مِنْ ثَلاَثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعَمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ.[1]

(١) صحيح البخاري ج: ٢، ص: ١٠٥٤، كتاب الفِتَن/ بابٌ لا تقوم السّاعة حتى يغبط أهل القبور، مجلس البركات، الجامعة الأشرفيه، مبارك فور.

❀ والصحيح لِمُسلم، ج:٢، ص: ٣٩٧/ قُبيل باب ذكر ابن صياد، مجلس البركات.

❀ و جامع الترمذي ج: ٢، ص: ٤٥، أبواب الفتن / باب لا تقوم السّاعة حتى تخرج نار، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تک تیس کے قریب دجّال، کذّاب ظاہر نہیں ہوں گے قیامت نہیں آئے گی، ان میں ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ رسول اللہ ہے۔“

اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ غیبی خبر دی ہے کہ آپ کے بعد تقریباً تیس بد نصیب رسالت کا دعویٰ کریں گے اور یہ سب کے سب دَجّال و کذّاب ہوں گے۔

جو خلاف واقع کا دعویٰ کرے وہ کاذب ہوتا ہے اور جو رسالت جیسے اہم امر کا دعویٰ کر دے جو خلاف واقع ہونے کے ساتھ ناممکن بھی ہے تو وہ دَجّال و کذّاب ہوتا ہے۔

یہاں سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان مدّعیان رسالت کو ”دجّال و کذّاب“ اسی لیے فرمایا ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا، چناں چہ دوسری حدیث میں یہ وضاحت بھی ہے۔

② عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- إِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي ». حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.[1]

ترجمہ: ”حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عنقریب میری امت میں تیس کذّاب ظاہر ہوں گے، ان میں سے ہر ایک یہ کہے گا کہ وہ نبی ہے حالاں

---

(١) جامع الترمذي ج: ٢، ص: ٤٥، أبواب الفتن / باب لا تقوم الساعة حتى تخرج نار. مجلس البركات، مبارك فور.

❀ و مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ١٦٥٦/ مسند الأنصار و من حديث ثوبان رقم الحديث: ٢٢٧٥٧، بيت الأفكار الدولية للنشر، بيروت.

❀ و سنن أبي داؤد، ص: ٤٦٤، رقم الحديث: ٤٢٥٢، كتاب الفِتَن و الملاحم / باب ذكر الفِتَن و دلائلها، بيت الأفكار الدولية، بيروت.

❀ و صحيح ابن حبان ج: ١٥، ص: ٢٢١، كتاب إخباره ﷺ عن مناقب الصحابة/ باب فضل الأمّة، مؤسّسة الرسالة، بيروت.

❀ والسّنن الكبرىٰ للإمام البيهقي ج: ٩، ص: ١٨١، كتاب السير/ بابُ إظهارِ دينِ النبي ﷺ على الأديان، دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد.

کہ میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔"

یہ حدیث ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وہ پوری حدیث "المستدرک" میں تخریج کی ہے ساتھ ہی یہ انکشاف فرمایا ہے کہ یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ چناں چہ المستدرک میں ہے:

حدّثني أبو أسماء الرّحبي أنّ ثوبان حدَّثه أنّه سمع رسولَ الله صلّى الله تعالى عليه وسلم يقول: ... و سيخرج في أُمّتي كذّابون ثلاثون كلُّهم يزعم أنّهٗ نبيّ و أنا خَاتمُ الأنبياء، لا نبيّ بعدي ...

هٰذا حديث صحيح على شرط الشيخين و لم يخرِّجاه بهذه السياقة، و إنّما أخرج مسلم حديث ثوبان مختصرًا. اهـ ملتقطا..[1]

ترجمہ: "مجھ سے ابو اسماء رحبی نے بتایا کہ حضرت ثوبان نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے سنا... عنقریب میری امت میں تیس کذّاب پیدا ہوں گے اور سب کے سب یہ دعویٰ کریں گے کہ وہ نبی ہیں حالاں کہ میں تمام نبیوں کا خاتَم (آخری نبی) ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے، ہاں اس سیاق کے ساتھ انھوں نے اس کی تخریج نہیں کی اور امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ثوبان کی حدیث کو مختصراً تخریج کیا ہے۔"

③ عن حُذَيفة أن نبيَّ الله صلى الله عليه و سلم قال: في أمَّتي كذَّابون ودجَّالون سبعة وعشرون. منهم أربع نسوة، وإني خاتم النَّبيين لا نبي بعدي.[2]

---

(۱) المستدرك على الصّحيحين، ج: ٤، ص: ٤٤٩، ٤٥٠، كتاب الفِتَن و الملاحم/ أحوال أهل الجاهلية يوم القيامة. مجلس دائرة المعارف حيدرآباد. و مكتبةُ المطبوعاتِ الإسلامية، بيروت، لبنان.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ١٧٣٥/ مسند الأنصار، رقم الحديث: ٢٣٧٥٠، بيت الأفكار الدولية للنشر.

ترجمہ: ”حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت میں ستائیس کذّاب و دجّال ہوں گے، ان میں سے چار عورتیں ہوں گی۔ اور میں تمام نبیوں کا خاتم ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“

ان دجّالوں میں سے کچھ ظاہر ہو چکے اور کچھ باقی ہیں، مگر جو بھی ظاہر ہوئے امت نے انھیں کافر قرار دیا، اور جو نکلیں گے ان کی بھی تکفیر ہوگی کیوں کہ یہ سارے مدّعیانِ نبوت ارشاد خداوندی ”وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ“(۱) کو جھٹلانے کے مرتکب اور منکر ہیں۔

● اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝“(۲)

ترجمہ: اور ہماری آیتوں کا انکار کافر ہی کرتے ہیں۔

● نیز ارشاد باری ہے:

”وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ .“(۳)

ترجمہ: اور وہ جنھوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہی دوزخ والے ہیں۔

● ”وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ .“(۴)

ترجمہ: اور جنھوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں۔

● ”وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا .“(۵)

ترجمہ: اور ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا جو ہماری آیتیں جھٹلاتے ہیں۔

● ”الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ .“(۶)

ترجمہ: جو ہماری آیتیں جُھٹلاتے تھے اور وہ ایمان والے نہ تھے۔

---

(١) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ٣٣، الآية: ٤٠.
(٢) القرآن الحكيم، سورة العنكبوت: ٢٩، الآية: ٤٧.
(٣) القرآن الحكيم، سورة المائدة: ٥، الآية: ١٠ ● أيضاً: الآية: ٨٦.
(٤) القرآن الحكيم، سورة الأنعام: ٦، الآية: ٣٩.
(٥) القرآن الحكيم، سورة الأنعام: ٦، الآية: ١٥٠.
(٦) القرآن الحكيم، سورة الأعراف: ٧، الآية: ٧٢.

واضح ہو کہ ان احادیث میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دجّالوں کی کم و بیش جو تعداد بتائی ہے اس میں ''دجّالِ اکبر'' شامل نہیں ہے جو قربِ قیامت میں ظاہر ہوگا کیوں کہ وہ ''خدا'' ہونے کا دعویٰ کرے گا، نبی یا رسول ہونے کا مدعی نہ ہوگا۔

یہ احادیث شاہد ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں جس کی تفسیر خود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمادی: لا نبيّ بعدي. میرے بعد کوئی نبی نہیں، لہٰذا جو بدبخت آپ کے بعد اپنے لیے نبی یا رسول ہونے کا دعویٰ کرے وہ کذّاب و دجّال ہے اور یہ امر مسلّمات سے ہے کہ دجّال کا اسلام سے کوئی رشتہ نہیں۔

دوسری نوع

احادیث رتبۂ ہارون علیہ السلام و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۴) عَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ الله - صلّى اللهُ عليه وسلمَ- خَرَجَ إِلَى تَبُوكَ ، فَاسْتَخْلَفَ عَلِيًّا، فَقَالَ: أَتُخَلِّفُنِي فِي الصِّبْيَانِ وَالنِّسَاءِ، قَالَ: « أَلاَ تَرْضَىٰ أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ، إِلاَّ أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي» .(۱)

ترجمہ: ''حضرت مُصعب بن سعد اپنے والد حضرت سعد بن ابو وقّاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے نکلے تو آپ نے حضرت علی کو مدینہ شریف میں جانشین کی حیثیت سے چھوڑ دیا، انھوں نے عرض کی، حضور! آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جا رہے ہیں؟ تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ:

تم یہاں میری نیابت میں ایسے رہو جیسے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنے رب سے کلام کے لیے حاضر ہوئے تو ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی نیابت میں چھوڑ گئے تھے، ہاں! یہ فرق ہے کہ ہارون نبی تھے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔''

---

(۱) ● صحيح البخاري ج: ۲، ص: ۶۳۳، كتاب المغازي/ باب غزوة تبوك، مجلس البركات.
● و ج: ۱، ص: ۵۲۶/ مناقب علي بن أبي طالب، مجلس البركات.

مسلم شریف جلد دوم میں بھی یہ حدیث اسی طور پر منقول ہے البتہ یہاں "ليس نبيٌ بعدي" کی جگہ "لا نبيَّ بعدي" ہے یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں۔(۱)

یہ حدیث کثیر صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ و الرضوان سے مروی ہے مگر سب کا مضمون ایک ہے سوائے حضرت ابن عباس کی حدیث کے کہ مسند احمد اور مستدرک میں "لا نبيّ بعدي" کی جگہ "لكن لا نبيّ بعدَك" ہے۔

محدث جلیل، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شمار کے مطابق اس حدیث کے راوی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعداد اٹھارہ ہے، ہم یہاں انھی کے "کلامِ جامع" کے نقل پر اکتفا کرتے ہیں، آپ رقم طراز ہیں:

"خاص امیر المومنین مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجهه الکریم کے بارے میں متواتر حدیثیں ہیں کہ "نبوت ختم ہوئی، نبوت میں ان کا کچھ حصّہ نہیں"۔

⑤ امام احمد مسند (میں) اور بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ صحاح (میں) ابن ابی شیبہ۔ سنن (میں) ابن جریر تہذیب الآثار میں بطُرقِ عدیدہ کثیرہ سیدنا سعد بن ابی وقاص (سے)(۲)

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۲۷۸، بابٌ مِن فضائل علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ۱٦۰، مسند العشرة / سعد بن أبي وقّاص، رقم الحديث: ۱۵۳۲.

❀ صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ٦۳۳، كتاب المغازي/ باب غزوة تبوك، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ صحيح البخاري ج: ۱، ص: ۵۲٦، كتاب المناقب / باب مناقب علی بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۲۷۸، بابٌ من فضائل علی بن أبي طالب، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۲۱٤، كتاب المناقب / باب مناقب علي بن أبي طالب رضى الله تعالىٰ عنه، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ السّنن الكبرىٰ للإمام النسائى، ج: ۷، ص: ٤۱۰، كتابُ الخصائص / ذكر منزلة عليّ بن أبي طالب رضي الله تعالىٰ عنه، مؤسّسة الرسالة، بيروت.

❀ سنن ابن ماجه، ص: ۳۰، كتاب المقدّمة / فضل علي بن أبي طالب، بيت الأفكار الدولية.

❀ المصنف لابن أبي شيبة، ج:۱۷، ص:۹۹، ۱۰۰، كتاب الفضائل / فضائل علي بن أبي طالب.

(۶) اور حاکم بہ تصحیح اسناد مستدرک (میں) اور طبرانی معجم کبیر و وسیط (میں) اور ابو بکر عاقولی فوائد میں اور ابن مردَوَیہ مطولاً اور بزار بطریق عبد اللہ بن ابی بکیر عن حکیم بن جُبیر عن الحسن بن سعد مولیٰ علی (سے)۔

● اور ابن عساکر بطریق عبد اللہ بن محمد بن عقیل عن ابیہ عن جدّہٖ عقیل امیر المومنین مولیٰ علی (سے)۔[1]

(۷) اور احمد و حاکم و طبرانی و عقیلی حضرت عبد اللہ بن عباس (سے)۔[2]

(۸) اور احمد حضرت امیر معاویہ (سے)۔[3]

(۱) المستدرك على الصحيحَين للحاكم، ج: ۳، ص: ۱۰۸، ۱۰۹، كتاب معرفةِ الصّحابة / ذكر فضيلةِ علي بن أبي طالب.
❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:۱، ص:٤٨، باب في إكرام قريش وغير ذلك / مجاهد عن ابن عباس، قاهرة.
❀ المعجم الأوسط للطبرانی عن علي، ج:٤، ص: ۲۹٦، باب من اسمه العباس، منشورات دار الحرمين قاهره.
❀ البحر الزخار المعروف بـ مسند البزار، ج:۳،ص: ٥٩، ٦٠، ومما روى الحسن بن سعد عن أبيه عن علي، رقم الحديث: ۸۱۷، موسّسة علوم القرآن، بيروت.
❀ تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر، ج: ٤١، ص:١٨، رقم الحديث: ٤٧٣٥/ عقيل بن أبي طالب بن عبد مناف، دار الفكر.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل ، ص: ۲۷۳، مسند أل العباس/ عبد الله بن عباس، رقم الحديث: ۳۰٦۲.
❀ المستدرك على الصحيحَين للحاكم، ج: ۳، ص: ۱۰۸، ۱۰۹، كتاب معرفةِ الصّحابة / ذكر فضيلة علي بن أبي طالب.
❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:١١، ص:٧٤، مجاهد عن ابن عباس.
❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:١٢، ص:١٨، سعيد بن جبير عن ابن عباس.
❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:١٢، ص:٩٧، عمرو بن ميمون عن ابن عباس.
❀ المعجم الأوسط للطبراني، ج: ٨، ص: ۳۹، ٤٠، باب مَن اسمه محمود، منشورات دار الحرمين، قاهره.

(۳) فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل، ج:۲، ص:٥٦٦، ٥٦٧، فضائل علي رضي الله تعالى عنه، دارُ العلم للطباعة والنشر، المملكة العربية.

⑨ اور احمد و بزار و ابو جعفر بن محمد طبری و ابو بکر مطیری حضرت ابو سعید خدری (سے)۔[(۱)]

⑩، ⑪ اور ترمذی بافادۂ تحسین حضرت جابر بن عبد اللہ سے مسنداً اور حضرت ابو ہریرہ سے تعلیقاً۔[(۲)]

⑫ اور طبرانی کبیر اور خطیب کتاب المتفق والمتفرق میں حضرت عبد اللہ بن عمر (سے)۔[(۳)]

⑬ اور ابو نعیم معرفۃ الصحابہ میں حضرت سعید بن زید (سے)۔[(٤)]

⑭ تا ⑳ اور طبرانی کبیر میں حضرات براء بن عازب و زید بن ارقم و حُبشی بن جُنادہ و جابر بن سمرہ و مالک بن حویرث و حضرت ام المؤمنین ام سلمہ وزوجہ امیر المومنین علی حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے راوی:

حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کو تشریف لے جاتے وقت امیر المومنین مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجھہ الکریم کو مدینے میں چھوڑا، امیر المومنین نے عرض کی: یارسول اللہ حضور مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ فرمایا:

أمّا ترضیٰ أن تکون منّي بمنزلۃ ھارون مِن موسیٰ غیر أنّہ لا نبيَّ بعدي.[(٥)]

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ۷۹۸، مسند المکثرین / أبي سعید الخدری، رقم الحدیث: ۱۱۲۹۲.

(۲) جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۲۱٤، کتابُ المناقب / بابُ مناقبِ علي بن أبي طالب.

(۳) المعجم الکبیر للطبراني، ج: ۱۳، ص: ۱۷۷، مسند عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، رقم الحدیث: ۱۳۸۷۹.

❀ المعجم الأوسط للطبراني، ج:۲،ص:۱۸٦،رقم الحدیث: ۱٤٦٥، عن عبد اللہ بن عمر.

❀ المتفق والمتفرق للخطیب البغدادي، ج: ۱، ص: ٤۰۷.

❀ وج: ۳، ص: ۱۷٦۰، دارُ القاري، بیروت. عن أسماء بنت عمیس / سعد بن أبي وقّاص.

(٤) معرفۃُ الصّحابہ لأبي نعیم، ۱،ج: ص:۱٤٦،عن سعید بن زید، دار الوطن للنشر، الریاض.

(٥) المعجم الکبیر للطبراني، ج: ٥، ص: ۲۰۳، مسند میمون أبو عبد اللہ عن زید بن أرقم. رقم الحدیث: ٥۰۹٤ - ٥۰۹٥، عن زید بن أرقم و براء بن عازب.

❀ المعجم الکبیر للطبراني، ج: ٤، ص: ۱۷، عن حُبَشی بن جنادۃ السلولي، رقم الحدیث: ۳٥۱٥.

❀ المعجم الأوسط للطبراني، ج:۷،ص: ۳۱۱، عن حُبْشي بن جنادۃ رقم الحدیث: ۷٥۹۲.

❀ المعجم الکبیر للطبراني، ج:۲، ص: ۲٤۷، عن جابر بن سمرۃ، رقم الحدیث: ۲۰۳٥.

❀ المعجم الکبیر للطبراني، ج:۱۹، ص: ۲۹۱، عن مالك بن حویرث، رقم الحدیث: ٦٤۷.

● مسند و مستدرک میں حدیث ابن عباس یوں ہے:

ألا ترضیٰ أن تكون بمنزلةِ هارون من موسیٰ، إلّا أنّك لست بنبي.[1]

کیاتم راضی نہیں کہ تم میرے جانشین رہو بمنزلہ ہارون کے جو موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے جانشین ہوئے مگر یہ کہ تم نبی نہیں (اور ہارون علیہ السّلام نبی تھے)۔

● مسند امام احمد میں حدیثِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوں ہے:

کسی نے اُن سے ایک مسئلہ پوچھا، فرمایا:

اِسألْ عنها عليًّا، فهو أعلمُ.

مولیٰ علی سے پوچھو، وہ اعلم ہیں۔

سائل نے کہا: یاامیر المومنین، مجھے آپ کا جواب اُن کے جواب سے زیادہ محبوب ہے۔ فرمایا:

بِئسما قلتَ، لقد كرهتَ رجلاً كان رسولُ الله ﷺ يعزّه بالعلم عزًّا و لقد قال له: أنتَ منّي بمنزلة هارون من موسیٰ، إلّا أنّه لا نبيَّ بعدي. و كان عمرُ إذا أشكل عليه شيء أخذ منه.[2]

تو نے سخت بُری بات کہی، ایسے کو ناپسند کیا جس کے علم کی نبی ﷺ عزّت فرماتے تھے اور بے شک حضور نے ان سے فرمایا: ”تجھے مجھ سے وُہ نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ علیہما الصلاۃ والسّلام سے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں“، امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کسی بات میں شبہہ پڑتا اُن سے معلوم کرتے۔ رضي الله تعالیٰ عنهم أجمعين.

(۲۱) ابو نعیم ”حلیۃ الاولیا“ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ

❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:۲۳، ص:۳۷۷، عن أم سلمة زوج النبی، رقم الحديث:۸۹۲.

❀ المعجم الكبير للطبراني،ج:۲٤، ص: ۱٤٦، ۱٤۷، عن أسماء بنت عميس ، رقم الحديث: ۳۸٤ تا ۳۸۹.

❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:٤، ص: ۱۸٤ عن أبي أيوب ، رقم الحديث: ٤۰۸۷ .

❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:٦، ص: ۸۳، عن يحيي بن سعيد، رقم الحديث: ٥۸٦٦ .

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۲۷۳، مسند آل عباس/ عبد الله بن عباس رقم الحديث: ۳۰٦۲.

(۲) كتاب فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل ، ج: ۲، ص: ٥٦٦، ٥٦۷/ فضائل علي رضی الله تعالیٰ عنه ، دار العلم للطباعة والنشر، المملكة العربية.

ﷺ نے فرمایا:

يا علي أخصمك بالنبوة و لا نبوّة بعدي.[1]

اے علی میں مناصب جلیلہ و خصائص کثیرۂ جزیلۂ نبوت میں تجھ پر غالب ہوں اور میرے بعد نبوت اصلا نہیں۔

● ابن ابی عاصم اور ابن جریر بافادۂ تصحیح اور طبرانی اوسط اور ابن شاہین کتاب السُّنہ میں امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے راوی:

میں بیمار تھا، خدمت اقدس حضور سرور عالم ﷺ میں حاضر ہوا، حضور نے مجھے اپنی جگہ کھڑا کیا اور خود نماز میں مشغول ہوئے۔ ردائے مبارک کا آنچل مجھ پر ڈال لیا پھر بعد نماز فرمایا:

برئت يا ابن أبي طالب، فلا بأس عليكَ ما سألتُ الله لي شيئًا إلا سألتُ لك مثله، و لا سألتُ اللهَ شيئًا إلّا أعطانيه، غير أنّه قيل لي: إنّه لا نبيّ بعدك.

اے ابن ابی طالب! تم اچھے ہوگئے، تم پر کچھ تکلیف نہیں، میں نے اللہ عزّوجلّ سے جو کچھ اپنے لیے مانگا تمھارے لیے بھی اس کی مانند سوال کیا اور میں نے جو کچھ چاہا رب عزّوجلّ نے مجھے عطا فرمایا مگر مجھ سے یہ فرمایا گیا کہ "تمھارے بعد کوئی نبی نہیں"۔

مولیٰ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں اُسی وقت ایسا تندرست ہوگیا گویا بیمار ہی نہ تھا۔"[2]

(۴۲) خطیب حضرت امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے راوی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إنّما عليٌّ بمنزلة هارون من موسىٰ إلّا أنّه لا نبيَّ بعدي.

علی ایسا ہے جیسا موسیٰ سے ہارون (کہ بھائی بھی اور نائب بھی) مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(۴۳) امام احمد مناقب أمير المومنين علي میں مختصرا اور بغوی و طبرانی اپنی معاجیم (میں)، باوردی معرفت (میں)، ابن عدی کامل (میں) ابو احمد حاکم کُنیٰ میں بطریق امام بخاری،

---

(١) تقريب البغية بترتيب أحاديث الحلية، ج: ٣، ص: ٨٢، بابٌ في فضل علي بن أبي طالب، دار الكتب العلمية، بيروت.

(٢) جزاءُ الله عَدوَّه بإبائهِ ختمَ النبوة للإمام المحدث أحمد رضا القادري، ص: ٤٦، ٤٧، ٤٨، قادري بك ڈپو، بر يلي شريف.

ابن عساکر تاریخ[1] میں سب زید بن اَبي اَوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث طویل مواخاتِ صحابہ میں راوی و هذا حديثُ أحمد[2]

جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باہم صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھائی چارا کیا امیر المومنین مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجھہ نے عرض کی میری جان نکل گئی اور پیٹھ ٹوٹ گئی یہ دیکھ کر کہ حضور نے اصحاب کے ساتھ (وہ سلوک) کیا جو میرے ساتھ نہ کیا، یہ اگر مجھ سے کسی ناراضی کے سبب ہے تو حضور ہی کے لیے منانا اور عزت ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

والّذي بعثني بالحق ما أخّرتُك إلّا لنفسي، و أنت مني بمنزلة هارون من موسىٰ، غير أنّه لا نبيَّ بعدي.

قسم اس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا، میں نے تمھیں خاص اپنے لیے رکھ چھوڑا ہے، تم مجھ سے ایسے ہو جیسے ہارون موسیٰ سے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، تم میرے بھائی اور وارث ہو۔

امیر المومنین نے عرض کی مجھے حضور سے کیا میراث ملے گی؟ فرمایا جو اگلے انبیا کو ملی، عرض کی انھیں کیا ملی تھی؟ فرمایا: خدا کی کتاب اور نبی کی سنت۔ اور تم میرے ساتھ جنت میں میری صاحبزادی کے ساتھ میرے محل میں ہوگے اور تم میرے بھائی اور رفیق ہو۔

(۲۴) ابن عساکر بطريقِ عبد الله بن محمد بن عقيل عن أبيهِ عن جدّہٖ عقيل بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه راوی:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا خدا کی قسم میں تمھیں دو جہت سے دوست رکھتا ہوں، ایک تو قرابت، دوسرے یہ کہ ابو طالب کو تم سے محبت تھی۔ اے جعفر تمھارے اخلاق میرے اخلاق کریمہ سے مشابہ ہیں۔

و أمّا أنتَ يا علي، فأنتَ مني بمنزلة هارون من موسىٰ غير أني لا نبيَّ بعدي.

تم اے علی! مجھ سے ایسے ہو جیسے موسیٰ سے ہارون، مگر یہ کہ میرے بعد نبی نہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم[3]

---

(۱) تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر، ج:۴۲، ص: ۱۶۶، ۱۶۷. ترجمة: علي بن أبي طالب، دار الفكر.

(۲) فضائل الصحابه للإمام أحمد بن حنبل، ج:۲، ص: ۶۳۸، ۶۳۹، دار العلم للطباعة و النشر.

(۳) جزاء الله عدوّه بإبائهٖ ختم النبوة، ص: ۷۴، ۷۵، قادري بكڈپو، بريلي شريف.

تیسری نوع

احادیثِ اسماے نبوی

(۲۵) عن مُحَمَّد بْن جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ النَّبِيَّ -صلَّى الله عليه وسلم- قَالَ « أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يُمْحَى بِيَ الْكُفْرُ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى عَقِبِي وَأَنَا الْعَاقِبُ». وَالْعَاقِبُ: الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ. (۱)

ترجمہ: محمد بن جبیر بن مطعم اپنے والد جُبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں محمد ہوں، احمد ہوں، ماحی ہوں کہ میرے سبب اللہ کفر کو مٹاتا ہے، میں حاشر ہوں، میرے قدموں میں لوگوں کا حشر ہوگا۔ اور ''میں عاقب ہوں''، اور **عاقب** وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔

''قدموں میں حشر'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد، میرے زمانۂ نبوت و رسالت میں حشر ہوگا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، چناں چہ امام ابوزکریا محی الدین نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس ''اسم پاک'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

(يحشر النّاس على عقبي،و في بعضها: قدمي) قال العُلماء: معناهما: يحشرون على إثري و زمان نبوّتي و رسالتي، و ليس بعدي نبي، و قيل: يتّبعوني. اهـ (۲)

ترجمہ: علما فرماتے ہیں کہ ''قدموں میں حشر ہونے'' کا مطلب یہ ہے کہ میرے بعد اور میرے زمانۂ نبوت و رسالت میں حشر ہوگا، اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور کہا گیا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ لوگ میرے پیچھے پیچھے ہوں گے۔

---

(۱) الصحيح لمسلم ، ج: ۲، ص: ۲۶۱، باب في أسمائه صلى الله تعالى عليه وسلم، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(۲)المنهاج في شرح صحيح مسلم ج: ۲، ص: ۲۶۱، كتاب الفضائل / بابٌ في أسمائه ﷺ، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲۶) عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ الله ﷺ يُسَمِّي لَنَا نَفْسَهُ أَسْمَاءً فَقَالَ: «أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَحْمَدُ وَالْمُقَفِّي وَالْحَاشِرُ وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ».(۱)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم سے اپنے نام بتائے، تو آپ نے فرمایا کہ میں محمد ہوں، احمد ہوں، مُقفِّی ہوں، (نبیوں کے بعد آنے والا، جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔) حاشر ہوں (خلائق کو حشر دینے والا) اور نبیِ توبہ و نبیِ رحمت ہوں۔

چوتھی نوع

احادیثِ مُبَشِّرات

(۲۷) حدثني سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ الله صلى الله عليه وسلم يَقُولُ: «لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ». قَالُوا: وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ قَالَ « الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ ».(۲)

ترجمہ: حضرت سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا کہ ’’نبوت سے باقی نہیں، مگر مُبَشِّرات‘‘ صحابہ نے عرض کی حضور، وہ مُبَشِّرات کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: اچھے خواب۔

’’اچھے خواب‘‘ کو نبوت کے چھیالیس اَجزا میں سے ایک جز کہا گیا ہے اس حدیث پاک میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

نبی کے پاس اللہ عزّوجلّ کی طرف سے جن ذرائع سے وحی آتی ہے ان میں ایک ذریعہ ’’نبی کا خواب‘‘ بھی ہوتا ہے تو حدیثِ نبوی کا مطلب یہ ہے کہ میرے وصال کے ساتھ وحی کا سلسلہ ختم ہو

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۲۶۱، كتاب الفضائل / باب في أسمائه صلى الله تعالى عليه وسلم، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(۲) صحيح البخاري ج: ۲، ص: ۱۰۳۵، كتاب التعبير / باب المبشِّرات، مجلس البركات.

جائے گا کہ میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، ہاں وحی کا ایک ذریعہ "اچھا خواب" باقی رہے گا، جس سے صالحین کو بشارت ملتی رہے گی، اس کا ذکر اس حدیث میں ہے:

(۲۸) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- قَالَ: «الرُّؤْيَا الْحَسَنَةُ مِنَ الرَّجُلِ الصَّالِحِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ» [۱].

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک آدمی کا اچھا خواب نبوت کے چھیالیس اَجزا میں سے ایک جز ہے۔

"نبوت" کوئی ایسی چیز نہیں جو کئی اَجزا سے مرکب ہو، اس لیے اس سے مراد یہ ہے کہ نبی آیندہ کی خبریں دیتا ہے اور اچھے خواب کے ذریعہ بھی آیندہ رونما ہونے والے امور کا اشارہ دیا جاتا ہے تو اس مناسبت سے گویا وہ اجزاے نبوت سے ہے۔

نیز نبی کا خواب وحیِ الٰہی و حجتِ شرعی ہوتا ہے، اور مومنِ صالح کا خوابِ حسن گو حجتِ شرعی نہ ہو، تاہم اِنذار و بشارت ہوتا ہے۔ "خوابِ حسن" کو "خوابِ وحی" سے یک گونہ مشابہت ہے کہ حق یہ بھی ہے اور حق وہ بھی ہے اس لیے اسے اَجزاے نبوت سے شمار کیا گیا۔

نبی کا ہر خواب حق ہوتا ہے مگر بندۂ مومن کا ہر خواب حق نہیں ہوتا کیوں کہ وہ بہت سے خواب ایسے دیکھتا ہے جن کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی، تو مومن کے اِنذار و بشارت والے خواب اپنی تعبیر کے تناسب کے لحاظ سے "خوابِ وحی" کے چھیالیسویں حصے میں ہیں۔

بلکہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تناسب کم و بیش بھی ہوتا رہتا ہے جس کا سبب خواب دیکھنے والے بندے کے صلاح و تقویٰ کی کمی، بیشی ہو سکتی ہے، یا سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی جو بھی مراد ہو۔

ہمارا مقصود اس شرح و بیان سے یہ ہے کہ "خوابِ حسن" حقیقت میں نبوت کا کوئی جز نہیں، بلکہ وہ نبی کے لیے وحی کا ایک ذریعہ ہوتا ہے اور اس سے یک گونہ مشابہت کی بنا پر مومن کے "خوابِ حسن" کو جز سے تعبیر کر دیا گیا۔ تو لَمْ یَبْقَ مِنَ النبوّۃِ سے مراد یہ ہے کہ:

"میری وفات کے بعد وحیِ نبوت سے کچھ باقی نہ رہے گا۔"

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۳٤، كتابُ التعبير / باب رؤيا الصالحين، مجلس البركات.

کیوں کہ میرے بعد "نبی ہونے" کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ چناں چہ حضرت انس بن مالک، حضرت اُمِ کرز اور حضرت حُذیفہ بن اَسید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حدیثیں اس پر بہت واضح طور پر دلالت کرتی ہیں:

(۲۹) حَدَّثَنَا الْمُخْتَارُ بْنُ فُلْفُلٍ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: «إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلاَ رَسُولَ بَعْدِي وَلاَ نَبِيَّ». قَالَ فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ: «لَكِنِ الْمُبَشِّرَاتُ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟

قَالَ «رُؤْيَا الْمُسْلِمِ، وَهِيَ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ».

وَفِي الْبَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَحُذَيْفَةَ بْنِ أَسِيدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ وَأُمِّ كُرْزٍ.

قَالَ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ مِنْ حَدِيثِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ.(۱)

ترجمہ: مختار بن فُلفُل کہتے ہیں کہ حضرتِ انس بن مالک نے ہم سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نبوت ورسالت ختم ہو گئی، میرے بعد نہ کوئی رسول ہے، نہ کوئی نبی۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ یہ بات لوگوں پر شاق ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہاں! مُبَشِّرات باقی ہیں" صحابہ نے پوچھا، یا رسول اللہ، مُبَشِّرات کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ مسلمان کا خواب ہے جو نبوت کے اجزا میں سے ایک جُز ہے۔

اِس باب میں حضرا بوہریرہ، حضرت حُذیفہ بن اَسید، ابن عباس اور ام کرز رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی احادیث مروی ہیں۔ اور یہ حدیث صحیح ہے اور مختار بن فُلفُل کے طریق سے غریب ہے۔

(۳۰) حضرت امّ کُرز کعبیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے کلمات یہ ہیں:

سَمِعتُ رَسولَ الله ﷺ يقول: ذهَبَتِ النبوّةُ و بَقِيَتِ المُبَشِّراتُ.(۲)

---

(۱) جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۵۱، أبواب الرؤيا مِن رسول الله ﷺ / باب ذهَبَتِ النّبوّة و بقيتِ المُبَشِّراتُ، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) ● سنن ابن ماجه، ص: ۴۱۹، كتاب تعبير الرؤيا/ باب الرؤيا الصالحة، بيت الأفكار الدّولية.

● وصحيح ابن حبّان، ج: ۱۳، ص: ۴۱۱، كتاب الرُّؤيا، ذكر البيان بأنّ الرّؤيا المُبَشِّرة، مؤسّسة الرّسالة، بيروت.

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا کہ نبوت چلی گئی اور مُبَشِّرات باقی رہ گئے۔

(۳۱) اور حضرت حُذیفہ بن اَسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

قالَ رسولُ الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ذَهَبَتِ النبوّة ، فلا نبوّةَ بعدي، إلّا المُبَشِّرات.[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نبوت چلی گئی تو میرے بعد دوسرے کے لیے کوئی نبوت نہیں، ہاں مُبشِّرات (سچے خواب) باقی ہیں۔

یہ احادیث کریمہ شاہد عدل ہیں کہ حضور سید کائنات علیہ افضلُ الصلوات وازکی التسلیمات کے بعد نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا، لہٰذا حضور کے بعد نہ کسی کو نبوت یا رسالت ملے گی، نہ کوئی نیا نبی یا رسول ظاہر ہو گا۔

پانچویں نوع

احادیث تمثیلِ ختمِ نبوت

حضور سید کائنات علیہ وعلیٰ آلہٖ افضلُ الصلوات وازکی التسلیمات نے "ختمِ نبوت" کے مفہوم کو ایک دل نشیں تمثیل کے ذریعہ سمجھایا ہے جس سے معمولی سمجھ کا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ حضور آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کسی کو نبوت سے سرفراز نہیں کیا جائے گا۔

(۳۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ –رضي الله عنه– أَنَّ رَسُولَ الله –صلَّى الله تعالى عليه وسلَّم– قَالَ: «إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ، إِلاَّ مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ ، وَيَقُولُونَ: هَلاَّ وُضِعَتْ هَذِهِ اللَّبِنَةُ، ● قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ ».[2]

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني ج: ۳، ص: ۲۰۰، رقم الحديث: ۳۰۵۱، قاهره.

(۲) ● صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۵۰۱، كتاب المناقب / باب خاتم النبيين، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

● الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۲۴۸، كتاب الفضائل / باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبيين، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك پور

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور پہلے کے انبیا کی مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے کوئی اچھا اور خوبصورت گھر تعمیر کیا مگر کسی گوشے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رکھی، لوگ اس عمارت کو دیکھنے کے لیے اس کے گرد چکر لگاتے اور اس کی خوبصورتی پر تعجب کرتے اور یہ کہتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہیں رکھی گئی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”وہ آخری اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں“۔

(۳۳) عن أبی سعید، قال: قال رسولُ اللهِ ﷺ: مَثَلِي و مَثَلُ النَّبیین کمثلِ رجل بنیٰ دارًا فأتمَّها، إلّا لَبِنةً وَاحِدة، فَجِئتُ أنا، و أتممْتُ تلك اللِّبْنَة.[۱]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اور تمام نبیوں کی مثل اس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی گھر بنایا تو ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ کر سب کچھ مکمل کر دیا، پھر میں آیا، تو میں نے عمارتِ نبوت کی وہ اینٹ بھر دی۔

(۳۴) عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- قَالَ: «مَثَلِي وَمَثَلُ الأَنْبِيَاءِ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَتَمَّهَا وَأَكْمَلَهَا إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا وَيَتَعَجَّبُونَ مِنْهَا وَيَقُولُونَ: لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ». قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلم-: «فَأَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ جِئْتُ فَخَتَمْتُ الأَنْبِيَاءَ».[۲]

ترجمہ: حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اور انبیا کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے کوئی محل تعمیر کیا اور سوائے ایک اینٹ کی جگہ کے اسے پورا درست و آراستہ کر دیا اور لوگ اسے دیکھنے کے لیے اس میں جانے اور اس کی خوبصورتی پر تعجب کرنے لگے، نیز یہ حسرت کے ساتھ کہنے لگے کہ کاش ایک اینٹ کی جگہ خالی نہ ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس (آخری) اینٹ کی جگہ میں ہوں، تو مجھ پر انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کا سلسلہ ختم ہوا۔

(۳۵) عَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «مَثَلِي

---

(۱) الصحیح لمسلم ج: ۲، ص: ۲۴۸، کتاب الفضائل / باب ذکر کونه ﷺ خاتم النبین، مجلس البرکات، مبارك فور.

(۲) الصحیح لمسلم، ج: ۲، ص: ۲۴۸، کتاب الفضائل / باب ذکر کونه ﷺ خاتم النبیین، مجلس البرکات، الجامعة الأشرفیة، مبارك فور.

فِي النَّبِيِّينَ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَحْسَنَهَا وَأَكْمَلَهَا وَأَجْمَلَهَا وَتَرَكَ مِنْهَا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ لم يضعها، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِالْبِنَاءِ وَيَعْجَبُونَ مِنْهُ وَيَقُولُونَ: لَوْ تَمَّ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَأَنَا فِي النَّبِيِّينَ مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ». (۱)

ترجمہ: حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبیوں میں میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی محل اچھا (نقشہ اور مضبوطی وغیرہ کے لحاظ سے) اور کامل اور خوبصورت بنایا اور ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی جو نہ لگائی۔ تو لوگ اس عمارت کو ہر طرف سے دیکھتے اور اس کی اچھی تعمیر و خوبصورتی پر تعجب کرتے اور یہ اظہارِ تمنا کرتے کہ کاش اس ایک اینٹ کی جگہ پوری ہو جاتی۔ تو انبیا میں اُس ایک اینٹ کی جگہ میں ہوں۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث تخریج کر کے یہ انکشاف فرمایا:

هٰذا حديث حسنٌ، صحيح، غريب.

ترجمہ: یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔ (۲)

ان احادیث میں ہادیِ عالم، حضور نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک بہت ہی واضح اور محسوس مثال دے کر ہر عام و خاص پر یہ روشن فرما دیا کہ آپ تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے آخری نبی و رسول ہیں۔

جیسے کسی شاندار محل میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو، جب اس جگہ میں وہ اینٹ چُن دی جائے تو وہ محل کامل ہو جاتا ہے، اور اس میں کوئی اور اینٹ رکھنا ممکن نہیں ہوتا کہ جو کچھ امکان تھا اس آخری اینٹ نے ختم کر دیا۔

ویسے ہی حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام اور حضور سید کائنات جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور تک نبوت کے عظیم الشان محل میں صرف ایک نبی کی جگہ خالی رہ گئی تھی جو رسولوں کے سردار اور نبیوں کے تاجدار، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

(۱) ❀ جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۲۰۱، أبواب المناقب، مجلس البركات.
❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ۱۵۶۱، مسند الأنصار/ حديث أبي المنذر أبي بن كعب، رقم الحديث: ۲۱۵۶۳/ ۲۱۵۶٤، بيت الأفكار الدولية، للنشر.
(۲) جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۲۰۱، أبوابُ المناقب/ باب، مجلس البركات، مبارك فور.

کے ظہور قدسی سے پوری ہوگئی اور وہ عظیم الشان محل اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ مکمل ہوگیا۔

نبی کریم ﷺ نے اس مثال سے یہ سمجھایا ہے کہ جیسے اُس محسوس محل میں آخری اینٹ بھر دینے کے بعد وہاں کوئی اور اینٹ رکھنا ممکن نہیں رہ جاتا، ویسے ہی نبیوں و رسولوں کے اس محل میں سرکار دوعالم ﷺ کے ظہور قدسی کے بعد کسی اور نبی کا آنا ممکن نہ رہا۔

تو آپ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔

چھٹی نوع

احادیث قیادتِ انبیا و خلفاے رسول

(۳۶) عَنْ فُرَاتٍ الْقَزَّازِ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا حَازِمٍ قَالَ: قَاعَدْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ خَمْسَ سِنِينَ ، فَسَمِعْتُهُ يُحَدِّثُ عَنِ النَّبِيِّ – صلى الله عليه وسلَّم – قَالَ: « كَانَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي، وَسَيَكُونُ خُلَفَاءُ فَيَكْثُرُونَ. قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا يا رسولَ الله، قَالَ: فُوا بِبَيْعَةِ الأَوَّلِ فَالأَوَّلِ، أَعْطُوهُمْ حَقَّهُمْ ، فَإِنَّ اللهَ سَائِلُهُمْ عَمَّا اسْتَرْعَاهُمْ ».[1]

ترجمہ: فرات قزاز سے روایت ہے کہ میں نے ابوحازم کا یہ ارشاد سنا کہ میں حضرت ابوہریرہ کی صحبت میں پانچ سال رہا، اس دوران میں نے ان سے یہ حدیث سنی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قوم بنی اسرائیل کی قیادت انبیا فرماتے تھے، جب بھی کوئی نبی پردہ فرماتے تو ان کے بعد دوسرے نبی آجاتے۔ اور ”بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں“ (میرے بعد) میرے خلفا کثیر ہوں گے۔

صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ، ان کے بارے میں آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یکے بعد دیگرے ہر پہلے خلیفہ سے بیعت کرو، اور ان کا حق ادا کرو، اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعایا کے بارے میں پوچھے گا۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ٤٩١، كتاب الأنبياء / باب ما ذكر عن بني إسرائيل، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مباركفور.

اس حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے بہت واضح الفاظ میں یہ بیان فرمادیا ہے کہ پہلے کے انبیا میں جب کوئی نبی دنیا سے تشریف لے جاتے تو ان کے بعد دوسرے نبی تشریف لاتے مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، میری جانشینی کا کام میرے خُلفا انجام دیں گے۔

جب حضور سید الانبیا ﷺ نے صاف صاف فرمادیا: لا نبيَّ بعدي۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

تو یہ کہنا کہ آپ کے بعد نبی آسکتا ہے ضرور حدیث نبوی سے انحراف ہے۔

ساتویں نوع

احادیث امتناعِ نبوت بعد ظہورِ قدسی

(۳۷) حدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قُلْتُ لِابْنِ أَبِي أَوْفَى: رَأَيْتَ إِبْرَاهِيمَ ابْنَ النَّبِيِّ - صلَّى الله عليه وسلم -؟ قَالَ: مَاتَ صَغِيرًا، وَلَوْ قُضِيَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ - صلَّى الله عليه وسلم - نَبِيٌّ عَاشَ ابْنُهُ، وَلَكِنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ.(۱)

ترجمہ: حضرت اسمٰعیل بن ابو خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو اَوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کو دیکھا تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ وہ بچپن میں فوت ہو گئے اور اگر محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد نبی ہونا مقدر ہوتا تو حضور کے صاحبزادے حضرت ابراہیم زندہ رہتے، لیکن حضور کے بعد کوئی نبی نہیں۔

یہ سینتیس (۳۷) احادیث ہیں، لیکن یہ اس موضوع کی ساری احادیث نہیں ہیں، محدث جلیل امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب "جزاء اللهِ عَدوَّهٗ بِاِبَائِهٖ ختم النبوة" میں "ایک سو ایک" حدیثیں جمع کی ہیں اور "تذییلات" کے ساتھ تو ان کی تعداد "ایک سو اٹھارہ" تک پہنچ جاتی ہے ان میں مرفوع احادیث کی تعداد "نوے" (۹۰) ہے اور ان کے راوی صحابہ و تابعین کی تعداد "اکہتر" (۷۱) جن میں تابعین صرف گیارہ ہیں، باقی ساٹھ حضرات صحابۂ کرام ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہم و

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۹۱٤، كتاب الأدب/ باب اسم الحزن، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

عمَّن تبعهم بإحسان۔[1]

(۱) رسالہ مذکورہ میں احادیث ختم نبوت کے راوی تابعین اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فہرست بھی پیش کی گئی ہے، وہ فہرست آپ بھی ملاحظہ کریں۔

(صحابہ و تابعین جن میں صرف گیارہ تابعی ہیں)

گیارہ تابعی:

(۱) امام اجل محمد باقر (۴) سعد بن ثابت (۷) ابن شہاب زہری (۱۰) عامر شعبی
(۲) عبداللہ بن ابی الہذیل (۵) علاء بن زیاد (۸) ابوقلابہ (۱۱) کعب احبار
(۳) مجاہد مکی (۶) محمد بن کعب قرظی (۹) وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

باقی ساٹھ صحابی، ازاں جملہ اکاون صحابہ خاص اصول مرویات میں ہیں۔

اِکاون صحابہ:

(۱۲) اُبَی بن کعب (۲۵) ابوامامہ باہلی (۳۸) انس بن مالک (۵۱) اسماء بنت عمیس
(۱۳) براء بن عازب (۲۶) بلال مؤذن (۳۹) ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ (۵۲) جابر بن سمرہ
(۱۴) جابر بن عبداللہ (۲۷) جُبیر بن مطعم (۴۰) حُبشی بن جنادہ (۵۳) حُذیفہ بن اَسید
(۱۵) حُذیفہ بن الیمان (۲۸) حسّان بن ثابت (۴۱) حویصہ بن مسعود (۵۴) ابوذر
(۱۶) ابن زمل (۲۹) زیاد بن لبید (۴۲) زید بن ارقم (۵۵) زید بن ابی اَوفیٰ
(۱۷) سعد بن ابی وقاص (۳۰) سعید بن زید (۴۳) ابوسعید خدری (۵۶) سلمان فارسی
(۱۸) سہل بن سعد (۳۱) ام المومنین ام سلمہ (۴۴) ابوالطفیل عامر بن ربیعہ (۵۷) عامر بن ربیعہ
(۱۹) عبداللہ بن عباس (۳۲) عبداللہ بن عمر (۴۵) عبدالرحمٰن بن غنم (۵۸) عدی بن ربیعہ
(۲۰) عرباض بن ساریہ (۳۳) عصمہ بن مالک (۴۶) عقبہ بن عامر (۵۹) عقیل بن ابی طالب
(۲۱) امیرالمومنین علی (۳۴) امیرالمومنین عمر (۴۷) عوف بن مالک اشجعی (۶۰) ام المومنین صدیقہ
(۲۲) ام کرز (۳۵) مالک بن حویرث (۴۸) مالک بن سنان والد ابی سعید خدری (۶۱) محمد بن عدی بن ربیعہ
(۲۳) معاذ بن جبل (۳۶) امیر معاویہ (۴۹) مغیرہ بن شعبہ (۶۲) ابن ام مکتوم
(۲۴) ابومنظور (۳۷) ابوموسیٰ اشعری (۵۰) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

(تذییلات میں)

نو صحابی:

(۶۳) حاطب بن ابی بلتعہ (۶۶) عبداللہ بن ابی اوفیٰ (۶۸) عبداللہ بن زبیر (۷۰) عبداللہ بن سلام
(۶۴) عبداللہ بن عمرو بن عاص (۶۷) عُبادہ بن صامت (۶۹) عبید بن عمرو لیثی (۷۱) نعیم بن مسعود
(۶۵) ہشام بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

رسالہ جزاء اللہ عدوّہ بإبائه ختم النبوة ۔ ص: ۷۸، ۷۹، قادری بک ڈپو، بریلی ۔ یہ رسالہ فتاوی رضویہ جلد: ۲۲، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف میں شامل اشاعت ہے۔

یہ تفصیل شاہد ہے کہ یہ احادیث متواتر المعنیٰ ہیں، الفاظ اور واقعات گو مختلف ہیں مگر یہ سب اس مضمون پر قطعی و یقینی طور پر دلالت کرتے ہیں کہ سید المرسلین ﷺ "خاتَم النبیین" ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں پیدا ہوگا، لہٰذا اگر کوئی آپ کے بعد نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ دجّال و کذّاب ہے۔

یہی وہ نصوص متواترہ ہیں جن کی بنیاد پر سلف و خلف کا اجماعِ قطعی منعقد ہو گیا کہ حضور پر نور، شافع یوم النشور ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی آنا ناممکن و محال ہے، ورنہ اللہ عزّ و جل کا جھوٹا ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں اسے تفصیل کے ساتھ واضح کر دیا گیا۔

ایک طرف یہ احادیث کثیرہ، متواترہ ہیں جو بار بار اعلان کر رہی ہیں کہ حضور شافع یوم النشور ﷺ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا، اور اس کے دوسری طرف فرقۂ وہابیہ کا امام "تقویۃ الایمان" کے عنوان سے یہ اعلان کر رہا ہے کہ

"حضور کے بعد بھی نبی آسکتا ہے، اور ایک نہیں، بلکہ کروروں نبی آسکتے ہیں"۔

تو یہ احادیث کثیرہ، بالخصوص "احادیثِ صحیحین" سے کھلا ہوا انحراف ہے۔

اور صحابۂ کرام، تابعین عظام، فقہاے اسلام، اولیاے فخام اور بعد کے صالحین اور عامۂ امت کی شاہراہ سے جُدا راہ نکالنی ہے جو بلا شبہہ "وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ" [1] کی مصداق ہے۔

اس کے پیش نظر ہر صاحب عقل فیصلہ کر سکتا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا؟

اللہ تعالیٰ ان وہابی نام نہاد محدثین کو فہم احادیث کی سعادت اور قبول حق کی توفیق بخشے اور مسلمانوں کو شاہراہِ امت پر استقامت نصیب فرمائے۔

---

(۱) یہ پوری آیت کریمہ اجماع کی بحث میں آرہی ہے۔ ۱۲ منہ۔

تیسرا مسئلہ

امتناعِ نظیر

کتاب و سنت کی روشنی میں

عقیدۂ امتناعِ نظیر کی تشریح اور اسلام میں اس کی اہمیت:

سید الانبیاء، خاتم المرسلین ﷺ کی نظیر پیدا ہونا محال ہے کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں میں سب سے آخری نبی و آخری رسول ہیں، آپ کے بعد کسی کو نبوت ملنا ناممکن ہے تو پھر آپ کی نظیر آنا بھی ناممکن ہے اور سارے اوصاف و کمالات میں کسی کا آپ کے مساوی ہونا محال بالذات۔ کہ سارے اوصاف و کمالات میں آپ کا مثل وہی ہوگا جو خاتم النبیین و آخری نبی بھی ہو اور یہ وصف حضور سید عالم ﷺ کے لیے خاص ہے جیسا کہ قرآن حکیم کی آیت کریمہ، احادیثِ متواترہ اور اجماعِ امت سے گزشتہ صفحات میں یہ ثابت کیا جا چکا۔

اس کے برخلاف امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی اپنے مذہب کا عقیدہ یہ بیان کرتے ہیں:

”اُس شہنشاہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکمِ ”کُن“ سے چاہے تو کروروں نبی اور ولی اور جن و فرشتے جبریل اور محمد ﷺ کی برابر پیدا کر ڈالے۔“[1]

---

(۱) تقوية الإيمان، ص: ۲۶، الفصل الثالث في ذكر ردّ الإشراك في التصرف، راشد کمپنی، لاہور.

بلا شبہہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے کروڑہا، کرور انسان پیدا فرمائے اور وہ جب چاہے ایک آن میں کروروں کیا، بے شمار انسان ایک حکمِ کُن سے پیدا فرمادے، آج بھی بے شمار انسانوں کا وجود اسی کے حکمِ کُن کا ایک ادنیٰ سا مظہر ہے، اس میں کسی مسلمان کو کیا کلام۔

لیکن وہ ذاتِ قدسی صفات جسے خداے قادر و توانا نے خاتمُ النّبیین اور آخِر المُرسلین بناکر بھیجا، ساتھ ہی بہت سے ایسے کمالات عطا فرمائے جو دوسرے انبیا و مرسلین کو نہ ملے، اُس ذاتِ اقدس کے برابر اللہ تعالیٰ کوئی نبی پیدا فرمائے اسے کوئی مسلمان نہیں مانتا، بلکہ کوئی مسلمان اس کا بھی قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ اب آپ سے کم درجے کا ہی کوئی نبی پیدا فرمائے۔

دلائلِ اہلِ سنت

(۱) قرآن عزیز کی یہ نص قطعی اس عقیدے کی روشن دلیل ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ[۱]

محمد تمھارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

[۲ تا ۳۷] ختم نبوت والے مقالے میں ہم نے سرکار دوعالم ﷺ کی چھتیس [۳۶] احادیث نقل کی ہیں، مثلاً:

- أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي.
- إِلَّا أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي.
- أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَىٰ، إِلَّا أَنَّهُ لَيْسَ نَبِيٌّ بَعْدِي.
- وَأَنَا الْعَاقِبُ. وَالْعَاقِبُ: الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ.
- لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ.
- إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلاَ رَسُولَ بَعْدِي وَلاَ نَبِيَّ.
- ذَهَبَتِ النبوّة ، فلا نبوّة بعدي.
- فَأَنَا اللَّبِنَةُ ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ.

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الأحزاب: ۳۳، الآیۃ: ۴۰۔

- فَأَنَا مَوْضِعُ اللَّبِنَةِ جِئْتُ فَخَتَمْتُ الأَنْبِيَاءَ.
- كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ، وَإِنَّهُ لاَ نَبِيَّ بَعْدِي.
- وَلَوْ قُضِيَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ - صلَّى الله عليه وسلم - نَبِيٌّ عَاشَ ابْنُهُ، وَلَكِنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ.

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولِ مرتضیٰ و نبیِ مجتبیٰ ﷺ پر نبوت ختم فرمادی، اب کوئی نبی پیدا ہونا شانِ ختمِ نبوت کے منافی ہے، پھر کروروں نبی، وہ بھی تمام صفات و کمال میں خاتَمُ النبیین کے برابر پیدا ہونا ممکن نہیں۔

ان احادیث کریمہ سے تواتر کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول مرتضیٰ ﷺ کے اعلان نبوت کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا، آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں پیدا ہوگا۔ آپ عمارتِ نبوت کی آخری اینٹ ہیں اس لیے اس میں کسی نئے نبی کا اضافہ ناممکن ہے۔ لہذا کروروں نبی، وہ بھی تمام صفات و کمال میں "خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ" کے برابر پیدا ہونا محال ہے۔

امتناع النظیر پر علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دو زبردست استناد:

استاذ مطلق، علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آیت کریمہ "وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ" سے امتناع النظیر پر دو طرح زبردست استناد کیا ہے، اور حجتِ قاطعہ قائم فرمائی ہے، ہم یہاں اس کا اردو ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

تقریر استناد (۱):

آپ لکھتے ہیں:

اس قائل (امام الوہابیہ، مولوی اسماعیل دہلوی) کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ حضور سید کائنات ﷺ کے تمام کمالات میں برابر کروڑوں اشخاص سے تکوین (و ایجاد) کا تعلق صحیح ہے۔ جو شخص اردو زبان سے تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہے، اس عبارت سے اس معنیٰ کے متبادر ہونے میں شک نہیں کرے گا، حالاں کہ حضور ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات سے تمام اوصاف و کمالات میں برابری رکھنے والے ایک شخص سے بھی تکوین (و ایجاد) کے تعلق کا صحیح ہونا باطل ہے کیوں کہ ایسا ایک شخص بھی موجود ہوا تو

نصِ قرآنی کا کذب لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا کذب محال بالذات ہے۔ اور جسے محال بالذات لازم ہو اس سے تکوین کا تعلق صحیح نہیں ہوتا۔ (۱)

تقریر استناد (۲):

آپ تحریر فرماتے ہیں: یہ کہنا کہ تمام کمالات میں حضور ﷺ کے برابر کا وجود ممکن ہے "اجتماعِ نقیضَین کے امکان کو تسلیم کرنا ہے، اور وہ باطل ہے"۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ کوئی شخص تمام کمالات میں نبیِ اکرم ﷺ کے برابر ہے، تو دو حال سے خالی نہیں:

● وہ شخص یا تو خاتم الانبیا ہوگا ● یا خاتم الانبیا نہیں ہوگا

دونوں صورتوں میں وہ شخص حضور ﷺ کے برابر نہ ہوگا کیوں کہ وہ شخص اگر خاتم الاَنبیا ہو تو لا محالہ حضور ﷺ اُن انبیا کے زمرے میں داخل ہوں گے جن کا وہ خاتم ہے اور معاذ اللہ حضور ﷺ خاتم الاَنبیا نہ ہوں گے، پس اس شخص میں ایک ایسا کمال (خاتم الانبیا ہونا) ہوگا جو نبیِ اکرم ﷺ میں نہیں ہوگا، لہٰذا حضور ﷺ اس شخص کے برابر نہ ہوں گے۔ (اور وہ شخص آپ کے برابر نہ ہوگا، بلکہ بلند رتبہ ہوگا)

اور اگر وہ شخص خاتم الاَنبیا نہ ہو تو چوں کہ حضور ﷺ یقیناً خاتم الاَنبیا ہیں لہٰذا حضور ﷺ میں خاتم الانبیا ہونے والا ایسا کمال پایا جائے گا جو اس تقدیر پر اس شخص میں نہیں ہے پھر بھی وہ شخص حضور ﷺ کے برابر نہ ہوا، دونوں صورتوں میں مساوات فرض کرنے کے باوجود اس کا مساوی نہ ہونا لازم آیا۔ (بلفظ دیگر وہ تمام کمالات میں آپ کے برابر بھی ہوا اور برابر نہیں بھی ہوا تو یہ اجتماعِ نقیضَین ہے جو محال بالذات ہے۔ نظام)

تو ثابت ہوا کہ جمیع کمالات میں حضور ﷺ کے برابر شخص کا موجود ہونا اس امر کو مستلزم ہے کہ وہ شخص تمام کمالات میں حضور ﷺ کے برابر نہ ہو۔ لہٰذا واضح ہو گیا کہ تمام کمالات میں حضور ﷺ کے برابر شخص کا قول کرنا "اجتماعِ نقیضَین" کے امکان کا قول کرنا ہے اور وہ تو محال بِالذّات ہے،

---

(۱) تحقيق الفتوىٰ في إبطالِ الطّغوىٰ مترجم، ص: ۱۵۵، المجمع الإسلامي، مبارك فور.

پس تمام کمالات میں حضور ﷺ کے برابر کا موجود ہونا محال بالذات ہے۔[1]

ختم نبوت والے مقالے کے حوالے سے جن چھتیس احادیث کا سلسلۂ دلائل میں ہم نے اجمالاً ذکر کیا ہے ان سے بھی استدلال کی یہی دونوں تقریریں جاری ہوں گی۔

نزاع کیا ہے، اور بنیادی دلیل کیا:

● امام اہل سنت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے ایک فتوے میں اس دلیل کو برقرار رکھا ہے اور اس کی تقریر اس انداز سے فرمائی ہے کہ بعض ابنائے زمان نے اس پر جو کلام کیا ہے وہ ساقط ہوجاتا ہے۔

امام اہل سنت نے پہلے یہ واضح فرمایا ہے کہ نزاع کیا ہے، پھر تقریرِ دلیل کو ورودِ نص پر موقوف نہیں فرمایا، گو نص سے صرفِ نظر بھی نہیں کیا، اب بہت غور سے امام موصوف کی تحریر پڑھیے، آپ رقم طراز ہیں:

● اللہ عزوجل پر واجب نہ تھا کہ یہ کمالاتِ عالیہ جو اُس نے حضور اقدس ﷺ کو محض اپنے فضل سے عطا فرمائے حضور کو عطا فرماتا، بلکہ ممکن تھا کہ محمد بن عبد اللہ کی جگہ احمد بن عبد المطلب کو دیتا، بلکہ کسی کو نہ دیتا، بلکہ سرے سے عالَم ہی نہ بناتا تو کچھ اس پر لازم نہ تھا، اس میں کسی کو نزاع نہیں۔

● جیسا کہ اربابِ بصیرت کو بحمد اللہ تعالی اس میں بھی اصلاً شک وشبہہ نہیں کہ اس تقدیر پر وہ احمد بن عبد المطلب نہ ہوتے مگر حضور پُرنور کما لا یخفیٰ علی ذوي النور کہ ”حضور“ اس ذاتِ کریم سے عبارت ہے جو مظہرِ اول وخلیفہ مطلق ہے۔

● اور اس میں بھی نزاع نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے بعض اوصاف میں مشارکت ممکن، بلکہ موجود ہے۔ اللہ تعالی کے سب نبی ”وصفِ نبوت“ میں حضور اقدس ﷺ کے شریک ہیں۔

نزاع ”مِثل من حیثُ هو مِثل“ میں ہے یعنی:

”حضور اقدس ﷺ کے تمام اوصاف وخصائصِ کمالیہ میں حضور کا شریک وہم سر، کہ ہر کمال کا ایک فرد حضور اقدس ﷺ کو عارض ہو اور دوسرا (فرد) اُس مثل مفروض کو۔“

یہ قطعاً مُحال بالذات ہے، کہ مِثلیّت بے اِثْنَیْنِیّت واِشْتِراک معقول نہیں (یعنی ”مثل“ ہونا وہیں پایا جائے گا جہاں کم از کم دو ہوں، اور دونوں تمام اوصاف میں ایک دوسرے

---

(۱) تحقیق الفتویٰ في إبطال الطّغویٰ مترجم ص: ۱٦٦، المجمع الأسلامي، مبارك فور.

کے شریک ہوں۔ن) اور حضور اقدس ﷺ کے ہزارہا کمالاتِ عالیہ[1] قابلیتِ اشتراك بينَ الإثنين سے منزّہ ہیں۔ (یعنی سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ہزاروں کمالات ایسے ہیں جو حضور کے ساتھ خاص ہیں، کوئی اُن اوصاف میں آپ کا شریک ہونے کے قابل نہیں، نہ ہی وہ اَوصاف اس قابل ہیں کہ حضور کے سوا دوسرے میں پائے جائیں۔ن) جیسے:

- خاتَمَ النبيّين
- أفضلُ المرسلين
- أوّلُ مَن خَلَقَ اللهُ
- أوّلُ شَافِعٍ
- أوّلُ مُشَفَّعٍ
- أوّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنهُ الأرض
- (صاحب المقام المحمود-ن)
- إلىٰ غير ذلك

کہ **اَوّل** وہ ہے کہ نہ اُس سے پہلے کوئی ہو، نہ اُس کے ساتھ کوئی ہو۔

یوں ہی **اٰخِر** وہ ہے کہ نہ اُس کے بعد کوئی ہو، نہ اُس کے ساتھ کوئی ہو۔

تو یہ (وصفِ اٰخِر) ایک ہی پر صادق آسکے گا، اگر دوسرے کو بھی مثلاً خَاتَم (آخری نبی) مانو تو تین حال سے خالی نہیں:

- یا "وہ حضور سے پہلے ہوگا" تو وہ خَاتَم نہ رہا کہ حضور اس کے بعد ہیں،
- یا "وہ حضور کے بعد ہوگا" تو مَعَاذَ اللہ حضور خَاتَم نہ رہے کہ وہ حضور کے بعد ہے۔
- یا "وہ حضور کے ساتھ ہوگا" تو دونوں خَاتَم نہ رہے کہ خَتمِیّت جس طرح مُنافِیِ بَعدیّت ہے، یوں ہی نافِیِ مَعیّت۔ وعلیٰ ہذا القیاس **اَوّلیت**۔

[یعنی ٹھیک یہی معاملہ **اوّل** کا بھی ہے کہ اس کے بھی یہی تین حال ہوں گے اور یہی استدلال ہوگا اور بہر حال یہ لازم آئے گا کہ جیسے حضور کے سوا بھی اول مخلوقات، اور شافع، وغیرہ مانا ہے وہ اول ہو، اور نہ بھی ہو اور یہ مُحال بالذّات ہے۔ن]

---

(۱) "ہزارہا کمالات" مثلاً: حضور سید عالم ﷺ کا ایک کمال ہے "افضلُ المرسلین" ہونا، تو آپ مجموعی حیثیت سے بھی تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں اور انفرادی طور پر بھی ہر نبی و رسول سے افضل ہیں اور نبیوں و رسولوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد ہے تو اس طور پر سرکار کا یہ ایک وصفِ کمال، ایک لاکھ اوصافِ کمال سے زیادہ ہوا، اب اسی طور پر سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ہر وصفِ کمال کو مجموعی اور انفرادی حیثیت سے دیکھتے جائیے تو امام اہل سنت کے اس ارشاد کی صداقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی جائے گی۔ ۱۲ منہ

اور پُر ظاہر کہ یہ اِستِحالَہ (مُحال بالذّات) کچھ اس سے ناشی نہ ہوا کہ قرآنِ مجید میں حضور کو ''خاتَم'' فرمایا، یا یہ اوصاف حضور کو عطا ہوئے، بلکہ ان سب سے قطع نظر کر کے اَزَل میں دیکھیے تو اُس وقت بھی یہ اوصاف اشتراك بينَ الإثنين (دو کا وصف بننے) کے قابل نہیں، اور مِثلیت (کسی کا دوسرے کے مثل ہونا) بے اشتراک ناممکن۔ تو ثابت ہوا کہ استحالۂ مِثلیت (حضور کے مثل کا محال ہونا) نفسِ ذات یعنی ''نفسِ ذاتِ وحدت'' کا منشأ ہے، اسی کا نام مُحال بالذّات ہے۔

واضح ہو کہ یہاں معنی اول وآخر میں مخالفین کا کلام کرنا محض فضول ہے بالفرض اگر ''دو مقارنوں کو بھی اول وآخر بول دیتے ہوں'' تو یہاں تو ایسا قطعاً نہیں کہ حضور کی اولیّت وآخریت بالیقین اسی معنیٰ پر ہیں کہ ''نہ کوئی ساتھ ہو، نہ پہلے ہو، نہ بعد میں ہو۔

یہ تقریر محفوظ رہے تو مخالفین کے تمام دلائل کی حقیقت کھل جائے کہ وہ ''محلِ نزاع'' سے محض بیگانہ ہیں۔[۱]

خاتَم الانبیا کے چوبیس اوصاف خاصّہ جن میں دوسرے کی شرکت ممکن نہیں:

مجھے اس فتوے پر اطلاع کے ایک عرصے بعد استاذ مطلق، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی لاجواب کتاب ''امتناع النظیر'' ملی اور مجھے اس کی زیارت کا پہلے سے اشتیاق بھی تھا، اس میں بڑی تفصیل کے ساتھ آپ نے یہ دلیل بیان فرمائی ہے، آپ نے اس مقام پر حضور خاتَم الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایسے ''۲۴'' اوصاف جمع کیے ہیں جو دو کے درمیان مشترک نہیں ہو سکتے، بلفظِ دیگر وہ دو کا وصف نہیں بن سکتے۔ وہ اوصاف خاصّہ آپ نے اس ترتیب سے شمار فرمائے ہیں:

(۱) سارے عالم کی طرف آپ کا مبعوث ہونا۔ ارشاد باری ہے:

''لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا.''[۲] **ترجمہ:** تاکہ رسول عالم کو ڈر سنائیں۔

ارشاد رسالت ہے:

''بعثتُ إلى الخلق كافّةً.'' **ترجمہ:** میں ساری مخلوق کی طرف مبعوث ہوا۔

---

(۱) الفتاوى الرضوية، ج:۱۸، ص: ۲۷، كتابُ العقائد والكلام، إمام أحمد رضا اكادیمی، بریلی شریف.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الفرقان: ۲۵، الاية: ۱.

(۲) رحمۃ للعالمین ہونا۔

(۳) آپ کے نور کا اللہ کی سب سے پہلی مخلوق ہونا۔

(۴) تخلیق کے لحاظ سے آپ کا اولِ انبیا ہونا۔

(۵) سب سے پہلے قبر سے باہر آنا۔

(۶) سب سے پہلے صعقہ قیامت سے ہوش میں آنا۔(أوّلُ مَن يفيق من الصعقة.)

(۷) سب سے پہلے آپ کو سجدے کی اجازت حاصل ہونا۔

(۸) سب سے پہلے آپ کا سجدے سے سرانور اٹھانا۔

(۹) سب سے پہلے آپ کا اللہ عزّ و جلّ کو مشاہدہ فرمانا۔

(۱۰) سب سے پہلے شفاعت کرنے والے۔

(۱۱) سب سے پہلے آپ کی شفاعت مقبول ہونا۔

(۱۲) سب سے پہلے آپ کا جنت کی زنجیروں کو ہلانا۔

(۱۳) سب سے پہلے باب جنت کو کھٹکھٹانا۔

(۱۴) سب سے پہلے جنت کا دروازہ آپ کے لیے کھولا جائے گا۔

(۱۵) سب سے پہلے امت کو پُل صراط سے گزارنا۔

(۱۶) وسیلہ کے رتبۂ بلند سے خاص آپ کا سرفراز ہونا۔

(۱۷) آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اللہ عزّ و جلّ کے یمین قدس میں، عرش کے داہنے ایسے مقام پر کھڑا ہونا جہاں آپ کے سوا کوئی نہیں کھڑا ہوگا۔ اور تمام اگلے، پچھلے اس مقام پر آپ کے سرفراز ہونے پر رشک کریں گے۔

(۱۸) قیامت کے دن تمام انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا آپ کے "لواءُ الحَمد" کے نیچے ہونا۔

(۱۹) شفاعتِ کُبریٰ۔(جو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ خاص ہے اور یہ تمام اولین و آخرین کے لیے ہوگی۔)

(۲۰) اللہ عزّ و جلّ کے نزدیک آپ کا تمام اولین و آخرین میں سب سے زیادہ عزت اور وجاہت

والا ہونا۔

(۲۱) روز قیامت آپ کا تمام لوگوں کا سردار ہونا۔

(۲۲،۲۳) روز قیامت تمام انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا امام و شفیع ہونا۔

(۲۴) تمام مکارم اخلاق اور محاسن افعال کی تکمیل فرمانا۔

پھر آپ نے مخصوص انداز میں بڑی خوبی کے ساتھ اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ کوئی بھی شخص ان اوصاف میں حضور کا شریک نہیں ہو سکتا کیوں کہ کسی کو ان اوصاف میں حضور کا شریک قرار دینا اس کے عدم کو لازم ہے کہ وہ شریک بھی ہو اور شریک نہ بھی ہو۔ اور یہ محال بالذات ہے تفصیل کے لیے اصل کتاب ملاحظہ فرمائیں۔[۱] یہ اسی کا اردو ترجمہ اور اختصار ہے۔

امتناع النظیر کی دلیل پر کلام اور اس کا شافی جواب:

اس پر بعض ابناے زمان نے کلام کیا ہے کہ قرآن پاک میں حضور ﷺ کو خَاتَم النبیین فرمایا گیا اس لیے آپ کی نظیر محالُ بِالغیر ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریر دلیل سے یہ گفتگو ساقط ہو جاتی ہے۔

آپ کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ نص قرآنی "وَ خَاتَمَ النَّبِیین" پر استدلال موقوف نہیں کیوں کہ حضور سید عالم ﷺ کے لیے یہ وصفِ کمال نزولِ قرآن سے پہلے ازل میں بھی ثابت ہے اور ازل میں بھی لفظ خَاتَم دو کا وصف بننے کے قابل نہ تھا، اور بغیر اس وصف کے ثبوت کے دوسرے کا حضور کے مثل ہونا محال بالذّات ہے۔

ایک اور شبہے کا جواب: اس تقریر سے یہ امر بھی منکشف ہو گیا کہ حضور سرور عالم ﷺ کے جو اوصاف آپ کے ساتھ خاص نہیں جیسے بَشَر ہونا، نذیر ہونا، وغیرہ، وہ حضور کے سوا دوسروں میں بھی پائے جا سکتے ہیں، بلکہ پائے جاتے ہیں، جیسے قرآن حکیم میں ہے:

"قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ "[۲] اے محبوب فرمادیجیے کہ میں تمھارے مثل بشر ہوں۔ یعنی بَشَریت کے وصف میں تمھارے مثل ہوں۔

---

(۱) امتناع النظیر فارسی، ص: ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ فُصِّلَت، ۴۱، الآیۃ: ۶.

یوں ہی "نذیر" ہونا حضور کے ساتھ خاص نہیں، اللہ تعالی نے حضرات انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کو نذیر بنا کر بھیجا ہے اور ہر امت میں بھیجا ہے، اس کے شواہد قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر ہیں، مثلاً:

● سورۂ فاطر میں ہے:

"اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ؕ وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيۡهَا نَذِيۡرٌ "(۱)

ترجمہ: اے محبوب! بے شک ہم نے تمھیں حق کے ساتھ بھیجا خوش خبری دیتا اور ڈر سناتا، اور جو کوئی گروہ تھا، سب میں ایک ڈر سنانے والا گزر چکا۔

● سورہ رعد میں فرمایا گیا:

"اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ "(۲)

ترجمہ: تم تو ڈر سنانے والے ہو اور ہر قوم کے ہادی۔

سورۃ النحل میں اس کا ذکر اس طرح ہے:

"وَلَقَدۡ بَعَثۡنَا فِىۡ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوۡلًا اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ‌ۚ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ هَدَى اللّٰهُ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ حَقَّتۡ عَلَيۡهِ الضَّلٰلَةُ ‌ؕ "(۳)

ترجمہ: اور بے شک ہر امت میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کو پوجو اور شیطان سے بچو تو ان میں کسی کو اللہ نے راہ دکھائی اور کسی پر گمراہی ٹھیک اتری۔

اب کوئی کہے کہ حضور کے مثل ہزاروں نذیر اور لاکھوں بشر ہیں جو نذیر اور بشر ہونے میں آپ کے جیسے ہیں تو یہ صحیح ہے۔

لیکن یہ کہ "تمام اوصاف کمال" میں حضور کے برابر ہزاروں ہیں، یا ہو سکتے ہیں غلط ہے کیوں کہ تمام اوصافِ کمال میں وہ "اوصافِ عالیہ" بھی ہیں جو حضور کے ساتھ خاص ہیں اور ان میں کوئی حضور کے برابر و ہم سر کبھی نہ ہوا، نہ ہے، نہ ہو سکتا ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ فاطر، ۳۵، الآیۃ: ۲۴.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الرعد، ۱۳، الآیۃ: ۷.

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ النحل، ۱۶، الآیۃ: ۳۶.

وہابیہ کے دلائل

"حضور سید عالم ﷺ کے برابر کروروں نبی پیدا ہو سکتے ہیں" اپنے اس عقیدے پر فرقۂ وہابیہ کے امام نے دو نقلی دلیلیں پیش کی ہیں جنھیں نقل کر کے علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بہت ہی واضح اور تحقیقی جوابات دیے ہیں ہم یہاں انھی کی کتاب "تحقیق الفتویٰ" سے امام وہابیہ کے دونوں دلائل مع جوابات پیش کرتے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

امکانِ نظیر کی پہلی نقلی دلیل اور اس کا جواب:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَوَ لَیْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؔ بَلٰى ۗ وَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْــٴًـا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾ (۱)

ترجمہ: اور کیا وہ جس نے آسمان اور زمین بنائے ان جیسے اور نہیں بنا سکتا، کیوں نہیں، اور وہی ہے بڑا پیدا کرنے والا، سب کچھ جانتا۔ اس کا کام تو یہی ہے کہ جب کسی چیز کو چاہے، تو اس سے فرمائے "ہوجا" وہ فوراً ہوجاتی ہے۔

مِثْلَهُمْ کی ضمیرِ جمع مذکر، تمام انسانوں کی طرف راجع ہے کیوں کہ آیتِ کریمہ قیامت کے بیان میں واقع ہے لہٰذا جو قیامت میں زندہ ہوگا آیتِ مذکورہ کے تحت داخل ہوگا اور ظاہر ہے کہ ہر فرد انسانی قیامت میں زندہ ہونے والا ہے، لہٰذا آیتِ کریمہ کے مقتضا کے مطابق ہر فرد کا مثل، قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہوگا، گویا **دلیل کی ترتیب** یوں ہوگی کہ:

- آں حضرت ﷺ قیامت کے دن زندہ ہوں گے اور یہ ضروریاتِ دین سے ہے۔
- اور جو شخص قیامت کے دن زندہ ہوگا، آیتِ کریمہ کے مطابق اس کا مثل، قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ یٰسٓ: ۳۶، الآیۃ: ۸۱، ۸۲.

(نتیجہ) لہٰذا نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل قدرتِ الٰہیہ کے تحت داخل ہے— اور یہی مطلوب ہے۔

جواب :

یہ عجیب استدلال ہے جو اگلے پچھلے تمام دلائل کی وقعت خاک میں ملا رہا ہے، یہ اس آیتِ قرآنیہ کی تفسیر نہیں، البتہ قائل کی تفسیر دانی کی علامت ضرور ہے۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں:

(أَوَ لَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ) مع كِبَرِ جِرْمِها و عِظَمِ شأنِها (بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ) في الصِّغْرِ وَ الحِقارَةِ بِالإضافةِ إِلَيْهِما أَوْ مِثْلَهُمْ في أُصُوْلِ الذَّاتِ وَ صِفَاتِها. (انتهى)(۱)

" (جس ذاتِ کریمہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا) باوجود ان کے جسم کی بڑائی اور شان کی عظمت کے، (کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ ان جیسے افراد پیدا کرے)، جو زمین و آسمان کی نسبت بہت ہی چھوٹے ہوں یا اصولِ ذات اور صفاتِ ذات میں ان جیسے ہوں۔"

کافر اور حشرِ جسمانی کے منکر کہتے تھے:

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ﴿۷۸﴾(۲)

"بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا"

یہ آیتِ کریمہ، حشرِ جسمانی کے ان منکروں کا استبعاد دفع کرنے کے لیے ہے اور اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس نے عظیم الشان اور بڑے بڑے جسموں والے زمین و آسمان کو پیدا کیا، کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ وہ انسانوں کے چھوٹے قد والے معمولی اَمثال کو پیدا کر دے، یا ذات کے اصول و صفات میں ان کے مثل پیدا فرما دے؟

ہاں وہ اس پر قادر ہے، وہ پیدا کرنے والا، جاننے والا ہے، اس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے، فرماتا ہے ہو جا! تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔

لہٰذا اس آیت کا مدلول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اَبدان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے اور منکروں

---

(۱) أنوار التنزيل وأسرار التأويل المعروف بتفسير البيضاوي، ج:٤،ص: ٢٧٤، سورة يٰس، الأيات: ٨١ ، ٨٢، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(۲) القرآن الحكيم، سورة يٰس: ٣٦، الآية: ٧٨.

کے استبعاد کو دفع کرنا مقصود ہے۔

اور اس جگہ "مثل" سے مراد وہ ہے:

❀ جو اجزائے بدنیہ اور بدن سے تعلق رکھنے والی صفات میں مماثل ہو۔

❀ یا کوتاہ قامت اور معمولی ہونے میں مثل ہو، نہ کہ تمام کمالات میں مماثل ہو کیوں کہ حشرِ جسمانی اور اعادۂ ابدان سے، تمام کمالات میں مماثل کا ذکر کسی طرح تعلق اور مناسبت نہیں رکھتا۔

پس اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اجزائے بدنیہ اور ان سے تعلق رکھنے والے امور یا حجم اور مقدار میں ہر فردِ انسانی کا مثل، قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہے، ایسے مقامات میں لفظِ "مثل" سے تمام کمالات میں مساوی کا سمجھنا علما کی شان سے بعید ہے۔

مقامِ تعجب ہے کہ اس قائل نے اس آیت میں واقع لفظِ "مثل" سے تمام کمالات میں مساوی سمجھ کر دلیل قائم کرنے میں تکلف سے کام لیا ہے، آسان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ [(۱)] سے استدلال کرتا، یہ آیت حضور ﷺ کے اَمثال کے امکان کیا، بلکہ وقوع پر دلالت کرتی ہے اور لفظِ مثل اس آیت میں بھی واقع ہے اور لفظِ مثل کا معنی متبادر اس قائل کے ذہن میں وہی ہے جس کے ثابت کرنے کے وہ درپے ہے۔ کج فہمی اور بد اعتقادی سے خدا کی پناہ اور اُسی سے ہدایت اور راستی کی توفیق ہے۔

دوسری نقلی دلیل اور اُس کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں متعدد جگہ مخلوقات کے موجود ہونے سے ان کے اَمثال پر اپنی قدرت کے محیط ہونے پر استدلال فرمایا ہے جیسے کہ بہت سی آیات میں زمین کے زندہ کرنے، بارش نازل کرنے سے مردوں کے زندہ کرنے پر استدلال فرمایا ہے، مثلاً ارشاد فرمایا:

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ [(۲)]

ترجمہ: اور وہ جس نے آسمان سے پانی اتارا ایک اندازے سے، تو ہم نے اس سے ایک مردہ شہر زندہ فرما دیا، یوں ہی تم نکالے جاؤ گے۔

باپ کے بغیر حضرتِ آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے باپ کے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة فُصِّلت: ٤١، الآية: ٦.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الزخرف: ٤٣، الآية: ١١.

کرنے کے امکان پر استدلال فرمایا:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ (۱)

ترجمہ: عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے، اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا "ہوجا" وہ فوراً ہوجاتا ہے۔

حاصل یہ کہ استدلال کا یہ انداز قرآنِ پاک میں عام ہے، بنابریں نبی ﷺ کا وجود خود دلیل ہوگا اس امر پر کہ آپ کا مثل پیدا کرنا قدرتِ الٰہی کے لیے ممکن ہے، گویا اس صورت میں دلیل کی ترتیب یہ ہوگی کہ:

اگر نبی ﷺ کا وجود قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہے تو آپ کے مثل کا وجود بھی قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہوگا، اور وجودِ نبی ﷺ قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہے لہٰذا آپ کے مثل کا وجود بھی قدرتِ الٰہی کے تحت داخل ہوگا۔

کیوں کہ قرآنِ پاک کے ارشاد کے مطابق قدرت کے تحت داخل ہونے یا داخل نہ ہونے میں دو مثلوں کا حکم ایک ہوتا ہے۔

جواب:

یہ شبہہ بھی وہم سے زیادہ نہیں ہے کیوں کہ **اوصاف دو قسم** کے ہیں:

(۱) جن کا اشتراک دو چیزوں کے درمیان ممکن ہو اور وہ اشتراک سے مانع نہ ہوں، مثلاً باپ کے بغیر پیدا ہونا کہ دو فردوں میں مشترک ہونے سے مانع نہیں ہے، حضرتِ آدم علیہ السلام کا اس وصف سے موصوف ہونا، حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے اس وصف سے موصوف ہونے کے منافی نہیں ہے کیوں کہ بغیر باپ کے ایک شخص کے پیدا ہونے سے لازم نہیں آتا کہ دوسرے شخص کا اتصاف اس وصف سے منتفی ہوجائے، اسی طرح زمین کے قابل زندگی ہونے سے لازم نہیں آتا کہ مُردوں کا اس سے اتصاف منتفی ہوجائے۔

(۲) جن کا اشتراک دو چیزوں میں ممکن نہ ہو مثلاً "تمام انبیا کا خاتم ہونا" کہ ایک شخص کا اس صفت سے متّصف ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ دوسرا فرد اس سے متّصف نہ ہو (یعنی ایک شخص خاتَم الانبیا ہوا، تو دوسرا خاتَم الانبیا نہیں ہوگا)

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ اٰل عمران:۳، الآیۃ: ۵۹.

پس اگر کوئی ایک وصف سے موصوف ہو اور وہ وصف **قسم اول** سے ہو تو اس چیز کا وجود اس کے مثل کے ممکن ہونے کی دلیل ہو سکتا ہے اور یہی قرآن پاک کا مطلب ہے اور اگر وہ وصف **قسم ثانی** سے ہو تو اس کے موصوف کا وجود، اس وصف میں مماثل کے وجود کے ممکن ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اس شخص کا اس وصف سے موصوف ہونا دلالت کرتا ہے کہ اس وصف میں اس کا شریک ممتنع الوجود ہے، ورنہ وہ وصف ممکن الاشتراک ہو جائے گا اور یہ خلاف مفروض ہے۔

حضور ﷺ کے موجود ہوتے ہوئے تمام کمالات میں آپ کے برابر کے ممکن ہونے پر اس قائل کا استدلال اس صورت میں قابل توجہ ہو سکتا تھا کہ یہ قائل پہلے ثابت کرتا کہ حضور ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے تمام اوصاف کاملہ قسم اول سے ہیں اور ممکن الِاشتراک ہیں اور یہی اس مسئلہ کی بنیاد ہے، حق آگیا اور باطل چلا گیا، بے شک باطل جانے والا ہے۔[1]

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتناع نظیر کا یہ مسئلہ "عقیدۂ ختمِ نبوت" کا لازمہ ہے اور "ختمِ نبوت" امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے جس کی سند آیت کریمہ: وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ[2] اور احادیث متواترہ: ● أنا العاقبُ الذي ليس بعده نبيٌّ ● أنا خاتم النبيين لا نبيَّ بعدي ● انقطعت النّبوة ● ذهبتِ النّبوة ● وغیرھا ہیں جو ختم نبوت کی بحث میں بسط کے ساتھ بیان ہو چکی ہیں تو اس باب کی حدیثوں کے لیے اسی بحث کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

مغالطہ سے بچیے:

ہم گزشتہ صفحات میں روز روشن کی طرح واضح کر چکے کہ وہابیہ اور اہل سنت و جماعت کے درمیان نزاع صرف ان اوصاف کے بارے میں ہے جو "ناممکنُ الاشتراک" ہیں، بلفظ دیگر حضور سید عالم ﷺ کے ساتھ خاص ہیں ان میں کوئی آپ کا شریک نہیں ہو سکتا۔

اور جو صفات ممکنُ الاشتراک ہیں ان میں دوسرے لوگ شریک ہو سکتے ہیں، بلکہ شریک ہیں، ان صفات میں آپ کا مثل مُحال نہیں، بلکہ ممکن اور واقع ہے۔ کچھ وہابیہ نے ایسے ہی صفات کے متعلق بعض علما و صوفیہ کے کلام سے "امکانِ نظیر" کا ثبوت فراہم کیا ہے، حالاں کہ ان صفات میں امکانِ نظیر کے قائل ہم اہل سنت و جماعت بھی ہیں پھر ایسے کسی قول سے استناد محض بیجا بلکہ مغالطہ ہے۔

---

(۱) تحقيق الفتوىٰ في إبطال الطّغوىٰ، مترجم ص: ۱۷۰ تا ص: ۱۷۵، المجمع الإسلامي، مبارك فور.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ۳۳، الآية: ۴۰.

فتاوی رضویہ کے ایک اقتباس سے تائید:

ہم یہاں اس کی ایک مثال فتاوی رضویہ سے پیش کرتے ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال ہوا:

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مثل ممکن ہے یا محال؟

وہابیہ کے ایک متکلّم نے اس کے امکان پر ایک بھاری دلیل نہایت دعوے کے ساتھ لکھی ہے کہ یہ ایسی دلیل ہے جس کے دیکھنے کے بعد عوام وخواص اور فہیم وکم فہم کسی کو انکار کرنے کی گنجائش باقی نہیں رہے گی، وہ دلیل ہے:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر کبیر میں آیت: "وَ لَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿۵۱﴾"(۱) کی تفسیر میں صاف لکھتے ہیں:

لأنها تدلُّ على القدرة علىٰ أن يبعثَ فِي كُلِّ قرية نذيرا مِثْلَ محمد وأنه لا حاجة للحَضْرَةِ الإلٰهيّة إلى محمد. اھ ملقتطا.(۲)

اس کے جواب میں امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو چشم کشا وضاحت فرمائی ہے وہ وہابیہ کے لیے باعث عبرت ہے، آپ فرماتے ہیں:

لفظِ مثل جس وصف کے ساتھ بولا جائے اگر صرف اسی میں مُماثَلت بتاتا ہے، نہ باقی میں، تو عبارت تفسیر تمھیں کیا مفید۔ اُس سے صرف "اِنذار" میں مُشارکت نکلی، نہ معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جمیع اوصاف کمالیہ میں۔ پھر اسے کون مُحال مانتا ہے، تمام انبیا وصفِ "انذار" میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شریک تھے۔

اگر اسی قدر پر قانع ہو تو مثل کو مُحال بالغیر کیوں کہتے ہو، لاکھوں کروروں موجود بالفعل ہیں۔

اور اگر تمام اوصاف میں شرکت بتاتا ہے تو امام رازی سے کیوں استناد کرو، خود قرآنِ عظیم سے ہی نہ استِناد کرو کہ فرماتا ہے: "قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ "(۳) تمھاری سمجھ کے مطابق آیت کے یہ معنی

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الفرقان: ۲۵، الآية: ۵۱.

(۲) الفتاوى الرضوية، ج: ۱۸، ص: ۲۶، كتاب العقائد والكلام، إمام أحمد رضا اكاديمى، بريلى شريف.

(۳) القرآن الحكيم، سورة فُصِّلت: ۴۱، الآية: ۶.

ہوں گے کہ "معاذ اللہ کفار تمام اوصاف کمالیہ میں حضور کے ہم سر تھے" اور یوں بھی "تو موجود بِالفعل" ماننا ہوگا، استحالہ بالغیر کہ تقیۃً کہا تھا دفع ہوگیا۔ یوں فہم تحریر کی جرأت حضرات وہابیہ ہی کا کام ہے۔ ولا حول ولا قوۃ إلا باللہ العليّ العظيم، واللہ سبحانہ وتعالی أعلم.[1]

جواب کا حاصل یہ ہے کہ "وصفِ نذیر" ہو یا "وصف بشر" دونوں ممکنُ الاشتراک اوصاف سے ہیں جو حضور کے ساتھ خاص نہیں، ایسے اوصاف میں سیدُ الانبیا کے بے شمار مثل ہو سکتے ہیں اور وہ سب تحتِ قدرت ہیں، اہل سنت وجماعت ایسے اوصاف میں "امتناعِ نظیر" کے قائل نہیں۔

اور وہابیہ تمام اوصاف میں حضور کا مثل محال بالغیر مانتے ہیں اگر انذار اور بشر ہونے میں شرکت سے حضور کا تمام اوصاف کمالیہ میں مثل ہونا ثابت کرتے ہیں تو مثلِ سرکار کو محال بالغیر کیوں کہتے ہیں؟ صاف صاف دعوی کریں کہ حضور کے ہزاروں، لاکھوں کروروں اَمثال نہ صرف ممکن، بلکہ موجود بالفعل ہیں کیوں کہ وصف انذار میں تمام انبیا حضور کے شریک ہیں اور وصف بشر میں تمام انسان حضور کے شریک ہیں۔

قرآن پاک کو سمجھنے کے لیے ارباب عقل کو اس میں تدبر کرنا چاہیے تب اس طرح کے حقائق سمجھ میں آتے ہیں اسی لیے قرآن نے بار بار اس کی ہدایت فرمائی، مثلا سورۂ صٓ میں فرمایا گیا:

"كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾"[2]

یہ ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمھاری طرف اتاری، برکت والی تاکہ اس کی آیتوں کو سوچیں اور عقل مند نصیحت مانیں۔

کاش کہ وہابی اہل حدیث تدبُّر سے کام لیتے اور کتاب وسنت خصوصًا احادیثِ صحیحین سے یوں انحراف نہ کرتے۔

---

(۱) الفتاوی الرضویۃ، ج:۱۸، ص: ۲۸، کتاب العقائد والکلام، إمام أحمد رضا اکادیمی، بریلی شریف.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ صٓ:۳۸، الآیۃ: ۲۹.

چوتھا مسئلہ

تعظیم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کتاب وسنت کی روشنی میں

اس امر پر اجماعِ امت ہے کہ حضور سید کائنات، افضلُ الانبیا ﷺ کی تعظیم و توقیر فرض ہے، بلکہ اس کا درجہ بہت سے فرائض سے اعلیٰ اور بلند تر ہے۔ پھر یہ تعظیم ماں، باپ، اولاد اور احباب سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔ یہاں تک کہ نماز میں بھی آپ کی تعظیم و توقیر کا حکم ہے۔

مگر اس کے بر خلاف وہابیہ غیر مقلدین آپ کی اس قدر تعظیم کے قائل نہیں۔ وہ آپ کے لیے **صرف بڑے بھائی کا رتبہ مانتے ہیں اور بس بڑے بھائی کی سی تعظیم کی اجازت دیتے ہیں** اور حالت نماز میں تو اس کی بھی اجازت نہیں دیتے، بلکہ یہاں تک صراحت کرتے ہیں کہ نماز میں آپ کا خیال بھی تعظیم کے ساتھ آجائے تو یہ نمازی کو شرک کی طرف کھینچ لے جائے گا۔

دلائلِ اہلِ سنت

اہل سنت و جماعت نے تعظیم رسول کے باب میں جو موقف اختیار کیا ہے وہ کتاب و سنت سے ثابت ہے، جب کہ وہابیہ کا موقف صرف ان کا اپنا خیال ہے۔ جیسا کہ ذیل کے نصوص سے ثابت ہوتا ہے۔

تعظیم رسول کے نصوص دو انواع کی ہیں:

ہم آسانی کے لیے اس بحث کے نصوص کو دو نوعوں میں بیان کرتے ہیں۔

نوع اول: نماز و بیرونِ نماز ہر حال میں تعظیم رسول کے نصوص۔

نوع دوم: بیرونِ نماز عام احوال میں تعظیم رسول کے نصوص۔

نوع اول کے نصوص

جن میں نماز و بیرون نماز ہر حال میں تعظیم رسول کا مطلق فرمان ہے

پہلا فرمانِ مطلق: اللہ عزّ و جلّ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ (۱)

ترجمہ : (اے نبی) بے شک ہم نے آپ کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اللہ کی پاکی بیان کرو۔

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

فَأوجبَ اللّٰهُ تعالىٰ تعزيرَه وتوقيرَه وألزمَ إكرامَه و تعظيمَه. (۲)

اللہ تعالی نے رسول اللہ کے احترام و توقیر کو واجب اور آپ کی تعظیم و تکریم کو لازم کر دیا۔

اس آیت کریمہ میں

- سب سے پہلے اللہ اور رسول پر ایمان کا حکم ہے۔
- پھر رسول کی تعظیم و توقیر کا۔
- اور اس کے بعد اللہ عزّ و جلّ کی تسبیح و عبادت کا۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الفتح : ٤٨، الآية:٨، ٩.

(۲) الشفا بتعريف حقوق المصطفى، ج:٢،ص:٥٨٧، القسم الثاني فيما يجب على الأنام من حقوقه ﷺ/ الباب الثالث في تعظيم أمره ووجوب توقيره، دار الكتب العربي، بيروت.

اس کا تقاضا یہ ہے کہ ان احکام کی اہمیت اسی ترتیب کے مطابق ہو۔ لہٰذا اللہ عزّوجلّ کی تسبیح و عبادت کارآمد نہ ہوگی جب تک کہ اس کے ساتھ تعظیم و توقیرِ رسول نہ ہو اور یہ تعظیم و توقیر کام نہ آئے گی جب تک اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ ہو۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ کی تعظیم و توقیر بہ حکم الٰہی فرض ہے اور یہ فرض تسبیح و عبادت کے فرض سے اعلیٰ و بلند تر ہے، جیسا کہ صحیح البخاری اور جامع الترمذی کی احادیث سے بھی عیاں ہے، یہ احادیث تیسری آیت کے ذیل میں آ رہی ہیں۔

دوسرا فرمانِ مطلق: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲ (۱)

ترجمہ: اے ایمان والو ● اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔ اے ایمان والو ● اپنی آوازیں غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اونچی نہ کرو ● اور ان کے حضور چلا کر بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمھارے اعمال برباد نہ ہو جائیں اور تمھیں خبر نہ ہو۔

ان آیاتِ مقدسہ میں اللہ عزوجل نے اپنے نبیِ رحمت ﷺ کی تعظیم و توقیر کے لیے تین احکام صادر فرمائے ہیں:

- قول ہو یا فعل کسی بھی چیز میں رسول اللہ سے آگے نہ بڑھو۔
- اپنی آوازیں رسول اللہ کی آواز سے اونچی نہ کرو۔
- رسول اللہ کے حضور چلا کر بات نہ کرو، جیسے آپس میں چلا کر بات کرتے ہو۔

یہ آداب فرائضِ لازمہ سے ہیں اور ان کی خلاف ورزی سخت حرام و گناہ، کہ اس کے باعث تمھارے اعمالِ صالحہ ضائع و برباد ہو سکتے ہیں۔

اعمالِ صالحہ میں تسبیح و عبادت بھی شامل ہے اس لیے معلوم ہوا کہ تعظیمِ رسول کا درجہ تسبیح

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الحجرات: ۴۹، الأیۃ: ۱، ۲.

وعبادت سے بڑھ کر ہے۔

اور بڑے بھائی ہرگز اس تعظیم میں رسول اللہ کے شریک یا آپ کے جیسے نہیں کہ بڑے بھائی کی ایسی بے ادبی پر اعمال کے برباد ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔

تیسرا فرمانِ مطلق: ارشادِ ربانی ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ(۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو، جب رسول تمھیں اس چیز کے لیے بلائیں جو تمھیں زندگی بخشے گی۔

اس آیت مبارکہ سے یہ ثابت ہوا کہ رسول جب بھی پکاریں آپ کی بارگاہ میں حاضری ضروری ہے، یہ حکم مطلق ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر رسول حالتِ نماز میں کسی مسلمان کو پکاریں تو اس پر فرض ہے کہ نماز چھوڑ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو جائے۔

عین حالتِ نماز میں تعظیم رسول کے درخشاں شواہد:

چناں چہ درج ذیل احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے:

پہلی شہادت: عَنْ أَبِي سَعِيدِ بْنِ الْمُعَلّٰى، قَالَ: كُنْتُ أُصَلِّي فِي الْمَسْجِدِ، فَدَعَانِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أُجِبْهُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي، فَقَالَ: أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ: «اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ»(۲)

ترجمہ: حضرت ابو سعید بن مُعلّٰی روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نماز پڑھ رہا تھا، حضور اقدس ﷺ نے مجھے بلایا، تو میں فوراً حاضر نہ ہوا، نماز کے بعد میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا، تو آپ نے فرمایا: کیا اللہ عزّ وجلّ نے یہ نہیں فرمایا کہ ”اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ۔“

دوسری شہادت: عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَلَى أُبَيِّ

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الأنفال: ۸، الأية: ۲٤.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ٦٤۲، كتاب التفسير/ سورة الفاتحة، مجلس البركات

بْنِ كَعْبٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللّهِ صَلَّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا أُبَيُّ» وَهُوَ يُصَلِّي، فَالتَفَتَ أُبَيٌّ وَلَمْ يُجِبْهُ، وَصَلَّى أُبَيٌّ فَخَفَّفَ، ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى رَسُولِ اللّهِ صَلَّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّهِ صَلَّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَعَلَيْكَ السَّلَامُ، مَا مَنَعَكَ يَا أُبَيُّ أَنْ تُجِيبَنِي إِذْ دَعَوْتُكَ؟» فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّهِ! إِنِّي كُنْتُ فِي الصَّلَاةِ، قَالَ: أَفَلَمْ تَجِدْ فِيمَا أُوحِي إِلَيَّ أَنْ «اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ». قَالَ: بَلَى، وَلَا أَعُودُ إِنْ شَاءَ اللّهُ.(۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اُبَی بن کعب کے پاس آئے اور فرمایا: اے اُبَی! وہ نماز پڑھ رہے تھے اس لیے حضور کی طرف کچھ مڑے مگر حاضر بارگاہ نہ ہوئے، اُبَی نے مختصر نماز پڑھی، پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر عرض کی اَلسَّلامُ عليك يا رسولَ الله، تو رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: وعليك السلام، آپ نے پوچھا: اے اُبَی! جب میں نے تجھے بلایا تھا جواب دینے اور حاضر ہونے سے کس چیز نے روک دیا؟

انھوں نے عرض کی یارسولِ اللہ! میں نماز پڑھ رہا تھا، تو حضور ﷺ نے فرمایا:

وحیِ قرآنی میں کیا تم نے یہ آیت نہ پڑھی "اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب وہ تمھیں اس چیز کے لیے بلائیں جو تمھیں زندگی بخشتی ہے۔"

انھوں نے عرض کیا حضور! میں نے یہ وحی پڑھی ہے اور اب اِن شاء اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کروں گا۔

حضرت ابو سعید بن معلّٰی اور حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اللہ کے رسول اعظم ﷺ نے ایسے وقت میں یاد کیا تھا جب وہ اللہ عزوجل کی سب سے افضل عبادت نماز میں مشغول تھے، اس لیے ان حضرات نے فیصلہ کیا کہ پہلے نماز مکمل کر کے خدائے قدوس کی اطاعت بجالائیں، پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر اطاعتِ نبوی کا فریضہ ادا کریں۔

ایک طرف نماز کی تکمیل کا معاملہ تھا اور دوسری طرف فرمانِ نبوی کی تعمیل کا۔ ان حضرات نے اپنے طور پر أهم فالأهم کا فیصلہ کر کے باری باری دونوں طاعات کی بجاآوری کی۔

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۲، ص: ۱۱۱، أبواب فضائل القرآن عن رسول الله ﷺ/ باب ما جاء في فضل فاتحة الكتاب، مجلس البركات

فرمانِ الٰہی کے اطلاق سے استدلال:

مگر مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے ان حضرات کے اس فیصلے پر سرزنش کے انداز میں ارشاد فرمایا کہ کیا اللہ تعالی نے قرآن مقدس میں یہ فرمان نہیں جاری کیا ہے: «اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ» جب اللہ ورسول تمھیں بلائیں تو حاضر ہو جاؤ۔

(الف) مطلب یہ ہے کہ "حاضر ہو جاؤ" کا حکم مطلق ہے اس لیے وہ اپنے اِطلاق کی وجہ سے حالتِ نماز کو بھی شامل ہے اور غیر حالت نماز کو بھی۔ لہذا ہر حال میں رسول اللہ کی پکار سن کر حاضر ہو جانا فرض ہے اور اس میں کچھ بھی دیر رسول اللہ کی سرزنش وناراضی کا باعث ہے۔

نماز چھوڑ کر دربارِ رسالت میں حاضر ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی: لہذا نمازی پر فرض ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر نماز چھوڑ کر دربارِ مصطفیٰ میں حاضر ہو جائے، یہ امر احادیث نبویہ سے دو، دو چار کی طرح سے ظاہر وروشن ہے، تاہم، اس سلسلے میں کچھ علماے امت کے ارشادات بھی مزید تائید کے طور پر پیش ہیں:

عمدۃ القاری میں ہے:

وقالَ صاحبُ التوضيح: وصَرَّحَ أصحابنا، فقالوا: من خصائص النَّبي ﷺ أنه لو دعا إنسانا وهو في الصلاة وجب عليه الإجابة ولا يبطل صلاته.(۱)

ترجمہ: صاحب "التوضیح" فرماتے ہیں کہ ہمارے اصحاب نے صراحت فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے خصائص سے یہ بات ہے کہ حضور اگر کسی انسان کو بلائیں اور وہ نماز پڑھ رہا ہو تو بھی اس پر حاضر ہو جانا واجب ہے اور اس کی نماز باطل نہیں ہوگی۔

فتح الباری میں ہے:

تنبيه: قال (ابن التين) والذى تأول القاضيان عبد الوهّاب وأبو الوليد: أن إجابةَ النّبي ﷺ فى الصّلاة فرضٌ، يعصى المرءُ بتركه، وأنه حكم يختصّ

---

(۱) عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج:۷، ص:۴۱۲، كتاب العمل في الصلاة/ باب إذا دعت الأم ولدها في الصلاة، دار الكتب العلمية.

بالنبي ﷺ.

قلتُ: ما جنح إليه القاضيان من المالكية، وهو قول الشافعية، على اختلاف عندهم بعد قولهم بوجوب الإجابة "هل تبطل الصلاة، أم لا." [(۱)]

ترجمہ: آگاہی: علامہ ابن التین فرماتے ہیں کہ قاضی عبد الوہاب (مالکی) اور قاضی ابو الولید (مالکی) نے فرمانِ الٰہی "حاضر ہو جاؤ" کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نماز کی حالت میں بھی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جانا فرض ہے۔ اس کی خلاف ورزی کرنے والا گنہ گار ہوگا۔ یہ حکم نبی امی ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔

(حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ دونوں مالکی قاضیوں نے جو اختیار کیا وہی ائمہ شافعیہ کا بھی قول ہے، وہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ نمازی پر بارگاہ رسالت کی حاضری واجب ہے، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ نماز چھوڑ کر جانے سے نماز باطل ہوگی یا نہیں۔

ان عبارات سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ کسی نمازی کو رسول اللہ ﷺ عین حالت نماز میں بلائیں تو اس پر فرض ہو جاتا ہے کہ جواب دے اور نماز چھوڑ کر فوراً آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے، اس قدر پر اتفاق ہے۔

اور نماز چھوڑ کر بارگاہِ رسالت میں جانے یا جواب دینے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، اکثر کا موقف یہی ہے، ہمارے موجودہ علمائے اہل سنت بھی اسی کے قائل ہیں، بعض شافعیہ نماز کو فاسد مانتے ہیں۔

اکثر کا موقف قوی و صحیح ہے کہ حکم الٰہی "اسْتَجِيْبُوْا" بہ معنی "أَجِيْبُوْا" ہے یعنی "جواب دو، حکم بجا لاؤ"۔ اور رسول اللہ کی اجابت واطاعت فی الواقع حکم الٰہی کی اجابت واطاعت ہے جیسے خود نماز پڑھنا بھی حکم الٰہی کی اجابت واطاعت ہے اسی لیے قرآن نے فرمایا:

---

(۱) ● فتح الباري، ج:۸، ص:۱۲۰، كتاب التفسير/ باب ما جاء في فاتحة الكتاب، مكتبة ابن تيمية، قاهره.

● ونحوهٔ في إرشاد الساري إلى شرح البخاري للعلامة الخطيب القسطلاني رحمه الله تعالى، ج:۷، ص: ۵، كتاب التفسير/ باب ما جاء في فاتحة الكتاب، مطبعة الكبرىٰ الأميرية، بولاق، مصر.

«اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ» ''اللہ ورسول کا جواب دو، حکم بجالاؤ''۔ حالاں کہ بلانے والے صرف رسولُ اللہ ہیں۔

کچھ خاص حالتوں میں سلام وکلام سے نماز فاسد نہ ہونے کے عمومی نظائر:

● امام کو لقمہ دینا بلاشبہہ امام سے کلام ہے مگر اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی کہ یہ حکم الٰہی و حکم رسول پر عمل ہے۔

● نماز میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنا ضروری ہے ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُه'' سلام بلاشبہہ حضور سے کلام ہی ہے، مگر اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی کہ یہ حکم الٰہی وحکم رسول پر عمل ہے۔

● حدیث ذوالیدین[1] میں سرور کائنات ﷺ نے صحابہ سے اور صحابہ نے سرکار سے ظہر یا عصر کی دو ہی رکعت پر سہواً سلام پھیرنے کے بعد کلام کیا، پھر سرکار علیہ الصلوۃ والسلام نے سہو کی تحقیق ہونے کے بعد باقی دو رکعتیں پڑھ کر نماز مکمل کی، یہاں درمیان نماز کلام کے غیر مفسد نماز ہونے کی ایک توجیہ یہی ہے کہ رسول اللہ سے کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح صحیح مسلم میں صراحت فرمائی، ان کے الفاظ ہیں:

والثاني : أن هذا كان خطابًا للنبيّ ﷺ وجواباً، وذلك لا يُبطِل عندنا وعند غيرنا، والمسئلةُ مشهورة بذلك.[2]

ترجمہ: دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب وجواب نبی کریم ﷺ سے تھا اور یہ ہمارے ائمہ شافعیہ اور دوسرے مذہب کے ائمہ کے نزدیک مفسد نماز نہیں۔ اور یہ مسئلہ مشہور ہے۔

الغرض آیات کریمہ اور احادیث نبویہ سے جو احکام ظاہر ہیں علماے امت نے انھی کی نشان دہی فرمائی ہے اور سب کا ماحصل یہ ہے کہ رسول معظم ﷺ کسی شخص کو عین حالت نماز میں یاد فرمائیں تو

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۲۱۳، كتاب الصلاة / باب السّهو في الصّلاة والسجود له، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۲۱٤، كتابُ الصّلاة / باب السّهو في الصلاة والسجود له، مجلس البركات.

اس پر فوراً بارگاہ نبوی میں حاضر ہونا فرض ہوجاتا ہے۔ اس قدر میں علما کے مابین اختلاف نہیں پایا جاتا، یہاں تک کہ بعض علماے غیر مقلدین بھی اس کے قائل[1] ہیں اور اسی سے ہماری بحث کا تعلق ہے۔

(ب) فرمان رسالت کی بجاآوری بلاشبہہ تعظیم رسول ہے تو رسول کے بلانے پر نماز چھوڑ کر چلے جانے کی فرضیت ضرور اس بات کی دلیل ہے کہ تعظیم رسول تسبیح وعبادت سے اہم ہے۔

(ج) اور علماے امت کے قولِ قوی وراجح پر یہ نماز میں رسول اللہ کی تعظیم بھی ہے کیوں کہ نمازی جب نماز چھوڑ کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتا ہے تو اس وقت بھی وہ حکماً حالت نماز میں ہوتا ہے تو یہ عین حالت نماز میں تعظیم نبوی کا شان دار مظاہرہ ہے، اگر نماز میں غیر اللہ کی یہ تعظیم شرک ہوتی یا شرک کی طرف کھینچ کر لے جاتی تو کیا یہ اَجِلّہ علماے اسلام اس کی اجازت دیتے، کیا یہ دلیل اس امر کی متقاضی نہیں ہے کہ وہابیہ اپنے اور اپنے امام کے موقف پر نظر ثانی کریں۔

تیسری شہادت: عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كُنَّا نَقُولُ فِي الصَّلاَةِ خَلْفَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلم- السَّلاَمُ عَلَى اللهِ، السَّلاَمُ عَلَى فُلاَنٍ. فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- ذَاتَ يَوْمٍ: إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلاَمُ، فَإِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ فَلْيَقُلْ: "**التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ.**"

---

(۱) فرقہ وہابیہ کے ایک اہم ستون شیخ عبید اللہ بن عبد السلام مبارک پوری اپنی کتاب "مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح" میں لکھتے ہیں:

وفيه دليلٌ على أن إجابةَ النبي صلى الله عليه وسلم في الصلاة فرض يعصي المرأ بتركه، وأنه حكم يختص بالنبي صلى الله عليه وسلم.

واختلف في أن إجابة الرسول تبطل الصلاة أم لا، فقال بعض الشافعية: لا تبطلها، لأن الصلاة أيضاً إجابة. قال الطيبي والبيضاوي: ظاهر الحديث يدل على هذا.

وقيل: كان دعاه لأمر لا يحتمل التأخير وللمصلي أن يقطع الصلاة بمثله- انتهى. والأظهر من الحديث أن الإجابة واجبة مطلقاً في حقه - صلى الله عليه وسلم - كما يفهم من إطلاق الآية أيضاً، ولا دلالة في الحديث على البطلان وعدمه. إھ

(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج:۷،ص: ۱۸۵، كتاب فضائل القرأن/ الفصل الأول، إدارة البحوث الإسلامية، بنارس) ۱۲ منه

فَإِذَا قَالَهَا أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالأَرْضِ.

"أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ".[1]

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نماز میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے کہا کرتے تھے: "اَلسلامُ علیٰ اللہ" (اللہ پر سلام) "اَلسَّلام علیٰ فلاں" (فلاں پر سلام) تو رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہم سے فرمایا کہ اللہ تو خود ہی سلام ہے (اس لیے وہ تمھارے سلام سے بے نیاز ہے) جب تم نماز کے "قعدہ" میں بیٹھو تو یہ کہو:

"التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ."

جب نمازی یہ کلمہ "عَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ." پڑھے گا تو اس کا سلام ہر صالح بندے کو جو آسمان یا زمین میں ہو پہنچ جائے گا (پھر پڑھے):

"أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ"

میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور شہادت دیتا ہوں کہ بے شک محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

حضور سید عالم ﷺ نماز میں اَلتَّحِیَّات اور اَلسَّلام پیش کرنے کی تعلیم کس قدر اہتمام سے دیتے تھے اس کا ذکر دوسری روایت میں ہے:

حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ سَخْبَرَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ مَسْعُودٍ يَقُولُ: عَلَّمَنِي رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- التَّشَهُّدَ كَفِّي بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ، وَاقْتَصَّ التَّشَهُّدَ بِمِثْلِ مَا اقْتَصُّوا.[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تشہّد کی

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۷۳، كتاب الصلاة/ باب التّشهُّد في الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۷٤، كتاب الصلاة/ باب التّشهّد في الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

تعلیم یوں دی کہ میری ہتھیلی حضور کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی اور حضور اس طور پر مجھے تشہُّد کی تعلیم دیتے تھے جیسے قرآن کی سورہ کی تعلیم دیتے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے تشہد کا پورا واقعہ پہلی حدیث کے مثل بیان کیا۔

بخاری شریف میں ایک جگہ ہے:

"وَكَفّي بَيْنَ كفّيهِ" ہے واو کے ساتھ۔

اور دوسری جگہ:

"عَلَّمَنِي النَّبِيُّ —صلّى الله تعالى عليه وسلم– وكَفّي بَيْنَ كَفَّيهِ التَّشَهُّدَ، كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّورَةَ مِنَ القُرآنِ."[1] ہے۔

چوتھی شہادت: ٹھیک یہی کیفیت حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی بیان فرمائی ہے:

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّورَةَ مِنْ الْقُرْآنِ . . . وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ رُمْحٍ: كَمَا يُعَلِّمُنَا الْقُرْآنَ.[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں تشہد کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جیسے قرآن حکیم کی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔

ان احادیث میں حضور سید کائنات، افضل المخلوقات ﷺ نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ نمازوں کے درمیان اور آخر میں آپ کی بارگاہ میں یوں سلام پیش کیا جائے:

"السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ".

اور یہ یقیناً خاص حالتِ نماز میں آپ کی تعظیم و توقیر ہے کہ سلام بابِ ادب و تعظیم و تواضع سے ہے، یوں بھی مسلمان جب بارگاہ رسالت میں نذرانہ سلام پیش کرتا ہے تو ادب و تعظیم و تواضع کے ساتھ ہی پیش کرتا ہے، معاذ اللہ کسی کے دل میں ادنیٰ سی بے ادبی کا خیال اور وہم بھی نہیں ہوتا۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۹۲٦، كتاب الاستيذان/ بابُ المُصَافَحة–و– الأخذ باليدين، مجلس البركات.

(۲) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۷٤، كتاب الصلاة/ باب التَّشهُّد في الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

تشہد پڑھتے وقت حقیقی معنی کا قصد چاہیئے، نقل نہیں:

فقہا فرماتے ہیں کہ تشہد پڑھتے وقت الفاظِ تشہد کے حقیقی معانی کا قصد کرے اور معراج میں اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں جو مکالمہ ہوا تھا اس کی نقل و حکایت کا قصد نہ کرے یعنی اس کا ارادہ یہ ہو کہ وہ خود اللہ تعالی کی بارگاہ میں تَحِیَّات وصَلَوات اور رسول اللہ کی بارگاہ میں ہدیۂ سلام پیش کر رہا ہے کہ اللہ تعالی نے مطلقاً فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾ [1] اے ایمان والو، نبی پر صلاۃ وسلام بھیجو۔

یہ آیت اپنے اطلاق کی وجہ سے نماز وغیرِ نماز ہر ایک کو شامل ہے اور یہاں یقیناً بالقصد صلاۃ وسلام بھیجنا مطلوب ہے۔

نیز حدیث تشہد کے اخیر میں یہ الفاظ ہیں:

فإذا قالها أصابت كلَّ عبدٍ صالحٍ في السَّماء والأرض.

ترجمہ: جب نمازی یہ کلمہ پڑھے گا تو وہ آسمان وزمین کے ہر صالح بندے کو پہنچ جائے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ سلام اسی وقت پہنچے گا جب قصداً سلام پیش کرے، نہ کہ محض نقل وحکایت کے طور پر پڑھے، اسی لیے امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

واحضر في قلبك النبيَّ صلّى الله تعالى عليه وسلم وشخصَه الكريم وقل: "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ". [2]

ترجمہ: اپنے دل میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی ذات اقدس کو حاضر کرو، پھر عرض کرو: "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ". سلام ہو آپ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت وبرکات۔

اس طرح کی تصریحات دوسرے علمائے امت نے بھی کی ہیں۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت نماز اور تعظیم رسول:

پانچویں شہادت: عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: تَخَلَّفَ رَسُول

(۱) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ۳۳، الآية: ۵۶.

(۲) إحياء العلوم، ج: ۲، ص: ۳۰۴، مطلب فيما يراعي في التشهُّد، دار الشعب، قاهره.

اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّم- وَتَخَلَّفْتُ مَعَهُ فَلَمَّا قَضَى حَاجَتَهُ قَالَ: « أَمَعَكَ مَاءٌ ». فَأَتَيْتُهُ بِمِطْهَرَةٍ، فَغَسَلَ كَفَّيْهِ وَوَجْهَهُ ثُمَّ ذَهَبَ يَحْسِرُ عَنْ ذِرَاعَيْهِ، فَضَاقَ كُمُّ الْجُبَّةِ، فَأَخْرَجَ يَدَهُ مِنْ تَحْتِ الْجُبَّةِ وَأَلْقَى الْجُبَّةَ عَلَى مَنْكِبَيْهِ وَغَسَلَ ذِرَاعَيْهِ وَمَسَحَ بِنَاصِيَتِهِ وَعَلَى الْعِمَامَةِ وَعَلَى خُفَّيْهِ ثُمَّ رَكِبَ وَرَكِبْتُ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَوْمِ وَقَدْ قَامُوا فِي الصَّلاَةِ يُصَلِّي بِهِمْ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ وَقَدْ رَكَعَ بِهِمْ رَكْعَةً، فَلَمَّا أَحَسَّ بِالنَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلم- ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ، فَصَلَّى بِهِمْ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- وَقُمْتُ فَرَكَعْنَا الرَّكْعَةَ الَّتِي سَبَقَتْنَا.(۱)

ترجمہ: عروہ بن مغیرہ کا بیان ہے کہ ان کے والد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ وہ اور رسول اللہ ﷺ (ایک رات) سفر میں قافلے سے پیچھے رہ گئے، جب سرکار قضاے حاجت فرما چکے تو پوچھا کہ کیا تمھارے پاس پانی ہے؟

تو میں پانی کا برتن لے کر آیا، حضور ﷺ نے اس سے پہلے اپنے دونوں کفِ دست دھوئے، پھر چہرہ دھویا، پھر جبے میں سے اپنے ہاتھ نکالنے لگے تو جبے کی آستین تنگ پڑ گئی، اس لیے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبے کے نیچے سے اپنے ہاتھ نکالے اور جبے کو دونوں شانوں پر ڈال دیا پھر دونوں ہاتھ دھوئے پھر سر کے چوتھائی حصے پر اور عمامہ اور دونوں موزوں پر مسح کیا۔ پھر حضور سوار ہوئے اور میں بھی سوار ہوا، یہاں تک کہ ہم لوگ قافلے میں اس وقت پہنچے جب وہ حضرات نماز (فجر) شروع کر چکے تھے، انھیں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا رہے تھے اور وہ ایک رکعت پڑھا چکے تھے۔

جب انھوں نے نبی کریم ﷺ کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں اشارے سے اپنی جگہ برقرار رہنے کا حکم دیا۔

تو انھوں نے پوری نماز پڑھائی، جب انھوں نے سلام پھیرا تو نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور میں بھی کھڑا ہو گیا اور جس رکعت میں ہم لوگ مسبوق ہو گئے تھے اسے ادا کیا۔

اس حدیث کی دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ غزوہ تبوک کے سفر کا ہے وہ بھی

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۳٤، كتاب الطهارة/ باب المسح على الخفين، مجلس البركات، مبارك فور.

رات کا۔ اور نماز سے مراد نماز فجر ہے۔ جیسا کہ "بابُ تقديم الجماعة من يصلى بهم" میں امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تخریج کی ہے۔ (۱)

اس حدیث سے بہت سے احکام ثابت ہوتے ہیں مگر ہم یہاں صرف اس امر پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ محسوس کیا کہ حضور سرور انبیا علیہ التحیۃ والثنا تشریف لا رہے ہیں تو امامت کی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے اور ظاہر ہے کہ ہٹنا کسی عذر شرعی اور استخلاف کی وجہ سے نہ تھا، نہ ہی پہلے سے اس بارے میں کوئی فرمان نبوی جاری ہوا تھا کہ حضور صف اول میں آجائیں تو امام ہٹ جائے، اس لیے یہ ہٹنا صرف تعظیم نبی کے لیے تھا جس کا حکم کتاب وسنت کے مطلق نصوص میں پہلے سے موجود تھا، تو یہاں عین حالتِ نماز میں امام نے تعظیم نبی کا علانیہ مظاہرہ کیا اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے برقرار رکھا اور اس پر کوئی نکیر نہ فرمائی مگر امام الوہابیہ نماز میں تعظیم نبی تو بڑی بات ہے تعظیم کے ساتھ نبی کے خیال پر بھی شرک کی طرف کھینچنے کا الزام عائد کرتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت نماز اور احترام رسول:

چھٹی شہادت: عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلم- ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ فَحَانَتِ الصَّلاَةُ، فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ: أَتُصَلِّي بِالنَّاسِ فَأُقِيمَ؟ قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- وَالنَّاسُ فِي الصَّلاَةِ فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ فَصَفَّقَ النَّاسُ - وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لاَ يَلْتَفِتُ فِي الصَّلاَةِ - فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ الْتَفَتَ، فَرَأَى رَسُولَ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّم- فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّم- مِنْ ذَلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ وَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّم- فَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: «يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ ». قَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا كَانَ لاِبْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۸۰، كتاب الصّلاة / باب تقديم الجماعة من يصلّي، مجلس البركات.

يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّم-

فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ-صلّى الله عليه وسلّم-: «مَا لِي، رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ، مَنْ نَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلاَتِهِ فَلْيُسَبِّحْ ، فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ ، وَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ » .[1]

وَ فِي رِوَايَةٍ: فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَقَ الصُّفُوفَ حَتَّى قَامَ عِنْدَ الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ.[2]

ترجمہ : حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبیلۂ بنو عمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لیے تشریف لے گئے اور ادھر نماز کا وقت ہو گیا، تو موذن حضرت ابو بکر صدیق کے پاس آئے اور عرض کی، کیا آپ لوگوں کو نماز پڑھائیں گے تو میں اقامت کہوں ؟ انھوں نے فرمایا، ہاں! تو حضرت ابو بکر نماز پڑھانے لگے، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، اور لوگ نماز میں تھے، تو سرکار لوگوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے (پہلی) صف میں جا کھڑے ہوئے، یہ دیکھ کر لوگ تالی بجانے لگے اور حضرت ابو بکر (نماز میں مشغولیت کے باعث) ادھر ادھر مڑتے نہیں تھے، جب لوگ زیادہ تالیاں بجانے لگے تو مڑے اور نبی کریم ﷺ کو دیکھا، تو رسول اللہ ﷺ نے اشارے سے فرمایا کہ اپنی جگہ پر ٹھہر کر امامت کرتے رہو۔ رسول اللہ ﷺ کے اس حکم پر (فرط مسرت کی وجہ سے) حضرت ابو بکر نے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے اور اس انداز سے اللہ عزوجل کی (خاموش) حمد کی۔

پھر حضرت ابو بکر پیچھے ہٹنے لگے یہاں تک کہ صف میں ٹھیک سے کھڑے ہو گئے اور نبی کریم ﷺ نے آگے بڑھ کر امامت شروع کر دی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا: اے ابو بکر! جب میں نے تم کو حکم دیا تھا تو تمھیں امامت سے کس چیز نے روکا ؟ تو ابو بکر نے عرض کی کہ حضور ابن ابو قحافہ (یعنی ابو بکر صدیق) کی مجال، کہ رسول اللہ سے آگے بڑھ کر امامت کرے۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۷۹، كتاب الصلاة/ باب تقديم الجماعة مَن يصلي بهم إذا تأخّر الإمام و لم يخافوا مفسدة بالتقديم، مجلس البركات

(۲) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۷۹، كتاب الصلاة/ باب تقديم الجماعة من يصلي بهم ، مجلس البركات، مبارك فور.

پھر رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ کیا بات ہے کہ تم لوگ تالیاں زیادہ بجا رہے تھے، جب نماز میں کچھ درپیش ہو تو "سُبْحَانَ اللّٰه" کہا کرو۔ جب "سُبْحَانَ اللّٰه" کہو گے تو امام متوجہ ہو جائے گا، ہاتھ پر ہاتھ مارنا تو صرف عورتوں کے لیے ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ صفوں کو چیرتے ہوئے آئے اور پہلی صف میں کھڑے ہو گئے۔

سرکار کی آمد پر مقتدی صحابہ ہاتھوں پر ہاتھ مار کر حضرت صدیق اکبر کو آگاہ کرنے لگے کہ وہ پیچھے آجائیں اور آگاہی کے بعد وہ پیچھے آ بھی گئے یہ سب کچھ تعظیمِ رسول کے لیے تھا۔

مسلمان دیکھیں کہ صحابہ وافضل الصحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم عین حالت نماز میں رسول اعظم صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کر رہے ہیں اور سرکار بذات خود مشاہدہ فرما رہے ہیں، اگر یہ شرک تھا تو کیا توحید کے سب سے بڑے داعی افضل المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شرک کو پسند کر کے برقرار رکھا؟ معاذ اللہ۔

ساتویں شہادت: عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللهِ - صلّى الله عليه وسلّم - جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ: « مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»، قَالَتْ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ، إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ، وَإِنَّهُ مَتَى يَقُومُ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعُ النَّاسَ ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ.

فَقَالَ: «مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ». قَالَتْ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ : إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ ، وَإِنَّهُ مَتَى يَقُمْ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعَ النَّاسَ ، فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ . فقَالَتْ لَه: فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم -: « إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ » .

قَالَتْ: فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ - صلَّى الله عليه وسلَّم - مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً ، قالت: فَقَامَ يُهَادِى بَيْنَ رَجُلَيْنِ، وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْأَرْضِ.

قَالَتْ: فَلَمَّا دَخَلَ الْمَسْجِدَ سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ حِسَّهُ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّم- قُمْ مَكَانَكَ. فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه

وسلم- حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ. قالت: فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلَّم- يُصَلِّي بِالنَّاسِ جَالِسًا وَأَبُو بَكْرٍ قَائِمًا. يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلاَةِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- وَيَقْتَدِي النَّاسُ بِصَلاَةِ أَبِي بَكْرٍ.[1]

ترجمہ :ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوگئے اور حضرت بلال حضور کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آئے تو حضور نے فرمایا:

ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! ابوبکر رقیق القلب انسان ہیں، وہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو قراءت نہ سنا سکیں گے۔ اس لیے حضور حضرت عمر کو حکم فرمادیں۔ حضور نے فرمایا:

ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کی امامت کریں۔

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے حفصہ سے کہا کہ تم حضور سے کہو کہ حضرت ابوبکر رقیق القلب انسان ہیں اور وہ جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو قراءت نہیں سنا سکیں گے اس لیے حضور حضرت عمر کو حکم فرمادیں۔ تو حضرت حفصہ نے حضور سے یہ بات عرض کی، تو حضور نے فرمایا: تم لوگ (اپنی بات پر اصرار کرنے میں) حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کی عورتوں کی طرح ہو:

ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کی امامت کریں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے نماز شروع کی اور ادھر رسول اللہ ﷺ نے اپنی طبیعت میں افاقہ محسوس کیا تو آپ دو آدمیوں کے سہارے چل کر مسجد میں تشریف لائے، چلنے کا حال یہ تھا کہ پائے اقدس سے زمین پر لکیریں بن رہی تھیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ **جب حضور مسجد میں تشریف لائے اور ابوبکر نے آپ کی آہٹ سنی، تو پیچھے ہٹنے لگے**، تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر قائم رہو، پھر رسول اللہ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق کے بائیں طرف آکر بیٹھ گئے، اب رسول اللہ ﷺ بیٹھ کر لوگوں کو نماز پڑھانے لگے، اور حضرت ابوبکر کھڑے رہے،

---

(١) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ١٧٨ - ١٧٩، كتاب الصلاة/ باب: استخلاف الإمام إذا عرض له عذرٌ مِن مرض ... مَن يصلّي بالناس، مجلس البركات

حضرت ابوبکر نبی کریم ﷺ کی اقتدا کر رہے تھے اور صحابہ حضرت ابوبکر صدیق کی اقتدا کر رہے تھے۔

ایک روایت میں ”حضرت ابوبکر کی اقتدا“ کی تعبیر اس طرح ہے:

وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ وَأَبُو بَكْرٍ يُسْمِعُهُمُ التَّكْبِيرَ.

نبی کریم ﷺ لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابو بکر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے۔ (یعنی: حضور امام تھے اور یہ مبلغ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نماز میں سرکار کی تشریف آوری کی آہٹ ملی اور آپ اپنی جگہ سے ہٹنے لگے، تاکہ سرکار آگے بڑھ کر امامت فرمائیں۔

یہ ہے نماز میں تعظیم رسول کا جذبہ شوق، کہ سرکار سے آگے رہنا گوارانہ ہوا، اور جب سرکار پہلو میں آئے تو دل کو قرار آگیا۔

آٹھویں شہادت: عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، أَنَّ أَبَابَكْرٍ يُصَلِّي لَهُمْ فِي وَجَعِ رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ الِاثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلَاةِ كَشَفَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- سِتْرَ الْحُجْرَةِ فَنَظَرَ إِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ضَاحِكًا، قَالَ: فَبُهِتْنَا وَنَحْنُ فِي الصَّلَاةِ مِنْ فَرَحٍ بِخُرُوجِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، وَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ، وَظَنَّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- خَارِجٌ لِلصَّلَاةِ، فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- بِيَدِهِ: أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ.

قَالَ: ثُمَّ دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَأَرْخَى السِّتْرَ، قَالَ: فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- مِنْ يَوْمِهِ ذَلِكَ.[۱]

ترجمہ: ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک نے مجھے بتایا کہ حضور ﷺ

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۷۹، كتاب الصلاة/ باب استخلاف الإمام إذا عَرض له عذر مِن مرض ... مَن يصلي بالنّاس، مجلس البركات، مبارك فور.

کے مرضِ وصال میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کی امامت کرتے تھے، یہاں تک کہ دوشنبہ کے دن جب لوگ صف باندھے نماز پڑھ رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے حجرے کا پردہ ہٹایا اور کھڑے ہوکر ہمیں دیکھنے لگے اس وقت آپ کا روے انور مصحفِ قرآن کے ورق جیسا لگتا تھا پھر رسول اللہ ﷺ کچھ ہنسنے کے انداز میں مسکرانے لگے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ پھر تو ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے باہر جھانکنے اور آپ کے دیدار کی خوشی میں نماز کی حالت میں ہی بے خود ہو گئے اور **حضرت ابو بکر صدیق اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے پلٹنے لگے تاکہ صف میں آجائیں**، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے سب کو حکم دیا کہ اپنی نماز مکمل کر لو۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ حجرے میں چلے گئے اور پردہ گرادیا اور اسی روز آپ رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

ان احادیث طیبہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے احترام میں چار بار دو صحابۂ کرام کے امامت سے ہٹنے کا واقعہ پیش آیا۔

- ایک بار حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امامت سے ہٹنا چاہا، مگر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر امامت جاری رکھی۔
- اور تین بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادب واحترام کا یہی مظاہرہ کیا۔ اور آخری بار انھوں نے بھی حکم رسالت پر امامت جاری رکھی۔

☆ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام صف میں آئے ہی نہیں، بلکہ حجرے سے ہی باہر نہ نکلے، حضور حجرے سے باہر نکل کر صف میں تشریف لاتے تو آپ کی امامت سے شرف یاب ہونے کے لیے وہ پیچھے ضرور آتے۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت عبد الرحمٰن کے واقعے میں مقتدی کی حیثیت سے نماز پڑھنے کی وجہ:

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کے واقعہ میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام امامت کے لیے آگے نہ بڑھے اور مقتدی کی حیثیت سے نماز پڑھنے کو ترجیح دی، کیوں کہ اس واقعہ میں حضور مسبوق تھے، ان کی ایک رکعت چھوٹ چکی تھی، امام ہونے کی صورت میں بھی سرکار سلام پھیرنے کے بعد وہ چھوٹی ہوئی رکعت

پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے تو حضرات صحابہ کرام بھی کھڑے ہو جاتے کیوں کہ وہ حضرات نماز میں حضور کو جیسا کرتے دیکھتے تھے ویسا ہی کرتے تھے اور انھیں حضور کی طرف سے اس کی ہدایت بھی تھی، اس صورت میں صحابہ کی نماز فجر تین رکعت ہو جاتی۔ اس خرابی سے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف بھی آگاہ تھے اس لیے سرکار کے اشارے پر انھوں نے امامت جاری رکھی اور پیچھے نہ ہٹے۔

علاوہ ازیں سرکار کا منصب شریف بیانِ شریعت بھی ہے تو آپ نے اپنے عمل سے مسبوق کا حکم شرعی بیان فرمادیا تاکہ آپ کی امت کے حق میں ہمیشہ کے لیے یہ سنتِ نبوی بن جائے اور حدیث پاک:

"صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي."[1]

"تم لوگ جیسا مجھے نماز پڑھتا ہوا دیکھتے ہو ویسے ہی نماز پڑھو۔"

کے اطلاق میں مسبوق کا حکم شرعی بھی شامل ہو جائے۔

☆ چاروں بار دونوں جلیل القدر صحابۂ کرام حضور کی امامت سے شرف یاب ہونے کے لیے جاے امامت سے ہٹنے لگے اور دو بار تو حضرت صدیق اکبر نے امامت سے سبک دوش ہو کر سرکار کی اقتدا میں نماز بھی ادا کی، ایسا کیوں ہوا؟

کیا خاص ان اماموں کے لیے کتاب و سنت نے کوئی فرمان صادر کیا تھا کہ وہ حضور ﷺ کی آمد پر امامت کے مصلے سے ہٹ جائیں۔؟

یا ان حضرات کو کوئی حدث لاحق ہو گیا تھا جس کے باعث جاے امام سے ہٹنا ناگزیر تھا؟ اور کیا وہ کسی شرعی اجازت کی وجہ سے حضور ﷺ کو اپنا خلیفہ بنانا چاہتے تھے؟

واقعہ یہ ہے کہ ایسا کچھ بھی نہ تھا۔ اور حق یہ ہے کہ ان حضرات کا امامت کی جگہ سے ہٹنا، اور دو بار امام ہوتے ہوئے حضور کی اقتدا کرنا صرف اور صرف حضور سید کائنات فخر موجودات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات کی تعظیم و توقیر کے لیے تھا، ان کے سامنے قرآن مقدس کا یہ فرمان تھا: وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ تُوَقِّرُوْهُ[2] "اور رسول کی تعظیم و توقیر کرو۔"

جو اپنے اطلاق کی وجہ سے نماز و بیرون نماز دونوں کو عام تھا۔

---

(۱) صحیح البخاري، ج:۱، ص:۸۸، کتاب الأذان/ باب الأذان للمسافر، مجلس البرکات.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الفتح: ۴۸، الآیۃ: ۹.

ان کے پیش نظر ارشاد باری: " لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ "[۱] بھی تھا جس میں مومنوں کو دربار رسالت کا یہ ادب بتایا گیا ہے کہ "اللہ اور اس کے رسول کے آگے نہ بڑھو۔"

یہ بات حضور ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق کے اس سوال و جواب سے بہت ہی واضح وروشن ہوجاتی ہے:

فَقَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ؟
قَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[۲]

حضور سید عالم نے پوچھا: اے ابو بکر! جب میں نے تجھے امامت جاری رکھنے کا حکم دے دیا تھا تو تمھیں امامت کرنے سے کس چیز نے روک دیا؟

حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کیا: حضور، ابن ابو قحافہ کی یہ مجال نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے آگے رہ کر امامت کرے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جواب بہت واضح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ وہ فرمان خداوندی: " لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللهِ وَ رَسُوْلِهٖ "[۳] (اللہ و رسول کے آگے نہ بڑھو۔) کے پیش نظر تعظیم نبی کا شاندار نمونہ پیش کر رہے تھے اور آیت کریمہ کی عملی تفسیر بن کر یہ اظہار فرما رہے تھے کہ یہ آیت نماز وبیرون نماز ہر حال میں رسول اللہ کے ادب واحترام اور تعظیم و توقیر کا حکم دیتی ہے۔

غور فرمائیے کہ

- صحابہ نماز میں تعظیم نبی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔
- مقتدی صحابہ ہاتھوں پر ہاتھ مار کر اسی تعظیم نبی کے لیے اپنے امام کو آگاہ کر رہے ہیں۔
- اور رسول اللہ ﷺ سب کچھ مشاہدہ فرما کر انکار کے بجائے برقرار رکھ رہے ہیں۔
- یہاں تک کہ قرآن مقدس علی الاطلاق اس کا حکم دے رہا ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الحجرات: ۴۹، الآیۃ: ۱.
(۲) الصحیح لمسلم، ج:۱، ص:۱۷۹، کتاب الصلاۃ/ باب استخلاف الإمام إذا عرض له عذر من یصلي بالناس، مجلس البرکات.
(۳) القرآن الحکیم، سورۃ الحجرات: ۴۹، الآیۃ: ۱، ۲.

اس لیے ہم اہل حق - اہلِ سنت وجماعت - حالتِ نماز میں بھی اس طرح کی تعظیمِ رسول کے قائل ہیں مگر امام الوہابیہ کی شریعت ان سب کے برخلاف یہ فرمان جاری کرتی ہے کہ نماز میں غیر اللہ کی تعظیم شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔

نویں شہادت: عَنْ أَبِي وَائِلٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً، فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتَّى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ، قُلْنَا: وَمَا هَمَمْتَ؟ قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَذَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[1]

ترجمہ: حضرت ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک شب نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز تہجد پڑھی تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلسل قیام کو طویل سے طویل تر کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے ایک "بری بات" کا ارادہ کر لیا، ہم نے پوچھا کہ آپ نے کیا ارادہ کر لیا تھا؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ "بیٹھ کر نماز پڑھوں اور نبی کریم ﷺ کو حالتِ قیام میں رہنے دوں"

نفل نماز تو قیام پر قدرت ہونے کے باوجود بھی بیٹھ کر پڑھنا جائز، بلکہ باعث اجر وثواب ہے پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود نے بیٹھ کر نماز تہجد پڑھنے کے ارادے کو "بُرا ارادہ" کیوں بتایا؟

اس کی وجہ ان کے ارشاد سے ہی ظاہر ہے کہ "حضور کھڑے ہوں اور میں بیٹھ جاؤں" یہ بارگاہ رسالت کی بے ادبی ہے۔

امام ابو زکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

واتّفق العُلماءُ علىٰ أنّه إذا شقّ على المقتدي في فريضة أو نافلة القيامُ وعجز عنه، جاز له القعودُ، وإنما لم يقعد ابن مسعود لِلتّأدُّب مع النبي ﷺ.[2]

ترجمہ: اس امر پر علما کا اتفاق ہے کہ فرض یا نفل نماز میں جب مقتدی پر کھڑا رہنا شاق ہو اور وہ

---

(۱) • صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۵۲، كتابُ التهجد/ باب طول الصّلاة في قيام الليل، مجلس البركات، مبارك فور.

• والصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۲٦٤، كتاب صلاة المسافرين وقصرها / باب استحباب تطويل القراءة في صلاةِ الليل، مجلس البركات.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۲٦٤، كتابُ صلاة المسافِرين وقصرها/ باب استحباب تطويلِ القراءة في صلاةِ الليل، مجلس البركات.

قیام سے عاجز ہو جائے تو اس کے لیے بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صرف نبی کریم ﷺ کے ادب و احترام کی وجہ سے نہیں بیٹھے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیام کے شاق ہونے کے باوجود صرف حضور ﷺ کے ادب و احترام میں کھڑے رہ کر نماز پڑھتے رہے تو یہاں بھی عین حالت نماز میں رسول اللہ کی تعظیم کا قصد اور اس کا عملی مظاہرہ ہے۔ یہ ہے ارشاد باری پر عمل کا جذبہ عشق۔

خدا کرے ہمارا خصم بھی رسول اللہ کی اس تعظیم کا قائل ہو جائے۔

دسویں شہادت: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ، فَقُمْتُ وَرَاءَهُ، فَأَخَذَنِي، فَأَقَامَنِي حِذَاءَهُ، فَلَمَّا أَقْبَلَ عَلىٰ صَلَاتِهِ انْخَنَسْتُ، فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ : مَا لَكَ، أَجْعَلُكَ حِذَائِي فَتَخْنِسُ؟ قُلْتُ : مَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُصَلِّيَ حِذَاءَكَ وَأَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ ، فَأَعْجَبَهُ، فَدَعَا اللّٰهَ أَنْ يَزِيدَنِي فَهْمًا وَعِلْمًا "وفقهاً".

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ۔[1]

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں رات کے آخری حصے میں آیا، جب آپ نماز پڑھ رہے تھے تو میں حضور کے پیچھے کھڑا ہو گیا، حضور ﷺ نے مجھے پکڑ کر اپنے برابر (داہنی جانب) کھڑا کر دیا، پھر حضور نماز پڑھنے لگے تو میں پیچھے ہٹ آیا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھا کہ کیا بات ہے کہ میں نے تجھے اپنے برابر کھڑا کیا تو تم پیچھے ہٹ گئے؟

میں نے عرض کی " حضور کسی کے لیے مناسب نہیں کہ آپ کے برابر (کھڑا ہو کر) نماز پڑھے حالاں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"

حضور کو یہ جواب پسند آیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ وہ مجھے دین کی فہم اور علم وفقہ زیادہ عطا فرمادے۔

یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے، ہاں! ان حضرات نے اس کی تخریج نہیں فرمائی۔

---

(١) المستدرك على الصَّحيحَين، ج:٣،ص:٥٣٤، كتاب معرفة الصحابة/ دعاء النبي لابن عباس، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی یہ حدیث نقل کر کے "خ، م"(۱) لکھ کر اسے بر شرط شیخین صحیح تسلیم کیا۔

مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت ابن عباس کے جواب کے کلمات اس طرح ہیں:

فَقُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَوَ يَنْبَغِي لأَحَدٍ أَنْ يُصَلِّي حِذَاءَكَ وَأَنْتَ رَسُولُ اللهِ.(۲)

ترجمہ: میں نے عرض کی یا رسول اللہ کیا کسی کے لیے یہ مناسب ہے کہ آپ کے برابر میں نماز پڑھے حالاں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

حافظ نور الدین علی بن ابو بکر الہیثمی (متوفی: ۸۰۷ھ) اس حدیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

رواه أحمد ورجاله رجالُ الصحيح.(۳)

ترجمہ: اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا اور اس کے رجال، صحیح کے رجال ہیں۔

وہابیوں کے امام البانی نے بھی یہ حدیث نقل کر کے یہ اعتراف کیا:

قلتُ: وهذا إسناد صحيح على شرط الشيخين وقد أخرجه الضياء في المختارة، من طريق الإمام أحمد.(٤)

ترجمہ: میں کہتا ہوں یہ اسناد شرط شیخین پر صحیح ہے اور اسے الضیاء نے بھی "المختارہ" میں امام احمد کے طریق سے روایت کیا۔

حضور سید عالم ﷺ بھی نماز میں تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی۔ اور یہ عین حالتِ نماز میں رسول اللہ ﷺ کی تعظیم و توقیر کے لیے پیچھے ہٹ گئے اور ان کی اس تعظیم پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خوش ہو کر ان کے حق میں فقہ و علم سے سرفرازی کی دعا کی اور خدائے کریم نے اسے قبول بھی فرما لیا۔

---

(۱) التلخيص للإمام الذهبي، المطبوع مع المستدرك، ج:۳، ص: ٥٣٤.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۲۷۲، مسند آل عباس/ مسند عبد الله بن عباس، رقم الحديث: ۳۰٦۱، بيت الأفكار الدولية.

(۳) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج:۹، ص:٤٦٢، كتاب المناقب/ بابُ مناقب عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنهما، رقم الحديث: ١٥٥٢٦، دارُ الفكر، بيروت.

(٤) السلسلة الصحيحة، ج:۲، ص:۱۰٥، المكتبة الشاملة.

نوعِ دوم کے نصوص

جن میں بیرون نماز تعظیم رسول کے بے مثال نمونے ہیں

نماز کے علاوہ دوسرے احوال میں بھی سرکار دو عالم ﷺ کی تعظیم عام انسانوں اور اربابِ عظمت -مثل استاذ، شیخ، ماں، باپ، بڑے بھائی وغیرہ- سے زیادہ ہونی چاہیے اس کے نصوص وشواہد کثیر ہیں مگر ہم یہاں چند کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔ نوع اول کے تمام نصوص بھی اس نوع کے دلائل ہیں ان کے سوا کچھ نصوص احادیث یہ ہیں۔

تعظیم رسول کا پہلا نمونہ، جو متعدّد نمونوں کا مجموعہ ہے:

(١٠) عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ وَمَرْوَانَ (يُخْبِرَانِ عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[١]) . . . خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ . . . حَتَّى نَزَلَ بِأَقْصَى الْحُدَيْبِيَةِ عَلَى ثَمَدٍ قَلِيلِ الْمَاءِ . . . ثُمَّ إِنَّ عُرْوَةَ جَعَلَ يَرْمُقُ أَصْحَابَ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- بِعَيْنَيْهِ قَالَ: فَوَاللَّهِ مَا تَنَخَّمَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- نُخَامَةً إِلاَّ وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوا أَمْرَهُ ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَهُ.

فَرَجَعَ عُرْوَةُ إِلَى أَصْحَابِهِ فَقَالَ: أَيْ قَوْمِ، وَاللَّهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوكِ وَوَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ وَكِسْرَى وَالنَّجَاشِيِّ. وَاللَّهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ -صلى الله عليه وسلم- مُحَمَّدًا. وَاللَّهِ إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلاَّ وَقَعَتْ فِي كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ ، وَإِذَا أَمَرَهُمُ ابْتَدَرُوا أَمْرَهُ ، وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَهُ.[٢]

ترجمہ : حضرت مِسوَر بن مخرمہ اور مروان کا بیان ہے (کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب

---

(١) صحيح البخاري، ج:١، ص:٣٧٤، أوّلُ كتاب الشّروط، مجلس البركات.

(٢) صحيح البخاري، ج:١، ص:٣٧٩، كتاب الشّروط/ باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب، مجلس البركات.

بیان کرتے ہیں)... رسول اللہ ﷺ حُدَیبیہ کے زمانے (ذی القعدہ ۶ھ) میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے... اور حُدَیبیہ کے کنارے ایک کنویں کے پاس۔جس میں پانی کم تھا۔ ٹھہرے... عُروہ بن مسعود ثقفی (جو کفار قریش کے نمائندہ کی حیثیت سے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تھا) نبی کریم ﷺ کے اصحاب کو دیکھنے لگا، وہ کہتا ہے کہ:

- اللہ کی قسم، رسول اللہ ﷺ جب بھی کھنکھار تھوکتے ہیں تو وہ کسی نہ کسی صحابی کی ہتھیلی میں آتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے
- اور جب آپ انھیں کوئی حکم دیتے ہیں تو وہ اس کی بجاآوری کے لیے جھپٹ پڑتے ہیں
- اور جب آپ وضو فرماتے ہیں تو سب کے سب آپ کا غُسالہ (دھوون) یوں لوٹنے لگتے ہیں جیسے آپس میں جنگ کرلیں گے
- اور جب آپ کلام فرماتے ہیں تو صحابہ آپ کے حضور اپنی آوازیں پست کرلیتے ہیں
- اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے آپ کی طرف نظر جما کر نہیں دیکھتے۔

پھر عُروہ اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آیا اور یہ رپورٹ پیش کی:

"اے میری قوم! خدا کی قسم، میں بادشاہوں کے یہاں سفیر بن کر گیا ہوں اور خاص کر قیصر وکسریٰ اور نجاشی جیسے شہنشاہوں کا دربار بھی دیکھا ہے۔ لیکن خدا کی قسم، میں نے کبھی کسی بادشاہ کے درباریوں کو اپنے بادشاہ کی ایسی تعظیم کرتے نہ دیکھا جیسی تعظیم محمد (ﷺ) کے اصحاب کو محمد (ﷺ) کی کرتے دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم وہ کھنکھار بھی تھوکتے ہیں تو وہ (زمین پر گرنے کے بجائے) کسی نہ کسی صحابی کے ہاتھ میں جاتا ہے جسے وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب وہ انھیں کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو سب کے سب اس کی تعمیل کے لیے دوڑ پڑتے ہیں اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو صحابہ غُسالہ (دھوون) کے لیے یوں ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے وہ آپس میں لڑجائیں گے۔ اور جب وہ کلام فرماتے ہیں تو صحابہ اپنی آوازیں پست کرلیتے ہیں اور آپ کی تعظیم کی وجہ سے وہ آپ کو نظر جما کر دیکھ نہیں پاتے۔

تعظیم رسول کا دوسرا نمونہ:

(۱۱) عَنْ أَبِي مُوسَى ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ، قَالَ : كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- وَهُوَ نَازِلٌ بِالْجِعْرَانَةِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَأَتَى النَّبِيَّ -صلى الله

عليه وسلم- أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: أَلاَ تُنْجِزُ لِي مَا وَعَدْتَنِي، فَقَالَ لَهُ: أَبْشِرْ، فَقَالَ : قَدْ أَكْثَرْتَ عَلَيَّ مِنْ أَبْشِرْ فَأَقْبَلَ عَلَى أَبِي مُوسَى وَبِلاَلٍ كَهَيْئَةِ الْغَضْبَانِ، فَقَالَ: رَدَّ الْبُشْرَى فَاقْبَلاَ أَنْتُمَا، قَالاَ: قَبِلْنَا ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ فِيهِ مَاءٌ فَغَسَلَ يَدَيْهِ وَوَجْهَهُ فِيهِ وَمَجَّ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: اشْرَبَا مِنْهُ وَأَفْرِغَا عَلَى وُجُوهِكُمَا وَنُحُورِكُمَا وَأَبْشِرَا فَأَخَذَا الْقَدَحَ فَفَعَلاَ فَنَادَتْ أُمُّ سَلَمَةَ مِنْ وَرَاءِ السِّتْرِ أَنْ أَفْضِلاَ لأُمِّكُمَا فَأَفْضَلاَ لَهَا مِنْهُ طَائِفَةً.[1]

ترجمہ : حضرت ابو موسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا اور آپ مکۂ معظمہ اور مدینۂ منوّرہ کے درمیان جِعرّانہ کے مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے، حضرت بلال آپ کے ہمراہ تھے۔۔۔ حضور نے ہم دونوں کی طرف رُخ کرکے فرمایا کہ اس اعرابی نے ہماری بشارت ٹھکرادی، تم لوگ قبول کرلو، ہم دونوں نے عرض کی حضور، ہم نے قبول کرلیا۔

پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پانی کا ایک پیالا منگایا اور اس میں میں اپنے دونوں ہاتھ اور چہرے کو دھویا اور اسی میں کلّی فرمائی، پھر فرمایا کہ دونوں یہ پانی پی لو اور اپنے چہرے اور سینے پر ڈال لو، اور بشارت قبول کرو۔ تو دونوں نے پیالہ لیا اور کچھ پانی نوش کیا اور کچھ اپنے بدن پر ملنے لگے، اتنے میں حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پردے کی آڑ سے فرمایا کہ "کچھ پانی اپنی ماں کے لیے بھی بچا دینا" تو دونوں نے کچھ پانی اُمّ المومنین کے لیے بھی بچادیا۔

اس حدیث پاک سے عیاں ہوتا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ کا غُسالہ امت کے لیے بڑی بابرکت چیز ہے اس لیے آپ نے حضرت ابو موسی اشعری اور حضرت بلال کو اسے پی لینے اور چہرے اور بدن پر ڈالنے کا حکم دیا اور یہی وجہ ہے کہ اُمّ المومنین اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان حضرات سے اپنے لیے بھی کچھ بچانے کو کہا۔ اور سرکار نے اس پر بشارت بھی دی۔

یہ غُسالۂ نبوی کی بڑی تعظیم ہے جس کا حکم خود سیّد الرسل ﷺ نے دیا۔

تعظیم رسول کا تیسرا نمونہ:

(۱۲) عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ،

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲،ص:۶۲۰، كتاب الصلاة/ بابُ رفع الصَّوت في المسجد، مجلس البركات، مبارك فور.

فَنَظَرْتُ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ، فَقَالَ: اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهَذَيْنِ، فَجِئْتُهُ بِهِمَا، قَالَ: مَنْ أَنْتُمَا - أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا؟ - قَالاَ: مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ، قَالَ: «لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ البَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا، تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».[1]

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ میں ''مسجد نبوی'' شریف میں کھڑا تھا کہ اتنے میں کسی شخص نے مجھ پر کنکری پھینکی، میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، انھوں نے فرمایا کہ ''جاؤ اور اُن دونوں کو میرے پاس حاضر کرو'' میں نے انھیں حاضر کر دیا، تو آپ نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو، یا کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے بتایا کہ وہ ''طائف'' کے رہنے والے ہیں، تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر تم لوگ اس شہر (مدینہ منورہ) کے ہوتے تو تمھیں سزا دیتا (کہ یہاں کے لوگ مسجد نبوی کے آداب سے واقف ہیں) تم لوگ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔

مساجد کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف ہے: ''إِنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ'' اس لیے فقہاے کرام عامۂ مساجد کا یہ ادب بیان کرتے ہیں کہ ان میں آواز نہ بلند کی جائے اور ''مسجد نبوی شریف'' کو خاص رسول اللہ ﷺ سے بھی نسبت ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے اور قطعا وہاں آواز نہ بلند کی جائے، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں حضرات کی سرزنش کی جو وجہ بیان فرمائی اس کا تقاضا یہی ہے، انھوں نے '' تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ '' فرما کر یہ پیغام دیا ہے کہ یہاں آواز بلند کرنے پر سزا کی بات رسول گرامی وقار ﷺ سے نسبت کی وجہ سے ہے۔

تعظیم رسول کا چوتھا نمونہ:

(۱۳) عَنِ ابْنِ شِمَاسَةَ الْمَهْرِيِّ، قَالَ: حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ، وَهُوَ فِي سِيَاقَةِ الْمَوْتِ . . . فَقَالَ: وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا أَجَلَّ فِي عَيْنِي مِنْهُ، وَمَا كُنْتُ أُطِيقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ، وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ؛ لِأَنِّي لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنَيَّ مِنْهُ، وَلَوْ مُتُّ عَلَى تِلْكَ الحَالِ

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۶۷، كتاب الصلاة/ باب رفع الصوت في المسجد، مجلس البركات، مبارك فور.

لَرَجَوْتُ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ.[۱]

ترجمہ : حضرت ابن شماسہ مہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دنیا سے اپنے سفرِ آخرت کے وقت فرمایا کہ... میرے نزدیک اللہ کے رسول ﷺ سے زیادہ محبوب اور میری نگاہوں میں آپ سے زیادہ لائق تعظیم و تکریم کوئی نہ تھا، اور میں آپ کی عظمت و جلالت کی وجہ سے آنکھ بھر کر آپ کا دیدار نہیں کر سکتا تھا، اگر مجھ سے آپ کا حلیہ بیان کرنے کو کہا جائے تو میں نہیں بیان کر سکتا کیوں کہ میں نے حضور کو آنکھیں جما کر دیکھا ہی نہیں ہے، اگر میں اس حال میں فوت ہوتا تو مجھے امید تھی کہ میں اہل جنت سے ہوتا۔

تعظیم رسول کا پانچواں نمونہ:

(١٤) عَنْ أُسَامَةَ بْنَ شَرِيكٍ ، قَالَ : أَتَيْتُ النَّبِيَّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ تَعَالىٰ وَسَلَّمَ- وَأَصْحَابُهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُؤُوسِهِمُ الطَّيْرُ، فَسَلَّمْتُ، ثُمَّ قَعَدْتُ.

قال الحاكم: هذا حديث صحيح ولم يخرّجاه. وقال الذّهبي في التلخيص: صحيح.[۲]

ترجمہ : حضرت اسامہ بن شریک سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو صحابہ کرام آپ کی بارگاہ میں یوں موجود تھے جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ پھر میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔

امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی اور امام ذہبی نے بھی تلخیص میں اسے صحیح کہا۔

---

(١) الصحيح لمسلم، ج:١، ص:٧٦، كتاب الإيمان/ بابُ كونِ الإسلام يهدم ما قبله وكذا الهجرة والحجّ، مجلس البركات.

(٢) ● سنن أبي داوٗد، ص: ٤٢٤، كتاب الطب/ باب في الرّجل يتداوى، رقم الحديث: ٣٨٥٥.
● -و- مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص : ١٣٤٥، مسند الكوفيين / حديث أسامة بن شريك، رقم الحديث: ١٨٦٤٥.
● المستدرك على الصحيحين، ج:١، ص: ١٢١، كتاب العلم/ باب أن الله تعالى لم يضع داءا إلا وضع إلخ. مع التلخيص للإمام الذّهبي رحمه الله تعالى.

یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بارگاہ نبوت میں اس قدر سکون کے ساتھ ادب و تواضع کا پیکر بنے بیٹھے ہوتے تھے، جیسے ان کے سروں پر پرندے ہوں جو کچھ بھی حرکت محسوس کر کے اڑ جائیں۔ یہ ہے آیت کریمہ "لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" کی عملی تفسیر اور نبی کریم ﷺ کی بے مثال تعظیم و توقیر۔

تعظیم رسول کا چھٹا نمونہ:

(۱۵) عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- وَالْحَلَّاقُ يَحْلِقُهُ وَأَطَافَ بِهِ أَصْحَابُهُ فَمَا يُرِيدُونَ أَنْ تَقَعَ شَعْرَةٌ إِلاَّ فِي يَدِ رَجُلٍ.[۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حجام آپ کے بال مونڈ رہا ہے اور صحابہ کرام نے حضور کو گھیر رکھا ہے کہ کہیں کوئی موے مبارک زمین پر نہ گر جائے، ان کی خواہش بس یہ تھی کہ جو بھی موے مبارک گرے وہ کسی صحابی کے ہاتھ میں گرے۔

موے مبارک کا یہ ادب و اجلال بلاشبہہ تعظیم نبی کا بہترین نمونہ ہے۔

☆ سرکار ابد قرار ﷺ اپنے کسی کام کے لیے حکم فرمائیں تو صحابہ کرام کا اس کی بجاآوری کے لیے دوڑ پڑنا تاکہ یہ سعادت ان کے حصے میں آئے بلاشبہہ آپ سے بے پناہ محبت و تعظیم کی وجہ سے ہے۔

☆ اپنے محبوب و معظم کو محبت بھری نگاہ سے دیکھنا تعظیم ہے مگر اس سے بھی اعلیٰ تعظیم یہ ہے کہ محبوب کی بے پناہ عظمت کی وجہ سے اس کے روے زیبا پر نگاہیں نہ جم سکیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے صحابہ کرام کی اسی تعظیم کا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے اور صحابی رسول حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کامیاب زندگی — جو جنت کی راحتِ ابدی سے سرفرازی کا احساس دلائے — کے حالات میں اسی تعظیم کا ذکر کیا ہے۔

نصف النہار کے وقت جگمگا رہے سورج پر نگاہیں جم نہیں پاتیں، اس کا سبب اس کی بے پناہ چمک ہے اور رخ مصطفیٰ پر عاشقان مصطفیٰ کی نگاہیں نہیں جم سکیں اس کا سبب آپ کی بے پناہ عظمت ہے۔ صلى الله تعالى على خير خلقه محمّد وآله وصحبه وسلم.

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۲، ص:۲۵۶، كتاب الفضائل/ باب قربه -صلى الله تعالى عليه وسلم- من الناس وتبرّكهم به وتواضعه لهم.

☆ سرکار کائنات ﷺ سرانور کے بال ترشوار ہے ہیں اور صحابہ آپ کے گرد و پیش پروانہ وار اس لیے جمع ہیں کہ کوئی موے مبارک زمین پر نہ گر جائے، ان کی ہر ممکن کوشش یہی تھی کہ جو بھی موے مبارک سر سے جدا ہو وہ ان کے ہاتھوں کا تبرک بنے، یہ بلا شبہہ حضور سید عالم ﷺ سے ان کے گہرے لگاو اور حد درجہ تعظیم و محبت کی وجہ سے تھا وہ حضرات موے مبارک کی تعظیم کو بھی تعظیم نبی کا ایک حصہ مانتے تھے جس کا حکم قرآن مقدس نے دیا ہے "وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ"

☆ عام انسانوں کے وضو کا بچا ہوا پانی متبرک مانا جاتا ہے مگر اس کا غُسالہ (دھوون) متبرک نہیں سمجھا جاتا، بلکہ عموما اس سے سلیم طبائع کو گھن ہوتی ہے اس کے بر خلاف حضور سید کائنات ﷺ کے وضو کا غُسالہ نگاہِ عشق و عرفان میں اس قدر متبرک اور قابل تعظیم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کا زمین پر گرنا گوارا نہ تھا اور وہ اسے حاصل کرنے کے لیے ٹوٹے پڑتے تھے کہ کاش انھیں کچھ غُسالہ میسر ہو اور وہ اسے اپنی نیک بختی شمار کریں۔

غُسالہ کی یہ تعظیم بلا شبہہ سرکار علیہ التحیۃ والثنا کی نسبت کی وجہ سے ہے اور یہ یقینا بے مثال تعظیم ہے۔

اور ان سب سے بڑھ کر تعظیم کی اعلیٰ مثال سرکار ابد قرار ﷺ کے بلغم اور کھنکھار کی تعظیم ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یہ گوارا نہ تھا کہ آپ کا بلغم زمین پر گرے اس لیے وہ حضرات اسے اپنے ہاتھوں میں لے لیتے اور اس کی برکتوں سے اپنے کو مشرف کرنے کے لیے اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتے۔

کیا یہ شواہد اس بات کے لیے کافی نہیں ہیں کہ رسول اعظم ﷺ کی تعظیم صرف بڑے بھائی کی سی نہیں کرنی چاہیے بلکہ ایک امتی کو اپنے رسول کی جیسی تعظیم کا حکم دیا گیا ہے۔جس کے کچھ نمونے صحابہ کرام کی زندگی سے پیش کیے گئے۔۔ویسی تعظیم کرنی چاہیے۔

کتاب و سنت کے یہ نصوص علانیہ طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ حضور ﷺ کا مرتبہ اللہ کی بارگاہ میں صرف بڑے بھائی جیسا نہیں ہے بلکہ آپ کا رتبہ اللہ عزّوجلّ کے بعد سب سے اہم ہے یہی وجہ ہے کہ ایمان باللہ کے بعد آپ کی تعظیم و توقیر کا حکم دیا گیا اور یہی وجہ ہے کہ آپ کسی نمازی کو یاد فرمائیں تو اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ نماز چھوڑ کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے۔

ایک طرف کتاب و سنت کے یہ واضح ارشادات ہیں اور دوسری طرف اس کے مقابل شریعت

وہابیہ کا یہ عقیدہ ''صراط مستقیم'' میں ہے۔

''بہ مقتضاے ﴿ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ﴾ از وسوسۂ زنا خیالِ مجامعتِ زوجۂ خود بہتر است و صَرف ہمت بسوے شیخ و اَمثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاو و خر خود ست کہ خیال آں با تعظیم و اجلال بہ سویداے دل انساں می چسپد، بہ خلافِ خیال گاو و خر کہ نہ آں قدر چسپیدگی می بود، و نہ تعظیم بلکہ مُہان و محقر می بود، و ایں تعظیم و اجلالِ غیر کہ در نماز ملحوظ و مقصود می شود بہ شرک می کشد۔''(۱)

ترجمہ: ''تاریکیاں تہ بہ تہ ہیں'' کا تقاضا یہ ہے کہ زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی سے جماع کا خیال بہتر ہے۔ اور شیخ یا ان جیسے معظمین -اگر چہ وہ جناب رسالت مآب ہوں- کا تصور گاے اور گدھے کی شکل و صورت میں کھو جانے سے کئی درجے بدتر ہے کیوں کہ ان کا خیال تعظیم و اِجلال کے ساتھ انسان کے دل کی گہرائی میں چپک جاتا ہے، اس کے بر خلاف گاے اور گدھے کا خیال نہ تو اس قدر دل سے چپکتا ہے اور نہ ہی تعظیم کے ساتھ آتا ہے، بلکہ ان کا خیال ذلت و حقارت کے ساتھ آتا ہے۔ اور غیر اللہ کی یہ تعظیم نماز میں ملحوظ و مقصود ہو تو شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں گاے، اور گدھے کا خیال تعظیم کے ساتھ نہیں، بلکہ توہین کے ساتھ آئے گا اور رسول اللہ ﷺ اور دوسرے اصحاب عظمت کا خیال تعظیم و توقیر کے ساتھ آئے گا اس لیے یہ شرک کی طرف کھینچ لے جائے گا، لہٰذا گاے اور گدھے کا خیال لانا رسول اللہ ﷺ و دیگر اصحابِ عظمت کا خیال لانے سے کئی گنا زیادہ بُرا ہے۔

یہ وہ عقیدہ ہے جس کا ذکر نہ کتاب اللہ میں ہے، نہ سنت رسول اللہ میں، نہ اجماع میں، نہ ارشادات سلف و خلف میں، اگر کہیں اس کا ذکر ہے تو صرف وہابی فرقے کی کتاب ''صراط مستقیم'' میں، جو کھلے طور پر قرآن و سنت کے خلاف ہے، ہم نے کتب حدیث کے صفحات اور احادیث صحیحہ آپ کے سامنے رکھ دی ہیں، بغور مطالعہ فرمالیجیے، واضح ہو جائے گا کہ ''امام الوہابیہ'' کا یہ عقیدہ ''احادیثِ صحیحین'' سے کھلا انحراف ہے۔

---

(۱) صراط مستقیم، مرتّبہ مولوی اسماعیل دهلوی، ص: ۸۶.

پانچواں مسئلہ

بارگاہِ الٰہی میں رسول اللہ ﷺ اور مومنین کی عزّت

کتاب وسنت کی روشنی میں

تمام اہل ایمان کا عقیدہ ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں سب سے زیادہ عزّت وفضیلت حضور سیدُ الانبیاء، افضل المرسلین ﷺ کو حاصل ہے پھر مرسلین عظام اور انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو، پھر درجہ بدرجہ صحابہ، اولیا ومومنین کو عزت وکرامت حاصل ہے۔

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی　　سب سے بالا و والا ہمارا نبی
خلق سے اولیا، اولیا سے رُسُل　　اور رسولوں سے بالا ہمارا نبی

لیکن اس کے برخلاف فرقۂ وہابیہ کا عقیدہ ہے:

"ہر مخلوق بڑا ہو، یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔" (۱)

حالاں کہ کتاب وسنت کے نصوص اور سلف وخلف کی تصریحات اس کے خلاف ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

کتاب اللہ کی آیات سے ثبوت:

❶ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۠ (۲)

---

(۱) تقویۃ الإیمان ص: ۱۳، الفصل الأول في الاجتناب عن الشّرك، راشد کمپنی، دیو بند.
(۲) القرآن الحکیم، سورۃ المنافقون: ۶۳، الآیۃ: ۸.

ترجمہ: اور اللہ ہی کے لیے عزّت ہے اور اس کے رسول کے لیے عزّت ہے اور مومنین کے لیے عزّت ہے، لیکن منافق نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ عزّ و جل کی بارگاہ میں رسول اللہ کی بھی عزّت ہے اور مومنین کی بھی۔ البتہ یہ عزّت تقویٰ اور قربِ الٰہی کی بنیاد پر کم و بیش ہے۔

❷ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ [1]

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزّت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اور بلا شبہہ مومنین، اولیاء اللہ، صحابہ سبھی ایک سے زیادہ ایک پرہیزگار ہیں اور انبیا و مرسلین بہت زیادہ اور سید الانبیا سب سے زیادہ پرہیزگار ہیں تو اسی لحاظ سے بارگاہ الٰہی میں سب کی عزّت و کرامت ہے اور سب سے زیادہ عزّت و وجاہت والے ہمارے رسول ﷺ ہیں۔

❸ خدائے کریم ارشاد فرماتا ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ [2]

ترجمہ: یہ رسولوں کی جماعت، ہم نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی، ان میں سے بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو درجوں بلندیاں عطا فرمائیں۔

جس قدر بارگاہ الٰہی میں فضیلت زیادہ، اسی قدر عزّت زیادہ۔

❹ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا [3]

ترجمہ: اے محبوب! ہم دیکھ رہے ہیں تمھارا بار بار آسمان کی طرف منھ کرنا، تو ضرور ہم پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمھاری خوشی ہے۔

❺ وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ [4]

ترجمہ: قریب ہے تجھے تیرا رب اتنا دے گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الحجرات: ٤٩، الآية: ١٣.
(۲) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ٢، الآية: ٢٥٣.
(۳) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ٢، الآية: ١٤٤.
(٤) القرآن الحکیم، سورۃ الضحیٰ: ٩٣، الآية: ٥.

یہ ہے بارگاہِ الٰہی میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزّت و وجاہت کہ اللہ عزّ و جلّ آپ کے راضی اور خوش ہو جانے کی بشارت دے رہا ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　　خدا چاہتا ہے رضائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

❻ قرآن امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیۃ کی فضیلت کی شہادت یوں دیتا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ.[1]

ترجمہ: تم لوگ سب سے افضل امت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی۔

ظاہر ہے جو امت افضل زیادہ ہوگی اُس کی عزت بھی زیادہ ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات سے ثبوت:

① عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم ... قال: «اللَّهُمَّ أُمَّتِي أُمَّتِي». وَبَكَى... فَقَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ: يَا جِبْرِيلُ اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ، فَقُلْ إِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوءُكَ.[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم نے دعا کی: "اے اللہ میری امت کو بخش دے، اے اللہ میری امت کو بخش دے، اور حضور (یہ دعا کرتے ہوئے) رو پڑے۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر میرا یہ پیغام سناؤ کہ "ہم عنقریب آپ کی امت کے بارے میں آپ کو خوش کر دیں گے اور آپ کو غمگین نہیں کریں گے۔"

اس حدیث صحیح سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جلّ و علا اپنے محبوب کی رضا و خوشی چاہتا ہے۔

صاحب "التحریر" نے یہاں یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ امت کے کچھ افراد کو بخش کر راضی کیا جا سکتا ہے مگر کچھ افراد کے جہنم میں جانے سے غم تو ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ فرما کر کہ "لا نسوءك" [ہم تجھے غمگین نہیں کریں گے] یہ بشارت دی ہے کہ نُرضيك، و لا نُدخِلُ

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة آل عمران: ۳، الآية: ۱۱۰.

(۲) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۱۱۳، كتاب / باب دعاء النبي صلى الله عليه وسلم لأمّته و بكائه شفقة عليهم، مجلس البركات.

عليك حزنًا، بل نُنَجّي الجميعَ۔ ہم تجھے خوش کر دیں گے اور تجھ پر کوئی غم نہیں آنے دیں گے، بلکہ پوری امت کو بخش دیں گے۔[1]

④ عن أبي هريرة، قال: ... قال (رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم): أَنَا **سَيِّدُ النَّاسِ** يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهَلْ تَدْرُونَ مِمَّ ذَلِكَ، يَجْمَعُ اللهُ النَّاسَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ.[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: **میں قیامت کے دن سارے لوگوں کا سردار ہوں۔** تم جانتے ہو کہ یہ کس وجہ سے ہے؟ اللہ تعالیٰ سارے اگلوں اور پچھلوں کو ایک ہموار، کشادہ میدان میں جمع فرمائے گا۔

صحیح مسلم شریف میں اسی حدیث کی دوسری روایت اس طرح ہے:

وُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصْعَةٌ مِنْ ثَرِيدٍ وَلَحْمٍ، فَتَنَاوَلَ الذِّرَاعَ، وَكَانَتْ أَحَبَّ الشَّاةِ إِلَيْهِ، فَنَهَسَ نَهْسَةً، فَقَالَ: أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ نَهَسَ نَهسةً أُخْرَى و قَالَ: أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَلَمَّا رَأَى أَصْحَابُهُ لَا يَسْأَلُونَهُ، قَالَ: أَلَا تَقُولُونَ كَيْفَهْ؟ قَالُوا: كَيْفَهْ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ. إلخ.[3]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ثرید اور گوشت کا پیالہ پیش ہوا تو آپ نے بکرے کا دست -جو آپ کو پسند تھا- لے کر کچھ کھایا اور فرمایا: "میں قیامت کے دن تمام لوگوں کا سردار ہوں" پھر دوبارہ کچھ کھا کر فرمایا کہ "میں روزِ قیامت تمام لوگوں کا سردار ہوں۔"

جب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا کہ آپ کے اصحاب اس کی وجہ نہیں دریافت کرتے، تو فرمایا: تم

---

(۱) شرح صحيح مسلم للإمام النووي، ج: ۱، ص: ۱۱۴، الباب المذكور.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۲۸۴، كتابُ التفسير / بابُ قوله: ذرّيّة مَن حَمَلْنا مع نوحٍ، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۱۱۱، كتابُ الإيمان / باب إثبات الشّفاعة، مجلس البركات.

❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ۶۹۵/ مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ۹۶۲۱.

❀ جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۶۶، أبواب الزهد عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم/ باب ما جاء في الشّفاعة.

(۳) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۱۱۱، كتابُ الإيمان / باب إثبات الشّفاعة، مجلس البركات.

لوگ پوچھتے کیوں نہیں کہ یہ کس سبب سے ہے؟

تو صحابہ نے عرض کی: یارسولَ اللہ، اس کا سبب کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ لوگ ربُّ العٰلمین کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ (پھر آپ نے حدیث شفاعت ذکر کی)

③ حَدَّثَنِي أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَأَوَّلُ مَنْ يَنْشَقُّ عَنْهُ الْقَبْرُ وَأَوَّلُ شَافِعٍ وَأَوَّلُ مُشَفَّعٍ.[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

- میں روز قیامت تمام آدمیوں کا سردار ہوں،
- میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا،
- اور سب سے پہلے شفاعت کروں گا
- اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی۔

④ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلّى الله عليه وسلّم: «أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ فَخْرَ، وَبِيَدِي لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلاَ فَخْرَ، وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمُ فَمَنْ سِوَاهُ إِلاَّ تَحْتَ لِوَائِي وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الأَرْضُ وَلاَ فَخْرَ... وَ هٰذا حديث حسنٌ.[2]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۲٤٥، كتابُ الفضائل / باب تفضيل نبينا صلى الله تعالى عليه وسلّمَ على جميع الخلائق، مجلس البركات.

❀ سنن أبي داود ص: ٥١٠، كتاب السُّنّة/ باب في التخيير بين الأنبياء عليهم الصّلاة و السلام، بيت الأفكار الدولية، بيروت.

(۲) ● جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۲۰۱، ۲۰۲، أبوابُ المناقِب / باب ما جاء في فضل النَّبي صلى الله تعالى عليه وسلّمَ / مجلس البركات.

● و ج: ۲، ص: ۱٤۳، أبواب التفسير/ سورة بني إسرائيل، مجلس البركات.

● مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ۷۷٦، مسند أبي سعيد الخدري/ رقم الحديث: ۱۱۰۰۰.

● وص: ۸۸۰/ رقم الحديث: ۱۲٤۹٦، بيت الأفكار الدولية.

● سنن ابن ماجه ص: ٤٦٤، كتاب الزهد/ بابُ ذكر الشَّفاعة، رقم الحديث: ٤۳۰۸، بيت الأفكار الدولية.

● میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور یہ میں فخر سے نہیں کہتا،

● میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا اور یہ بھی میں کوئی فخر سے نہیں کہتا،

● اور اس روز سارے نبی۔ حضرت آدم اور ان کے سوا جتنے ہیں۔ سب میرے زیر لوا ہوں گے۔

● اور میں سب سے پہلے قبر سے باہر آؤں گا۔ یہ بھی کوئی فخر سے نہیں کہتا۔ یہ حدیث حسن ہے۔

⑤ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ :... **وَأَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ** وَلاَ فَخْرَ، وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلاَ فَخْرَ.[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتے سنا کہ: میں روز قیامت سارے لوگوں کا سردار ہوں، اور کچھ فخر نہیں اور میں سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گا، اور کوئی فخر نہیں۔

⑥ عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم :... أنا سيِّد وُلد آدم في الدنيا وفي الآخرة ولا فخر، وأنا أوّل مَن تنشق الأرض عني وعن أمتي ولا فخر، وبيدي لواءُ الحمد يوم القيامة ولا فخر، و آدم وجميع الأنبياء من وُلد آدم تحته، وإليَّ مفاتيح الجنة يوم القيامة ولا فخر، وبي تفتح الشفاعة يوم القيامة ولا فخر، وأنا سائق (وفي الخصائص الكبرى: سابقٌ-ن) الخلق إلى الجنة يوم القيامة ولا فخر، وأنا إمامهم، وأمتي بالأثر.[2]

---

(١) سنن الدارمي ج: ١، ص: ١٩٨، ١٩٩، باب ما أُعطي النَّبيُّ صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّم، من الفضل، رقم الحديث: ٥٣.

❀ و شُعَب الإيمان للبيهقي ج: ٢، ص: ١٨١، بابٌ في حبّ النبي صلى الله تعالى عليه وسلّمَ، فصل في براءته في النبوة، دار الكتب العلمية.

❀ و دلائل النبوة للبيهقي ج: ٥، ص: ٤٧٩، باب ما جاء في تحدّث رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بنعمة ربّه عزّ وجلّ، دار الكتب العلمية.

❀ و دلائل النبوة لأبي نُعيم ص: ٦٤، الفصل الرابع/ ذكر الفضيلة الرابعة بأقسام الله بحياته، دار النفائس.

(٢) دلائل النبوة لأبي نُعيم، ج: ١، ص: ٦٥، ٦٦، الفصل الرابع/ ذكر الفضيلة الرابعة باقسام الله بحياته، دار النفائس، بيروت

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

- میں دنیا و آخرت میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر نہیں۔
- اور سب سے پہلے میں اور میری امت قبروں سے نکلے گی اور کوئی فخر نہیں۔
- اور قیامت کے دن میرے ہی ہاتھ میں لواءُ الحمد ہوگا اور تمام انبیا اس کے نیچے ہوں گے یہ بھی میں کوئی فخر سے نہیں کہتا۔
- اور میرے ہی اختیار میں جنت کی کنجیاں ہوں گی اور کوئی فخر نہیں۔
- اور مجھی سے شفاعت کی ابتدا ہوگی اور کچھ فخر نہیں۔
- اور میں تمام مخلوق سے پہلے جنت میں تشریف لے جاؤں گا اور کچھ فخر نہیں۔
- اور میں ان سب کے آگے ہوں گا اور میری امت میرے پیچھے ہوگی۔

یہ احادیث شاہد ہیں کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ساری کائنات میں سب سے زیادہ عزّت اور وجاہت والے ہیں۔

آپ دنیا و آخرت میں ساری اولاد آدم کے سردار ہیں، ظاہر ہے کہ خدائے قدوس کی بارگاہ سے یہ سرداری اسی کو ملے گی جو اس کی بارگاہ میں سب سے زیادہ معزّز ہو۔

قیامت کے دن سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست اقدس میں ہی "لواءُ الحمد" ہوگا جس کے نیچے تمام انبیاے کرام ہوں گے، اس سے تمام انبیا پر آپ کا اعزاز ظاہر ہے اور اسی سے ساری مخلوق پر بھی آپ کا اعزاز عیاں ہو جاتا ہے۔

بقیہ خصائص و فضائل بھی اسی امر کی شہادت دیتے ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے، کیا اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت کا سردار بنائے گا جو معاذ اللہ اس کی بارگاہ میں چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہو؟

کیا اللہ تعالیٰ ایسے ہی کے ہاتھ میں "لواءُ الحمد" دے گا، کیا ایسے ہی کے ہاتھ میں جنت کی کنجیاں عطا فرمائے گا، کیا ایسے ہی کے ذریعہ شفاعت کی پہل کرے گا جو۔ اللہ کی پناہ۔ چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہو۔

کیا امام الوہابیہ اور ان کے ہم نواؤں کا یہ عقیدہ احادیث مبارکہ سے کھلا ہوا انحراف نہیں ہے۔

⑦ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: جَلَسَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صلَّى الله عليه وسلَّم يَنْتَظِرُونَهُ، قَالَ: فَخَرَجَ، حَتَّى إِذَا دَنَا مِنْهُمْ، سَمِعَهُمْ يَتَذَاكَرُونَ فَسَمِعَ حَدِيثَهُمْ ... وَ قَالَ:

قَدْ سَمِعْتُ كَلاَمَكُمْ وَعَجَبَكُمْ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلُ اللهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَمُوسَى نَجِيُّ اللهِ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَعِيسَى رُوحُه وَكَلِمَتُهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ، وَآدَمُ اصْطَفَاهُ اللهُ وَهُوَ كَذٰلِكَ،

أَلاَ وَأَنَا حَبِيبُ اللهِ وَلاَ فَخْرَ ... وَأَنَا أَكْرَمُ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ وَلاَ فَخْرَ».

هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ.[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کچھ صحابۂ کرام در اقدس پر بیٹھ کر آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضور باہر نکلے اور جب ان سے قریب ہوئے تو ان کا مذاکرہ سنا، اور فرمایا:

میں نے تمھاری بات سنی اور اس امر پر تمھارا تعجب کرنا بھی سنا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں اور واقعی وہ ایسے ہی ہیں، اور حضرت موسیٰ نجیُّ اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں اور حضرت عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃُ اللہ ہیں اور وہ ویسے ہی ہیں۔ اور آدم صفی اللہ ہیں اور واقعی وہ ایسے ہی ہیں۔

سُن لو، اور میں حبیبُ اللہ ہوں اور کچھ فخر نہیں اور میں سارے اگلوں اور پچھلوں میں سب سے زیادہ عزّت والا ہوں اور کوئی فخر نہیں۔ یہ حدیث غریب ہے۔

حبیبُ اللہ کا مقام خلیل و نجی، کلیم و صفی سب سے اونچا ہوتا ہے تو سب سے زیادہ عزّت والے حضور ہوئے اور آخری جملے میں تو اسی کا اعلان ہے۔

---

(۱) ● جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۲۰۲، بابٌ من أبواب المناقب، مجلس البركات.

● و سنن الدارمي ج: ۱، ص: ۱۹۵، باب ما أُعطي النَّبيُّ صلي الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ من الفضل، رقم الحديث: ٤٨.

علامہ سراج بلقینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث حَسَن ہے۔[۱] پھر اس کے مضامین احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور بہر حال امام الوہابیہ کے قول کی بہ نسبت ہمیں یہ حدیث عزیز ہے۔

⑧ عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: قال رسولُ الله صلّى الله عليه و سلّمَ: لما اقترف آدم الخطيئة قال: يا رب "أسألك بحق محمد لما غفرت لي".

قال: و كيف عرفت محمّدا؟ قال: لأنك لمّا خلقتني بيدك و نفختَ فيَّ من روحك رفعتُ رأسي فرأيتُ علىٰ قوائم العرش مكتوبا: "لآ إله إلا الله محمدٌ رَّسُول الله" فعلمتُ أنك لم تُضف إلى اسمك إلا أحبَّ الخلق إليك. قال: صدقتَ يا آدم، إنه لَأحب الخلق إليّ.

أمّا إذا سألتني بحقّهِ فقد غفرتُ لك ، ولولا محمد ما خلقتُك. قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد.[۲]

ترجمہ: حضرت عمر بن خطّاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لغزش ہوگئی تو انھوں نے دعا کی:

"اے پروردگار، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حق کے وسیلے سے میری مغفرت فرما۔"

اللہ تعالیٰ نے پوچھا، تم نے محمد -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کو کیسے پہچانا، تو انھوں نے عرض کی، جب تو نے مجھے اپنے دستِ قدرت سے بنایا، اور میرے جسم میں روح پھونکی اور میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پایوں پر "لآ الٰه إلّا الله محمّدٌ رّسول الله" لکھا دیکھا، اس سے میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کا نام ملایا ہے جو تجھے ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اور پیارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

---

(۱) قال الإمام أحمد رضا رضي الله تعالىٰ عنه: روى الحديث أبو نعيم عن عبد الله بن عباس بسندٍ حسن. و تحسينُه هو الّذي حَقّقه السّراج البلقيني في فتاواه كما أثر عنه (ابن حجر المكي) في "أفضل القرىٰ"، و إن خالف فيه أبو عيسىٰ رحمه الله تعالى. (تجلّي اليقين بأنّ نبينا سيّد المرسلين. ص: ۹۳، تابشِ دوم/ ارشاد نهم، رضوی دار الاشاعت ، براؤں شریف)

(۲) ● المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۶۵، كتاب التاريخ/ استغفار آدم عليه السلام بحقّ محمد صلى الله تعالى عليه وسلّمَ.

● و دلائل النبوة للبيهقي ج: ۵، ص: ۴۸۹، باب ما جاء في تحدّث رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلّمَ بنعمةِ ربّه عزّ و جلّ.

فرمایا: آدم تو نے سچ کہا۔ اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہیں کرتا۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث "صحیح الاسناد" ہے۔[1]

اور امام حاکم صاحب مستدرک کی ایک روایت میں ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم، تو نے سچ کہا، بے شک وہ ساری مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب اور پیارا ہے۔

اور جب کہ تو نے اُس کے حق کے وسیلے سے دعا کی ہے تو میں نے تجھے بخش دیا، اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا۔

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی کتاب مستطاب "تجلّی الیقین" میں کثرت سے اس مضمون کی آیات و احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سید عالم، تاج دار بنی آدم و آدم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ساری کائنات میں سب سے زیادہ خدائے عزیز کی بارگاہ میں عزّت و کرامت و وجاہت و مرتبہ والے ہیں تو وہ فرمانِ وہابیت ضرور ان آیات و احادیثِ کثیرہ کے خلاف ہے۔

---

(۱) قال المحدث الجليل، الإمام أحمد رضا في كتابه "تجلّي اليقين"، قال الحاكم: "صحيح الإسناد" و أقرّه عليه العلّامه ابن أمير الحاج في الحلية والسّبكي في "شفاء السقام". أقول: و الّذي تحرّر عندي أنه لا ينزل عن درجة الحَسَن، والله تعالىٰ أعلم. ١٢ منه (تجلّي اليقين، ص: ٦٨، تابش اول، وحی اوّل)

چھٹا مسئلہ

شفاعت

کتاب و سنت کی روشنی میں

شفاعت کا مفہوم: شَفاعت کے معنی ہیں سفارش، اور امت مسلمہ کی اصطلاح میں "شفاعت" کا مطلب ہے: اللہ تعالیٰ کے اذن سے سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس کی بارگاہ میں سفارش کرکے حساب وکتاب شروع کرانا، اور محبوبانِ خدا، بالخصوص سید الانبیا ﷺ کا بارگاہِ الٰہی میں سفارش کرکے گنہ گاروں کو بخشوانا، جہنم سے نجات دلاکر جنت کا حقدار بنانا، اور بہت سے اہل جنت کو ترقیِ درجات عطاکرنا اور بے شمار لوگوں کو بے حساب وکتاب جنت میں بھیجنا۔

یہ سارا کام اللہ تبارک و تعالیٰ کا ہے مگر وہ اپنے محبوب و مقرب بندوں کو سفارش کی اجازت دے گا اور پھر ان کی سفارش پر یہ انعامات عطا فرمائے گا۔

یہ عقیدہ اہل سنت و جماعت کا ہے، جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے ثابت ہے اور احادیث کریمہ توحد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ مگر وہابیہ کتاب و سنت کے خلاف عقیدۂ شفاعت کو شرک کہتے ہیں، چناں چہ تقویۃ الایمان میں ہے:

"پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کی برابر نہیں جانتے تھے، بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور **سفارشی** سمجھنا ان کا کفر و شرک تھا۔

سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گا گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابو جہل اور وہ

شرک میں برابر ہیں۔"[۱]

اس لیے ہم یہاں کتاب وسنت سے کچھ دلائل پیش کرتے ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

آیاتِ کریمہ سے ثبوت:

(۱) لَا یَمۡلِكُوۡنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا ﴿۸۷﴾[۲]

ترجمہ: لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنھوں نے رحمٰن کے پاس قرار کر رکھا ہے۔

"یعنی جنھیں شفاعت کا اذن مل چکا ہے وہی شفاعت کریں گے۔ یا یہ معنی ہیں کہ شفاعت صرف مومنین کی ہوگی اور وہی اس سے فائدہ اٹھائیں گے، حدیث شریف میں ہے "جو ایمان لایا، جس نے لا إله إلا الله کہا اس کے لیے اللہ کے نزدیک عہد (وقرار) ہے۔"[۳]

(۲) یَوۡمَئِذٍ لَّا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوۡلًا ﴿۱۰۹﴾[٤]

ترجمہ: اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمٰن نے (شفاعت کرنے کا) اذن دے دیا ہے اور اس کی بات پسند فرمائی۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن رحمٰن عزوجل اپنے پسندیدہ بندوں کو اذن شفاعت دے گا اور وہ شفاعت کریں گے۔

(۳) وَ لَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤی اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوا الۡحَقَّ ۚ وَ هُوَ الۡعَلِیُّ الۡكَبِیۡرُ ﴿۲۳﴾[٥]

ترجمہ: اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اذن فرمائے یہاں تک کہ جب اذن دے کر ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور فرمادی جاتی ہے ایک دوسرے سے (بطریق استبشار) کہتے ہیں، تمھارے رب نے کیا ہی بات فرمائی، وہ کہتے ہیں جو فرمایا، حق فرمایا (یعنی شفاعت کرنے والوں

---

(۱) تقوية الايمان، ص: ۷، ۸، پہلا باب توحید و شرک کے بیان میں۔ راشد کمپنی، دیوبند.

(۲) القرآن الحكيم، سورة مريم: ۱۹، الأية: ۸۷.

(۳) تفسیر خزائن العرفان حاشیه کنز الإيمان، سورة مريم: ۱۹، الأية: ۸۷.

(٤) القرآن الحكيم، سورة طٰه: ۲۰، الأية: ۱۰۹.

(٥) القرآن الحكيم، سورة سبا: ۳٤، الأية: ۲۳.

کو ایمان داروں کی شفاعت کا اذن دیا) اور وہی ہے بلند، بڑائی والا۔

(۴) وَ کَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِی السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْــٴًـا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَرْضٰى (۲۶) (۱)

ترجمہ: اور کتنے ہی فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ ان کی سفارش کچھ کام نہیں آتی مگر جب کہ اللہ اجازت دے دے جس کے لیے چاہے اور پسند فرمائے۔

جب فرشتے باوجودے کہ بارگاہ الٰہی میں قرب و منزلت رکھتے ہیں، پھر بھی صرف اس کے لیے شفاعت کریں گے جس کے لیے اللہ تعالی کی مرضی ہو یعنی مومنِ مُوحِّد کے لیے، تو جو اللہ سے دور اور اس کے منکر ہیں ان سے شفاعت کی امید رکھنا عبث ہے۔

یہ آیات قرآنیہ اس امر کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ شفاعت حق ہے، اللہ تعالی قیامت کے دن اپنے پسندیدہ بندوں -مومنوں- کی شفاعت کے لیے اذن دے گا، اور شفاعت جب اس کے اذن سے ہوگی تو قبول بھی فرمائے گا۔

(۵) وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا (۶۴) (۲)

ترجمہ: اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب اگر وہ تمھارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بارگاہ الٰہی میں رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ اور آپ کی شفاعت کار برآری کا ذریعہ ہے کہ دوسرے کے لیے استغفار در حقیقت شفاعت ہی ہے۔

(۶) وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (۴) وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (۵) (۳)

ترجمہ: اور بے شک پچھلی گھڑی تمھارے لیے پہلی گھڑی سے بہتر ہے۔ اور بے شک قریب ہے کہ تمھارا رب تمھیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

اس آیت کریمہ میں خدائے ذوالجلال نے اپنے پیارے رسول سیدنا احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفی ﷺ کو بشارت دی ہے کہ اے محبوب، آپ کے لیے آخرت دنیا سے بہتر ہے کیوں کہ آخرت میں اللہ تعالی

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النجم: ۵۳، الآیۃ: ۲۶.
(۲) القرآن الحکیم، سورۃ النساء: ۴، الآیۃ: ۶۴.
(۳) القرآن الحکیم، سورۃ الضحی: ۹۳، الآیۃ: ۴، ۵

آپ کو منصب شفاعت عطا فرمائے گا پھر آپ کی شفاعت کو قبول فرما کر آپ کو راضی فرما دے گا۔

حدیث نبوی سے آیتِ کریمہ کی تفسیر: چناں چہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لیے بلند کیے، اور عرض کی:

اللّٰھمّ أُمّتي، أُمّتي وَ بَکیٰ. فقال اللہ : یا جبریلُ، اِذھَبْ إلیٰ محمّدٍ، ـــ وَ ربُّك أعلمُ ـــ فاسْألَه: مَا یُبْکِیْكَ، فَأتاہُ جِبرِیلُ علیه السلامُ، فَسَألَه، فأَخْبَرَہٗ رسولُ اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیه وسلّمَ بِمَا قَالَ ـــ و ھو أعلمُ ـــ فقال اللہ تعالیٰ: یَا جِبْرِیْلُ: اِذْھَبْ إلی محمّد، فَقُلْ: اِنَّا سَنُرْضِیْكَ فِي أُمَّتِكَ وَ لَا نَسُوْءُكَ. [1]

ترجمہ: "اے اللہ میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے" اور رو پڑے، تو اللہ نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور عرض کرو کہ آپ کے رونے کا سبب کیا ہے؟ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا خوب علم ہے۔ تو حضرت جبریل نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر رونے کا سبب دریافت کیا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو کچھ بتایا اسے اللہ عزّ وجل کی بارگاہ میں پیش کر دیا حالاں کہ اسے اس کا خوب علم ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی خدمت میں جا کر میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ:

"اے محبوب، آپ کی امت کی بخشش کے بارے میں ہم عن قریب آپ کو راضی کر دیں گے، اور آپ کو رنجیدہ نہیں ہونے دیں گے۔"

⑦ عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾ [2]

ترجمہ: قریب ہے کہ تمھیں تمھارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمھاری حمد کریں۔

اس آیت کریمہ میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "مقام محمود" پر فائز کرنے کی بشارت دی گئی ہے۔ اور حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ مقام محمود سے مراد "منصبِ شفاعت" ہے، یہ حدیث آگے آ رہی ہے۔

احادیث طیبہ سے ثبوت:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور منصب شفاعت:

① عن أبي هريرة، رضي الله عنه، أنه قال: قلتُ: یا رسولَ اللہ، مَن أسعدُ

---

(١) الصحیح لمسلم، ج: ١، ص: ١١٣، کتاب الإیمان/ بابُ دعاء النّبي صلّی اللہ تعالی علیه وسلّم لأمّتهٖ و بکائه شفقةً علیهم، مجلس البرکات

(٢) القرآن الحکیم، سورۃ الإسراء: ١٧، الأیة: ٧٩

الناس بشَفاعتك يوم القيامة؟ فقال: لقد ظننتُ يا أبا هريرة، أن لا يسألني عن هذا الحديث أحدٌ أولَ منك، لما رأيت من حرصك على الحديث، "أسعدُ الناس بشفاعتي يوم القيامة مَن قال : لآ إله إلا الله، خالصاً من قِبل نفسه."(۱)

ترجمہ : حضرت ابوہُریرہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی، یارسول اللہ، قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ حقدار کون ہوگا؟

تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابوہریرہ مجھے یہ گمان تھا کہ اس حدیث کے بارے میں تم سے پہلے کوئی نہیں پوچھے گا کیوں کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم علم حدیث کے حریص ہو۔ "قیامت کے دن میری شفاعت کا سب سے زیادہ حق دار وہ ہوگا جس نے خلوص دل سے لآ إله إلّا الله محمدٌ رّسولُ الله پڑھا ہوگا"۔

مسند احمد بن حنبل میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب ان الفاظ میں ہے:

شَفَاعَتِي لِمَنْ يَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصًا يُصَدِّقُ قَلْبُه لِسَانَهُ، و لسانُه قلبَه.(۲)

ترجمہ میری شفاعت ہر کلمہ گو کے لیے ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے کہ زبان کی تصدیق دل کرتا ہو اور دل کی تصدیق زبان کرتی ہو۔

(۲) عن جابر بن عبد الله الأنصاري، قال: قال رسولُ الله صلّى الله تعالى عليه وسلّمَ: أعطيت خمسًا لم يُعْطَهنّ أحدٌ قبلي ... إلى قوله: و أعطيتُ الشَّفاعة.(۳)

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۹۷۲، كتاب الرقاق/ باب صفة الجنة والنار، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل ، مسند المكثر ين/ مسند أبي هر يرة، ص: ۷۵۸، رقم الحديث: ۱۰۷۲٤، وص: ۶۰۱، رقم الحديث: ۸۰۵۶، بيت الأفكار الدولية.

(۳) ● الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۹۹، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، مجلس البركات
● وصحيح البخاري، ج:۱، ص: ٤۸، كتاب التيمّم/ قُبَيل باب إذا لم يجد ماءً ولا تُراباً. مجلس البركات، مبارك فور.
● وصحيح البخاري، ج:۱، ص: ۶۲، كتاب الصلاة/ باب قولِ النبي ﷺ "جُعِلت لي الأرضُ مسجداً و طهوراً"، مجلس البركات.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مجھے پانچ خصائص ایسے عطا ہوئے کہ مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہ ہوئے... انہی میں ایک یہ ہے کہ **مجھے شفاعت کا منصب عطا کیا گیا۔**

③ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- «أَنَا أَوَّلُ النَّاسِ يَشْفَعُ فِي الْجَنَّةِ وَأَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا».[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کے بارے میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا میں ہوں، اور گروہ انبیا میں میرے پیروکار سب سے زیادہ ہیں۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی بارگاہ کا شفیع بنایا ہے۔

④ عَنْ عبدِ الله بن عَمرو بن العاص، أن النّبي -صلّى الله عليه وسلّم- ... رفع يدَيه وقال: «اللّٰهُمَّ أمَّتي أمَّتي». وبكىٰ. (إلى اٰخر الحديث)[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے یہ دعا فرمائی:

"اے اللہ! میری امت کو بخش دے، اے اللہ، میری امت کو بخش دے" اور رو پڑے۔

یہ حدیث چھٹی آیت کی تفسیر کے سلسلے میں گزر چکی ہے۔

⑤ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلّم- «لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي، شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَهِيَ نَائِلَةٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا.[3]

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۱۲، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشفاعة وإخراج الموحِّدين من النار، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۱۳، كتاب الإيمان/ باب دعاءِ النّبي ﷺ لأمته و بكائهٖ شفقة عليهم، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۱۳، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشّفاعة و إخراج الموحِّدين من النار، مجلس البركات.

● وصحيح البخاري، ج:۲، ص:۹۳۲، كتاب الدعوات/ باب لِكُلِّ نبي دعوة مستجابة، مجلس البركات، مبارك فور.

● وصحيح البخاري، ج:۲، ص:۱۱۱۲، كتاب التوحيد/ باب في المشيئة والإرادة، مجلس البركات.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر نبی کے لیے ایک مقبول دعا ہے، تو ہر نبی نے اپنی اس دعا میں جلدی کی اور میں نے اسے بچا رکھا، میری وہ دعا قیامت کے دن میری امت کے لیے میری شفاعت ہے، تو یہ شفاعت إنْ شاء الله میری امت کے ایسے تمام افراد کے لیے ہوگی جو اللہ کے ساتھ کچھ بھی شرک نہیں کرتے۔

اس حدیث میں إن شاء الله کا استعمال تبرک کے طور پر ہوا ہے، ساتھ ہی حکم الٰہی: "وَ لَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ "[1] [اور اے محبوب، ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ میں کل یہ کروں گا مگر "إن شاءَ الله" کے ساتھ] کی بجاآوری بھی مقصود ہے۔[2]

وفي حديث آخر: "أَن أَخْتَبِئَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ". فَقَالَ كَعْبٌ لأَبِي هُرَيْرَةَ: أَنْتَ سَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : نَعَمْ.[3]

ترجمہ: دوسری حدیث میں ہے: میں نے اپنی دعا روزِ قیامت اپنی امت کی شفاعت کے لیے رکھ چھوڑی ہے۔ حضرت کعب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: کیا آپ نے خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اسے سنا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں۔ (میں نے خود سنا ہے)

⑥ شفاعت کبریٰ کی حدیثِ جلیل:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ... قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلَّمَ: يَجْمَعُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَيُسْمِعُهُمُ الدَّاعِي وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ وَتَدْنُو الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لاَ يُطِيقُونَ وَمَا لاَ يَحْتَمِلُونَ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: أَلاَ تَرَوْنَ مَا أَنْتُمْ فِيهِ، أَلاَ تَرَوْنَ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ، أَلاَ تَنْظُرُونَ إِلى مَنْ يَشْفَعُ لَكُمْ يعني إِلَى رَبِّكُمْ، فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: ائْتُوا آدَمَ.

فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ: يَا آدَمُ أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ، خَلَقَكَ اللَّهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الكهف: ۱۸، الآية: ۲۳.
(۲) المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج للإمام النووي، ج: ۱، ص: ۱۱۳، مجلس البركات
(۳) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۱۳، كتاب الإيمان/ باب إثباتِ الشَّفاعة و إخراج الموحّدين من النار، مجلس البركات.

مِنْ رُوحِهِ وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلاَ تَرَى إِلَى مَا قَدْ بَلَغَنَا. فَيَقُولُ آدَمُ: إِنَّ رَبِّي غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ نَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ. نَفْسِي، نَفْسِي. اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى نُوحٍ.

فَيَأْتُونَ نُوحًا، فَيَقُولُونَ يَا نُوحُ! أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى الأَرْضِ وَسَمَّاكَ اللَّهُ عَبْدًا شَكُورًا، إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنَّهُ قَدْ كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ دَعَوْتُ بِهَا عَلَى قَوْمِي. نَفْسِي نَفْسِي. إِذْهَبُوا إِلَى إِبْرَاهِيمَ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-.

فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ فَيَقُولُونَ: أَنْتَ نَبِيُّ اللَّهِ وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الأَرْضِ، إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلَا تَرَى إِلَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ إِبْرَاهِيمُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلاَ يَغْضَبُ بَعْدَهُ مِثْلَهُ. وَذَكَرَ كَذِبَاتِهِ. نَفْسِي نَفْسِي. اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى مُوسَى.

فَيَأْتُونَ مُوسَى -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَيَقُولُونَ: يَا مُوسَى أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ فَضَّلَكَ اللَّهُ بِرِسَالاَتِهِ وَبِتَكْلِيمِهِ عَلَى النَّاسِ، اشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلاَ تَرَى إِلَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلاَ تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَيَقُولُ لَهُمْ مُوسَى -صلَى الله عليه وسلَّمَ- إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ وَإِنِّي قَتَلْتُ نَفْسًا لَمْ أُومَرْ بِقَتْلِهَا. نَفْسِي نَفْسِي. إِذْهَبُوا إِلَى عِيسَى -صلى الله عليه وسلم-.

فَيَأْتُونَ عِيسَى، فَيَقُولُونَ: يَا عِيسَى، أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَلِمَةٌ مِنْهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ فَاشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلاَ تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلاَ تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا. فَيَقُولُ لَهُمْ عِيسَى -صلّى الله عليه وسلَّمَ- إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ وَلَنْ يَغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ - وَلَمْ يَذْكُرْ لَهُ ذَنْبًا - نَفْسِي نَفْسِي. اذْهَبُوا إِلَى غَيْرِي، اذْهَبُوا إِلَى مُحَمَّدٍ -صلَى الله عليه وسلَّمَ-

فَيَأْتُونِّي ، فَيَقُولُونَ: يَا مُحَمَّدُ أَنْتَ رَسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ الأَنْبِيَاءِ وَغَفَرَ اللَّهُ

لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ إِشْفَعْ لَنَا إِلَى رَبِّكَ، أَلَا تَرَى مَا نَحْنُ فِيهِ، أَلَا تَرَى مَا قَدْ بَلَغَنَا فَأَنْطَلِقُ فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَأَقَعُ سَاجِدًا لِرَبِّي ثُمَّ يَفْتَحُ اللَّهُ عَلَيَّ وَيُلْهِمُنِي مِنْ مَحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئًا لَمْ يَفْتَحْهُ لِأَحَدٍ قَبْلِي. ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ إِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهْ إِشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ: يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي. فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَا حِسَابَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ».[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ... اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام اولین و آخرین کو ایک وسیع و ہموار میدان میں جمع فرمائے گا۔ سب پکارنے والے کی آواز سنیں گے اور سب ایک دوسرے کے پیش نظر ہوں گے، سورج (سروں کے) قریب آجائے گا اور لوگوں کی مصیبت و پریشانی طاقت سے باہر اور ناقابلِ برداشت حد تک پہنچ جائے گی۔

تب وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ تم دیکھتے نہیں کہ کیسی آفت و مصیبت میں ہو، اور کس حال کو پہنچے، تم ایسی معظم شخصیت کو کیوں نہیں دیکھتے جو رب کریم کی بارگاہ میں تمھاری شفاعت کرے، تب وہ آپس میں کہیں گے کہ

● حضرت آدم علیٰ نبیّنا و علیہ الصّلاۃ و السّلام کی بارگاہ میں چلو، تو وہ لوگ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ حضور! آپ ابو البشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا اور اپنی روح آپ کے جسم میں پھونکی۔ اور فرشتوں کو حکم دے کر آپ کے لیے سجدۂ تعظیمی کرایا، حضور! اپنے رب کی بارگاہ میں آپ ہمارے لیے شفاعت فرمایئے، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کیسی آفت میں ہیں اور ہمارا حال کتنا بُرا ہو چکا۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۱۱، کتاب الإیمان/ باب إثبات الشّفاعة و إخراج الموحِّدین من النار، مجلس البرکات، مبارك فور.

● و صحیح البخاري، ج:۱، ص: ۴۷۰، کتاب الأنبیا/ باب قول الله عزَّ وجلَّ: "ولقد أرسلنا نُوحا إلی قومه"، مجلس البرکات، مبارك فور.

● و صحیح البخاري، ج:۲، ص: ۶۸۴، کتاب التفسیر/ باب ذرّیة من حملنا مع نوح ... إلخ، مجلس البرکات، مبارك فور.

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمائیں گے کہ میرے رب نے آج اس قدر اظہارِ غضب کیا ہے کہ ایسا اظہارِ غضب نہ پہلے کبھی کیا، نہ بعد میں کبھی کرے، اس نے مجھے "شجرہ"[1] کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا مگر [بھول سے] اُس کے خلاف سرزد ہو گیا، آج مجھے اپنی جان کی فکر ہے اور اپنی جان کا خوف ہے، تم لوگ کسی اور کے پاس جاؤ، تم لوگ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس چلے جاؤ۔

● تو وہ لوگ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے، اے نوح آپ اہلِ زمین کی طرف سب سے پہلے رسول ہیں، اللہ نے آپ کا نام "عبدِ شکور" رکھا، آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمائیے، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کیسے غم و کرب میں ہیں، آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کیسے تباہ حال ہو چکے، تو حضرت نوح فرمائیں گے کہ آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا ہے کہ ایسا غضب نہ پہلے کبھی کیا، نہ بعد میں کبھی کرے، میں نے اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا کر دی تھی، مجھے اپنی جان کا غم ہے مجھے اپنی جان کی فکر ہے، تم لوگ حضرت ابراہیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔

● تب وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ اللہ کے نبی اور اہل زمین میں اس کے خلیل ہیں، آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمائیے، آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کیسی بلا میں گرفتار ہیں، آپ دیکھتے نہیں کہ ہمارا حال کتنا بدتر ہو چکا ہے۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے بے شک آج میرے رب نے وہ غضب فرمایا کہ ایسا غضب نہ پہلے کبھی کیا، نہ بعد میں کبھی کرے، وہ اپنی اُن تین باتوں کا حوالہ دے کر عذر کریں گے جو ان کی اپنی مراد کے لحاظ سے سچ مگر فہمِ مخاطب کے لحاظ سے خلاف واقع ہوں گی، وہ کہیں گے کہ آج مجھے اپنی فکر ہے، آج مجھے اپنا غم ہے، تم لوگ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ۔

● اب لوگ حضرت موسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ اے موسیٰ! آپ

---

(۱) یہ خدائے کریم کے اس فرمان کی طرف اشارہ ہے: "وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ" (القرآن الحکیم، سورة البقرة: ۲، الآیة: ۳۵.) "اس درخت کے قریب نہ جانا" مگر آپ بھول سے اس کے قریب چلے گئے جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں اس کی صراحت ہے: "وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾" (القرآن الحکیم، سورة طٰهٰ: ۲۰، الآیة: ۱۱۵).

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا، اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔ (کنزالایمان) ۱۲ منہ

اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے مشرف فرماکر لوگوں پر فضیلت بخشی، اپنے رب کی بارگاہ میں ہمارے لیے شفاعت فرمائیے، آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کیسے مبتلائے آفات اور حالِ بد کا شکار ہو چکے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے فرمائیں گے، بے شک آج میرے رب نے وہ اظہارِ غضب فرمایا ہے کہ ایسا اظہارِ غضب نہ اس سے پہلے کبھی فرمایا، نہ آیندہ کبھی فرمائے، میں نے تو ایک ایسے شخص کو (بلا قصد) قتل کر دیا تھا جس کا مجھے حکم نہ تھا، آج مجھے اپنی جان کی فکر ہے اور اپنی پرواہ۔ تم لوگ حضرت عیسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔

● وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے، اے عیسیٰ! آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ نے گہوارے میں لوگوں سے کلام کیا، آپ اللہ کا کلمہ ہیں جو اس نے حضرت مریم کو اِلقا کیا اور اس کی طرف کی روح ہیں تو آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرما دیجیے، آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں، آپ نہیں دیکھتے کہ ہم کس حال کو پہنچ چکے۔

تو حضرت عیسیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے فرمائیں گے کہ آج میرے رب نے جتنا شدید اظہارِ غضب فرمایا ہے ایسا نہ پہلے کبھی فرمایا، نہ بعد میں کبھی فرمائے — وہ اپنی کسی لغزش کا ذکر نہ کریں گے — مجھے اپنی جان کا خوف ہے، مجھے اپنی جان کا غم ہے، تم لوگ دوسرے کے پاس جاؤ، تم لوگ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ۔

● سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرماتے ہیں کہ اب یہ سب لوگ میرے حضور حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے: یا محمد! آپ اللہ کے رسول اور خاتمُ الانبیا ہیں اور اللہ تعالیٰ نے (از راہِ انعام) آپ کے اگلے، پچھلے ذنب بخش دیے، آپ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت فرمائیے، حضور دیکھیں تو کہ ہم کیسے مبتلائے آفات ہیں، اور ہمارا کیا حالِ زار ہے۔ تو اب میں عرشِ اعظم کی طرف چلوں گا اور وہاں پہنچ کر اپنے رب کے لیے سجدہ ریز ہو جاؤں گا، پھر اللہ تعالیٰ اپنی حمد و ثنا کے لیے میرے سینے کو ایسا کھول دے گا اور ایسے ایسے شاندار کلمات حمد و ثنا الہام فرمائے گا کہ مجھ سے پہلے کسی کا سینہ ایسے کلمات کے لیے نہ کھلا، نہ اس نے کسی کو اِلہام فرمایا۔

پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور شفاعت کیجیے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ تو میں اپنا سر اٹھا کر عرض کروں گا:

"اے میرے پروردگار، میری امت کو بخش دے، میری امت کو بخش دے"

تو حکم ہوگا کہ اے محمد! اپنی امت کے ان سب لوگوں کو۔ جن کا کوئی حساب نہیں ہوا۔ "باب اَیمن" [داہنے گیٹ] سے جنت میں داخل فرما دیجیے اور یہ لوگ جنت کے دوسرے دروازوں سے بھی داخل ہو سکتے ہیں۔

حدیثِ شفاعت روایت کرنے والے صحابۂ کرام:

شفاعت کی احادیث (۱) حضرت ابو ہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا (۲) حضرت انس (۳) حضرت ابوسعید خدری (۴) حضرت صدیق اکبر (۵) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے مرفوعًا (۶) اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفًا تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد، جامع ترمذی، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مُصنَّف ابن ابی شیبہ، وغیرہ میں منقول ہیں[1]:

ہم یہاں مزید وضاحت کے لیے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کے آخری کلمات نقل کرتے ہیں:

⑦ قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ-: «فَيَأْتُونِّي فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي، فَإِذَا أَنَا رَأَيْتُهُ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ، إِرْفَعْ رَأْسَكَ قُلْ تُسْمَعْ، سَلْ تُعْطَهْ، إِشْفَعْ تُشَفَّعْ.

فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ رَبِّي ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ.

ثُمَّ أَعُودُ فَأَقَعُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَدَعَنِي ثُمَّ يُقَالُ: ارْفَعْ رَأْسَكَ يَا مُحَمَّدُ، قُلْ تُسْمَعْ، سَلْ تُعْطَهْ، اشْفَعْ تُشَفَّعْ.

---

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے رسالہ مبارکہ "تجلّی الیقین" میں یہ افادہ فرماتے ہیں:
حدیث "موقف"، مفصّل، مطوّل ● احمد و بخاری و مسلم و ترمذی نے ابو ہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ● اور بخاری و مسلم و ابن ماجہ نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ● اور ترمذی و ابن خزیمہ نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ● اور احمد و بزار و ابن حبان و ابویعلی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ● اور احمد و ابویعلی نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مرفوعًا الیٰ سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ● اور عبد اللہ بن مبارک و ابن ابی شیبہ و ابن ابی عاصم و طبرانی نے بسند صحیح سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے موقوفًا روایت کی۔ (تجلّي اليقين بأنّ نبيّنا سيّدُ المرسلين، ص: ۱۱۳۰، ۱۱۴، ارشاد بست و ہفتم، تابش دوم، رضوی دار الاشاعت۔

فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَحْمَدُ رَبِّي بِتَحْمِيدٍ يُعَلِّمُنِيهِ ثُمَّ أَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِي حَدًّا فَأُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ - قَالَ: فَلاَ أَدْرِي فِي الثَّالِثَةِ أَوْ فِي الرَّابِعَةِ قَالَ - فَأَقُولُ: يَا رَبِّ مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلاَّ مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ، أَيْ: "وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ". - قَالَ ابْنُ عُبَيْدٍ فِي رِوَايَتِهِ: قَالَ قَتَادَةُ: أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ.[1]

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر لوگ میرے پاس آئیں گے تو میں اپنے رب عزّ و جل سے اِذنِ شفاعت چاہوں گا اور وہ مجھے اذنِ شفاعت عطا فرمادے گا، تو میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام واکرامِ خاص پر سجدے میں گر جاؤں گا اور وہ جب تک چاہے گا مجھے سجدے میں رہنے دے گا، پھر فرمایا جائے گا: اے محمد، اپنا سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، جو کچھ مانگنا ہو مانگ لیجیے سب عطا کر دیا جائے گا اور شفاعت کیجیے شفاعت قبول کی جائے گی۔

تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور رب عزّ و جل کی حمد و ثنا ان کلمات سے کروں گا جو مجھے میرا رب تعلیم فرمائے گا، پھر شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی تو میں اس حد میں آنے والے سارے لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دوں گا۔

پھر میں دوبارہ سجدہ ریز ہو جاؤں گا اور اللہ تعالیٰ جب تک چاہے گا مجھے سجدے میں رہنے دے گا، پھر ارشاد ہوگا، اے محمد، اپنا سر اٹھایئے، اور معروضہ پیش کیجیے، آپ کی بات سنی جائے گی، جو کچھ مانگنا ہو مانگ لیجیے سب عطا کر دیا جائے گا اور شفاعت کیجیے، شفاعت قبول کی جائے گی۔

اب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اپنے رب کی حمد اس طور پر کروں گا جو مجھے میرا رب تعلیم فرمائے گا، پھر شفاعت کروں گا تو میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی، پھر میں اس حد میں آنے والے سارے لوگوں کو جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کروں گا۔

راوی کو شک ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیسری، یا چوتھی بار فرمایا کہ میں عرض کروں گا، پروردگار! جہنم میں اب وہی لوگ رہ گئے ہیں جنھیں قرآن نے ہمیشہ کے لیے جہنمی قرار دے دیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں راویِ حدیث انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جزم کے ساتھ یوں بیان فرمایا ہے:

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۰۹، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشّفاعة وإخراج الموحّدين من النار، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۹۷۱، كتاب الرقاق/ باب صفة الجنّة والنّار، مجلس البركات.

وَذَكَرَ فِي الرَّابِعَةِ « فَأَقُولُ يَا رَبِّ مَا بَقِيَ فِي النَّارِ إِلاَّ مَنْ حَبَسَهُ الْقُرْآنُ أَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُودُ ».(۱)

ترجمہ: چوتھی بار حضور بارگاہِ الٰہی میں عرض کریں گے کہ پروردگار! اب جہنم میں صرف وہی لوگ رہ گئے ہیں جنھیں قرآن عظیم نے روک رکھا ہے یعنی ہمیشہ کے لیے ان کا جہنم میں رہنا لازم کر دیا ہے۔

فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: شَفَعَتِ الْمَلاَئِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّونَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُونَ وَلَمْ يَبْقَ إِلاَّ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوا حُمَمًا فَيُلْقِيهِمْ فِي نَهْرٍ فِي أَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهُ نَهْرُ الْحَيَاةِ.(۲)

ترجمہ: تو اللہ عزوجل فرمائے گا کہ فرشتے شفاعت کر چکے اور انبیا بھی شفاعت کر چکے، اور مومنین بھی شفاعت کر چکے اور اب سوائے أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ کے کوئی باقی نہ رہا۔

پھر وہ اُن تمام لوگوں کو جہنم سے نکال دے گا جنھوں نے کبھی کوئی کار خیر نہ کیا ہو گا اور وہ سب کے سب جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، پھر انھیں باب جنت پر واقع ایک دریا میں — جسے "دریاے حیات" کہا جاتا ہے — ڈال دے گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں حدیث شفاعت کے الفاظ اس طرح ہیں:

فَيُؤْتَى عِيسَى فَيَقُولُ: لَسْتُ لَهَا، وَلَكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ -صلّى الله عليه وسلم- فَأُوتَى، فَأَقُولُ: أَنَا لَهَا. فَأَنْطَلِقُ فَأَسْتَأْذِنُ عَلَى رَبِّي فَيُؤْذَنُ لِي، فَأَقُومُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَأَحْمَدُهُ بِمَحَامِدَ لاَ أَقْدِرُ عَلَيْهِ الآنَ، يُلْهِمُنِيهِ اللّٰهُ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِي: يَا مُحَمَّدُ إِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ: رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي.

فَيُقَالُ إِنْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ بُرَّةٍ أَوْ شَعِيرَةٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا. فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ. ثُمَّ أَرْجِعُ إِلَى رَبِّي فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِي: يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَقُولُ: أُمَّتِي أُمَّتِي.

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۰۹، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشفاعة و إخراج الموحّدين من النار، مجلس البركات، مبارك فور

❀ صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۱۰۱، كتاب التوحيد/ باب قول الله: "لما خلقت بيديّ".

(۲) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۰۳، كتاب الإيمان/ بابُ إثباتِ رؤيةِ المؤمنين في الآخرة ربَّهم سبحانهُ و تعالىٰ، مجلس البركات.

فَيُقَالُ لِي: إِنْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنْهَا. فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ. ثُمَّ أَعُودُ إِلَى رَبِّي فَأَحْمَدُهُ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهُ سَاجِدًا فَيُقَالُ لِي: يَا مُحَمَّدُ إِرْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ يُسْمَعْ لَكَ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ أُمَّتِي أُمَّتِي.

فَيُقَالُ لِي: إِنْطَلِقْ فَمَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ أَدْنَى أَدْنَى أَدْنَى مِنْ مِثْقَالِ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ فَأَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ.[1]

ترجمہ: پھر لوگ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوں گے تو وہ فرمائیں گے، میرا یہ منصب نہیں، لیکن تم لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤ۔

اب لوگ میرے پاس حاضر ہوں گے تو میں فرماؤں گا: "أنَا لَهَا" میں یہ شفاعت فرماؤں گا (یہ شفاعت میرا منصب ہے) میں سب کو ساتھ لے کر چلوں گا اور اپنے رب سے اذنِ شفاعت چاہوں گا تو مجھے اجازت عطا کی جائے گی، اب میں اللہ عزّوجلّ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی عظیم و جلیل تعریفات کروں گا جو اِس وقت میں نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ مجھے وہ کلماتِ تعریف الہام فرمائے گا، پھر میں اس کی بارگاہ میں سجدے میں گر پڑوں گا، تو مجھ سے کہا جائے گا، اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور اپنا مدعا پیش کیجیے سنا جائے گا، سوال کیجیے، عطا کیا جائے گا اور شفاعت فرمائیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی تو میں عرض کروں گا: اے پروردگار میری امت، میری امت (یعنی اسے بخش دے)

تو مجھے حکم ہو گا کہ اے محبوب! جائیے اور جس کے دل میں گیہوں یا جو کے دانے برابر بھی ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لیجیے، تو میں جا کر ایسے تمام لوگوں کو جہنم سے باہر کر دوں گا۔

پھر میں اپنے رب عزّوجلّ کی بارگاہ میں رجوع ہو کر اسی کے اِلہامی کلمات سے اس کی حمد و ثنا میں رطبُ اللسان ہو جاؤں گا، پھر سجدے میں گر پڑوں گا، تو مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد! اپنا سر اٹھائیے اور اپنی بات کہیے آپ کی بات مانی جائے گی، جو کچھ مانگنا ہو مانگ لیجیے عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجیے قبول کی جائے گی۔ تو میں عرض کروں گا کہ اے رب! میری امت کو بخش دے، اے رب! میری امت کو بخش دے۔

---

(١) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ١١٠، بابُ إثباتِ الشَّفاعة وإخراج الموحِّدين من النار، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ١١١٨، كتاب التوحيد/ باب كلام الربِّ عزّ و جلّ يوم القيامة، مجلس البركات.

تو مجھ سے فرمایا جائے گا کہ اے محبوب جائیے اور جس کے دل میں رائی کے دانے برابر بھی ایمان ہو اسے جہنم سے نکال دیجیے، تو میں جا کر ایسے تمام لوگوں کو جہنم سے باہر کر دوں گا۔

پھر میں اپنے رب کی بارگاہ میں جا کر اس کے اُنہی اِلہامی کلمات سے اس کی تعریف و توصیف کروں گا، پھر سجدے میں چلا جاؤں گا، تو فرمایا جائے گا کہ اے محمد! سر اٹھایئے اور کہیے آپ کی بات سنی جائے گی، مانگیے عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجیے آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی تو میں عرض کروں گا، اے رب! میری امت کو بخش دے، اے رب! میری امت کو بخش دے۔

تو فرمایا جائے گا، جایئے، اور جس کے دل میں رائی کے دانے سے کمتر سے کمتر بھی ایمان ہو اسے جہنم سے نکال لایئے تو میں جا کر ایسے تمام لوگوں کو جہنم سے باہر نکال لاؤں گا۔

ان احادیث سے بہت واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ قیامت کے دن بِاِذن اللہ شفاعت فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت قبول فرمائے گا، یہ شفاعت گنہ گارانِ امت کو جہنم سے نکالنے کے لیے بھی ہوگی اور جہنم میں جانے سے بچانے کے لیے بھی ہوگی اور حساب و کتاب شروع ہونے کے لیے بھی اور رفعِ درجات کے لیے بھی۔ ان تمام شفاعتوں کا ثبوت احادیث طیبہ میں موجود ہے۔

احادیثِ شفاعت متواتر ہیں، اور شفاعت کے ثبوت پر اہل سنت کا اجماع ہے:

امام قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وقد جاءتِ الآثارُ الّتي بلغت بمجموعها التّواترَ بصحّةِ الشَّفاعة في الآخِرة لمذنبي المؤمنين. وأجمع السَّلَفُ الصالح ومَن بعدَهم من أهل السُّنة عليها.[۱]

ترجمہ: آخرت میں گنہگارانِ امت کی شفاعت کے سلسلے میں آثار اس کثرت سے وارد ہیں کہ وہ مجموعی طور پر تواتر کی حد کو پہنچتے ہیں اور سلفِ صالحین اور بعد کے اہلِ سنت کا اس پر اجماع بھی ہے۔

شفاعت کے باب میں وہابیہ کا موقف اور دلیل:

لیکن ان احادیث اور اجماعِ سلف و خلف کے برعکس وہابیہ عقیدۂ شفاعت کو شرک اور یہ عقیدہ رکھنے والوں کو مشرک قرار دیتے ہیں اور اپنے طور پر شفاعت کے وہ معانی بیان کرتے ہیں جو

(۱) المنهاج شرح الصحيح لمسلم بن الحجاج، ج: ۱، ص: ۱۰۴، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشَّفاعة، مجلس البركات، مبارك فور.

امت کے عقیدے کے خلاف ہیں۔

امام الوہابیہ کے استدلال کی حقیقت:

چناں چہ تقویۃ الایمان میں امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں:

" پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کی برابر نہیں جانتے تھے، بلکہ اسی کا مخلوق اوراسی کا بندہ سمجھتے تھے اور ان کو اس کے مقابل کی طاقت ثابت نہیں کرتے تھے مگر یہی پکارنا اور منتیں ماننی اور نذر و نیاز کرنی اور ان کو اپنا وکیل اور **سفارشی** سمجھنا ان کا کفر و شرک تھا۔

سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گا گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہیں۔"(۱)

وہابیہ کا استدلال بیجا ہے:

لآ إِلٰہ إِلّا اللہ، کیسا بے جا استدلال ہے کہ

- "مشرکین" اپنے "بتوں" کو سفارشی سمجھتے تھے۔
- اور "مسلمان" اپنے "رسول" کو سفارشی سمجھتے ہیں۔

لہٰذا یہ دونوں کافر و مشرک ہوئے، بلکہ یہ مسلمان اور ابوجہل دونوں شرک میں برابر ہوئے۔

اس عبارت میں مسلمانوں کو "مشرکین" کے درجے میں رکھا گیا ہے اور رسول معظم ﷺ کو "بتوں" کے درجے میں۔

کیا یہی ہے اسلام اور یہی ہے توحید خالص؟

مسلمانوں کے لیے انبیاے کرام، بالخصوص سید الانبیا علیہم الصلاۃ والسلام کا شفیع وسفارشی ہونا کتاب اللہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات شاہد ہیں تو کیا مشرکین کے لیے بھی کسی کا شفیع وسفارشی ہونا ثابت ہے، ایسا ہرگز نہیں، چناں چہ قرآن حکیم میں ہے:

" إِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ ج"(۲)

ترجمہ: بے شک اللہ شرک کو نہیں بخشے گا اور اس کے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے بخش دے گا۔

---

(۱) تقویۃ الإیمان، ص: ۷، ۸، پہلا باب توحید و شرک کے بیان میں۔ راشد کمپنی، دیوبند۔

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ النّساء: ٤، الآیۃ: ٤٨.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝“[۱]

ترجمہ: اور نہ کافر کے لیے کوئی سفارش قبول کی جائے اور نہ کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے اور نہ ان کی مدد ہو۔

ارشاد ربانی ہے:

”وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝“[۲]

ترجمہ: اور جن کو یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں! شفاعت کا اختیار اُنہیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں۔

ان آیات کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ شرک اور مشرک کی بخشش کبھی نہ ہوگی لہذا ان کی بخشش کے لیے کوئی سفارش بھی مقبول نہ ہوگی اور یہ مشرکین جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہیں انھیں ان کی سفارش کا اختیار بھی نہ ہوگا۔

اس طرح قیامت کے دن مشرکین کا نہ کوئی مددگار ہوگا، نہ سفارشی۔

● مسلمانوں کا عقیدۂ شفاعت کتاب وسنت کے موافق ہے اور مشرکین کا عقیدۂ شفاعت کتاب وسنت کے خلاف۔

● مسلمانوں کے حق میں انبیا کا شفیع ہونا کتاب وسنت سے ثابت ہے اور مشرکین کے حق میں ان کے معبودوں کا شفیع ہونا باطل ومردود۔

پھر مسلمانوں کو مشرکین کے درجے میں اور انبیا کو مشرکین کے معبودانِ باطل کے درجے میں رکھنا کہاں کا انصاف ہے، کیا یہی ہے اسلام، اور یہی ہے عمل بالحدیث؟

الغرض مسلمانوں کے حق میں انبیاے کرام وسیّدُ الانبیا علیہم الصلاۃ والسلام کا شفاعت فرمانا کتاب وسنت سے ثابت ہے اس لیے مسلمانوں کا عقیدۂ شفاعت حق ہے اور اسے شرک قرار دینا کھلے طور پر کتاب وسنت سے انحراف ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرہ: ۲، الآیۃ: ۴۸.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ الزّخرف: ۴۳، الآیۃ: ۸۶.

تذییل

شفاعت کی تشریح واقسام

کتاب اللہ کی آیاتِ زاہرہ اور رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ متواترہ اور سلفِ صالحین کے اجماع سے یہ حقیقت الم نشرح ہو چکی ہے کہ قیامت کے دن حضرات اَنبیاے کرام، بالخصوص سیّد الانبیا ﷺ اللہ کی بارگاہ میں اس کے مومن بندوں کی شفاعت فرمائیں گے اور وہ شفاعت قبول بھی کی جائے گی اس لیے یہ ضروری ہے کہ شفاعت کی ایسی مناسب تشریح کی جائے جو کتاب وسنت اور اجماع کے موافق ہو، ایسی تشریح نہیں ہونی چاہیے کہ شفاعت کفروشرک ہو جائے اور کبھی واقع نہ ہو سکے کہ یہ تشریح نہیں، تحریف ہے اور فی الواقع یہ شفاعت کی تصدیق نہیں، انکار ہے جیسا کہ امام الطائفہ نے تقویۃ الایمان[1] میں اسی انداز کی تشریح کی ہے اسی لیے امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا قدّس سرُّہ نے اس کے تعلق سے اپنا یہ تاثر پیش کیا، فرماتے ہیں:

"پھر احادیثِ کثیرہ گواہ ہیں کہ اس کے گھڑے ہوئے معنی ہرگز واقع نہ ہوں گے، تو اس نے اس پردے میں اصل شفاعت سے انکار کیا کہ جو مانتا ہے وہ ہوگی نہیں، اور جو ہوگی اسے مانتا نہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ میں وجودِ انسان کا منکر نہیں، مگر لوگ جسے انسان کہتے ہیں وہ معدوم ہے۔ موجود یہ ہے کہ اس کے پانچ ہاتھ ہوں اور بائیس کان ہوں، اور ستائیس ناکیں، اور پینتالیس منہ، اور پہاڑ پر چڑھ کر، پیڑ پر بسیرا لیتا ہو۔ ہر عاقل جانے گا کہ یہ احمق سرے سے انسان ہی کا منکر ہے اگرچہ براہ عیاری لفظ انسان کا مُقِرّ ہے۔"[2]

یہی حال امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی کی شفاعت فہمی اور تشریح شفاعت کا ہے۔

---

(۱) تقویۃ الإیمان، ص: ۲۸، ۲۷، ۲۶، الفصل الثالث في ذکر ردّ الإشراك فی التصرف (تیسری فصل اِشراک فی التصرف کی برائی کے بیان میں)، راشد کمپنی، دیو بند

(۲) حاشیہ تجلّی الیقین، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، أحادیث الشفاعۃ/ ارشاد بست وهفتم، رضوی دار الإشاعۃ، براؤں شریف، بستی

شفاعت کی اقسام:

شفاعت کا باب اللہ عزوجلّ کی اجازت سے کھلے گا اور انبیا و فرشتے اور مومنین اللہ کے اذن سے ہی شفاعت کریں گے، بغیر اذن الٰہی کے نہ فتحِ بابِ شفاعت ہوگا اور نہ ہی کوئی کسی کی شفاعت کرے گا۔ قرآن حکیم میں متعدّد مقامات پر اس کا تذکرہ ہے[1] اس لیے یہ شفاعت، "شفاعت بِالِاذن" کہی جاتی ہے۔

اور اس شفاعت کا سبب بارگاہ الٰہی میں شفیع کی عزت ووجاہت ہے، یا شفیع کی محبوبیت۔ شفاعت کا سبب "وجاہت" ہو تو اسے شَفَاعَة بِالوَجَاهَة سے، اور محبوبیت ہو تو اسے شَفَاعَة بالمَحَبَّة سے موسوم کرتے ہیں، اس طرح شفاعت بالاذن کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہوئیں:

(۱) شفاعت بالوجاہت (۲) شفاعت بِالمحبت

پھر ان شفاعتوں کی کئی اقسام ہیں جو علماے امت نے اپنی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

(۱) شَفاعتِ کُبریٰ، حساب وکتاب کے لیے۔

---

(۱) مثلاً یہ آیات:

● "مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ" (البقرة: ۲، الآية: ۲۵۵) وہ کون ہے جو اس کی بارگاہ میں بغیر اس کے اذن کے شفاعت کرے۔

● "مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ" (یونس: ۱۰، الآية: ۳) کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد۔

● "یَوْمَىٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ" (طٰه: ۲۰، الآية: ۱۰۹) اس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر اس کی جسے رحمن نے (شفاعت کرنے کا) اذن دے دیا ہے۔

● "وَ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ" (سبا: ۳٤، الآية: ۲۳) اور اس کے پاس شفاعت کام نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اذن فرمائے۔

● "وَ لَا تُغْنِیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ یَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَّشَآءُ" (النجم: ۵۳، الآية: ۲۶) ان کی سفارش کچھ کام نہ آئے گی مگر جب کہ اللہ اجازت دے دے جس کے لیے چاہے۔

ان آیات سے بہت واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ بارگاہ الٰہی میں شفاعت اس کے اذن کے بعد ہی ہوگی اور وہ یہ اذنِ شفاعت صرف اپنے محبوبین ومقربین کو دے گا اور وہ بھی جن کے لیے وہ چاہے یعنی مومنین کے لیے۔ الغرض ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ شفاعت بغیر اذنِ الٰہی کے نہ ہوگی تو بنیادی شفاعت یہی شفاعة بالإذن ہے اور اس کا سبب بارگاہِ الٰہی میں شفیع کی وجاہت ومحبوبیت ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) شفاعتِ سُعدا، بلا حساب دخول جنت کے لیے۔

(۳) شفاعتِ عُصاۃ، جہنم سے حفاظت کے لیے۔

(۴) شفاعتِ اہلِ نار، جہنم سے نکالنے کے لیے۔

(۵) شفاعت برائے ترقیِ درجات، اونچے درجے کی جنت سے فائز المرام کرنے کے لیے۔[1]

"شفاعتِ کبری" کی یہ احادیث آپ کے پیش نظر ہیں کہ اہل محشر باری باری پانچ انبیاے کرام علیہم الصّلاۃ والسّلام کی بارگاہ میں حاضری دیں گے اور عرض کریں گے کہ بارگاہِ الٰہی میں آپ کو یہ عزت اور یہ مقام حاصل ہے آپ ہمارے لیے شفاعت فرمائیے مگر وہ حضرات اس کی ہمت نہ کریں گے اور آخر میں جب وہ سید المرسلین، خاتم النبیین ﷺ کی بارگاہ میں عرضِ حال کریں گے تو سرکار فرمائیں گے "أنا لها" یہ منصبِ شفاعت میرے لیے ہے۔

کہیں گے اور نبی إذْهَبُوْا إلىٰ غَيْرِیْ

مِرے حضور کے لب پر أنَا لَهَا ہوگا

---

(۱) منہاج شرح صحیح مسلم میں ہے:

الشَّفَاعَةُ خَمْسَةُ أَقْسَامٍ:

أَوَّلُهَا : مُخْتَصَّةٌ بِنَبِيِّنَا - صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَهِيَ الْإِرَاحَةُ مِنْ هَوْلِ الْمَوْقِفِ وَتَعْجِيلِ الْحِسَابِ.

الثَّانِيَةُ : فِي إِدْخَالِ قَوْمٍ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، وَهَذِهِ أَيْضًا وَرَدَتْ لِنَبِيِّنَا - صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَقَدْ ذَكَرَهَا مُسلم.

الثَّالِثَةُ: الشَّفَاعَةُ لِقَوْمٍ اسْتَوْجَبُوا النَّارَ، فَيَشْفَعُ فِيهِمْ نَبِيُّنَا -صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَمَنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى. وسنبينه على موضعها قريباً إن شاء الله تعالى.

الرَّابِعَةُ : فِيمَنْ دَخَلَ النَّارَ مِنَ الْمُذْنِبِينَ، فَقَدْ جَاءَتِ هٰذِهِ الْأَحَادِيثُ بِإِخْرَاجِهِمْ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ نَبِيِّنَا ﷺ وَالْمَلَائِكَةِ وَإِخْوَانِهِمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، ثُمَّ يُخْرِجُ اللّٰهُ تَعَالَى كُلَّ مَنْ قَالَ: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ." كما جاء في الحديث لا يبقى فيها إلا الكافرون.

الْخَامِسَةُ : الشَّفَاعَةُ فِي زِيَادَةِ الدَّرَجَاتِ فِي الْجَنَّةِ لِأَهْلِهَا،

وَهَذِهِ لَا نُنْكِرُهَا المعتزلة ولا ينكرون أيضاً شفاعةَ الحشر الأولى ، قال القاضي وقد عرف بالنقل المستفيض سوالَ السّلف الصالح رضي الله تعالى عنهم شفاعة نبينا - صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - ورغبتهم فيها. (الصحيح لمسلم، ج:۱،ص:۱۰٤، كتاب الإيمان/باب اثبات الشفاعة وإخراج الموحّدين من النارّ، مجلس البركات) ۱۲ منه

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ اذنِ شفاعت بارگاہ الٰہی میں آپ کی وجاہت اور محبوبیت کی وجہ سے ملے گا، پھر جب سرکار شفاعت فرمائیں گے تو آپ کی وجاہت اور محبوبیت کے اظہار کے لیے خدائے پاک محض ازراہِ کرم اسے قبول فرمائے گا۔(۱) اس طرح شفاعت کُبریٰ کی احادیث "شفاعت بالاِذن" کی بھی مثال ہیں اور "شفاعت بالوجاہت" و "شفاعت بالمحبت" کی بھی۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ دونوں "شفاعت بالاِذن" کی قسمیں ہیں۔

اقسامِ شفاعت کی تشریح دلائل کتاب وسنت کی روشنی میں:

"شفاعت بالاِذن" کی یہ تقسیم ذہن میں رکھ کر اب ہر ایک کی صحیح تشریح ملاحظہ کیجیے۔

محقق جلیل علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ایک شخص دوسرے کے سامنے کسی کی سفارش کرتا ہے تو وہ اس لیے مقبول و منظور ہوتی ہے کہ پہلے شخص کو دوسرے کے سامنے عزت و شرافت حاصل ہوتی ہے، عزت و شرافت کی چند وجہیں ہوتی ہیں:

وجاہت: جس کے پاس سفارش کی گئی ہے اس نے سفارش کرنے والے کو اپنی بارگاہ میں

---

(۱) اس کی نفیس وضاحت امام اہل سنت قدس سرہ نے ان الفاظ میں کی ہے:

مسلمان اسی قدر کو بہ نگاہِ ایمان دیکھے اور حق جلّ وعلا کی یہ حکمت جلیلہ خیال کرے کہ کیوں کر اہل محشر کے دلوں میں ترتیب وار انبیاے عظام علیہم الصلاۃ والسلام کی خدمت میں جانا الہام فرمائے گا اور دفعۃً بارگاہ اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر نہ لائے گا کہ حضور تو یقیناً شفیع مشفع ہیں۔ ابتداءً یہیں آتے تو شفاعت پاتے۔

- مگر اوّلین وآخرین، موافقین ومخالفین، خلق اللہ اجمعین پر کیوں کر کھلتا کہ یہ منصب اَفخم اسی سید اکرم، مولاے اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حصہ خاصہ ہے جس کا دامنِ رفیع، جلیل و منیع تمام انبیا و مرسلین کے دستِ ہمت سے بلند و بالا ہے۔
- پھر خیال کیجیے کہ دنیا میں لاکھوں، کروروں کان اس حدیث سے آشنا، اور بے شمار بندے اس حال کے شناسا، عرصاتِ محشر میں صحابہ و تابعین وائمہ محدثین واولیاے کاملین وعلماے عاملین سبھی موجود ہوں گے پھر کیوں کر یہ جانی پہچانی بات دلوں سے ایسی بھلادی جائے گی کہ اتنی کثیر جماعتوں میں ان طویل مدتوں تک کسی کو اصلا یاد نہ آئے گی۔
- پھر نوبت بہ نوبت حضرات انبیا سے جواب سنے جائیں گے جب بھی مطلق دھیان نہ آئے گا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو سچے مخبر نے پہلے ہی بتادیا ہے۔
- پھر حضرات انبیا علیہم الصلاۃ والثناء کو دیکھیے وہ بھی یکے بعد دیگرے انبیاے مابعد کے پاس بھیجتے جائیں گے، یہ کوئی نہ فرمائے گا کہ کیوں بے کار ہلاک ہوتے ہو، تمھارا مطلوب اس پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس ہے۔

یہ سارے سامان اسی محبوب باشوکت کے اظہار عظمت واشتہار وجاہت کی خاطر ہیں۔" (رسالہ: تجلی الیقین، ص: ۱۲۳-۱۲۵، احادیث الشفاعۃ، رضوی دار الاشاعت، براؤں شریف، بستی)

قرب عطا کیا ہے اور اپنے متعلقین میں اسے عزت و امتیاز بخشا ہے، ان عزتوں میں سے ایک یہ ہے کہ دیگر ماتحت افراد کے مراتب کی بلندی اور گناہ گاروں کی معافی کے لیے اسے بات کرنے کی اجازت ہے، اس کی عرض قبول کی جاتی ہے اور اس کی سفارش مانی جاتی ہے، اگر اس معزز شخصیت کی عرض اور سفارش کو نہ مانا جائے تو اس کے رنجیدہ ہونے سے اس شخص کو (جس کی بارگاہ میں سفارش کی گئی ہے) کوئی رنج یا نقصان نہیں پہنچے گا لیکن اس کی عرض کو نہ ماننا اور اس کی بات کو اہمیت نہ دینا اس عزت افزائی اور بندہ نوازی کے خلاف ہے جو اس شخص کو دی گئی ہے، یہ **شفاعتِ وجاہت** ہے۔

اس میں یہ شرط نہیں ہے کہ جس کے پاس سفارش کی گئی ہے، اسے شفاعت کرنے والے کی ناخوشی سے خطرہ ہو اور سفارش قبول نہ کرنے کی صورت میں نقصان کا خوف ہو کیوں کہ "**شفاعت**" کا معنی سفارش اور "وجاہت" کا معنی لحاظ اور عزت ہے، کسی لفظ سے ڈر اور فکر نہیں سمجھا جاتا۔

بایں ہمہ ہر شخص جانتا ہے کہ **شفاعت** اور **سینہ زوری** الگ الگ ہیں —— سفارش میں سینہ زوری نہیں ہوتی، اگر کوئی شخص کسی کی بات نقصان یا ضرر کے ڈر سے مانتا ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے سفارش مان لی، یہ سفارش کا ماننا نہیں بلکہ اپنے نقصان اور ضرر کو دور کرنا ہے، اسے **اطاعت** کہا جا سکتا ہے کیوں کہ نافرمانی کی صورت میں نقصان کا خوف ہوتا ہے۔

سفارش قبول کرنے میں کوئی خوف شامل نہیں ہوتا، مثلاً ایک صاحبِ اقتدار بادشاہ اپنے ہم نشینوں میں سے کسی کو اتنا مقام و مرتبہ عطا کرتا ہے کہ اسے حاجت مندوں کی حاجتیں پیش کرنے اور مجرموں کے لیے معافی چاہنے کی اجازت ہے، اسے دوسروں کی نسبت یہ خصوصیت حاصل ہے، وہ شخص بادشاہ سے کسی ایسے گناہ کے بخشنے کی درخواست کرتا ہے جسے بخش دینا بادشاہ سے بعید نہیں ہے، بادشاہ اس کے جاہ و منزلت کا لحاظ کرتے ہوئے وہ گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس مقرب کی سفارش قبول کر کے اس کی عزت افزائی کرتا ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ بادشاہ نے اپنے کارخانہ سلطنت میں خلل کے خوف سے سفارش قبول کی ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ بادشاہ نے اپنے مقرب ترین خادم کے مقام کی رعایت اور اس کی دلداری کے لیے اس کی سفارش قبول کی ہے اور مجرموں کے گناہ معاف کر دیے ہیں۔

ہاں! اگر کوئی شخص برائے نام بادشاہ ہو اور امورِ مملکت کے بست و کشاد اور قوانینِ سلطنت کے نفاذ کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، دوسرے لوگ حکومت کے تمام شعبوں پر مسلط ہوں، ملک کے بست و کشاد اور نظم

وضبط پر مکمل اختیار رکھتے ہوں، ان اربابِ اقتدار میں سے کوئی شخص برائے نام بادشاہ سے کسی مجرم کی معافی کا مطالبہ کرتا ہے اور بادشاہ اس خوف سے کہ اگر اس کے کہنے پر عمل نہ کیا تو اس سے ضرر پہنچے گا یعنی ظاہری حکومت بھی جاتی رہے گی، اس کے کہنے پر عمل کرتا ہے اور مجرم کا گناہ معاف کر دیتا ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ بادشاہ نے اس کی شفاعت قبول کرلی ہے، بلکہ بادشاہ فی الواقع ان لوگوں کا تابع اور پابند ہے اور ان کی بات ماننے پر مجبور ہے، اسے "فرماں برداری" اور "اطاعت" تو کہا جاسکتا ہے، قبولِ شفاعت نہیں کہا جاسکتا۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ **وجاہت وعزت**، خوف اور اندیشہ کے بغیر قبولِ شفاعت کا سبب بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلاۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے:

وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ (۱)

"دنیا اور آخرت میں وجاہت (عزت) والے اور مقربین میں سے ہیں۔"

مفسرین اخروی وجاہت کو شفاعت پر محمول فرماتے ہیں۔ علامہ بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"الْوَجَاهَةُ فِي الدُّنْيَا: النُّبُوَّةُ، وَفِي الْاٰخِرَةِ: الشَّفَاعَةُ."(۲)

"یعنی وجاہت دنیا میں نبوت ہے اور آخرت میں شفاعت۔"

(۲) محبت:

جس کے پاس سفارش کی گئی ہے اسے سفارشی سے محبت ہو، محبت کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب کی رضا جوئی اور ہر طرح اس کے دل کو خوش کرنا منظور ہوتا ہے، دل شکنی اور رنج کے اسباب اس سے دور رکھے جاتے ہیں کیوں کہ محب، محبوب کی دل شکنی کے، بلکہ دوست دوستوں کا دل دکھانے کے روادار نہیں ہوتے، اہل محبت محبوبوں کی دل آزاری گوارا نہیں کرتے، ان کی فرمائش قبول کرتے ہیں اور ان کی سفارش قبول کرتے ہیں اور اکثر ان کی سفارش قبول کرنے میں یہ امر ملحوظ نہیں ہوتا کہ اگر ان کی سفارش قبول نہ کی گئی تو وہ غیظ وغضب میں آکر ان کو رنجیدہ کر سکتے ہیں یا غصہ میں آکر ان کے دلوں کو صدمہ پہنچا

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة آل عمران: ۳، الآية: ۴۵.

(۲) أنوار التنزيل وأسرار التاويل المعروف بتفسير البيضاوي، ج:۲، ص:۱۷، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

سکتے ہیں کیوں کہ دلداری، محبت کا تقاضا ہے اور محبوب کی بات مان لینا اس صفت کو لازم ہے، یہ حال اس شخص سے پوچھا جا سکتا ہے جو محبت رکھتا ہو، یہ حقیقت عقلاً اور نقلاً ثابت ہے۔

عقلی ثبوت تو بیان ہو چکا، **نقلی ثبوت** ملاحظہ ہو:

حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

كَمْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِي طِمْرَيْنِ لاَ يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لأَبَرَّهُ.(۱)

"بہت سے گرد آلود بالوں والے خاکسار۔ جن کے پاس دو پرانی چادروں کے علاوہ کچھ نہ ہو اور جنھیں کوئی اہمیت نہ دی جاتی ہو۔۔ ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالی کے حق میں قسم کھائیں تو اللہ تعالی ان کی قسم پوری کر دے گا۔"

یعنی اللہ تعالی ان کی دلداری کرے گا اور جس بات کی انھوں نے قسم کھائی ہے اسے پوری کر دے گا اور ان کی خواہش رد نہیں فرمائے گا۔

غور کیجیے! یہ "دِلداری" تقاضاے محبت ہے، ورنہ یہ خاکسار اللہ تعالی کو کون سا رنج یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟

ہاں! بارگاہ ایزدی کے محبوبوں کی شان وہ ہے جو حدیث قدسی میں وارد ہوئی ہے:

فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ ، فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِه، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا ، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا.(۲) (وفي روايةٍ) وَلِسَانَهُ الَّذِي يَنْطِقُ بِهِ.(۳)

---

(۱) • جامع الترمذي، ج:۲،ص:۲۲٦، أبواب المناقب/ مناقب البراء بن مالك، رواه الترمذي عن أنس بن مالك وقال: هذا حديث حسن غريب.

• وقد أخرج هذا الحديث الحاكم في المستدرك وقال: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرّجاه، وقال الإمام الذهبي: صحيح. (المستدرك، ج: ۳،ص: ۲۹۲، كتاب معرفة الصحابة/ ذكر البراء بن مالك، دار المعرفة.)

• وروى البخاريّ: عن أنسٍ (بن النّضر) . . . قالَ رسولُ الله صلى الله تعالى عليه وسلَّم: إنَّ مِن عِبادِ الله مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لأَبَرَّه" صحيح البخاري، ج:۲،ص: ٦٤٦، بابٌ: "يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ"/كتابُ التفسير، مجلس البركات .

(۲) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۹٦۳، كتاب الرقاق/ باب التواضع، مجلس البركات.

(۳) المعجم الكبير للطبراني، ج:۸، ص:۲٤٤، رقم الحديث: ۷۸۳۳، رواه قاسم عن أبي أُمامة.

ترجمہ: جب میں اس بندے کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کے پاوں ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ (اور ایک روایت میں ہے) اس کی زبان ہوتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے (یعنی اس کے اعضا میری قدرت کے مظہر اور میری رضا کے پابند ہوتے ہیں۔)

اس حدیث قدسی کی بنا پر محبوبانِ الٰہی کے قرب، عزت اور ان کی محبوبیت کے آثار پر ایمان لانا چاہیے۔

اس تمہید کے بعد سنیے!

اللہ تعالی کی بارگاہ میں تمام مخلوق ــ انسان ہوں یا فرشتے، نبی ہوں یا امتی، بادشاہ ہوں یا خُدّام، جہاں تک بندگی کا تعلق ہے ــ یکساں نسبت رکھتی ہے کسی کو کسی لحاظ سے اس کی مِلک واقتدار میں شرکت یا اس کے ارادہ واختیار میں مُزاحمت یا اس کے حکم اور فعل میں تابِ مقابلہ نہیں ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، جس طرح چاہتا ہے اس کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے اور جس طرح اس کا ارادہ ہوتا ہے، کائنات میں تصرف فرماتا ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے نہ ہمسر، نہ مددگار ہے نہ کارساز، اسے کسی وزیر کی امداد کسی مددگار کے تعاون کی حاجت نہیں ہے، کسی کی رضا اور خوش نودی سے اس کی مملکت میں رونق کا اضافہ نہیں ہوتا، نہ ہی کسی کی ناراضگی سے اس کے کارخانۂ حکمت میں خلل پیدا ہوتا ہے۔

ہاں! اس نے اپنی مخلوق کو مختلف مراتب اور مقامات دے کر پیدا کیا ہے، ان کے مراتب ودرجات میں بہت فرق رکھا ہے، بعض کو برگزیدہ اور بارگاہ قدس کا مقرب بنایا اور بعض کو مردود، ذلیل اور گمراہ کیا۔ دونوں قسموں میں مختلف مراتب اور متفرق درجات رکھے اور اپنی بارگاہ کے مقربین کو ان کے درجات کے مطابق مقام ومرتبہ عطا فرمایا ان میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ کے مطابق عزت وکرامت عطا فرمائی، ان میں سے ہر ایک کو بارگاہِ الٰہی میں جتنی عزت اور قرب ومحبت حاصل ہے، اس کے مطابق ان کے وابستگان اور متوسلین کی دینی اور دُنیوی حاجتوں کے بارے میں ان کی سفارش قبول فرماتا ہے اور اپنی بارگاہ کے مقربین کو ان کے مراتب کے مطابق اجازت عطا فرماتا ہے کہ اپنے متعلقین اور متوسلین کے لیے دنیا وآخرت میں مصیبت اور عذاب کے دفع کرنے اور منافع کے حصول کے لیے سفارش کریں، اس عزت افزائی کے ذریعے انھیں مخلوق میں ممتاز فرماتا ہے۔

اسی لیے اکثر لوگ ہر دو جہاں کی حاجتوں میں ان سے شفاعت اور سفارش کے طلب گار ہوتے ہیں اور ان مقرَّبین کی شفاعت کے فیض سے اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے اور ہوتے ہیں اور ہوں گے۔ان کی شفاعت اکثر مقبول ہوتی ہے اور قول وفعل سے ان کی ایذا رسانی اور بے ادبی کے درپے ہونے والے اکثر لوگ اللہ تعالی کے غضب میں گرفتار ہو کر دین و دنیا کو برباد کر چکے اور کرتے ہیں اور کریں گے۔

چوں کہ بارگاہ الہی میں مقرَّبین کی عزت ووجاہت، ان کی شفاعت اور ان کے سوال کی مقبولیت کا سبب ہے اسی لیے دوسروں کی نسبت صالحین کی دعائیں زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔اگر کوئی شخص از راہِ عناد یہ بات نہ مانے، یا بدعقیدگی کی بنا پر اسے شک لاحق ہو تو اسے کتبِ صحاح میں حضور سید عالم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنا چاہیے، کہ اسے معلوم ہو کہ جن حضرات نے حضور ﷺ سے دعا کی گزارش کی، یا شفاعت کی درخواست کی وہ دنیا وآخرت میں خیرات وبرکات سے مالامال ہوئے اور جو لوگ درپے ایذا وبے ادبی ہوئے وہ ہلاکتوں میں گرفتار ہوئے اور جہنم کے نچلے طبقوں میں داخل ہوئے۔

جب شفاعت کا معنی سفارش ہے اور بارگاہ الہی میں شفاعت کے منظور ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی کو اس کے کارخانۂ تقدیر پر تسلط حاصل ہو، یا سفارش کرنے والے کی دل شکنی کے سبب اس کی مملکت میں خلل کا احتمال ہو، یا اسے ضرر کے لاحق ہونے، منافع کے فوت ہونے یا رنج وملال عارض ہونے کا اندیشہ ہو (حاشا وکلّا یہ کسی کا عقیدہ نہیں ہے) بلکہ شفاعت کے مقبول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اہل محبت واطاعت کو بیش از بیش انعام واکرام سے نوازا ہے اور ان کے درجات دوسری مخلوق سے بلند فرما کر انھیں اپنی بارگاہ کا مقرَّب بنایا ہے۔

ہم اہل حق -اہل سنت وجماعت- اسی تشریح کے مطابق

- شفاعت بالاذن اور
- شفاعت بالوجاہت اور
- شفاعت بالمحبت

کے قائل ہیں اور کتاب وسنت کے نصوص سے اسی کو ثابت کرتے ہیں اور اجماعِ سلف وخلف بھی اسی پر ہے۔

ساتواں مسئلہ

علمِ غیبِ رسول

کتاب وسنت کی روشنی میں

خدائے علّامُ الغیوب نے اَنبیائے کرام، بالخصوص سیّد الانبیا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ و علیہم الصّلاۃ و السّلام کو بے شمار غیبی علوم عطا فرمائے اور یہ سلسلہ نزول قرآن کی تکمیل تک جاری رہا۔

اہل سنت کا عقیدہ

خالص الاعتقاد میں امام اہل سنت نے اہل سنت کا عقیدہ اس طرح بیان کیا ہے:

- ’’ اس پر اجماع ہے کہ اللہ عزّ وجلّ کے دیے سے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسّلام کو کثیر و وافر غیبوں کا علم ہے، یہ بھی ضروریاتِ دین سے ہے، جو اس کا منکر ہو کافر ہے کہ سرے سے نبوت کا ہی منکر ہے۔
- اس پر بھی اجماع ہے کہ اس فضلِ جلیل میں محمد رّسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا حصہ تمام انبیا، (اور) تمام جہاں سے اَتمّ و اَعظم ہے، اللہ عزّ وجلّ کی عطا سے حبیب اکرم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو اتنے غیبوں کا علم ہے جن کا شمار اللہ عزّ وجلّ ہی جانتا ہے۔ مسلمانوں کا یہاں تک اجماع تھا‘‘۔[1]

---

(۱) • خالصُ الاعتقاد، لإمامِ أهل السنة، مجدّد الإسلام، مولانا أحمد رضا عليه الرحمة، ص: ۲۳، ۲٤، رضا اكاديمى، مومبائي.
• الفتاوى الرضوية، ج:۱۸، ص:۵۸۲، كتاب العقائد والكلام/ رساله: خالص الاعتقاد، إمام أحمد رضا اكاديمي، بريلي.

نیز اسی میں ہے:

● ”ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علما میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علومِ غیب جو مولیٰ عزّ وجلّ نے اپنے محبوبِ اعظم ﷺ کو عطا فرمائے۔ آیا: وہ روزِ اول سے روزِ آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیساکہ عمومِ آیات واحادیث کا مفاد ہے، یاان میں تخصیص ہے۔

بہت اہل ظاہر جانب خصوص گئے ... اور عام علمائے باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علمائے ظاہر نے آیات واحادیث کو ان کے عموم پر رکھا... ہمارا مختار، قولِ اخیر ہے جو عام عُرفائے کرام و بکثرت اَعلام کا مسلک ہے۔“(۱)

فرقۂ وہابیہ کا عقیدہ:

اس کے برخلاف فرقۂ وہابیہ کے امام مولوی اسماعیل دہلوی اپنے گروہ کا مذہب یہ بیان کرتے ہیں:

”اللہ کا سا علم کسی اور کو ثابت کرنا“ سو اس عقیدے سے آدمی البتہ مشرک ہو جاتا ہے۔ خواہ یہ عقیدہ انبیا و اولیا سے رکھے، خواہ پیر و شہید سے، خواہ امام و امام زادہ سے، خواہ بھوت و پری سے۔ **پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ بات ان کو اپنی ذات سے ہے، خواہ اللہ کے دینے سے، غرض اس عقیدے سے ہر طرح شرک ثابت ہو جاتا ہے۔**“(۲)

اگر کوئی مَعاذ اللہ کسی بندے کے لیے یہ مانے کہ اسے ”غیب کا علمِ ذاتی“ ہے یعنی اسے بغیر اللہ کے دیے خود اپنی ذات سے علم غیب حاصل ہے تو یہ ضرور شرک اور ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک ہے کہ بغیر کسی کی عطا کے اپنی ذات سے غیب کا عالم ہونا عالمُ الغیب والشہادہ کے ساتھ خاص ہے۔

مگر یہ عقیدہ کہ اللہ کے مطلع فرمانے سے، اللہ کی عطا سے نبی کو علم غیب حاصل ہے، ہرگز شرک نہیں، بلکہ اس میں شرک کا کوئی ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں کہ یہ علم نبی کے لیے کتابُ اللہ و سنتِ رسول اللہ سے ثابت ہے اگر ”علم عطائی و اطلاعی“ شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی اپنے کسی رسولِ مُرتضیٰ کو غیب پر اطلاع نہ دیتا کہ غیب پر اطلاع دینا فی الواقع غیر اللہ کو اپنا شریک بنانا ہے۔ حق یہ ہے کہ علم عطائی و اطلاعی

---

(۱) ● خالص الاعتقاد، ملتقطا ص: ۲۶، ۲۷، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

● رسالۃٌ مِن الفتاوی الرضویۃ، ج:۱۸، ص:۵۸٤/ كتاب العقائد والكلام، الإمام أحمد رضا اكاديمي، بريلي.

(۲) تقویۃ الایمان ص:۹، پہلا باب: شرک و توحید کے بیان میں، راشد کمپنی، دیوبند۔

بندے کے ساتھ خاص ہے، خدائے علیم و خبیر کا علم کبھی عطائی و اطلاعی ہو ہی نہیں سکتا۔

عطا اسے کیا جاتا ہے جس کے پاس نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے پاس تو سب کچھ ہے سارے علوم غیبیہ -جن کی کوئی حد و انتہا نہیں - اسے ہمیشہ سے حاصل ہیں اور ہمیشہ حاصل رہیں گے، اس کے خزائنِ علم میں کیا کمی ہے کہ کوئی اسے دے گا، وہ بھی غیر اللہ، جو خود ہی محتاج اور حادث و فانی ہے، کون ہے جو اسے کسی غیب پر مطلع کرے گا، اور کون سا غیب ہے جس پر وہ ازل سے ابد تک آگاہ نہیں، تو پھر کس غیب پر کوئی بندہ اسے اطلاع دے گا؟

الغرض جب اُس علّام الغیوب کا علم عطائی، ہو ہی نہیں سکتا تو اس کی عطا و اطلاع سے انبیا کے لیے علم غیب ماننا شرک نہیں ہوگا۔ " اللہ کا سا علم" کسی اور کو ثابت کرنا شرک ہے تو کیا "اطلاعی و عطائی علم" نبی کے لیے ماننا" اللہ کا سا علم" ہے، جب اس کا علم عطائی ہو ہی نہیں سکتا تو بندے کے لیے یہ علم ماننا ہرگز ہرگز "اللہ کا سا علم" ماننا نہیں ہے، پھر شرک کہاں سے در آیا۔ یہ امر اتنا واضح و روشن ہے کہ اس میں کسی صاحبِ عقل و دانش کو کوئی تامل نہیں ہوں سکتا۔

ہاں اگر فرقۂ وہابیہ کے امام اللہ تعالیٰ کا علم کسی کی اطلاع و عطا سے مانتے ہیں اس لیے انبیاے کرام کے لیے یہ علم ثابت کرنا شرک کہتے ہیں تو بتایا جائے کہ:

- کتاب اللہ سے اس پر کیا ثبوت ہے؟
- احادیث نبویہ سے اس پر کیا ثبوت ہے؟
- سلفِ صالحین اور خلَفِ ربّانیین سے اس پر کیا ثبوت ہے؟
- عقل و فہم سے اس کا کیا تعلق ہے؟

بات صاف، ستھری، بغیر کسی ہیر، پھیر کے عالمانہ وقار کے ساتھ ہونی چاہیے۔ ھاتوا برھانکم إن کنتم صٰدقین، فإن لم تفعلوا و لن تفعلوا فاتّقوا اللہ، و کُوْنُوا مع الصّٰدِقِیْنَ.

ہاں! ہم اہلِ حق -اہل سنت و جماعت- کا اعتقاد ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ و السلام کو غیب پر اطلاع دی، بلفظ دیگر علمِ غیب عطا فرمایا یہ کتابُ اللہ و سنتِ رسول اللہ سے ثابت ہے۔ اب آپ ایمانی نگاہوں سے ان دلائل کا نظارہ کیجیے۔

دلائل اہل سنت

کتاب اللہ سے غیب پر اِطلاع کے دلائل

❶ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ.(۱)

ترجمہ: اللہ کی یہ شان نہیں کہ (اے عام لوگو) وہ تمھیں غیب پر اطلاع دے لیکن اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے غیب کے لیے چن لیتا ہے۔

❷ ارشادِ ربّانی ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ.(۲)

اللہ عالمُ الغیب ہے تو وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

❸ ارشادِ باری ہے:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾.(۳)

ترجمہ: اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔

❹ ارشادِ خداوندی ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ.(۴)

ترجمہ: اے نبی، یہ غیب کی خبریں ہم تجھے وحی کرتے ہیں (چھپے طور پر بتاتے ہیں)

❺ ارشادِ الٰہی ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾.(۵)

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة آل عمران: ۳، الآية: ۱۷۹.
(۲) القرآن الحكيم، سورة الجن: ۷۲، الآية: ۲۵، ۲۶.
(۳) القرآن الحكيم، سورة التكوير: ۸۱، الآية: ۲۴.
(٤) القرآن الحكيم، سورة هود: ۱۱، الآية: ٤۹.
(۵) القرآن الحكيم، سورة النساء: ٤، الآية: ۱۱۳

ترجمہ: اور اے محبوب، ہم نے آپ کو وہ تمام علوم سکھا دیے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے۔

❻ نیز اللہ کا ارشاد ہے:

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَيۡبِ نُوۡحِيۡهِ اِلَيۡكَ ؕ (۱)

ترجمہ: یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہیں۔

یہ آیات، شہادت دے رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو غیب کی باتیں وحی کے ذریعہ بتائیں، اپنے پسندیدہ رسولوں پر اظہارِ غیب فرمایا، انھیں اِطلاع بخشی۔

ہم اسی **اِطلاع غیب**، **اِظہارِ غیب**، اور **وحیِ غیب** کو "عطاے غیب" سے تعبیر کرتے ہیں تو ثابت ہوا کہ عالمُ الغیب جلّ جلالہٗ نے اپنے رسولِ مجتبیٰ اور اپنے پسندیدہ رسولوں کو غیبی علوم عطا فرمائے، اور آیت نمبر ۳ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب حاصل ہے اور آپ فیّاضی وکشادہ دلی کے ساتھ اسے بیان بھی کرتے ہیں، ایسا نہیں کہ کچھ نہ بتائیں۔ ان آیاتِ کریمہ کے مطابق مسلمان حضور کے لیے علم غیب مانتے ہیں، مگر "اللہ کا سا ذاتی علم غیب" نہیں، بلکہ صرف عطائی۔ اور "وہابی" ذاتی وعطائی سب کو شرک کہتا ہے۔

امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "علم غیب عطائی" کے ثبوت میں قرآن حکیم کی آیاتِ شریفہ سے بڑا زبردست استدلال کیا ہے، ہم یہاں وہ "استدلال" انھی کے کلمات میں مختصر ترمیم والتقاط کے ساتھ نقل کرتے ہیں، آپ لکھتے ہیں:

❼ "اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً وَّبُشۡرٰى لِلۡمُسۡلِمِيۡنَ ۝۸۹ ؏ (۲)

اور اے محبوب، ہم نے تم پر "کتاب" اتاری جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت ورحمت وبشارت۔

❽ خداے پاک فرماتا ہے:

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ آل عمران: ۳، الآیۃ: ۴۹.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ النحل: ۱۶، الآیۃ: ۸۹.

مَا کَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی وَ لٰکِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ.(۱)

ترجمہ: قرآن وہ بات نہیں جو بنائی جائے، بلکہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور ہر شَے کا صاف صاف، جدا جدا بیان۔

❾ خدائے علیم کا فرمان ہے: مَا فَرَّطْنَا فِی الْكِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ.(۲) ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔

جب فرقانِ مجید ہر شَے کا روشن و مفصل بیان ہے اور اہل سنت کے مذہب میں ”شَے“ ہر موجود کو کہتے ہیں تو عرش تا فرش تمام کائنات، جملہ موجودات اس بیان کے احاطے میں داخل ہوئے۔ اور مِن جملۂ موجودات کتابتِ لوحِ محفوظ بھی ہے تو بلا شبہہ یہ بیانات اس کے مکتوبات کو بھی شامل ہوئے۔

اب یہ بھی قرآن عظیم سے ہی پوچھ دیکھیے کہ لوحِ محفوظ میں کیا کیا لکھا ہے؟

● اللہ کا ارشاد ہے:

وَ كُلُّ صَغِیْرٍ وَّ كَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ.(۳)

ہر چھوٹی، بڑی چیز سب لکھی ہوئی ہے۔

● ارشادِ باری ہے:

وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۲﴾(٤)

ہر شَے ہم نے ایک ”روشن پیشوا“ میں جمع فرما دی ہے۔

● اللہ کا ارشاد ہے:

وَ لَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَ لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۵۹﴾.(٥)

کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر، اور نہ کوئی خشک، مگر یہ کہ سب ایک روشن کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

---

(١) القرأن الحكيم، سورة يونس: ١٢، الأية: ١١١.
(٢) القرأن الحكيم، سورة الأنعام: ٦، الأية: ٣٨.
(٣) القرأن الحكيم، سورة القمر: ٥٤، الأية: ٥٣.
(٤) القرأن الحكيم، سورة يٰس: ٣٦، الأية: ١٢.
(٥) القرأن الحكيم، سورة الأنعام: ٦، الأية: ٥٩

نکرہ تحت نفی عموم کا فائدہ دیتا ہے:

''نکرہ'' نفی کے تحت مفیدِ عموم ہے، اور لفظ ''کُل'' تو ایسا عام ہے کہ کبھی خاص ہوکر مستعمل ہی نہیں ہوتا، اور ''عام'' اِفادۂ استغراق میں قطعی ہے، اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول ہوں گے، بے دلیل شرعی ان میں تاویل و تخصیص کی اجازت نہیں، ورنہ شریعت سے امان اٹھ جائے... تو بحمد اللہ تعالیٰ کیسے نصِ ّصریح وقطعی سے روشن ہوا کہ ہمارے حضور، صاحب قرآن۔صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ و صحبہ وبارَکَ وسلّم۔کو اللہ تعالیٰ نے تمام موجودات، جملہ مَا کَانَ و مَا یَکُوْنُ إِلیٰ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ (جو کچھ ہو چکا، اور جو کچھ قیامت تک ہوگا) اور جمیع مندرجاتِ لوحِ محفوظ کا علم دیا۔ اور شرق و غرب، سماء و ارض، وعرش وفرش میں کوئی ذرہ حضور کے علم سے باہر نہ رہا۔

اور جب کہ یہ علم قرآنِ عظیم کے ''تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ'' (ہر چیز کا روشن بیان) ہونے نے دیا اور پُر ظاہر کہ یہ وصف تمامِ کلامِ مجید کا ہے، نہ ہر آیت، نہ سورت کا۔ تو نزولِ جمیع قرآن شریف سے پہلے اگر بعض انبیا علیہمُ الصلاۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو: ''لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ''(۱) (ہم نے تم سے کچھ رسولوں کے اَحوال نہ بیان کیے) یا منافقین کے باب میں فرمایا جاوے: ''لَا تَعْلَمُهُمْ ''.(۲) (تم انھیں نہیں جانتے) تو یہ ہرگز اُن آیات کے منافی اور اِحاطۂ علمِ مُصطفوی کا نافی نہیں۔

الحمد للہ، طائفۂ وہابیہ جس قدر قصص وروایات اور اَخبار وحکایات محمد رّسول اللہ ﷺ کے علمِ عظیم کے گھٹانے کو آیاتِ قرآنیہ کے مقابل پیش کرتا ہے سب کا جواب انھیں دو فقروں میں ہو گیا۔'' (۳)

اس دلیل کی بنیاد آیت کریمہ: ''وَ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ''(٤) ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتاب مقدس نازل فرما کر اللہ عزّ وجلّ نے اپنے نبی ﷺ کو ہر چیز کے بارے میں

---

(۱) القرأن الحکیم، سورۃ الغافر: ٤٠، الأیۃ: ٧٨.

(۲) القرأن الحکیم، سورۃ التوبۃ: ٩، الأیۃ: ١٠١.

(۳) ● رسالۃ: إنباء المصطفیٰ بحال سرّ وأخفی، ص: ٤، ٥، ٦، رضوی کتاب گھر، بریلی شریف.

● رسالۃٌ مِن الفتاوی الرضویۃ، ج:١٨، ص: ٦١٠، ٦١١، ٦١٢/ کتاب العقائد والکلام، الإمام أحمد رضا اکادیمي، بریلي.

(٤) القرأن الحکیم، سورۃ النحل: ١٦، الأیۃ: ٨٩.

روشن معلومات سے آگاہ کیا۔ یہاں ''تنزیل'' کا لفظ عطاے غیب پر دلالت کرتا ہے۔

ان آیات کریمہ سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

- ایک یہ کہ حضور سید عالم ﷺ کو کثیر امور کا علمِ غیب حاصل ہے۔
- دوسری یہ کہ یہ علم غیب خداے عالم الغیب کی عطا سے حاصل ہے، جیسا کہ وحی، تنزیل، تِبیان، اِطلاع اور اِظہار کے کلمات اس پر دلالت کرتے ہیں۔

کیا خداے ذو الجلال نے اپنے انبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کو امور غیبیہ سے آگاہ فرما کر انھیں اپنے علم میں شریک کر دیا؟ اور کیا قرآن مقدس کی ان آیات پر ایمان - معاذ اللہ - شرک ہے؟ خدا قوم وہابیہ کو ہدایت دے۔

احادیث سے علم غیب کا ثبوت

کثیر احادیث کریمہ سے یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ حضور سیدِ عالم ﷺ کو خداے پاک کی عطا سے علومِ غیب حاصل تھے۔

یہ احادیث دو طرح کی ہیں:

(الف) کچھ سے عمومی و کلّی طور پر آپ کے لیے علم غیب حاصل ہونا ثابت ہوتا ہے

(ب) اور کچھ سے خاص، خاص جزئی امور میں علم غیب حاصل ہونا ثابت ہوتا ہے۔

کلّی و عمومی احادیث:

پہلے ہم عمومی احادیث پیش کرتے ہیں۔

① عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: «لَقَدْ خَطَبَنَا النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- خُطْبَةً، مَا تَرَكَ فِيهَا شَيْئًا إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهُ»، عَلِمَهُ مَنْ عَلِمَه وَجَهِلَه مَنْ جَهِلَه.[1]

ترجمہ: حضرت حُذَیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا تو قیامت

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۹۷۷، كتاب القدر / باب قوله: و كان أمرُ الله قدرًا، مجلس البركات، مبارك فور.

تک رونما ہونے والی تمام چیزوں کو بیان فرمادیا، جس نے یاد رکھا اسے معلوم ہے اور جس نے یاد نہ رکھا وہ بے علم ہے۔

یہی حدیث صحیح مسلم شریف میں اِن الفاظ میں ہے:

● عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُونُ فِي مَقَامِهِ ذٰلِكَ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلاَّ حَدَّثَ بِهِ. حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ.(۱)

ترجمہ: حضرت حُذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے درمیان (خطبہ دینے کے لیے) کھڑے ہوئے تو آپ نے اُس وقت سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب بیان فرمادیا، جس نے یاد رکھا اسے تو یاد ہے اور جو بھول گیا، بھول گیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطبہ دینے کے وقت سے قیامت تک کے جملہ مَا یَکون کے غیبی علوم حاصل ہیں۔

۲ حَدَّثَنِي أبو زَيْدٍ (عَمْرُو بْنُ أَخْطَبَ) قَالَ: صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ- الْفَجْرَ وَصَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الظُّهْرُ، فَنَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى حَضَرَتِ الْعَصْرُ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى، ثُمَّ صَعِدَ الْمِنْبَرَ فَخَطَبَنَا حَتَّى غَرَبَتِ الشَّمْسُ **فَأَخْبَرَنَا بِمَا كَانَ وَبِمَا هُوَ كَائِنٌ** فَأَعْلَمُنَا أَحْفَظُنَا.(۲)

ترجمہ: صحابیِ رسول حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر جلوہ افروز ہوکر ہمیں ظہر تک خطبہ دیا، پھر منبر سے اترے اور نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر جاکر خطبہ دینے لگے یہاں تک کہ عصر کا وقت آگیا، پھر منبر سے اتر کر نماز پڑھائی، اس کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ دیتے رہے یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔

حضور نبیِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس درمیان جملہ مَا کان و ما یکون (جو کچھ آپ سے پہلے ہو چکا اور جو کچھ آپ کے بعد ہوگا) کی خبر دے دی، تو ہم میں زیادہ علم اُسے ہے جسے زیادہ یاد رہا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مَا کَان و مَا یکون کے دانائے

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۳۹۰، كتاب الفِتن و أشراطِ السّاعة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۳۹۰، كتاب الفِتن و أشراطِ السّاعة، مجلس البركات، مبارك فور.

غیوب ہیں۔

اور یہ اعجازِ نبوت ہے کہ آپ نے بہت ہی مختصر وقت میں اپنے اصحاب کو جمیعِ ماکانَ ومایکونُ کی خبر دے دی جو بلاشبہہ آپ کے ایک وصف "جوامع الکلم" کا فیضان ہے۔

﴿۳﴾ عَنْ (عبد الله) ابن عُمر، قال: قالَ رسولُ الله -صلّی الله تعالیٰ علیه وسلَّمَ-: إنَّ اللهَ -عزَّ و جلّ- قد رَفَعَ لِيَ الدُّنیا، فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَیْها وَ إِلیٰ مَا هُوَ کَائِنٌ فِیْهَا إلی یوم القیامة، کأنّما أنظُرُ إلی کَفِّي هذه، جِلِّیَانٌ[۱] مِّنَ الله جَلَاهُ لِنَبِیِّهٖ کَمَا جَلَا لِلنَّبِیین من قَبْلِهٖ.[۲]

ترجمہ: بے شک اللہ نے دنیا کو میرے سامنے کر دیا تو میں اسے اور قیامت تک اس میں جو کچھ ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، یہ مشاہدۂ کائنات اس روشنی کے سبب ہے جو اللہ نے اپنے نبی کے لیے روشن فرمائی جیسے مجھ سے پہلے انبیا کے لیے روشن فرمائی تھی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام.

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ:

(الف) اللہ عزّ وجل نے یہ دنیا اور قیامت تک جو کچھ اس میں ہوگا سب کو حضور ﷺ کے پیش نظر کر دیا تو آپ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح تمام مَا کَان و ما یکون کا مشاہدہ فرماتے ہیں، لہذا آپ اللہ کی عطا سے "حاضر وناظر" ہیں۔

(ب) حضور ﷺ "جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا" سب کا علم رکھتے ہیں کہ جب سب کچھ آپ کے پیش نظر ہے تو آپ سب سے آگاہ ہیں۔

(ج) پہلے کے انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی اللہ عزّ وجلّ نے مَا کَان و ما یَکون کے غیوب عطا فرمائے تھے اور سب کچھ ان کے پیش نظر فرما دیا تھا۔

اس حدیث میں "إنّ الله قد رفع لِيَ الدُّنیا" اور "جِلِّیَانٌ مِّنَ الله جلاه لنَبِیِّهٖ" کے الفاظ "انبیا کے علوم غیبیہ" کے عطائی ہونے پر واضح طور پر دلالت کرتے ہیں۔ تو کیا یہ عطیۂ ربانی شرک ہے؟

ان تینوں احادیث سے مجموعی طور پر اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ حضور سیّد کائنات

---

(۱) جِلّیَان: بکسر الجیم و تشدید اللام المکسورة: الإظهار و الکشف، أي هذا إظهارٌ و کشفٌ من الله. النهایة ج: ۱، ص: ۲۹۱، و لسان العرب، و تاج العروس. ۱۲ منه

(۲) المعجم الکبیر للإمام الطبراني ج: ۱۳، ص: ۳۱۹/ مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، قاهره.

ﷺ نے صحابۂ کرام سے دنیا کے آغاز سے انجام تک کے سارے احوال بیان فرما دیے، یہاں تک کہ قیامت اور جنت یا جہنم میں جانے تک کے سارے غیب بتا دیے۔

قیامت کا وقت نہ بتانے کا سبب:

ان غیوب میں سب سے اہم "علمِ قیامت" ہے اس کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کو قرآن حکیم میں بار بار اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس کا متعیّن وقت نہ بتایا جائے کیوں کہ متعدّد آیات میں یہ صراحت ہے کہ "قیامت اچانک آئے گی" مثلاً یہ آیات:

- حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا. (۱)

یہاں تک کہ جب ان (کافروں) پر قیامت اچانک آگئی، بولے، ہائے افسوس اس پر کہ اس کے ماننے میں تقصیر کی۔

- اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾. (۲)

کیا (مشرک) اس سے نڈر ہو بیٹھے کہ اللہ کا عذاب انھیں آکر گھیر لے یا قیامت ان پر اچانک آجائے اور انھیں خبر نہ ہو۔

- وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً. (۳)

اور کافر اس (قرآن یا دینِ اسلام) کے بارے میں ہمیشہ شک میں رہیں گے یہاں تک کہ قیامت ان پر اچانک آجائے۔

- هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۶﴾. (٤)

(ظالم) کاہے کے انتظار میں ہیں مگر قیامت کے کہ ان پر اچانک آجائے اور انھیں خبر نہ ہو۔

- بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾. (٥)

بلکہ قیامت ان (کافروں) پر اچانک آپڑے گی، تو انھیں بے حواس کر دے گی، پھر نہ وہ اسے پھیر سکیں گے اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی۔

---

(۱) القرأن الحكيم، سورة الأنعام: ٦، الأية: ٣١.

(۲) القرأن الحكيم، سورة يوسف: ١٢، الأية: ١٠٧.

(۳) القرأن الحكيم، سورة الحج: ٢٢، الأية: ٥٥.

(٤) القرأن الحكيم، سورة الزخرف: ٤٣، الأية: ٦٦.

(٥) القرأن الحكيم، سورة الأنبياء: ٢١، الأية: ٤٠.

اس مضمون کی اور بھی آیات ہیں اور ان سب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کافروں پر اچانک یوں آپڑے گی کہ انھیں اس کی خبر نہ ہوگی۔

ان آیات کونازل فرماکر "مالکِ یومِ دین" جلّ جلالُہٗ نے یہ اشارہ فرمادیاہے کہ قیامت کے مقررہ وقت اور سنہ کے بارے میں خبر نہ دی جائے کیوں کہ وقت اور سنہ کی تعیین ہوجانے کے بعد قیامت کا آنا بَغْتَةً یا" اچانک" نہ ہوگا، نہ ہی بے خبری میں ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ امین وَحی الٰہی حضرت سیّدنا جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب قیامت کا وقت دریافت کیا توآپ نے لاعلمی نہیں ظاہر کی، بلکہ پُراسرار انداز میں وقتِ قیامت کے علم کا اظہار فرمایا، آپ کے ارشادِ اقدس: "مَا الْمَسْؤُلُ عَنها بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ." سے یہی ظاہر ہے۔ پھر بھی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علاماتِ قیامت اس طرح بیان فرمادی ہیں کہ ان کے پیش نظر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے نزول کے بعد لوگوں کو یہ اندازہ ہوجائے گا کہ فلاں وقت تک صور پھونکا جائے گا۔ صحیحین وغیرہ کی حدیثوں سے یہ امر بخوبی عیاں ہے۔

④ رسول اللہ نے عین جنت اور عین جہنم کا مشاہدہ کیا:

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ ، أَنَّهَا قَالَتْ . . . فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- حَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ: مَا مِنْ شَيْءٍ كُنْتُ لَمْ أَرَهُ إِلاَّ قَدْ رَأَيْتُهُ فِي مَقَامِي هَذَا حَتَّى الْجَنَّةَ وَالنَّارَ.[1]

ترجمہ: حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتی ہیں کہ . . . جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازِ خُسوف اور سورج گہن کی نماز سے فارغ ہوئے توآپ نے اللہ کی حمد وثنا کی، پھر فرمایا:

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱،ص:۱٤٤، أبوابُ الكسوف / بابُ صلاةِ النّساء مع الرّجالِ في الكسوف، مجلس البركات.

● صحيح البخاري، ج:۱،ص:۱۲٦، كتاب الجمعة / بابُ مَن قال في الخطبة بعدَ الثناءِ "أمّا بعد"، مجلس البركات.

● صحيح البخاري، ج:۱،ص:۳۱، كتابُ الوضوء / بابُ بابُ من لم يتوضأ إلّا مِنَ الغشي المثقّل، مجلس البركات.

● صحيح البخاري، ج:۱،ص:۱۸، كتاب العلم / بابُ من أجابَ الفتيا بإشارة اليد والرّاس، مجلس البركات.

"میں نے اس مقام پر وہ تمام چیزیں دیکھ لیں جنھیں پہلے نہیں دیکھا تھا یہاں تک کہ جنت اور جہنم کو بھی دیکھ لیا۔"

اس حدیث میں "شیٔ" کا لفظ نکرہ ہے جو "نفی" کے تحت واقع ہے اور ایسا نکرہ عام ہوتا ہے۔ اور لفظ "" میں تو یوں بھی بے پناہ عموم ہے، امام شمس الدین محمد کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

"لفظُ الشّيء أعمُّ العام وقد وقع نكرةً في سياق النّفي أيضا."[1]

ترجمہ: لفظ "شيء" عام سے بھی زیادہ عام ہے پھر وہ نکرہ بھی ہے جو نفی کے بعد واقع ہے۔ (اور ایسا نکرہ یوں بھی عام ہوتا ہے۔ن)

تو "ما من شيء" کے عموم میں ہر چیز شامل ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی شامل ہے، جیسا کہ ہم ان شاء اللہ جلد ہی اس کی صراحت بھی پیش کریں گے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمیع "ما کان وما یکون" کے صرف دانائے غیوب ہی نہ تھے بلکہ خدائے قدیر و بصیر نے آپ کو ان تمام اشیا کا مشاہدہ بھی کرا دیا تھا۔

⑤ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ ﷺ (بالجماعة- ن) . . .

قَالُوا : يَا رَسُولَ اللهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ كَعْكَعْتَ.

فَقَالَ : إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ عُنْقُودًا، وَلَوْ أَصَبْتُهُ [أخذْتُه-[2]] لأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا. وَأُرِيتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ.[3]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں سورج گہن لگا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ سورج گہن کی نماز (دو رکعت) پڑھی۔

(بعد نماز) صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ، ہم نے دیکھا کہ آپ اپنے مقامِ نماز سے ہاتھ بڑھا کر کچھ لینا چاہتے ہیں، پھر دیکھا کہ آپ پیچھے چلے آئے۔

تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے جنت دیکھی اور اس کے انگور کا ایک خوشہ ہاتھ بڑھا کر

---

(۱) الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري المعروف بشرح الكرماني، ج:۲،ص:۶۸، كتاب العلم / باب من أجاب الفُتيا، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان.

(۲) الصحيح لمسلم، ج:۱،ص:۲۹۸، كتابُ الكسوف ، مجلس البركات.

(۳) صحيح البخاري، ج:۱،ص:۱۴۴، أبوابُ الكسوف / بابُ صلاةِ الكسوف جماعة، مجلس البركات.

لینا چاہا۔[1] اگر میں لے لیتا تو تم لوگ رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے۔

اور مجھے جہنم بھی دکھائی گئی تو میں نے آج جیسا بھیانک منظر کبھی نہیں دیکھا۔ (اُس وقت میں پیچھے ہٹ آیا۔)

اس حدیث کے کلمات خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہیں:

- میں نے جنت کا خوشہ انگور لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہے۔
- وہ خوشہ انگور تمھارے پاس لا دیتا تو تم لوگ رہتی دنیا تک اسے کھاتے رہتے۔
- جہنم کا بھیانک منظر دیکھ کر پیچھے ہٹ آیا۔

یہ کلمات شاہد ہیں کہ حضور سرور کائنات ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے عین جنت اور عین جہنم کا مشاہدہ کیا؛ کیوں کہ جنت کا خوشہ ہاتھ میں لینا اور اسے لانے کی صورت میں اس کی برکاتِ لامتناہی کا ظہور اور جہنم کے بھیانک منظر سے نماز میں پیچھے ہٹ آنا عینِ جنت اور عینِ جہنم کے دیکھنے کی دلیل ہیں۔

دیوار قبلہ میں جنت اور جہنم کا عکس دیکھ کر کوئی صاحب عقل سلیم اس کے خوشے ہاتھ میں نہ لے گا، نہ اسے لانے پر اس کی برکاتِ لامتناہی بیان کرے گا، نہ ہی جہنم کا عکس دیکھ کر کوئی بلند ہمت، مرد عاقل پیچھے ہٹے گا۔

موبائل وغیرہ کی اسکرین اور آئینے میں کیسے کیسے خوشنما اور بھیانک مناظر سامنے آتے ہیں مگر کیا کوئی عقل مند ان کے ساتھ اصل مناظر کا سا معاملہ کرتا ہے؟ ہرگز نہیں، اس کا اعتراف سبھی کو ہے تو ان محسوسات کی روشنی میں عین جنت و جہنم اور ان کی عکوس کے فرق کو بھی سمجھنا چاہیے۔

ہاں بعض احادیث نبویہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرکار ابد قرار ﷺ نے دیوار قبلہ میں جنت اور جہنم کا عکس دیکھا، مگر وہ الگ واقعہ ہے اور یہ اس سے الگ ایک دوسرا واقعہ ہے۔

⑥ عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- يَوْمَ مَاتَ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ رَسُولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- . . . فَصَلَّى

(۱) قال الإمام النووي رحمه الله تعالى في المنهاج شرح صحيح مسلم، ج:۱، ص: ۲۹۷، معنى "تناولتُ" صددت يدي لأخذه. ۱۲ منه

بِالنَّاسِ . . . فقال: فَإِذَا رَأَيْتُم شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ، فَصَلُّوا حَتَّى تَنْجَلِيَ.

مَا مِنْ شَيْءٍ تُوعَدُونَهُ إِلاَّ قَدْ رَأَيْتُهُ فِي صَلاَتِي هَذِهِ .

لَقَدْ جِيءَ بِالنَّارِ وَذَلِكُمْ حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَأَخَّرْتُ مَخَافَةَ أَنْ يُصِيبَنِي مِنْ لَفْحِهَا . . . ثُمَّ جِيءَ بِالْجَنَّةِ، وَذَلِكُمْ حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَقَدَّمْتُ، حَتَّى قُمْتُ فِي مَقَامِي. وَلَقَدْ مَدَدْتُ يَدِي وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أَتَنَاوَلَ مِنْ ثَمَرِهَا لِتَنْظُرُوا إِلَيْهِ، ثُمَّ بَدَا لِي أَنْ لاَ أَفْعَلَ.

فَمَا مِنْ شَيْءٍ تُوعَدُونَهُ إِلَّا وقَدْ رَأَيْتُهُ فِي صَلاَتِي هَذِهِ.[1]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ عہد رسالت میں حضرت ابراہیم بن رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے روز گہن لگا، تو آپ نے صحابہ کو نماز گہن پڑھائی۔

پھر فرمایا: جب تم کچھ بھی گہن دیکھو تو نماز پڑھو یہاں تک کہ سورج روشن ہو جائے۔

تم لوگوں سے جن جن چیزوں کا بھی وعدہ ہے وہ ساری چیزیں میں نے اپنی اس نماز میں دیکھ لیں۔ جہنم میرے سامنے کی گئی، یہ اس وقت کی بات ہے جب تم لوگوں نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا، میں اس کی آنچ لگنے کے اندیشے سے پیچھے ہٹ آیا تھا۔

اس کے بعد جنت میرے پیش نظر کی گئی، یہ اُس وقت کی بات ہے جب تم لوگوں نے مجھے آگے بڑھتے دیکھا اور میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے کچھ پھل لینے چاہے تاکہ تم لوگ بھی اسے دیکھ لو، پھر میری رائے یہ ہو گئی کہ ایسا نہ کروں۔

"تم سے جن چیزوں کا وعدہ ہے وہ تمام چیزیں میں نے اپنی اس نماز میں دیکھ لیں۔"

ان احادیث میں "مَا مِن شَيْءٍ كُنتُ لَمْ أَرَهُ" اور "مَا مِن شَيْءٍ تُوعَدُوْنَهُ" کے الفاظ ان تمام چیزوں کو عام و شامل ہیں جنھیں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا ساتھ ہی ان تمام چیزوں کو بھی عام و شامل ہیں جن کا بندوں سے کتاب و سنت میں وعدہ کیا گیا ہے اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان تمام چیزوں کا مشاہدہ بھی کرا دیا گیا۔

اس عموم میں اَحوالِ قبر، اَہوالِ قیامت، حشر و نشر، حوضِ کوثر، جنت، جہنم اور دیدارِ باری بھی

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱،ص:۲۹۷، ۲۹۸، کتابُ الکسوف ، مجلس البرکات.

شامل ہیں، چنانچہ امام شمس الدین کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"فإن قلتَ: هل فيه دلالة على أنه صلى الله تعالى عليه وسلم رأى في هذا المقام ذات الله تعالى؟

قلتُ: نعم، إذ الشّيءُ يتناوله والعقلُ لا يمنعه والعرفُ لا يقتضي إخراجه."(١)

ترجمہ: یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس مقام میں اللہ تعالیٰ کے ذات جامع صفات کا بھی دیدار کیا؛ کیوں کہ لفظ "شيء" اسے بھی شامل ہے اور عقل اس کے شمول سے مانع نہیں اور عرفِ شرع اسے شئے کے عموم میں عدمِ شمول کا مقتضی نہیں۔

"رویت" کا حقیقی مفہوم "چشم سر سے مشاہدہ کرنا" ہے اور ● جنتی انگور لینے کے لیے ہاتھ بڑھانا، ● اس سے قریب ہونے کے لیے آگے بڑھنا ● اور جہنم کی آنچ سے بچنے کے لیے پیچھے ہٹنا بھی عین جنت اور عین جہنم کے مشاہدے کی دلیل ہیں۔

الغرض ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے بندوں سے جن جن چیزوں کا وعدہ فرمایا ہے، ان تمام چیزوں کا اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مشاہدہ بھی کرا دیا، اس لیے آپ اللہ تعالیٰ کی عطا سے بے شمار غیوب کے دانائے راز اور دانائے غیوب ہیں۔

⑦ اللہ نے اپنا دستِ قدرت اپنے محبوب کے دو شانوں کے درمیان رکھ کر ہر چیز روشن فرمادی:

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ: احْتُبِسَ عَنَّا رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ذَاتَ غَدَاةٍ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ، حَتَّى كِدْنَا نَتَرَاءَى عَيْنَ الشَّمْسِ، فَخَرَجَ سَرِيعًا، فَثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ، فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَتَجَوَّزَ فِي صَلَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهِ، فَقَالَ لَنَا: عَلَىٰ مَصَافِّكُمْ كَمَا أَنْتُمْ، ثُمَّ انْفَتَلَ إِلَيْنَا فَقَالَ: ... أَنِّي قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ، فَتَوَضَّأْتُ، فَصَلَّيْتُ مَا قُدِّرَ لِي، فَنَعَسْتُ فِي صَلَاتِي فَاسْتَثْقَلْتُ، فَإِذَا أَنَا بِرَبِّي تَبَارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، ... فَرَأَيْتُهُ وَضَعَ كَفَّهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهِ بَيْنَ ثَدْيَيَّ، فَتَجَلَّىٰ لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُ...

---

(١) الكواكب الدراري في شرح صحيح البخاري المعروف بشرح الكرماني، ج:٢، ص:٦٨، كتاب العلم / باب من أجاب الفُتيا، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان.

قال أبوعيسىٰ: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، صَحِيحٌ. سَأَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ هٰذَا الحَدِيثِ، فَقَالَ: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ..[۱]

ترجمہ: حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز فجر کے لیے (مسجد میں) آنے سے رُکے رہے، یہاں تک کہ لگتا تھا سورج طلوع ہو جائے گا، اتنے میں سرکار علیہ التحیۃ والثنا جلدی میں نکلے، نماز کی تکبیر ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختصر نماز پڑھائی اور سلام پھیر کر اعلان فرمایا کہ تم لوگ صف میں اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہو، پھر حضور نے ہماری طرف رخ کر کے فرمایا کہ:

"میں رات بیدار ہوا، وضو کیا اور جو ہو سکا نماز پڑھی، پھر مجھے نماز میں اونگھ آگئی اور طبیعت بوجھل ہو گئی، اتنے میں میں نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کا اچھی صفت میں دیدار کیا، میں نے دیکھا کہ میرے رب نے اپنے دستِ قدرت کو میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا، جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی، تو میرے لیے ہر چیز روشن ہو گئی، اور میں نے (ہر چیز) پہچان لی۔"

امام ابو عیسیٰ ترمذی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حَسَن، صحیح ہے، میں نے امام محمد بن اسماعیل بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا، تو انھوں نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

"کُلُّ شيءٍ" یعنی "ہر چیز" کے عموم میں ساری کائنات شامل ہے تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کائناتِ عالم کی تمام اَشیا کا علم رکھتے اور پہچانتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں حضور کے لیے روشن ہیں۔

مگر یہ تمام چیزیں کیا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنی ذات سے روشن ہیں؟ اور آپ کا یہ علم و عرفان ذاتی ہے؟ ایسا نہیں۔

بلکہ اللہ عزّ و جل نے اپنے فضل خاص سے یہ اعزاز عطا فرمایا، کہ "دستِ قدرت کو حضور کے سینۂ اقدس پر رکھا" اور ہر چیز روشن ہو گئی۔ —— تو یہ علم و عرفان خاص عطیۂ ربّانی ہے۔

⑧ مجھے مشرق و مغرب کے درمیان کی تمام چیزوں کا علم حاصل ہو گیا:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ –صلّى الله عليه وسلَّمَ– قَالَ: «أَتَانِي رَبِّي فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلأُ الأَعْلَى؟ قُلْتُ: رَبِّ لاَ أَدْرِي، فَوَضَعَ يَدَهُ

(۱) جامع الترمذي ج: ۲، ص: ۱۵۶، أبواب التفسير/ سورة صٓ، مجلس البركات، مباركفور.

بَيْنَ كَتِفَيَّ حتى وَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ **فَعَلِمْتُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ.**[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رب بڑے شانِ جمال و زیبائی کے ساتھ ظاہر ہوا، اور دریافت کیا، کہ اے محمّد، ملائکۂ مُقرّبین کس چیز کے بارے میں بحث و تکرار کرتے ہیں؟ میں نے عرض کی، پروردگار، مجھے نہیں معلوم۔

تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ کرم میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا، یہاں تک کہ میں نے اپنے سینے میں اس کی ٹھنڈک محسوس کی اور **مجھے "مشرق و مغرب کے درمیان" کی ساری چیزوں کا علم ہوگیا۔**

"ما بَيْنَ المشرقِ و المغرب" کا لفظ زمین سے لے کر آسمان تک جو کچھ بھی مشرق و مغرب میں ہے سب کو عام ہے کیوں کہ "مَا" الفاظِ عموم سے ہے اور "المشرِقِ و المغرِب" اپنے اطلاق کی وجہ سے زمین و آسمان دونوں کو شامل ہے۔ اس کی تایید حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دوسری روایت سے ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

" فَعَلِمتُ مَا في السَّمٰوٰتِ وَ مَا في الأرض "[۲]

ترجمہ: تو مجھے وہ سب کچھ معلوم ہوگیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمینوں میں ہے۔

حدیث نبوی کی ان دونوں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور دانائے غیوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدائے قدیر کے عطیۂ خاص سے وہ سب کچھ معلوم ہوگیا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمینوں میں ہے اور جو دونوں کے درمیان مشرق و مغرب کی وسعتوں میں ہے۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے ترجمہ و شرح میں رقم طراز ہیں:

" پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و ہر چہ در زمین بود " عبارت ست از حصولِ تمامۂ علومِ جزوی و کلّی و اِحاطۂ آں۔[۳]

ترجمہ: " میں نے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں تھا سب جان لیا " اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو تمام علومِ جزوی و کلی حاصل ہوگئے اور آپ نے ان سب کا احاطہ کر لیا۔

---

(۱) جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۱۵۶، أبواب التفسير/ سورة صٓ، مجلس البركات، مبارك فور.
(۲) جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۱۵۵، أبوابُ التفسير/ سورة صٓ، مجلس البركات، مبارك فور.
(۳) أشِعّة اللمعات ج: ۱، ص: ۳۵۷، باب المساجد و مواضع الصلاة/ الفصل الثاني، مكتبه حبيبيه، پاكستان.

⑨ میں نے زمین کے مشارق ومغارب کامشاہدہ کیا:

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ -صلى الله عليه وسلمَ- "إِنَّ اللهَ زَوَى لِيَ الأَرْضَ حَتّٰى رَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا." (۱)

ترجمہ: حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا، یہاں تک کہ میں نے زمین کے مشارق ومغارب کو دیکھ لیا۔

کسی چیز کو دیکھنا اس کے علم کا ذریعہ ہوتا ہے تو مشارق ومغارب کو دیکھ لینا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ کو مشارق ومغارب کا علم غیب حاصل ہے زمین اپنی وسعتوں کے باوجود سمٹ کر نگاہ نبوت کے سامنے ہوگئی اور اس کے علوم جو پہلے غیب تھے آپ کے لیے شھادۃ ہوگئے۔

⑩ آسمان کی چھوٹی، بڑی باتیں سرکار نے بیان فرمادیں:

عَنْ عَطَاءٍ قَالَ : قَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ : لَقَدْ تَرَكَنَا رَسُوْلُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- وَمَا فِي السَّمَاءِ طَيْرٌ يَطِيْرُ بِجَنَاحِهِ إِلاَّ ذَكَّرَنَا مِنْهُ عِلْمًا. (۲)

نقلهُ الحافظ نورُ الدين عليُ بن أبي بكر الهيثمي في "مجمع الزوائد" وقال : رواه الطَّبراني ورجالهُ رجالُ الصحيح. (۳)

ترجمہ: حضرت عطا سے روایت ہے کہ صحابیِ رسول حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا کہ آسمان میں کوئی پرندہ پَر مارنے والا ایسا نہیں جس کے متعلق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم نہ دیا ہو۔

اس حدیث کو حافظ نور الدین علی بن ابو بکر ہیثمی نے اپنی کتاب "مجمع الزوائد" میں نقل کر کے لکھا کہ اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا، اور اس کے رجال "صحیح" کے رجال ہیں۔

⑪ عَنْ أَبِي ذَرٍّ ، قَالَ : تَرَكَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَا طَائِرٌ يُقَلِّبُ جَنَاحَيْهِ فِي الْهَوَاءِ ، إِلّا وَهُوَ يُذَكِّرُنَا مِنْهُ عِلْمًا. (٤)

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۳۹۰، كتاب الفِتَن و أشراطِ الساعة، مجلس البركات، مبارك فور.
(۲) مسند أبي يعلى الموصلي، ج: ۹، ص: ٤٦، دار المأمون للتراث، دمشق.
(۳) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج:۸، ص: ٤٧٢، كتاب علامات النبوة/ باب في ما أوتي من العلم ، رقم الحديث: ۱۳۹۷۳، دار الفكر.
(٤) المعجم الكبير للإمام الطبراني، ج: ۲، ص: ۱٥٦/ مسند أبي ذر الغفاري ، قاهره.

ذكره الحافظ نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي وقال : رواه أحمد والطّبراني ورجال الطبراني رجال الصّحيح غير محمد بن عبد الله بن يزيد المقري وهو ثقة، إهـ.[1]

ترجمہ: حضرت ابوذر غِفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حال میں چھوڑ کر تشریف لے گئے کہ ہوا میں جو پرندہ بھی اپنے پَر ہلاتا ہے اس کے بارے میں آپ نے اپنے علم کا ذکر فرمادیا۔

اس حدیث کو حافظ نور الدین علی بن ابوبکر ہیثمی نے "مجمع الزوائد" میں ذکر کرکے یہ لکھا کہ اس حدیث کو امام احمد اور امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور طبرانی کے رجال "صحیح" کے رجال ہیں، ہاں محمد بن عبداللہ یزید مقری صحیح کے رجال سے نہیں، تاہم ثقہ ہیں۔

ان احادیث سے یہ بتانا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو چھوٹی سی چھوٹی چیز اور ایک ایک جزئی بات کا علم تھا۔

خصوصی و جزئی احادیث

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ خاص خاص واقعات اور جزئی امور میں کثرت کے ساتھ غیب کی خبریں دی ہیں جن میں ماضی کی خبریں بھی ہیں اور حال و مستقبل کی بھی، پسِ پُشت کی خبریں بھی ہیں اور قبروں میں پیش آنے والے حالات اور دِلوں کے اَسرار کی بھی۔ یہاں تک کہ کون شہید ہوگا اور کون جنتی، اور کس کا خاتمہ بالخیر ہوگا اور کون بُری موت مرے گا، ان سارے غیوب کی خبریں احادیث صحیحہ میں موجود ہیں اور سب درج بالا عمومی و کلّی احادیث کی تصدیق فراہم کرتی ہیں۔ اس نوع کی احادیث بے شمار ہیں، ہم اس مختصر میں سب کا احاطہ نہیں کرسکتے تاہم کچھ احادیث نذرِ قارئین ہیں:

(۱۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بَارِزًا يَوْمًا لِلنَّاسِ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ فَقَالَ: . . . مَتَى السَّاعَةُ ؟ قَالَ: مَا الْمَسْؤُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ. . . . ثُمَّ أَدْبَرَ، فَقَالَ: رُدُّوهُ فَلَمْ يَرَوْا شَيْئًا، فَقَالَ هَذَا جِبْرِيلُ، جَاءَ يُعَلِّمُ النَّاسَ دِينَهُمْ.[2]

---

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج:۸، ص: ۴۷۲، كتاب علامات النبوة/ بابٌ في ما أوتي من العلم، رقم الحديث: ۱۳۹۷۱، دار الفكر، بيروت، لبنان.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱،ص:۱۴۴، أبوابُ الكسوف / بابُ صلاةِ الكسوف جماعة، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز مجمع عام میں تشریف فرما تھے کہ اتنے میں ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر یہ سوال کیا کہ "قیامت کب آئے گی"؟ تو آپ نے جواب دیا کہ "مجھے سائل سے زیادہ قیامت کا علم نہیں۔"

پھر وہ شخص واپس ہوا، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فوراً حکم دیا کہ اسے واپس لاؤ، مگر انھیں کچھ بھی نظر نہ آیا، تب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے جو لوگوں کو دین سکھانے کے لیے تشریف لائے تھے۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جواب بلیغ میں غور فرمایئے، آپ یہ نہیں فرمارہے ہیں کہ "مجھے قیامت کے وقت کا علم نہیں"

بلکہ یہ فرمارہے ہیں کہ:

"قیامت کے بارے میں مجھے سائل سے زیادہ علم نہیں۔"

اس کا حاصل دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ قیامت کے وقت کے بارے میں جو علم آپ کو حاصل ہے وہی مجھے بھی حاصل ہے اس سے زیادہ مجھے علم نہیں۔

اور آپ کو معلوم ہے کہ قیامت کا وقت بتانے سے اشارۃً منع کر دیا گیا ہے، وہی مجھے بھی معلوم ہے۔ یہ تو خدائے علّام الغیوب کا سرِّ مکنون ہے جس کا اظہار شان نبوت کے مناسب نہیں۔

اس حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ حدیث حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم قیامت کی دلیل ہے مگر یہ ایک سرّ مخفی تھا اس لیے آپ نے قیامت کے وقت سے لوگوں کو آگاہ نہیں کیا، ہاں، قیامت کا علم ذاتی صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور اللہ کی عطا سے رسول اللہ کو بھی حاصل ہے جیسا کہ آپ کے ارشادات سے ثابت ہوتا ہے جن کا تفصیلی بیان امام اہلسنت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسائل "الدولة المكية اور الفيوضات الملكيّة" میں ہے۔

⑬ سرکار نے کثرت سے قیامت کی علامتیں بیان فرما کر ایک حد تک قیامت کے وقت سے آگاہ فرمادیا:

سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ عَمْرٍو ، ... قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: «يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِي أُمَّتِي فَيَمْكُثُ أَرْبَعِينَ - لاَ أَدْرِي: أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ

أَرْبَعِينَ شَهْرًا أَوْ أَرْبَعِينَ عَامًا - فَيَبْعَثُ اللهُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ كَأَنَّهُ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ فَيَطْلُبُهُ فَيُهْلِكُهُ.

ثُمَّ يَمْكُثُ النَّاسُ سَبْعَ سِنِينَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ.

ثُمَّ يُرْسِلُ اللهُ رِيحًا بَارِدَةً مِنْ قِبَلِ الشَّامِ، فَلاَ يَبْقَى عَلَى وَجْهِ الأَرْضِ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ أَوْ إِيمَانٍ إِلاَّ قَبَضَتْهُ ... قَالَ: سَمِعْتُهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم-.

قَالَ: «فَيَبْقَى شِرَارُ النَّاسِ فِي خِفَّةِ الطَّيْرِ وَأَحْلاَمِ السِّبَاعِ لاَ يَعْرِفُونَ مَعْرُوفًا وَلاَ يُنْكِرُونَ مُنْكَرًا. ... ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ. إلى آخر الحديث.[1]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

- میری امت میں دجّال نکلے گا جو چالیس ... تک ٹھہرے گا۔ میں نہیں جانتا کہ آپ نے "چالیس دن" فرمایا، یا "چالیس مہینے" یا "چالیس سال"۔
- پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو۔ جو عُروہ بن مسعود ثقفی کے مشابہ ہوں گے۔ (آسمان سے) بھیجے گا، وہ دجّال کو تلاش کرکے ہلاک کردیں گے۔ پھر لوگ سات سال تک (یوں خوش گوار ماحول میں) رہیں گے (کہ) دو آدمیوں کے درمیان کوئی عداوت نہیں ہوگی۔
- پھر اللہ عزّوجل شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا بھیجے گا جو روئے زمین پر رہنے والے ایسے تمام لوگوں کی روح قبض کرلے گی جن کے دل میں ذرہ برابر خیر یا ایمان ہوگا۔

راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں نے یہ سب باتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہیں، سرکار نے مزید فرمایا کہ:

"پھر بُرے لوگ رہ جائیں گے جو چڑیوں کی طرح جلد باز اور درندہ صفت، بے عقل ہوں گے، وہ نہ کوئی اچھی بات اچھی سمجھیں گے اور نہ بُری بات بُری۔

- پھر (قیامت کا) صور پھونکا جائے گا"

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۴۰۳، كتاب الفِتَن و أشراطِ السّاعة/ باب ذكرِ الدّجّال، مجلس البركات، مبارك فور.

(۱۴) حضرت نَواس بن سَمعان کلابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علاماتِ قیامت کی جو تفصیل حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کی ہے اس میں "چالیس دن" کا واضح بیان موجود ہے، وہ فرماتے ہیں:

قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا لَبْثُهُ فِي الأَرْضِ؟ قَالَ: «أَرْبَعُونَ يَوْمًا، يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ أَيَّامِهِ كَأَيَّامِكُمْ».(۱)

ترجمہ: ہم نے عرض کی یارسول اللہ، وہ زمین میں کب تک رہے گا؟ تو آپ نے فرمایا: چالیس دن۔ (اس کا) ایک دن سال بھر کے برابر ہوگا، ایک دن ایک ماہ کے برابر، اور ایک دن ایک ہفتہ کے برابر، اور باقی دن تمھارے عام دنوں کے برابر ہوں گے۔

حضرت نَواس بن سمعان کی حدیث کا آخری ٹکڑا یہ ہے:

فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ اللهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ، فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ، وَيَبْقَى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ، فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ».(۲)

ترجمہ: اللہ ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ان کی بغلوں کے نیچے سے نکلے گی اور ہر مومن و مسلم کی روح قبض کرلے گی اور بدترین لوگ رہ جائیں گے جو گدھوں کی طرح جماع کریں گے، تو انھی پر قیامت قائم ہوگی۔

ان احادیث میں علاماتِ قیامت کی ترتیب بہت واضح الفاظ میں یہ بیان کی گئی ہے:

(ا) دجّال کا خروج: یہ ہمارے دنوں کے لحاظ سے ایک سال، دو ماہ، چودہ دن اس زمین پر رہے گا۔

(ب) حضرت عیسیٰ - علیٰ نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام - کا آسمان سے نزول۔ آپ دجّال کا تعاقب کرکے اسے موت کے گھاٹ اتاریں گے۔

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۴۰۱، كتاب الفِتَن و أشراطِ السّاعة/ باب ذكر الدّجال، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۴۰۴، كتاب الفِتَن و أشراطِ السّاعة/ باب ذكر الدّجال، مجلس البركات، مبارك فور.

(ج) پھر سات سال بعد اللہ تعالیٰ وہ ٹھنڈی اور پاکیزہ ہوا بھیجے گا جو ہر صاحبِ ایمان کی روح کو قبض کرلے گی اور روے زمین پر صرف بدترین لوگ رہ جائیں گے، کہیں کوئی اللہ، اللہ کہنے والا نہ ہو گا۔

(د) پھر صور پھونکا جائے گا اور ان بدترین لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔

حضور سید عالم ﷺ کے یہ ارشادات روز روشن کی طرح دلالت کرتے ہیں کہ ابھی اسلام زندہ ہے، ابھی ایمان باقی ہے۔

وہ ہَوا تو اُس وقت چلے گی جب قیامت بہت ہی قریب آچکی ہوگی، اور اس سے پہلے دجّال کا خروج ہوچکا ہو گا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لا کر اسے ہلاک کر چکے ہوں گے۔

ساری دنیا یقین رکھتی ہے کہ ابھی نہ وہ دجّالِ اکبر آیا، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے۔

امام الوہابیہ کے مطابق وہ ہَوا چل چکی جو ہر مومن و مسلم کی روح قبض کرلے گی:

مگر امامِ فرقۂ وہابیہ کے مطابق وہ ہوا بہت پہلے چل چکی، چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

"پھر اللہ آپ ہی ایک ایسی باو بھیجے گا کہ سب اچھے بندے جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہو گا مرجاویں گے اور وہی لوگ رہ جاویں گے کہ جن میں کچھ بھلائی نہیں، ... سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا"۔ (۱)

"پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا"

اس کا مطلب صاف صاف یہی ہے کہ وہ ہوا چل چکی، سارے مسلمان دنیا سے اٹھا لیے گئے، اور روے زمین پر صرف کفار رہ گئے۔ یہ بھی خیال نہ رہا کہ جب سب مسلمان اٹھا لیے گئے اور صرف کافر رہ گئے تو خود جناب بھی تو انہی میں سے ہوئے۔

یہ ہے امامِ فرقۂ حدیث کا فہم حدیث اور مذہب و اعتقاد جو بلا شبہہ حدیث نبوی کے مخالف ہے۔

خیر، یہ تو ایک ضمنی گفتگو درمیان میں آگئی، ہم تو ان احادیث نبویہ سے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ:

حضور سید عالم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے غیبی علوم عطا فرمائے ہیں، ان احادیث میں جن غیبی خبروں کا تذکرہ ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) قیامت آنے سے پہلے دجّال کا خروج ہو گا۔

---

(۱) تقویة الإیمان ص: ۳۸، الفصل الرابع في ذکرِ ردِّ الإشراك في العبادة، راشد کمپنی، دیو بند.

(۲) وہ چالیس دن تک اس روے زمین پر رہے گا۔

(۳-۶) اس کا ایک دن سال بھر کا، دوسرا دن ایک ماہ کا، تیسرا دن ایک ہفتہ کا اور بقیہ دن معمول کے مطابق ہوں گے۔

(۷) اس کے بعد آسمان سے حضرت سیدنا عیسیٰ علی نبیّنا وعلیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائیں گے۔

(۸) دجّال کا تعاقب کر کے اسے ہلاک کریں گے۔

(۹) اس کے بعد سات سال کا زمانہ بڑے امن و محبت و سکون کا زمانہ ہوگا۔

(۱۰) پھر ایک پاکیزہ، ٹھنڈی ہوا چلے گی جس سے تمام اہلِ ایمان دنیا سے اٹھا لیے جائیں گے۔

(۱۱) زمین پر صرف بُرے لوگ رہ جائیں گے۔

(۱۲) پھر انھی پر قیامت برپا ہوگی۔

حدیث ہم نے اختصار کے ساتھ نقل کی ہے پوری حدیث میں اور زیادہ غیبی اَخبار ہیں ان غیبی اَخبار کی بنا پر ہم یہی مانتے ہیں کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطا سے دانائے غیوب ہیں۔

اس حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے قیامت کی نشانیاں جس ترتیب سے بیان فرمائی ہیں اس سے زمانۂ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے ہی اہلِ علم کو قیامت کے اِمکانی وقت کا اندازہ ہو جائے گا، اور یہی وجہ ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کے دلوں سے کینہ نکل جائے گا، مال کی محبت چلی جائے گی، اور ان کی نگاہ میں ایک سجدہ دنیا و متاعِ دنیا سے بہتر ہوگا۔

(۱۴) آنے والے زمانے کی خبر کہ: "اللہ حسنِ مجتبیٰ کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا":

عَنْ أَبِي مُوسٰى، قَالَ: سَمِعْتُ الْحَسَنَ (البصري) يَقُولُ: اسْتَقْبَلَ -وَاللهِ- الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ مُعَاوِيَةَ بِكَتَائِبَ أَمْثَالِ الْجِبَالِ، فَقَالَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ: إِنِّي لَأَرٰى كَتَائِبَ لَا تُوَلِّي حَتّٰى تَقْتُلَ أَقْرَانَهَا. فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ: -وَكَانَ وَاللهِ خَيْرَ الرَّجُلَيْنِ- أَيْ عَمْرو، إِنْ قَتَلَ هٰؤُلَاءِ هٰؤُلَاءِ، وَهٰؤُلَاءِ هٰؤُلَاءِ مَنْ لِي بِأُمُورِ النَّاسِ، مَنْ لِي بِنِسَائِهِمْ، مَنْ لِي بِضَيْعَتِهِمْ.

فَبَعَثَ إِلَيْهِ رَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَامِرٍ، فَقَالَ: اذْهَبَا إِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ، فَاعْرِضَا عَلَيْهِ، وَقُولَا لَهُ، وَاطْلُبَا إِلَيْهِ. فَأَتَيَاهُ، فَدَخَلَا عَلَيْهِ فَتَكَلَّمَا، وَقَالَا لَهُ، وَطَلَبَا إِلَيْهِ.

فَقَالَ لَهُمَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ: إِنَّا بَنُو عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، قَدْ أَصَبْنَا مِنْ هَذَا الْمَالِ، وَإِنَّ هٰذِهِ الْأُمَّةَ قَدْ عَاثَتْ فِي دِمَائِهَا. قَالَا: فَإِنَّهُ يَعْرِضُ عَلَيْكَ كَذَا وَكَذَا، وَيَطْلُبُ إِلَيْكَ وَيَسْأَلُكَ. قَالَ: فَمَنْ لِي بِهَذَا؟ قَالَا: نَحْنُ لَكَ بِهِ. فَمَا سَأَلَهُمَا شَيْئًا إِلاَّ قَالَا: "نَحْنُ لَكَ بِهِ". فَصَالَحَهُ.

فَقَالَ الْحَسَنُ: وَلَقَدْ سَمِعْتُ أَبَا بَكْرَةَ يَقُولُ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- عَلَى الْمِنْبَرِ، وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلَى جَنْبِهِ، وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَعَلَيْهِ أُخْرَى، وَيَقُولُ « إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ، **وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ** ». [1]

ترجمہ: ابو موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت حسن بصری سے یہ فرماتے سنا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت معاویہ کے مقابلے میں پہاڑوں کے مثل لشکر لے کر گئے، تو حضرت عمرو بن عاص نے کہا کہ میں ایسا لشکر دیکھ رہا ہوں جو واپس نہیں لوٹ سکتا، جب تک کہ اپنے مقابل سارے لوگوں کو قتل نہ کر دے، اس پر حضرت معاویہ نے کہا- اور امیر معاویہ دونوں (امیر معاویہ و عمرو بن عاص) میں بہتر تھے- اے عمرو، اگر اِن لوگوں نے اُن لوگوں کو، اور اُن لوگوں نے اِن لوگوں کو قتل کر دیا تو لوگوں پر حکومت کرنے کے لیے میرے پاس کون ہوگا، میرے پاس ان کی عورتوں کی دیکھ بھال کرنے والا کون ہوگا۔ ان کے بے سہارا بچوں اور اپاہجوں کے لیے کون ہوگا؟

پھر انھوں نے قریش کی شاخ بنو عبد شمس کے دو آدمیوں -عبد الرحمٰن بن سمرہ اور عبد اللہ بن عامر- کو حضرتِ حسن مجتبیٰ کے پاس اس ہدایت کے ساتھ بھیجا کہ: "اُن صاحب کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے صلح پیش کرو، ان سے گفتگو کرو، اور انھیں صلح کی طرف بلاؤ"۔

یہ دونوں نمائندے حضرت حسنِ مجتبیٰ کی خدمت میں آئے اور آپ سے ملاقات کر کے بات چیت کے دوران صلح کی پیش کش کی۔

اس پر حضرت حسنِ مجتبیٰ نے فرمایا کہ "ہم عبد المطلب کی اولاد ہیں، ہم نے یہ مال پایا ہے اور یہ قوم اپنے خون میں لتھڑی ہوئی ہے"

ان دونوں نے کہا کہ وہ (حضرت معاویہ) آپ کی خدمت میں اتنا، اتنا پیش کرتے ہیں۔ اور صلح کے طالب ہیں اور صلح کا سوال کرتے ہیں۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۳۷۲، ۳۷۳، كتاب الصُّلح/ باب قولِ النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم للحسن بن علي: ابني هذا سيِّد، و لعلَّ الله أن يُّصلِح به بين فئتَين عظيمتَين، مجلس البركات، مبارك فور.

حضرت حَسَن نے پوچھا: اس کا ضامن کون ہے؟ تو دونوں نے عرض کیا کہ ہم ضامن ہیں۔
الغرض حضرت حَسَن مجتبیٰ جو بھی سوال کرتے، سب کے جواب میں یہ دونوں نمائندے یہی کہتے کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ اس پر حضرت حسن مجتبیٰ نے صلح کرلی۔
حضرت حسن بصری کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکرہ کو یہ فرماتے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر جلوہ افروز دیکھا اور حَسَن بن علی حضور کے پہلو میں تھے، حضور کبھی مجمع کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی ان کی طرف، اور فرماتے: **"میرا یہ بیٹا سیّد ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرائے گا۔"**(۱)

اس حدیث میں "دو بڑی جماعتوں" سے مراد حضرت امیر مُعاویہ اور حضرت امام حَسن رضی اللہ تعالیٰ کے دونوں لشکرِ جرار ہیں۔ اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد بلا شبہہ غیب کی اہم خبر ہے۔
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ معلوم تھا کہ حَسن مجتبیٰ آیندہ خلافت اور صلح کے بارے میں کیا فیصلہ کریں گے، اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے تیس سال بعد ہزاروں صحابہ و تابعین نے اس "غیبی خبر" کی صداقت کا منظرِ جمیل اپنی آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔ کیا ایسی غیبی خبر کی تصدیق بھی شرک ہوسکتی ہے؟

⑮ حضرت علی مرتضیٰ کے ہاتھ پر فتح خیبر کی پیشگی بشارت:

عَنْ سَلَمَةَ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ قَدْ تَخَلَّفَ عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فِي خَيْبَرَ، وَكَانَ بِهِ رَمَدٌ، فَقَالَ: أَنَا أَتَخَلَّفُ عَنْ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَخَرَجَ عَلِيٌّ فَلَحِقَ بِالنَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-، فَلَمَّا كَانَ مَسَاءُ اللَّيْلَةِ الَّتِي فَتَحَهَا اللهُ فِي صَبَاحِهَا، قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: «لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ -أَوْ لَيَأْخُذَنَّ الرَّايَةَ- غَدًا رَجُلاً يُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ -أَوْ قَالَ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ- يَفْتَحُ اللهُ عَلَيْهِ». فَإِذَا نَحْنُ بِعَلِيٍّ وَمَا نَرْجُوهُ، فَقَالُوا: هَذَا عَلِيٌّ. فَأَعْطَاهُ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- فَفَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ.(۲)

ترجمہ: حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم ﷺ سے غزوۂ خیبر

---

(۱) نزہۃ القاری، کچھ ترمیم واضافے کے ساتھ۔
(۲) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۵۲۵، كتاب المناقب/ بابُ مناقب علي بن أبي طالب أبي الحسن القُرشي، مجلس البركات، مبارك فور.

میں پیچھے رہ گئے تھے، انھیں آشوبِ چشم ہو گیا تھا۔ انھوں نے سوچا کہ میں تو رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ جا رہا ہوں، تو یہ نکل پڑے اور نبیِ اکرم ﷺ سے جا ملے۔ جب اس شب کی شام ہوئی جس کی صبح میں اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”میں کل عَلَم ایک ایسے شخص کو عطا کروں گا، یا عَلَم ایسا شخص لے گا جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں، یا وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔“

ہم نے دیکھا کہ حضرت علی آ گئے حالاں کہ ہمیں ان کے آنے کی امید نہ تھی، لوگ کہنے لگے یہ تو حضرت علی ہیں۔ آ گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو عَلَم عنایت فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کو ”آنے والے کل میں کیا ہو گا“ اس کی خبر تھی۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ایک تو پیچھے رہ گئے تھے، دوسرے آشوبِ چشم سے پریشان تھے اس لیے کسی کو یہ توقع نہ تھی کہ فتحِ خیبر کا سہرا ان کے سر سجے گا، مگر وہ آ گئے اور جیسا کہ اس حدیث کی دوسری روایت میں ہے آپ نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگا دیا تو وہ شفایاب بھی ہو گئیں، پھر آپ نے حضرت علی کو عَلَم عطا فرما کر میدانِ جنگ کے لیے روانہ فرما دیا تو دنیا یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ انھوں نے اپنی خداداد قوت و شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قلعۂ خیبر کو فتح بھی کر لیا اور سرورِ کونین ﷺ کی بشارت کا سبھی نے اپنے سر کی آنکھوں سے نظارہ کیا۔ کیا یہ حدیثِ صحیح سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیب دانی کی واضح دلیل نہیں ہے، اور کیا اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ آپ کو کل آیندہ میں رونما ہونے والے واقعات کی خبر ہے۔

⑯ دنیا اور آخرت کے احوالِ خیر سے آگاہی اور بشارت:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ أَعْرَابِيًّا جَاءَ إِلىٰ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ. قَالَ: «تَعْبُدُ اللهَ، لاَ تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلاَةَ الْمَكْتُوبَةَ، وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ».

قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لاَ أَزِيدُ عَلىٰ هٰذَا شَيْئًا أَبَدًا وَلاَ أَنْقُصُ مِنْهُ. فَلَمَّا وَلّٰى قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «**مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هٰذَا**».(۱)

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۳۱، كتاب الإيمان / باب السؤال عن أركانِ الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت ابوہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی صحابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسولَ اللہ، مجھے ایسا عمل بتائیے جس کو کرکے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ● اللہ کی عبادت کرو، ● اور اس کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کرو، ● اور فرض نماز پابندی سے ادا کرو، ● اور فرض زکات بھی ادا کرو ● اور رمضان کے روزے رکھو۔

تو اُن صحابی نے عرض کیا، قسم اُس ذاتِ یگانہ کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے میں ان فرائض پر (اپنی طرف سے) کچھ بھی، اور کبھی بھی زیادہ نہ کروں گا، نہ ان میں کوئی کمی کروں گا۔

جب وہ واپس ہوئے، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جسے اہل جنت کے کسی آدمی کو دیکھنے سے مسرّت ہو تو وہ اسے دیکھ لے"۔

اس حدیث میں حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیب کی تین خبریں دی ہیں جیسا کہ امام ابوزکریا محی الدین نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس انکشاف سے عیاں ہے، فرماتے ہیں:

فالظاهرُ منه: أنّ النّبيّ –صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّمَ– عَلِمَ:

● أنّهٗ يُوْفِي بمَا التزَمَ ، ● وأنّهٗ يدومُ على ذٰلِك ، ● و يدخُلُ الجَنَّةَ.[1]

ترجمہ: ارشادِ نبوی سے ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ ● اُن صحابی نے جن طاعات کا التزام کیا ہے انھیں پورا کریں گے ● اور وہ انھیں ہمیشہ کریں گے ● اور جنت میں داخل ہوں گے۔

بلا شبہہ یہ تینوں باتیں غیبی اَخبار ہیں جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلوم تھیں، ساتھ ہی یہ "غیبی اَخبار" اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور سید انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ وہ اَعرابی کل آیندہ کیا کریں گے۔

⑰ مدینہ سے سیکڑوں میل دور رونما ہونے والے واقعات سے سرکار نے بروقت آگاہ کیا:

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ –صلّى الله عليه وسلّمَ– نَعَى زَيْدًا وَجَعْفَرًا وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ ، فَقَالَ: « أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ

(۱) المنهاج شرح الصحيح لمسلم ، ج: ۱، ص: ۳۱، كتابُ الإيمان/ بابُ السُّؤال عن أركانِ الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ - وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ - حَتَّى أَخَذَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللهِ حَتَّى فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِمْ ».(۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو حضرت زید، حضرت جعفر، اور حضرت ابن رواحہ کے شہید ہونے کی خبر جنگ سے ان کی شہادت کی خبر آنے سے پہلے ہی دے دی۔ آپ نے فرمایا:

- زید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور وہ شہید ہو گئے،
- پھر جعفر نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے،
- پھر ابن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔

یہ خبر دیتے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ یہاں تک کہ سیفُ اللہ (خالد بن ولید) نے جھنڈا تھام لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینۂ منورہ میں قیام پذیر تھے مگر جنگ مُوتہ میں پیش آنے والے اہم واقعات کی غیبی خبریں اس طور پر دے رہے تھے جیسے کوئی اپنی ہتھیلی کے نشانات دیکھ دیکھ کر بتاتا جائے۔

اس حدیث پاک میں حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آٹھ غیب کی خبریں دی ہیں، دو، دو خبریں جنگ کا جھنڈا ہاتھ میں لینے اور شہید ہونے کی۔ دو ہاتھ میں جھنڈا لینے اور فتح یاب ہونے کی۔ تو ثابت ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا شبہہ دانائے غیوب ہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مُوتہ سے سیکڑوں کلو میٹر(۲) دور رہتے ہوئے خبر دے رہے ہیں کہ کون کہاں فوت ہو رہا ہے تو آپ کو "بأيّ أرضٍ تَموتُ" کا بھی علم ہے۔

⑱ رسول نے یہ بتا دیا کہ کون، کہاں مرے گا:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مقام بدر میں پہنچے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

هَذَا مَصْرَعُ فُلاَنٍ. وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الأَرْضِ هٰهُنَا وَهٰهُنَا، قَالَ: فَمَا مَاطَ

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ٦١١، كتاب المغازي/ باب غزوةِ مُوتَة مِن أرضِ الشام، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) "سیکڑوں کلو میٹر" مُوتہ: ملک شام کا ایک قصبہ ہے جس کا فاصلہ مدینہ منورہ سے جدید آلات پیمائش کے مطابق ۹۸۷ کلو میٹر، ۹۰۰ میٹر بتایا جاتا ہے۔ ۱۲ منہ۔

أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ اللهِ صلّى الله عليه وسلَّمَ.[1]

ترجمہ: یہ فلاں کے ہلاک ہونے کی جگہ ہے اور آپ اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر فرماتے، یہاں اور یہاں۔ (یعنی فلاں، فلاں یہاں، یہاں قتل ہو کر گریں گے) راویِ حدیث کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے جو نشان دِہی فرمائی تھی اس جگہ سے ہٹ کر اِدھر اُدھر کوئی نہ گرا۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

و فيه معجزتان مِن أَعْلامِ النبوة. أحدُهما: إخبارُه -صلَّى الله تعالىٰ عليه وسلم- بمَصرعِ جَبابِرَتهم، فلم يتعدّ مَصْرَعَه. إلخ.[2]

اس حدیث میں دو معجزے ہیں جو نبوت کے دلائل سے ہیں۔ پہلا معجزہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے ظالموں کے قتل ہونے کی جگہ بتادی تو کوئی اس سے اِدھر اُدھر نہ گِرا۔

(۲۰) حضور پُر نور سید المرسلین ﷺ کا یہ ارشاد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ، خدا کی قسم کھا کر بیان کیا ہے، حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رویتِ ہلال کے ایک واقعے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثُمَّ أَنْشَأَ (عُمَرَ -ن) يُحَدِّثُنَا عَنْ أَهْلِ بَدْرٍ، فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- كَانَ يُرِينَا مَصَارِعَ أَهْلِ بَدْرٍ بِالأَمْسِ يَقُولُ: «هَذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ غَدًا إِنْ شَاءَ اللهُ». قَالَ: فَقَالَ عُمَرُ: فَوَالَّذِى بَعَثَهُ بِالْحَقِّ مَا أَخْطَئُوا الْحُدُودَ الَّتِي حَدَّ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-.[3]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم سے اہل بدر کے بارے میں بیان کرنے لگے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک روز پہلے ہمیں اہل بدر کی ہلاکت گاہیں دکھا دی تھیں اور بتا دیا تھا کہ فلاں کل یہاں ہلاک ہوگا اِن شاءاللہ۔

حضرت عمر نے کہا: اُس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، رسول اللہ

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۱۰۲، كتابُ الجهاد و السِّيَر، بابُ غزوة بدر، مجلس البركات.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۱۰۲، كتاب الجهاد والسِّير/ باب غزوة بدر، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۳۸۶، ۳۸۷، كتاب الجنّةِ وصفةِ نعيمها وأهلها، مجلس البركات، مبارك فور.

ﷺ نے ہر ایک کے ہلاک ہونے کی جو جگہ بتائی تھی کوئی اس سے ادھر ادھر نہ گرا۔

اب یہاں آیت کریمہ "وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ" کو بھی پیش نظر رکھیے تو کتاب و سنت میں موافقت کی واضح صورت سامنے آئے گی کہ کون کہاں مرے گا یہ کسی کو نہیں معلوم، لیکن خداے علیم و خبیر کے بتانے سے رسول اللہ ﷺ کو معلوم بھی ہے اور بتاتے بھی ہیں۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ کو معلوم تھا کہ کون کہاں مرے گا۔ اور اس سلسلے میں آپ نے جو فرمایا وہی ہو کر رہا۔

⑳ پیٹھ پیچھے ظاہر و باطن کا نظارہ:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ الله -صلّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَ: « هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هٰهُنَا، وَالله مَا يَخْفٰى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ وَلاَ خُشُوْعُكُمْ وَإِنِّي لأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِي ».(۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میری توجہ یہاں ہے، اللہ کی قسم مجھ پر تمھارا رکوع و خشوع مخفی نہیں ہے، میں بلا شبہہ تم کو اپنی پیٹھ پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔

㉑ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَ: « أَقِيمُوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، فَوَاللهِ إِنِّي لأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِي، وَرُبَّمَا قَالَ: مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي إِذَا رَكَعْتُمْ وَسَجَدْتُمْ».(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم رکوع و سجود صحیح طور پر ادا کرو، میں اللہ کی قسم تم کو اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں، اور کبھی آپ نے فرمایا: جب تم لوگ رکوع اور سجدہ کرتے ہو تو میں تم لوگوں کو اپنی پشت کے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔

حضور سید عالم ﷺ نے ان احادیث میں اپنی غیب دانی کے دو ثبوت دیے ہیں:

● ایک یہ کہ آپ اپنی پشت کے پیچھے ہونے والے امور کو دیکھتے ہیں، کون رکوع و سجود صحیح طور پر ادا کر رہا ہے اور کون غلط طور پر ادا کر رہا ہے یہ سب کچھ سرکار مشاہدہ فرماتے ہیں۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۰۲، كتاب الأذان/ باب الخشوع في الصّلاة، مجلس البركات؛

(۲) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۱۰۲، كتاب الأذان/ باب الخشوع في الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

● دوسرے یہ کہ قلبی کیفیات پر بھی آپ کی نظر ہے۔ خشوع و خضوع کا تعلق دل کے نہاں خانے سے ہے مگروہ بھی آپ کی نگاہ سے مخفی نہیں۔

⑭ دنیا کے غیبی احوال اور قبر کے ناقابل ادراک اسرار کی خبر:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- بِحَائِطٍ مِنْ حِيطَانِ الْمَدِينَةِ أَوْ مَكَّةَ، فَسَمِعَ صَوْتَ إِنْسَانَيْنِ يُعَذَّبَانِ فِي قُبُورِهِمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: «يُعَذَّبَانِ، وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ»، ثُمَّ قَالَ: «بَلىٰ، كَانَ أَحَدُهُمَا لاَ يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ، وَكَانَ الآخَرُ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ». ثُمَّ دَعَا بِجَرِيدَةٍ فَكَسَرَهَا كِسْرَتَيْنِ، فَوَضَعَ عَلىٰ كُلِّ قَبْرٍ مِنْهُمَا كِسْرَةً. فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ الله! لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا؟ قَالَ: «لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفَ عَنْهُمَا مَا لَمْ تَيْبَسَا -أَوْ- إِلىٰ أَنْ يَيْبَسَا».[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے ایک باغ کے پاس سے گزرے تو آپ نے دو انسانوں کی آواز سنی جن پر اُن کی قبروں میں عذاب ہورہا تھا۔ تو نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے۔ اور ان کو کسی ایسے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہورہا ہے جس سے بچنا دشوار ہو،

پھر آپ نے فرمایا:

ان دونوں میں سے ایک اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا، اور دوسرا چغل خوری کرتا تھا، پھر آپ نے کھجور کی ایک شاخ منگا کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور ایک ایک ٹکڑا دونوں قبروں پر رکھ دیا۔ آپ سے عرض کیا گیا، یارسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو آپ نے فرمایا، تاکہ یہ شاخیں جب تک خشک نہ ہوں ان کے عذاب میں تخفیف رہے۔

اس حدیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حال اور ماضی دونوں زمانوں کے غیوب کی خبر دی ہے۔

● آپ بتارہے ہیں کہ دونوں قبر والوں پر عذاب ہورہا ہے، یہ زمانۂ حال کا غیب ہے۔

● اور آپ نے اس عذاب کا سبب بتایا کہ ایک پیشاب کے ناپاک چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۳۴، ۳۵، كتاب الوضوء/ بابٌ مِن الكبائر أن لا يستتر من بوله، مجلس البركات، مبارك فور.

دوسرا چغل خوری کرتا تھا۔ یہ دونوں گناہ زمانہ ماضی کے ہیں۔

ان دونوں نے اپنی زندگی میں یہ گناہ نہ جانے کب کب کیے ہوں گے مگر سرکار علیہ الصلاۃ والسلام دونوں کی خبر پورے جزم کے ساتھ دے رہے ہیں جو بلاشبہہ غیبی اخبار ہیں۔

(۴۳) قیامت کی پہلی نشانی، جنت کی پہلی غذا اور بعض اسرارِ خلقت کی خبر:

حَدَّثَنَا أَنَسٌ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ سَلامٍ بَلَغَهُ مَقْدَمُ النَّبِيِّ -صلَّى الله عليه وسلَّمَ- الْمَدِينَةَ ، فَأَتَاهُ يَسْأَلُهُ عَنْ أَشْيَاءَ ، فَقَالَ: إِنِّي سَائِلُكَ عَنْ ثَلاثٍ لاَ يَعْلَمُهُنَّ إِلاَّ نَبِيٌّ.

- مَا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ؟
- وَمَا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ؟
- وَمَا بَالُ الْوَلَدِ يَنْزِعُ إِلَىٰ أَبِيهِ أَوْ إِلَىٰ أُمِّهِ؟

قَالَ: أَخْبَرَنِي بِهِ جِبْرِيلُ آنِفًا. قَالَ ابْنُ سَلامٍ: ذَاكَ عَدُوُّ الْيَهُودِ مِنَ الْمَلائِكَةِ ، قَالَ:

- أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ فَنَارٌ تَحْشُرُهُمْ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ.
- وَأَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ، فَزِيَادَةُ كَبِدِ الْحُوتِ.
- وَأَمَّا الْوَلَدُ ، فَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ ، وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ مَاءَ الرَّجُلِ نَزَعَتِ الْوَلَدَ.

قَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللهِ.[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ عبد اللہ بن سلام کو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کی اطلاع ملی تو وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند چیزوں کے بارے میں سوال کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

انھوں نے کہا کہ میں آپ سے تین ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کر رہا ہوں جن کو نبی کے سوا کوئی اور نہیں جانتا۔

(۱) قیامت کی سب سے پہلی نشانی کیا ہے؟

(۲) اہلِ جنت سب سے پہلے کیا کھائیں گے؟

---

(۱) صحيح البخاري ج: ۱، ص: ۵٦۱، كتاب بنيان الكعبة/ بعد باب كيف آخى النبي ﷺ بين أصحابه، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) اولاد کبھی اپنے والد کے مُشابِہ ہوتی ہے اور کبھی اپنی ماں کے مُشابِہ ہوتی ہے، اس کا سبب کیا ہے؟

حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ابھی ابھی حضرت جبرئیل نے مجھے اس کی خبر دی ہے، ابن سلام نے کہا وہ تو فرشتوں میں یہودیوں کے دشمن ہیں۔

حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:

● قیامت کی سب سے پہلی نشانی ایک عظیم آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کرے گی۔

● اور اہل جنت کی سب سے پہلی غذا مچھلی کے جگر کا ٹکڑا ہے۔

● رہا اولاد کا باپ یا ماں کے مُشابِہ ہونا، تو اس کا سبب یہ ہے کہ جب مرد کا نطفہ عورت کے مادۂ منویہ پر سبقت لے جاتا ہے تو اولاد مرد کے مُشابِہ و ہم شکل ہوتی ہے اور جب عورت کا مادۂ تولید مرد کے نطفے پر سبقت لے جاتا ہے تو اولاد ماں کے مُشابِہ و ہم شکل ہوتی ہے۔

یہ جواب سن کر وہ بول پڑے: أشهد أن لآ إله إلّا الله و أنك رسولُ الله۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

(۲۴) حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہما کی شہادت کی خبر:

عَنْ قَتَادَةَ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ أَنَّ النَّبِيَّ -صلَّى الله عليه وسلَّمَ- صَعِدَ أُحُدًا وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ، فَرَجَفَ بِهِمْ. فَقَالَ: اثْبُتْ أُحُدُ! فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ.(۱)

ترجمہ: حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک نے یہ حدیث بیان کی کہ نبیِ اکرم ﷺ اور ابو بکر و عمر و عثمان اُحد پہاڑ پر چڑھے تو وہ ان مقدس ہستیوں کی وجہ سے (خوشی میں) ہلنے لگا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے اُحد! ٹھہر جا، کیوں کہ تجھ پر ایک نبی، ایک صِدّیق اور دو شہید ہیں۔

اس حدیث میں "دو شہید" سے مراد حضرت سیّدنا عمر فاروق اعظم اور حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہما ہیں، یہ دونوں خلفائے راشدین سے ہیں اور یہ اپنے اپنے عہد خلافت میں شہید ہوئے۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۵۱۹، كتاب المناقب، تحت "باب" بعد "باب" قول النبي ﷺ: لو كنتُ متخذًا خليلاً، مجلس البركات، مبارك فور.

حضور سید عالم ﷺ نے جس وقت اِن حضرات کی شہادت کی غیبی خبر دی تھی اس کے برسوں بعد اس کی صداقت دنیا کے سامنے آئی اور وہ حضرات شہید ہو گئے۔

اس حدیث میں سرکار علیہ التحیۃ والثنا نے تین تین غیب کی خبریں دی ہیں:

❁ ایک یہ کہ یہ حضرات زندگی کی آخری سانس تک صاحب ایمان رہیں گے۔

❁ دوسری خبر یہ کہ خاتمہ بھی ایمان پر ہی ہوگا۔

❁ تیسری خبر یہ کہ موت شہادت کی ہوگی۔

اور حق یہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے جیسی خبر دی تھی ویسی ہی اور اسی ترتیب سے پوری بھی ہوئی۔

㉕ ذوالخُوَیصرہ تمیمی کے بے ادب گروہ کے ظہور اور ان کے احوال کی خبر:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ: بَيْنَا النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- يَقْسِمُ، جَاءَ عَبْدُ الله بْنُ ذِي الْخُوَيْصِرَةِ التَّمِيمِيُّ، فَقَالَ: اعْدِلْ يَا رَسُولَ الله، فَقَالَ: وَيْلَكَ، و مَنْ يَعْدِلُ، إِذَا لَمْ أَعْدِلْ. قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: ائذَنْ لِي فَأَضْرِبْ عُنُقَهُ. قَالَ: «دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلاتَهُ مَعَ صَلاتِهِم، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِم ، يَمْرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ.»(1)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ (مالِ غنیمت) تقسیم فرمارہے تھے، اتنے میں عبد اللہ ذو الخویصرہ تمیمی آیا اور کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ آپ انصاف کیجیے۔ تو آپ نے فرمایا: تیری ہلاکت ہو، اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو پھر کون انصاف کرے گا۔ یہ سن کر حضرت عُمر بن خطّاب نے عرض کیا: حضور مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، تو آپ نے فرمایا: اس کو چھوڑ دو کہ اس کے کچھ ساتھی ایسے ہوں گے جن کی نماز کے آگے تم اپنی نماز کو اور جن کے روزے کے مقابل اپنے روزے کو معمولی سمجھوگے۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذُو الخویصرہ تمیمی کے جس گروہ کی خبر دی ہے وہ گروہ آج بھی پایا جاتا ہے، اور یہ وہی گروہ ہے جو حضور سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرتا ہے، آپ کے بہت سے

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۲٤، ۱۰۲٥، كتابُ استتابة المعاندين والمرتدّين وقتالهم/ باب من ترك قتالَ الخوارج للتألُّف، مجلس البركات، مبارك فور.

فضائل کا انکار کرتا ہے مگر نمازیں اس کثرت سے پڑھتا ہے کہ ہم ان کے مقابل اپنی نمازوں کو معمولی تصور کرتے ہیں، اس "پہچان" کے لوگوں کو پہچان لیجیے تو خود ہی سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کی تصدیق ہو جائے گی۔

(۴۶) قربِ قیامت میں چلنے والی پُر اسرار ہوا کی حیرت انگیز تاثیر پر آگاہی اور یقینی خبر:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: « إِنَّ اللهَ يَبْعَثُ رِيحًا مِنَ الْيَمَنِ أَلْيَنَ مِنَ الْحَرِيرِ فَلاَ تَدَعُ أَحَدًا فِي قَلْبِهِ. قَالَ أَبُو عَلْقَمَةَ: مِثْقَالُ حَبَّةٍ، وَقَالَ عَبْدُ الْعَزِيزِ: مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ إِيمَانٍ إِلاَّ قَبَضَتْهُ». (۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عزّوجل یمن سے ایک ہوا بھیجے گا جو ریشم سے زیادہ نرم ہوگی تو جس کے دل میں ایک دانہ برابر، یا ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ ہوا اس کی روح قبض کر لے گی۔

یہ ہوا حضرت عیسیٰ بن مریم علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے آسمان سے نزول اور دجّالِ لعین کے قتل کے بعد چلے گی جیسا کہ صحیح مسلم، کتابُ الفِتن میں حضرت عبد اللہ بن عمرو کی حدیث میں اس کا ذکر ہے اور حدیث نمبر ۱۴ کے ضمن میں حضرت نواس بن سمعان کی روایت میں بھی بیان ہوا۔

مگر فرقۂ وہابیہ کے امام کے مطابق "وہ ہوا چل چکی" جس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا سے سارے ایمان والے اٹھ گئے اب صرف کافر ہی کافر رہ گئے۔ اپنا اقرار، اپنے حق میں حجت ہوتا ہے، دوسروں پر نہیں، امام الطائفہ کو اقرار ہے کہ وہ ہوا چل چکی تو یہ ان کے اوپر حجت ہے، ان کی مرضی وہ اپنے لیے جو چاہیں اقرار کریں، لیکن ہم مسلمان یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ہوا اُس وقت چلے گی جب قیامت قائم ہونے کا وقت قریب سے قریب تر آچکا ہوگا۔ اور بہر حال اُس ہوا کے چلنے کی خبر ضرور اَخبارِ غیب سے ہے۔

امام الطائفہ کے بقول تو یہ غیبی خبر ظہور میں آچکی، پھر بھی وہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے عقیدۂ غیب کو مطلقاً شرک کہتے ہیں۔ اس سے ان کی فہمِ حدیث کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور عمل بالحدیث کا بھی۔

(۴۷) حضرت ثابت بن قیس کے حسنِ خاتمہ اور ان کے جنتی ہونے کا اظہار و بشارت:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ " يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۷۵، كتاب الإيمان/ باب مخافة المؤمن أن يحبط عمله، مجلس البركات، مبارك فور.

اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" إِلَى آخِرِ الآيَةِ. جَلَسَ ثَابِتٌ فِي بَيْتِهِ، وَقَالَ: أَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَاحْتَبَسَ عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلّم- فَسَأَلَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّم- سَعْدَ بْنَ مُعَاذٍ. فَقَالَ: "يَا أَبَا عَمْرٍو مَا شَأْنُ ثَابِتٍ، أَشْتَكىٰ؟". قَالَ سَعْدٌ: إِنَّهُ لَجَارِي، وَمَا عَلِمْتُ لَهُ بِشَكْوٰى. قَالَ فَأَتَاهُ سَعْدٌ فَذَكَرَ لَهُ، قَوْلَ رَسُولِ الله -صلّى الله عليه وسلّم- فَقَالَ ثَابِتٌ: أُنْزِلَتْ هَذِهِ الآيَةُ: وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنِّي مِنْ أَرْفَعِكُمْ صَوْتًا عَلَى رَسُولِ الله -صلّى الله عليه وسلّم- فَأَنَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ. فَذَكَرَ ذٰلِكَ سَعْدٌ لِلنَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلّم- فَقَالَ رَسُولُ الله: -صلّى الله عليه وسلّم-: **"بَلْ هُوَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ".**[۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیتِ کریمہ: "يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ"[۲] (اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آوازوں کو بلند مت کرو) نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ گئے، انھوں نے کہا کہ میں تو جہنمی ہو گیا (وہ اس خیال کے باعث) نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری دینے سے بھی رک گئے، نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سعد بن معاذ سے دریافت کیا کہ اے ابو عمرو! ثابت کا کیا حال ہے، کیا وہ بیمار ہے؟ تو سعد نے کہا: حضور وہ میرے پڑوسی ہیں اور مجھے ان کی کسی بیماری کا علم نہیں۔

اس کے بعد حضرت سعد "ثابت" کے پاس گئے اور ان سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حال معلوم کرنے کی بات ذکر کی، تو ثابت نے کہا یہ آیت نازل ہوئی ہے (لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ) اور تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں میری آواز سب سے زیادہ بلند رہتی تھی۔ تو میں جہنمی ہوں۔

حضرت سعد نے نبیِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایسا نہیں ہے، بلکہ وہ تو جنتی ہے۔

حضرت انس کی دوسری روایت میں یہ اضافہ بھی ہے:

قال: فكنّا نراه يمشي بين أَظْهُرِنا رجلٌ من أهل الجنة.[۳]

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۷۵، كتاب الإيمان/ بابٌ في الرّيح التي تكون في قرب القيامة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) القرآن الكريم، سورة الحجرات: ٤٩، الآية: ٢.

(۳) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۷۵، كتابُ الإيمان/ باب مخافة المؤمن أن يحبط عمله، مجلس البركات، مبارك فور.

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس ہمارے درمیان چلتے تو ہم ان کے تعلق سے یہ اعتقاد رکھتے کہ وہ جنتی آدمی ہیں۔

اس حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے غیب کی دو خبریں دی ہیں:

- پہلی خبر یہ کہ ثابت بن قیس بن شماس ایمان پر فوت ہوں گے،
- دوسری خبر یہ کہ جنتی ہوں گے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور ﷺ کو "دانائے غیوب" جانتے تھے اسی لیے وہ حضرت ثابت بن قیس کو جنتی مانتے تھے۔

⑳ حضرت مالک بن دُخشُن کے لیے تصدیق وایمانِ قلبی کی شہادت:

أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ الأَنْصَارِيّ، أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ رضي الله تعالى عنه -وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلم- مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الأَنْصَارِ- أَنَّهُ أَتىٰ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِي، وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي وَإِذَا كَانَتِ الأَمْطَارُ سَالَ الْوَادِي الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ لَهُمْ. وَدِدْتُ أَنَّكَ يَا رَسُولَ اللهِ تَأْتِي فَتُصَلِّي فِي مُصَلًّى، فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى، قَالَ: فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: «سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالىٰ».

قَالَ عِتْبَانُ: فَغَدَا عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- وَأَبوبَكْرٍ الصِّدِّيقُ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَأَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتّٰى دَخَلَ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ: «أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ». قَالَ: فَأَشَرْتُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَكَبَّرَ، فَقُمْنَا فَصَفَفْنَا فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ.

قَالَ: وَحَبَسْنَاهُ عَلىٰ خَزِيرٍ صَنَعْنَاهُ لَهُ. قَالَ: فَثَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذَوُو عَدَدٍ فاجتمَعوا، فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ: أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخْشُنِ أو ابنُ الدُّخَيْشِنِ. فَقَالَ بَعْضُهُمْ: ذٰلِكَ مُنَافِقٌ لاَيُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: لاَ تَقُلْ لَهُ ذٰلِكَ أَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ: **لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، يُرِيدُ بِذٰلِكَ وَجْهَ اللهِ،** قَالَ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّمَا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلَى الْمُنَافِقِينَ. قَالَ

رَسُولُ اللہ -صلّی اللہ علیہ وسلَّمَ-: فَإِنَّ اللہَ عزّ و جلّ قَدْ حَرَّمَ عَلَی النَّارِ مَنْ قَالَ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللہ. يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللہ.[1]

ترجمہ: حضرت محمود بن ربیع انصاری نے مجھے خبر دی کہ حضرت عِتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ- جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُن انصاری اصحاب میں سے تھے جو بدر میں شریک ہوئے تھے—— رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا رسولَ اللہ! میری نظر کمزور ہو گئی ہے اور میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں۔ جب بارش ہوتی ہے تو وہ نالہ جو میرے اور ان کے درمیان ہے بہنے لگتا ہے۔ تو میں ان کی مسجد تک نہیں جا سکتا کہ انھیں نماز پڑھاؤں۔ میں چاہتا ہوں یا رسولَ اللہ کہ آپ میرے گھر چلیں اور میرے گھر میں نماز پڑھ دیں کہ میں اسے نماز پڑھنے کی جگہ بنا لوں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اِن شاء اللہ میں ایسا کروں گا۔ حضرت عتبان نے بتایا کہ دوسرے دن صبح کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر سورج بلند ہونے کے بعد تشریف لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (گھر میں داخل ہونے کی) اجازت طلب فرمائی، میں نے حضور کو اجازت دی، گھر میں تشریف لانے کے بعد حضور بیٹھے نہیں، فرمایا تم کہاں پسند کرتے ہو کہ میں تمھارے گھر میں نماز پڑھوں، تو میں نے گھر کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی، ہم بھی کھڑے ہو گئے اور صف لگائی۔ حضور نے دو رکعت نماز پڑھی پھر سلام پھیر دیا۔

ہم نے حضور کے لیے خزیرہ (ایک قسم کا کھانا) تیار کیا تھا، اس کے لیے روک لیا۔ اب گھر میں محلے والوں میں سے کثیر تعداد (میں لوگ) جمع ہو گئے۔ ان میں سے کسی نے کہا مالک ابن دُخشن یا دُخَیشِن کہاں ہے؟ کسی نے کہا وہ منافق ہے، اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں رکھتا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ مت کہو، کیا تم نہیں جانتے کہ **اس نے اللہ عزّ و جل کی رضا کے لیے لآ إلٰہ إلّا اللہ پڑھا ہے۔** اس شخص نے عرض کیا: اللہ اور اُس کے رسول خوب جانتے ہیں، ہم اس کی توجہ اور اس کی خیر خواہی منافقین کی جانب دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی رضا کی طلب کے لیے "لآ إلٰہ إلّا اللہ" پڑھ لیا۔ اللہ نے اسے جہنم پر حرام فرما دیا ہے۔[2]

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ٦٠، كتاب الصّلاة/ باب المساجد في البيوت، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) نزهة القاري، ج: ۲، ص: ٤١٥، ٤١٦، ٤١٧، كتاب الصلاة، دائرة البركات، گھوسی.

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مالک بن دُخشن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا:

لَا تَقُلْ ذٰلكَ، أَلَا تراهُ، قد قال: " لَآ إلٰه إلّا الله" يُر يد بِذٰلك وَجْهَ اللهِ.

اسے منافق مت کہو، کیا تم نہیں جانتے کہ:

"اس نے اللہ عزّوجل کی رضا کے لیے، رضا کے ارادے سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا الله کہا ہے۔"

دوسری روایت میں "يُر يدُ بذٰلك" کی جگہ " يَبْتَغِي بِذٰلك وَجْهَ الله." [1] ہے **یعنی اللہ کی رضا چاہتے ہوئے اس نے کلمہ پڑھا ہے۔**

اللہ کی "رضا کا ارادہ" دل کا فعل ہے اور اللہ کی " رضا چاہنا" بھی دل کا فعل ہے تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ خبر دے رہے ہیں کہ مالک بن دُخشن نے دل سے کلمہ پڑھا ہے، اس نے اللہ کی رضا کے ارادے سے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے کلمہ پڑھا ہے، ایسا نہیں ہے کہ منافقوں کی طرح زبان سے پڑھ لے اور دل میں کفر چھپائے رکھے۔

تو اس ارشاد پاک کے ذریعہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مالک بن دُخشُن کے دل میں چھپے ہوئے ایمان و تصدیق کی خبر دی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

قَدْ نصَّ النبيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- علىٰ إيمانهٖ باطِنًا و براءته من النّفاق. [2]

یقیناً نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صراحت فرمادی کہ وہ دل سے مومن ہیں اور نفاق سے بَری۔

(۲۹) ایک بہت ہی رازدارانہ مکتوب، حاملِ مکتوب اور مقام گرفتاری کی حیرت انگیز خبر:

أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ الله بْنُ أَبِي رَافِعٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا -رضى الله عنه- يَقُولُ: بَعَثَنِي رَسُولُ الله -صلّى الله عليه وسلَّمَ- أَنَا وَالزُّبَيْرَ وَالْمِقْدَادَ بْنَ الأَسْوَدِ، وَ قَالَ: انْطَلِقُوا حَتّٰى تَأْتُوا رَوْضَةَ خَاخٍ، فَإِنَّ بِهَا ظَعِينَةً وَمَعَهَا كِتَابٌ، فَخُذُوهُ مِنْهَا. فَانْطَلَقْنَا تَعَادَى بِنَا خَيْلُنَا حَتّٰى انْتَهَيْنَا إِلَى الرَّوْضَةِ، فَإِذَا نَحْنُ بِالظَّعِينَةِ، فَقُلْنَا: أَخْرِجِي

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۱۵۸، كتابُ التهجُّد / بابُ صلاة النوافل جماعةً. مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم بن الحجاج،ج:۱، ص:٤٦، كتاب الإيمان/ باب الدليل على أنّ من مات على التّوحيد إلخ، مجلس البركات، مبارك فور.

الْكِتَابَ. فَقَالَتْ: مَا مَعِي مِنْ كِتَابٍ. فَقُلْنَا: لَتُخْرِجِنَّ الْكِتَابَ أَوْ لَنُلْقِيَنَّ الثِّيَابَ. فَأَخْرَجَتْهُ مِنْ عِقَاصِهَا، فَأَتَيْنَا بِهِ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-، فَإِذَا فِيهِ:

"مِنْ حَاطِبِ بْنِ أَبِي بَلْتَعَةَ إِلَى أُنَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ، يُخْبِرُهُمْ بِبَعْضِ أَمْرِ رَسُولِ اللهِ -صلَّى الله عليه وسلَّمَ-".

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: يَا حَاطِبُ، مَا هٰذَا؟ قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ! لاَ تَعْجَلْ عَلَيَّ، إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مُلْصَقًا فِي قُرَيْشٍ، وَلَمْ أَكُنْ مِنْ أَنْفُسِهَا، وَكَانَ مَنْ مَعَكَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ لَهُمْ قَرَابَاتٌ بِمَكَّةَ، يَحْمُونَ بِهَا أَهْلِيهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ، فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِي ذٰلِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيهِمْ أَنْ أَتَّخِذَ عِنْدَهُمْ يَدًا يَحْمُونَ بِهَا قَرَابَتِي، وَمَا فَعَلْتُ كُفْرًا وَلاَ ارْتِدَادًا وَلَا رِضًا بِالْكُفْرِ بَعْدَ الإِسْلاَمِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّم-: لَقَدْ صَدَقَكُمْ، قَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللهِ! دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هَذَا الْمُنَافِقِ. قَالَ: إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَكُونَ قَدِ اطَّلَعَ عَلَىٰ أَهْلِ بَدْرٍ، فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ، فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ،

فَقَالَ سُفْيَانُ: وَأَيِّ إِسْنَادٍ هٰذَا.(۱)

ترجمہ: عبید اللہ بن ابو رافع نے کہا: میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے اور زُبیر اور مقداد بن اسود کو بھیجا، فرمایا چلتے رہو یہاں تک کہ "روضۂ خاخ" تک پہنچو، وہاں ایک ہودج نشین عورت ہوگی اس کے پاس ایک خط ہے، یہ خط اس سے لے لو، ہم چلے، ہمارے گھوڑے ہمیں دوڑاتے رہے، یہاں تک کہ روضہ تک پہنچے، وہاں ہمیں ایک ہودج نشین عورت ملی، ہم نے اس سے کہا خط نکالو، اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا: "خط نکالو، یا کپڑے اتارو" اس نے خط کو اپنی چوٹی سے نکالا۔

ہم وہ خط لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے:

"یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مکہ کے کچھ مشرکین کے نام تھا وہ مشرکین کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعض باتوں کی خبر دے رہے تھے۔"

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے حاطب یہ کیا ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھ پر جلدی نہ

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ٤٢٢، كتاب الجهاد/ باب الجاسوس، مجلس البركات.

فرمائیں، میں قریش میں سے نہیں ہوں، ان میں آکر رہنے لگا ہوں۔ حضور کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی مکہ میں رشتہ داریاں ہیں جس کی وجہ سے وہ ان کے اہل و عیال اور اَموال کی حفاظت کرتے ہیں، میں نے یہ چاہا کہ جب قریش سے میرا کوئی نسبی تعلق نہیں تو میں ان پر ایک احسان کروں جس کی وجہ سے وہ لوگ میرے رشتہ داروں کی حمایت کریں، میں نے کفر، یا ارتداد، یا اسلام کے بعد کفر پر رضا مندی کی وجہ سے ایسا نہیں کیا ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حاطب نے تم سے سچی بات کہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں، حضور نے ارشاد فرمایا: یہ بدر میں شریک ہو چکا ہے اور تمھیں کیا معلوم، اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے بارے میں یہ فرمایا ہے "اب تم جو چاہو کرو میں نے تمھیں بخش دیا"۔

سفیان نے کہا کہ اس حدیث کی سند کیا ہی عمدہ ہے۔[1]

یہ مسلمانوں کے ایک اہم جنگی راز کی جاسوسی تھی اس لیے اسے اِمکانی حد تک مخفی رکھنے کی کوشش کی گئی ہوگی، مگر سرور کائنات ﷺ کی غیب دانی نے اس "رازِ مخفی" کو بھی اِفشا کر دیا۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ حضور ﷺ نے خود سے یہ غیب دریافت کر لیا، بلکہ ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدائے علّام الغیوب کے اطلاع دینے سے آپ کو اس "رازِ مخفی" کا علم ہوا۔ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (القران الحکیم)

تو ثابت ہوا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غیب پر اطلاع ہے اور یہ اطلاع خاص فضلِ خداوندی ہے۔

(۳۰) آخری جہنمی اور آخری جنتی کے بارے میں علم یقینی کا اظہار، اور اس پر انعاماتِ ربانی کی خبر:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ-: «إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا، وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولاً الْجَنَّةَ. رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ حَبْوًا، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ،

(١) نزهة القاري، ج: ٦، ص: ٢٥٤، ٢٥٥، ٢٥٦، باب الجهاد، دائرة البركات، گھوسی.

فَيَأْتِيهَا، فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلأَى، فَيَرْجِعُ، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، وَجَدْتُهَا مَلأَى، فَيَقُولُ اللهُ تَعَالَى لَهُ: اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، قَالَ: فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلأَى، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ وَجَدْتُهَا مَلأَى، فَيَقُولُ الله تعالى لَهُ: اذْهَبْ، فَادْخُلِ الْجَنَّةَ، فَإِنَّ لَكَ مِثْلَ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ أَمْثَالِهَا.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک میں آخری جہنمی کو جو جہنم سے نکلے گا اور آخری جنتی کو جو جنت میں داخل ہوگا ضرور جانتا ہوں، یہ وہ آدمی ہے جو جہنم سے گھسٹتے ہوئے نکلے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، جاؤ، جنت میں داخل ہوجاؤ۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ وہ جنت میں جائے گا تو اسے خیال گزرے گا کہ وہ بھر چکی ہے تو وہ واپس چلا آئے گا، اور عرض کرے گا، پروردگار! جنت تو بھر چکی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا، جاؤ، جنت میں داخل ہوجاؤ۔

حضور فرماتے ہیں کہ وہ دوبارہ جنت میں جائے گا تو یہ سمجھے گا کہ جنت بھری ہوئی ہے تو واپس آجائے گا اور عرض کرے گا، میرے رب! جنت تو مجھے بھری ہوئی ملی، تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، جاؤ اور جنت میں داخل ہوجاؤ کہ تیرے لیے جنت کی وسعت وکشادگی دنیا کے برابر ہے اور اس کے دس گنا اور زیادہ ہے۔

(۳۱) جہنم سے سب سے آخر میں نجات پانے والے کی بخشش کا دل چسپ واقعہ اور اہم غیبی خبر:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ –صلّى الله عليه وسلّم–: «إِنِّي لأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولاً الْجَنَّةَ، وَآخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا مِنْهَا، رَجُلٌ يُؤْتَى بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُقَالُ: اعْرِضُوا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوبِهِ وَارْفَعُوا عَنْهُ كِبَارَهَا. فَتُعْرَضُ عَلَيْهِ صِغَارُ ذُنُوبِهِ، فَيُقَالُ: عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، كَذَا وَكَذَا وَعَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا، كَذَا وَكَذَا. فَيَقُولُ: نَعَمْ! لاَ يَسْتَطِيعُ أَنْ يُنْكِرَ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِ ذُنُوبِهِ أَنْ تُعْرَضَ عَلَيْهِ. فَيُقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً. فَيَقُولُ: "رَبِّ قَدْ عَمِلْتُ أَشْيَاءَ لاَ أَرَاهَا هٰهُنَا". فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ –صلَّى الله عليه وسلَّم– ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلاشبہہ میں

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۱۰۵، كتاب الايمان/ بابُ إثبات الشَّفاعة، مجلس البركات.
(۲) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۱۰۶، كتاب الإيمان/ باب إثبات الشَّفاعة، مجلس البركات.

یقین کے ساتھ اُس آدمی کو جانتا ہوں جو سب سے آخر میں جنت میں داخل ہوگا اور جہنم سے سب سے بعد میں نکلے گا، یہ وہ آدمی ہے جو قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوگا تو حکم ہوگا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس کے سامنے لاؤ، اور بڑے بڑے گناہ الگ رکھو۔ تو اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس کے پیش نظر کر دیے جائیں گے اور اس سے کہا جائے گا: تونے فلاں، فلاں دن یہ اور یہ گناہ کیے تھے اور فلاں، فلاں دن وہ اور وہ گناہ کیے تھے، تو وہ کہے گا: ہاں! وہ انکار نہیں کر سکے گا، اور وہ ڈر رہا ہوگا کہ کہیں اُس کے بڑے گناہ بھی نہ پیش کر دیے جائیں۔ اب اس سے کہا جائے گا کہ "تیرے لیے ہر بدی کی جگہ ایک نیکی کا اجر ہے" تب وہ بول پڑے گا کہ پروردگار، میں نے کچھ اور بھی گناہ کیے ہیں جو میں یہاں نہیں دیکھ رہا ہوں۔

حضرت ابوذر فرماتے ہیں کہ میں نے اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہنس پڑے، یہاں تک کہ آپ کے داڑھ کے دانت بھی ظاہر ہو گئے۔

جہنم سے رہا ہونے والے آخری جنتی کے واقعہ میں غیب دانی کے متعدّد شواہد:

ان احادیث میں حضور سید عالم ﷺ کی غیب دانی کے متعدّد شواہد موجود ہیں مثلاً:

❀ آپ کو یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ جہنم سے نکلنے والا آخری جہنمی اور جنت میں جانے والا آخری جنتی کون ہے۔

❀ اس جنتی کے سامنے پہلے اس کے گناہ صغائر لائے جائیں گے پھر ہر گناہ کو نیکی سے بدل دیا جائے گا۔

❀ ابتداءً جب وہ اپنے گناہ دیکھے گا تو خائف ہوگا، پھر لطفِ ایزدی سے اس کا حوصلہ اتنا بلند ہو جائے گا کہ وہ اپنے گناہِ کبائر کے پیش نہ ہونے کا شکوہ کرے گا۔

❀ یہ جہنم سے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے نکلے گا۔

❀ وہ دو بار جنت میں جائے گا اور یہ سمجھے گا کہ جنت بھر چکی ہے اس لیے ہر بار واپس آکر بارگاہِ الٰہی میں التجا کرے گا کہ یہ جنت تو بھر چکی ہے۔

❀ پھر اللہ تعالیٰ اس جنت کو دُنیا کے برابر، پھر اس کے دس گنا اور وسیع فرما دے گا، اور اسے حکم ہوگا کہ اب جنت میں چلے جاؤ۔

یہ شواہد ایک مسلم کو یہ مان لینے کے لیے کافی ہیں کہ حضور ﷺ خدائے کریم کی عطا سے غیبی امور کو جانتے ہیں۔

اکتیس حدیثوں کا ماحصل:

یہ اِکتیس (۳۱) احادیث ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدائے علّامُ الغیوب نے بے شمار علومِ غیبیہ عطا فرمائے، اُنھی بے شمار میں مَا کَانَ و مَا یَکُونَ کے تمام تر غیبی علوم بھی شامل ہیں۔

ہاں! آپ کو یہ سارے علوم ایک ساتھ اور ایک ہی وقت میں نہیں عطا کیے گئے، بلکہ مختلف اوقات میں عطا کیے جاتے رہے یہاں تک کہ نزولِ قرآن کی تکمیل کے ساتھ آپ کو ابتدائے آفرینش سے قیامت تک اور جنتیوں کے جنت میں اور جہنمیوں کے جہنم میں جانے تک کے سارے غیوب عطا فرما دیے گئے۔ اللہ عزّوجل نے اپنی کتاب کو "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ"[1] "ہر چیز کا روشن بیان" بتایا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ پوری کتاب ہر چیز کا روشن بیان ہے، اس لیے جمیع مَا کَانَ و ما یَکونُ کا علم جمیع کتاب کے نزول کے ساتھ مانا جاتا ہے۔

اس سے پہلے جزوی طور پر کچھ ایسے حالات اور واقعات پیش آسکتے ہیں جن کا علم آپ کو نہ ہو، اور بعد میں بتایا جائے، کچھ مخصوص حالات میں آپ ازراہِ تواضع بھی علم غیب کی نفی فرما دیتے ہیں یا کسی مصلحت کی بنا پر سکوت اختیار فرماتے ہیں۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة النحل، ١٦، الأية: ٨٩.

علم غیب کی نفی کے دلائل

کتاب و سنت میں ایسے نصوص بھی پائے جاتے ہیں جن سے بظاہر آپ کے دانائے غیوب ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ مثلاً:

❶ ارشادِ باری ہے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُؕ وَ مَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ۝۶۵ (۱)

ترجمہ: اے محبوب فرما دیجیے، کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں وہ غیب کو نہیں جانتے مگر اللہ۔ اور یہ بھی نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

حالاں کہ قرآن حکیم کی متعدّد آیات میں نبیوں و رسولوں کے غیب جاننے کا ذکر ہے تو کیا ان آیات میں۔ خدا کی پناہ۔ تعارض ہے؟

❷ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَؕ (۲)

ترجمہ: اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، غیب اللہ ہی جانتا ہے۔

حالاں کہ متعدّد آیات کریمہ میں آپ نے پڑھا کہ اللہ کے اطلاع دینے سے نبی بھی غیب جانتے ہیں، تو کیا یہ آیت اُن آیات کے معارض ہے؟

❸ ارشادِ ربّانی ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِۚ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَۚ وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًاؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ۝۳۴ (۳)

ترجمہ: بے شک اللہ ہی کے پاس ● قیامت کا علم ہے ● اور وہی بارش برساتا ہے ● اور جانتا ہے جو کچھ ماں کے پیٹ میں ہے ● اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا ● اور کوئی نہیں جانتا کہ

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة النمل: ۲۷، الآیة: ۶۵.
(۲) القرآن الحکیم، سورة الأنعام: ۶، الآیة: ۵۹.
(۳) القرآن الحکیم، سورة لقمان: ۳۱، الآیة: ۳۴.

وہ کس زمین میں مرے گا، بے شک اللہ جاننے والا، خبر دار ہے۔

یہ پانچوں چیزیں "جمیع ما کَانَ و ما یَکون" میں شامل ہیں اس لیے حضور سید عالم ﷺ خداے پاک کی اطلاع سے ان سارے غیوب سے واقف ہیں، بلکہ جزئی طور پر ان کی شہادتیں بھی احادیثِ نبویہ میں موجود ہیں تو کیا وہ احادیث صحیحہ، کثیرہ اِس آیتِ کریمہ کے معارض ہیں؟

حق یہ ہے کہ نہ آیاتِ کریمہ کے درمیان باہم کوئی تعارض ہے، اور نہ ہی آیات و احادیث نبویہ کے درمیان کوئی تعارض ہے؛ کیوں کہ دونوں طرح کی آیات، یا آیات و احادیث کا معنیٰ مراد الگ الگ ہے۔

اب ان کے درمیان تطبیق کی مختلف صورتیں ملاحظہ فرمائیں:

تطبیق (۱):

جن آیات و احادیث میں غیر اللہ سے علمِ غیب کی نفی کی گئی ہے وہاں اس سے مراد غیب کا علمِ ذاتی ہے جو بغیر کسی کی عطا و اِطلاع کے خود ذاتِ الٰہی کے لیے ازلاً، اَبداً حاصل ہے، اِسے کچھ علما "علمِ استقلالی" بھی کہتے ہیں کہ یہ علم، ذات الٰہی کے لیے مستقل طور پر بغیر کسی واسطے کے حاصل ہے۔

اور جن آیات و احادیث میں اَنبیا و سیّد الاَنبیا ﷺ کے لیے علم غیب کا اِثبات کیا گیا ہے وہاں اس سے مراد غیب کا علم عطائی و اِطلاعی ہے جس کے لیے کتاب و سنت میں مختلف تعبیرات اختیار کی گئی ہیں مثلاً:

- تنزیل، تِبیان
- اِطلاع علَی الغیب
- اِظہار علَی الغیب
- تعلیم
- و إعلام
- جَلاہ لِنبیّہ
- وَضَعَ یَدَہٗ بین کتِفَيّ.
- وغیرہ کلمات

جو اللہ عزّ و جلّ کی طرف سے غیب کا علم دیے جانے پر دلالت کرتے ہیں۔

یہ تقسیم پہلے سے علماے دین کرتے آئے، مثلاً علامہ محمد عبد الرؤوف مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۹۵۲-۱۰۳۱) لکھتے ہیں:

و أما قوله –صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ-: «إلّا هُو» فمفسّر بأنّه لا يعلمها أحدٌ بذاته، ومن ذاته، إلّا هو، لكن قد تُعلم بإعلام الله تعالى، فإنّ ثمّه من يّعلمها

وقد وجدنا ذلك لغير واحد.[1] إلخ.

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے ارشاد: ''ان پانچ غیبوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو ان غیبوں کا **علم ذاتی** نہیں کہ وہ اس کی ذات سے حاصل ہوں، لیکن خدا کے بتانے سے یہ غیوب معلوم ہو جاتے ہیں اور بے شک ایسے خواص موجود ہیں جو انھیں جانتے ہیں۔

جب اثباتِ غیب کی آیات و احادیث میں علمِ غیب سے مراد علم عطائی و اِطلاعی ہے تو یہیں سے متعیّن ہو جاتا ہے کہ نفیِ غیب کی آیات و احادیث میں غیب سے علمِ عطائی و اِطلاعی کے بجائے کچھ اور مراد ہے اسی کو ہم ''علمِ غیبِ ذاتی و استقلالی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

فرقۂ وہابیہ حضرات انبیاے کرام و سید الانبیا علیہم الصلاۃ والسلام سے علمِ غیب کی نفی میں جتنی آیات و احادیث پیش کرتا ہے ان میں علمِ ذاتی و استقلالی کی نفی ہے کہ یہ حضرات خود بخود بغیر اللہ کے دیے اور بغیر اس کی اِطلاع کے علم غیب نہیں رکھتے، ان میں '' اِطلاع'' یا ''اِظہار علی الغیب'' جیسا کوئی لفظ نہیں جس سے یہ ذہن ملے کہ ان حضرات سے علمِ عطائی کی نفی کی گئی ہے۔

ہم ساری آیات و احادیث پر ایمان رکھتے ہیں اس لیے دونوں طرح کی آیات و احادیث میں انھی کے الفاظ و کلمات کے پیش نظر تطبیق دیتے ہیں، اور جو لوگ انبیاے کرام و سید الانبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی غیب دانی کا مطلقاً انکار کرتے ہیں وہ لوگ اثباتِ غیب کی آیات و احادیث کا انکار کرتے ہیں، آخر جب اللہ جَلَّ شَانُہٗ نے انھیں علمِ غیب سے سرفراز کیا ہے جیسا کہ ہماری پیش کردہ آیات سے ثابت ہے تو اس کا انکار کیوں کیا جاتا ہے، اور نہ صرف انکار، بلکہ بڑی جرأت کے ساتھ اسے شرک بھی کہا جاتا ہے۔

تطبیق (۲):

جن آیات و احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علمِ غیب خاصۂ خدا ہے، اللہ عزّوجلّ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان میں ''علم غیب'' سے مراد علم محیط، تفصیلی ہے اور جن آیات و احادیث میں خاص بندوں کے لیے علم غیب کا اثبات ہے ان میں ''علم غیب'' سے مراد غیر محیط، اجمالی ہے۔

(۱) فيض القدير شرح الجامع الصغير، ج: ٥، ص: ٥٢٦، رقم الحديث: ٨١٩٠، دار المعرفة، بيروت، لبنان.

ارشاد باری ہے:

● وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ﴿۴۰﴾ (۱)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

● وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ﴿۱۲۶﴾ (۲)

ترجمہ: اللہ ہر چیز کو محیط ہے۔

اللہ تعالی فرماتا ہے:

● وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ (۳)

ترجمہ: اور بے شک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

آیۃ الکرسی میں ہے:

● وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ (٤)

ترجمہ: اور وہ اس کی معلومات میں سے کچھ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔

● وَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾ (٥)

ترجمہ: اور تمھیں تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے۔

سب کچھ معلوم ہو تو "علمِ محیط" ہے اور کچھ معلوم ہو، کچھ نہ معلوم ہو تو "علمِ غیر محیط" ہے۔

یہ دونوں طرح کی تطبیقات پہلے کے علمانے کی ہیں چناں چہ امام اہل سنت لکھتے ہیں:

امام اجل ابو زکریا نووی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اپنے "فتاویٰ" پھر امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالی علیہ اپنے "فتاوی حدیثیہ" میں فرماتے ہیں:

"معناها: لا يعلم ذٰلك اِستقلالا، وعلمَ إحاطة بكلِّ المعلومات إلا اللهُ

(۱) القرأن الحكيم، سورة الأحزاب: ۳۳، الأية: ٤٠.

(۲) القرأن الحكيم، سورة النساء: ٤، الأية: ۱۲٦.

(۳) القرأن الحكيم، سورة الطلاق: ٦٥، الأية: ۱۲.

(٤) القرأن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الأية: ۲٥٥.

(٥) القرأن الحكيم، سورة الإسراء: ۱۷، الأية: ۸٥.

تعالیٰ. یعنی آیت میں غیر خدا سے نفیِ علم غیب کے یہ معنی ہیں کہ ● غیب اپنی ذات سے بے کسی کے بتائے جاننا، ● اور ایسا علم کہ جمیعِ معلومات کو محیط ہوجائے۔ یہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔"[۱]

ہاں! یہ الگ بات ہے کہ علمِ مطلق اجمالی بھی بجائے خود اتنا کثیر ہے کہ علمِ ما کانَ و ما یَکونَ کو شامل ہے۔

تطبیق (۳):

یا وہ آیات و احادیث جن میں بندوں سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے، ایسے وقت کی ہیں جب اللہ نے آپ کو ان واقعات کا علم نہیں دیا تھا، اس سلسلے میں امام اہلِ سنت، مجدد اسلام، امام احمد رضا قدّس سرہ فرماتے ہیں:

"اور جب کہ یہ علم (جمیع مَا کانَ و ما یکون) قرآن عظیم کے "تِبۡیَانًا لِّكُلِّ شَیۡءٍ"،[۲] (ہر چیز کا روشن بیان) ہونے نے دیا، اور پُر ظاہر کہ یہ وصف تمامِ کلامِ مجید کا ہے، نہ ہر آیت، نہ سورت کا۔ تو نزولِ جمیعِ قرآن شریف سے پہلے اگر بعض اَنبیا علیہم الصلاۃ والتسلیم کی نسبت ارشاد ہو: "لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَیۡكَ"[۳] (کچھ انبیا کے احوال تم سے نہیں بیان کیے)، یا منافقین کے باب میں فرمایا جاوے: "لَا تَعۡلَمُهُمۡ"[٤] (تم انھیں نہیں جانتے) تو یہ ہرگز ان آیات کے منافی اور اِحاطۂ علمِ مصطفوی کا نافی نہیں۔

الحمد للہ طائفۂ وہابیہ جس قدر قصص و روایات اور اَخبار و حکایات محمد رّسول اللہ ﷺ کے علمِ عظیم کے گھٹانے کو آیاتِ قطعیہ قرآنیہ کے مقابل پیش کرتا ہے سب کا جواب انھی دو فقروں میں ہو گیا۔

یہ قصص و روایات دو حال سے خالی نہیں۔

(۱) یا تو ان قِصص کی تاریخ معلوم ہوگی۔ (۲) یا نہیں۔

---

(۱) ● أنباء المصطفیٰ، ص: ۲۱، ۲۲، بریلی.

● الفتاوی الرضویة، ج: ۱۸، ص: ۶۲۲/ کتاب العقائد والکلام/ رسالہ: إنباء المصطفیٰ إمام أحمد رضا اکادیمی، بریلی.

(۲) القرآن الحکیم، سورة النحل: ١٤، الأیة: ٨٩.

(۳) القرآن الحکیم، سورة المؤمن: ٤٠، الأیة: ٧٨.

(٤) القرآن الحکیم، سورة التوبة: ٩، ١٧، الأیة: ١٠١.

(الف) اگر تاریخ معلوم نہ ہو تو ان سے استناد جہالت ہے کہ جب تاریخ مجہول ہے تو ان کا تمامِ نزولِ قرآن سے پہلے ہونا صاف معقول۔

(ب) اور اگر تاریخ معلوم ہو اور وہ تاریخ "تمامیِ نزولِ قرآن سے پہلے کی ہو" تو اس سے استدلال بھی جہالت و نادانی ہے۔

(ج) اور اگر تاریخ تمامیِ نزولِ قرآن کے بعد کی ہو مگر مدعاے مخالف میں نصِّ صریح نہ ہو تو اس سے استناد بھی بے جا ہے۔

مخالفین جو کچھ پیش کرتے ہیں سب انھیں اقسام کی ہیں۔

اِن آیات (اِثباتِ غیب کی آیات) کے خلاف پر اصلاً ایک دلیل صحیح، صریح، قطعیُ الاِفادہ نہیں دِکھا سکتے۔

... ہاں تمام مخالفین کو دعوتِ عام ہے فَأَجْمِعوا شُرکائکُمْ چھوٹے، بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت قطعی الدّلالۃ، یا ایک حدیثِ متواتر یقینی الافادہ چھانٹ لائیں جس سے صاف، صریح طور پر ثابت ہو کہ تمامیِ نزولِ قرآن کے بعد بھی اشیاے مذکورۂ مَا کَانَ و مَا یکون سے فلاں امر حضور اقدس ﷺ پر مخفی رہا جس کا علم حضور کو دیا ہی نہ گیا۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا[1] فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآىٕنِیْنَ.[2] [3]

ہم یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس محققانہ گفتگو کی تائید میں **امام الوہابیہ کے دو دلائل** نقل کرتے ہیں جو انھوں نے رسولِ مجتبیٰ ﷺ سے علم غیب کی نفی میں قائم کیے ہیں تاکہ ناظرین مثالوں کی روشنی میں سمجھ سکیں کہ ان کے مذہب کی بنیاد کس قدر کمزور ہے۔ امام الوہابیہ لکھتے ہیں:

(۴) أَخرَجَ البخاريُّ عَن أُمِّ العَلاءِ، قَالَتْ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ -صلّی اللهُ تعالیٰ علیه وسلَّمَ-: وَاللهِ لَا أَدْرِي - وَ أَنَا رَسُوْلُ اللهِ- مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ.[4]

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الآية: ۲٤۔

(۲) القرآن الحكيم، سورة يوسف: ۱۲، الآية: ۵۲۔

(۳) ● رسالة: إنباء المصطفیٰ بحالِ سِرّ و أخفیٰ - (بالتقاط وتسهيل) ص: ۵، ٦، ۷۔

● الفتاوی الرضوية، ج:۱۸، ص: ٦۱۲، كتاب العقائد والكلام، الإمام أحمد رضا اكاديمي، بريلي۔

(٤) مشكاة المصابيح، ج: ۲، ص:٤۵٦، كتاب الرقاق/ باب البكاء والخوف، مجلس البركات۔

مشکات کے باب البکاء والخوف میں لکھا ہے کہ بخاری نے ذکر کیا کہ نقل کیا اُمّ العلا نے کہ کہا پیغمبر خدا ﷺ نے کہ: قسم اللہ کی، کہ نہیں جانتا میں -حالاں کہ میں رسول، اللہ کا ہوں- کہ کیا معاملہ ہوگا مجھ سے، اور کیا تم سے۔

یعنی جو کچھ کہ اللہ اپنے بندوں سے معاملہ کرے گا خواہ دنیا میں، خواہ قبر میں، خواہ آخرت میں، سو اس کی حقیقت کسی کو معلوم نہیں، نہ نبی کو، نہ ولی کو۔ نہ اپنا حال، نہ دوسرے کا"۔[1]

یہ استدلال کتنا مضبوط ہے، امام اہل سنت رحمۃ اللہ علیہ سے سنیے:

- "قطع نظر اس سے کہ یہ حدیث خود آحاد ہے،...
- اور قطع نظر اس سے کہ یہ کس وقت کے ارشاد ہیں۔
- خود احادیثِ صحیح بخاری و مسلم میں اس کا ناسخ موجود ہے کہ:

جب یہ آیتِ کریمہ: لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ.[2] اتری تو صحابہ نے عرض کی:

هنِيًا لك يَا رسولَ الله، لَقَدْ بَيَّنَ اللهُ لَكَ مَا ذَا يُفْعَلُ بِكَ، فَمَاذا يُفْعَلُ بِنَا يَا رسولَ الله؟.

حضور کو مبارک ہو، خدا کی قسم، یہ تو اللہ عزّوجل نے صاف بیان فرما دیا کہ "حضور" کے ساتھ کیا ہوگا۔ اب رہا یہ کہ: ہمارے ساتھ کیا کرے گا؟

اس پر یہ آیت کریمہ اُتری:

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۙ[3]

تاکہ داخل کرے اللہ، ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں میں، جن کے نیچے نہریں بہتیں، ہمیشہ رہیں ان میں، اور مٹا دے اُن سے اُن کے گناہ۔ اور یہ اللہ کے یہاں بڑی مراد پانا ہے۔[4]

---

(۱) تقوية الإيمان ص: ۲۳، الفصل الثاني في ردّ الإشراك في العلم، راشد کمپنی، دیو بند.
(۲) القرآن الحكيم، سورة الفتح، ٤٨- الآية: ٢.
(۳) القرآن الحكيم، سورة الفتح: ٤٨، الآية: ٥.
(٤) ● رسالة: إنباء المصطفى بحال سِرّ و أخفى، ص: ٨، رضوی کتب خانہ، بریلی شریف.
● الفتاوى الرضوية، ج:١٨، ص: ٦١٣، كتاب العقائد والكلام/ رسالة إنباء المصطفى، إمام أحمد رضا اكاديمي، بريلي.

اس اقتباس سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

(الف) امام الطائفہ نے حضور سید عالم ﷺ سے علمِ غیب کی نفی کے لیے جو حدیث نقل کی ہے وہ اَخبار آحاد سے ہے جب کہ آپ کے لیے علمِ غیب کا ثبوت قرآن حکیم کی آیاتِ قطعیہ سے ہے اور آیاتِ قطعیہ کے مقابل خبرِ واحد سے - جو ظنی ہے - استدلال بے جا ہے۔

(ب) صحیح بخاری و صحیح مسلم کی مذکورہ بالا حدیث سے عیاں ہوتا ہے کہ امام وہابیہ کی مستند حدیث، آیتِ کریمہ "لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ" سے پہلے کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ معلوم ہے کہ آپ کے ساتھ اللہ کیا معاملہ فرمائے گا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کے صحابہ کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا، اور وہ "فوزِ عظیم" ہے۔ بلکہ جب قرآن میں آگیا کہ اللہ تعالیٰ حضور کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا تو وہ تو سبھی کو معلوم ہو گیا۔ اسی لیے مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ حضور کو یقیناً یہ معلوم ہے کہ اللہ عزوجل آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمائے گا۔

تو • ایک تو خبرِ واحد • دوسرے ظنّی • وہ بھی منسوخ کا سہارا لے کر سرورِ کائنات ﷺ کی شان گھٹانا کتنی بے جا بات ہے۔

یہ ہے امامِ اہلِ حدیث کا فہمِ حدیث۔

نیز امام اہلِ سنت فرماتے ہیں:

اور اس کا یہ قول کہ "حضور ﷺ کو اپنے اور اپنی امت کے خاتمہ کا حال معلوم نہیں" کفر ہے کہ یہ بہت سی روشن آیات کا انکار ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ـ (۱)

ترجمہ: (اے محبوب!) یقیناً آپ کی آخرت، دنیا سے بہتر ہے۔

اور ارشاد فرماتا ہے: وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ـ (۲)

ترجمہ: یقیناً عن قریب آپ کو آپ کا رب اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة الضحى: ۹۳، الآية: ٤.

(۲) القرآن الحکیم، سورة الضحى: ۹۳، الآية: ٥.

یَوۡمَ لَا یُخۡزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ ۚ نُوۡرُہُمۡ یَسۡعٰی بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِمۡ وَ بِاَیۡمَانِہِمۡ ۔[(۱)]

ترجمہ: اس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی کو، نہ ایمان والوں کو جو آپ کے ساتھ ہیں۔ ان کا نور ان کے آگے، پیچھے دوڑ رہا ہوگا۔

نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ۔[(۲)]

ترجمہ: عن قریب آپ کو آپ کا رب "مقامِ محمود" عطا فرمائے گا۔

نیز فرماتا ہے:

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا ۔[(۳)]

ترجمہ: اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ، تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمھیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے۔

نیز فرماتا ہے:

تَبٰرَکَ الَّذِیۡۤ اِنۡ شَآءَ جَعَلَ لَکَ خَیۡرًا مِّنۡ ذٰلِکَ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہَا الۡاَنۡہٰرُ ۙ وَ یَجۡعَلۡ لَّکَ قُصُوۡرًا ۔[(٤)] ☆ على قراءة الرفع قراءة ابن كثير و عامر.

ترجمہ: برکت والا ہے اللہ، وہ اگر چاہے تو تمھارے لیے اس (خزانے وباغ سے جس کی طلب یہ کافر کر رہے ہیں) سے بہتر کر دے جنّتیں، جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی اور تمھارے لیے اونچے محلات بنائے گا۔

ان آیات کی تفسیر و تشریح میں جو احادیث متواتر المعنیٰ وارد ہیں وہ تو ایک بحرِ بے کراں ہیں مگر یہ لوگ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔[(۵)]

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الفتح: ٤٨، الأية: ٨.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الإسراء: ١٧، الأية: ٧٩.

(۳) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب: ٣٣، الأية: ٣٣.

(٤) القرآن الحكيم، سورة الفرقان: ٢٥، الأية: ١٠.

(٥) ● الدولة المكية، النظر الأول، ص:٢٨، ٢٩، ٣٠، النظر الأول من القسم الأول، استانبول.

● رسالة: إنباءُ المصطفى بحال سرِّ واخفى، ص: ٢٣، ٢٤، رضوی کتب خانه، بریلی.

● الفتاوى الرضوية، ج:١٨، ص: ٦٢٣، كتاب العقائد والكلام/رسالہ: إنباء المصطفى، إمام أحمد رضا اكاديمي، بريلي.

(۵) امام الوہابیہ مشکات کے بابُ إعلانِ النکاح سے بخاری شریف کی ایک حدیث نقل کرکے لکھتے ہیں:

"ربیع ایک بی بی تھیں انصار میں سے، ان کی شادی میں پیغمبر خدا تشریف لائے اور ان کے پاس آبیٹھے، سو ان لوگوں کی کئی چھوکریاں کچھ گانے لگیں، اس میں پیغمبر خدا کی تعریف میں یہ بات کہی (و فینا نبيٌّ یَعْلَمُ مَا فِي غَدِ[1]) کہ" ان کو اللہ نے ایسا مرتبہ دیا ہے کہ آیندہ کی باتیں جانتے ہیں"۔ **سو اس کو پیغمبر خدا نے منع کیا،** اور فرمایا کہ " یہ بات مت کہہ، اور جو کچھ پہلے گاتی تھیں وہی گائے جاؤ"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی اَنبیا و اولیا یا امام یا شہیدوں کی جناب میں ہرگز یہ عقیدہ نہ رکھے کہ وہ غیب کی بات جانتے ہیں، بلکہ حضرت پیغمبر کی جناب میں بھی یہ عقیدہ نہ رکھے اور نہ ان کی تعریف میں ایسی بات کہے۔"[2]

حدیث مذکور سے ظاہر یہ ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گانے بجانے کی محفل میں نعت شریف کا کوئی شعر یا مصرعہ پڑھنا ناپسند کیا، اس سے ہرگز یہ نہیں ثابت ہوتا کہ حضور کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھنا شرک فی العلم، یا غلط ہے۔

اس بارے میں **امام اہل سنت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جگہ یہ لکھا:**

"حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لَھْوِ مُباح میں تو اپنا ذکرِ کریم ناپسند فرمایا اور انصار کی کمسن لڑکیوں نے شادی کی تقریب کے بعد گانے میں یہ مصرع پڑھا:

"وَ فِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ"۔ ہم میں وہ نبی ہیں جو آیندہ کی باتیں جانتے ہیں۔

تو ان کو منع فرمادیا: دَعِي هٰذِهٖ و قُولِي بِالَّذِي كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ۔ اسے رہنے دو، اور وہی کہے جاؤ جو کہہ رہی تھیں۔

---

(۱) • صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۷۷۳، كتاب النكاح / باب ضرب الدّفّ في النكاح والوليمة، مجلس البركات، مبارك فور.

• مشكاة المصابيح، ج:۲،ص: ۲۷۱، كتاب النكاح / باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) تقوية الإيمان ص: ۲۲، ۲۳، الفصل الثاني في ردِّ الإشراك في العلم، راشد کمپنی، دیو بند.

امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدّس سرّہ العالی ”اِحیاء العلوم شریف“ کتابُ مسئلۃِ السّماع میں فرماتے ہیں:

وَ لِذَا لَمَّا دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بیتَ الرُّ بیّع بنتِ مُعوّذٍ و عندها جَوَارٍ یُغَنِّیْنَ، فَسَمِعَ إِحداهُنّ تقولُ: ”وَ فِیْنَا نَبِيٌّ یَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ“ عَلیٰ وَجْهِ الغناءِ. فَقَالَ- صلی اللہُ تعالیٰ علیه وسلّمَ-: دَعِيْ هٰذَا وَ قُوْلِي مَا کُنْتِ تَقُوْلِیْنَ.

وهٰذِہِ شَهَادَةٌ بِالنّبوّة فَزَجَرها عَنها، وَ رَدَّها إلی الغِنَاءِ الّذِی هُوَ لَهْوٌ؛ لِأَنّ هٰذا جِدٌّ مَحْضٌ، فلا یُقرَن بصورةِ اللّهوِ.[1]

”یعنی یہ مِصرع حضور اقدس ﷺ کی نبوت کی گواہی تھا کہ خدا کے بتانے سے اصالۃً غیب کا جاننا نبوت ہی کی شان ہے تو حضور پُر نور ﷺ نے نہ چاہا کہ اسے صورتِ لہو میں شامل کیا جائے، لہٰذا اس سے روک دیا۔“

وہابیہ اس حدیث کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں، بات صرف اتنی تھی۔

اگر حضور ”نسبتِ علمِ غیب“ ہی ناپسند فرماتے تو کن سے۔؟ کم فہم عورتوں سے، وہ بھی لڑکیوں سے۔؟ اور جب مردِ عاقل ”مالک بن عوف ہوازنی“ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا قصیدۂ نعتیہ حضور میں عرض کیا ہے، جس میں فرمایا:

”وَ مَتیٰ تَشَا یُخبِرْكَ عَمَّا فِي غَدٍ۔ تو جب چاہے یہ نبی تجھے آیندہ کی باتیں بتا دیں“ تو ان پر کیوں نہ انکار فرمایا، حالاں کہ انھوں نے تو ان لڑکیوں سے بہت زیادہ کہا جس سے قیامت تک کے کُل غیبوں کا بالفعل حضور اقدس ﷺ کو معلوم ہونا، یا کم از کم اُن کا جان لینا حضور کے اختیار میں دے دیا جانا ظاہر... انکار فرمانا درکنار، حضور پر نور ﷺ نے اس قصیدے کے صلے میں ان کے لیے کلمۂ خیر فرمایا اور انھیں خلعت پہنایا اور انھیں ان کی قوم ہوازن و قبائل ثمالہ و سلمہ و فہم پر سردار مقرر فرمایا کما رواہ المعانی (أبو الفرج المعاني بن زکریا النهروالي) في ”الجلیس والأنیس“ بطریق الحرماذی عن أبي عبیدة بن الجرّاح رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و ابن إسحاق عن أبی وجزة

---

(۱) إحیاء العلوم، ج: ٦، ص: ١١٧٥، کتابُ أداب السّماع و الوجد / الباب الثاني في أثار السّماع و آدابه / المقام الثاني، دار الشعب، قاهره.

يزيد بن عبيد السعدي.[1]

اِس اقتباس سے یہ افادات حاصل ہوئے۔

(الف) بچیوں نے یہ پڑھ کر کہ: "ہم میں وہ نبی ہیں جو آیندہ کی باتیں جانتے ہیں" نبوت کی شہادت دی ہے کہ "نبوّت" کے معنی ہی ہیں "غیب کی خبر دینا"[2] اور نبی ﷺ "شہادتِ نبوت" سے نہیں روک سکتے۔

(ب) اس کلمہ سے روکنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ آپ آیندہ کی باتیں نہیں جانتے، اور یہ وجہ کیسے ہو سکتی ہے جب کہ خود آپ نے احادیث صحیحہ میں بار بار اس کا اعلان فرمایا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ نعتِ نبی اور شہادتِ نبوت جیسی عظیم چیز کا ذکر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گانے بجانے کی محفل میں پسند نہ فرمایا، گو وہ گانا، بجانا مباح تھا کہ مُعظّمات کا ذکر مجلسِ معظّم میں ہونا چاہیے۔

(ج) یہی وجہ ہے کہ حضرت مالک بن عَوف ہوازِنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر یہ مصرع پڑھا:

"وَ مَتیٰ تَشَا یُخْبِرْكَ عَمَّا فِي غَدٍ"

"تو جب چاہے یہ نبی تجھے آیندہ کی باتیں بتا دیں"

تو حضور سید عالم ﷺ نے انھیں نہ روکا، حالاں کہ یہ کلمہ: "وَ فِینا نبيٌّ یَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ" سے بڑھ کر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حضرت مالک "بارگاہ عرش جاہ" میں پڑھ رہے تھے، نیز اس میں عموم بہت ہے۔

---

(۱) ● الفتاوی الرضویة، ج: ۱۰، النصف الاخیر، ص: ۲۶، ۲۷، رساله: الكشف شافيا، كتاب الحظر و الإباحة.

● الفتاوى الرضوية، ج:۱۵، ص: ۷۵٤، كتاب الحظر والإباحة ، الإمام أحمد رضا اكاديمى، بريلي.

● الجليس الصالح والأنيس الناصح للإمام المعافي عن أبي عبيدة بن الجرّاح رضى الله تعالى عنه ، ج:۱ ،ص: ٤٧٣، ٤٧٤ ، احسن ما قيل فى وصف الماء، المكتبة الشاملة.

(۲) امام قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

النبوّة: هي الِاطّلاعُ عَلَى الغَيْبِ۔ نبوت کا معنی ہے غیب کی اطلاع دینا، آگاہ کرنا۔ عربی لغت کی کتاب المنجد میں ہے: و النّبوّة: الإخبارُ عن الغيب أو المستقبلِ بإلهام مِن الله ... الإخبار عن الله و ما يتعلّق به۔ اللہ کے اِلہام کے ذریعہ غیب یا آیندہ کی خبر دینا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کی ذات وصفات کے بارے میں خبر دینا۔ (ص: ۷۸۴) ۱۲ منہ

ممکن ہے کسی کو یہ شبہہ ہو کہ حضرت مالک بن عوف کی حدیث صحاح میں نہیں ہے اس لیے اس سے استدلال ضعیف ہے۔

مگر یہ شبہہ اس لیے ناقابلِ اعتنا ہے کہ حضرت مالک بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ مصرع کثیر احادیث صحاح، بلکہ احادیث صحیحین کا خلاصہ ہے جن کا ایک انتخاب ہم نے گزشتہ اوراق میں پیش کیا۔

واقعہ یہ ہے، مگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کے لیے امام الطائفہ نے اسے کیا سے کیا بنا ڈالا۔

اس پوری بحث کا حاصل یہ ہوا کہ:

(۱) غیب کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ اور یہ "علمِ ذاتی" ہے جو بغیر کسی کے دیے اسے اپنی ذات سے حاصل ہے۔ اور بلا شبہہ علم ذاتی خداے وحدہٗ لاشریک کے ساتھ خاص ہے، یہ مخلوق میں کسی کو حاصل نہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم خاص سے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بے شمار علوم غیب عطا فرمائے اور انھیں مَا کانَ و ما یکون کے غیبوں پر اطلاع بخشی ۔ یہ "علمِ عطائی" ہے جو بندوں کے ساتھ خاص ہے، یہ علم اللہ تعالیٰ کے لیے ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی اسے عطا کرنے والا نہیں۔

(۳) کسی بندے کے لیے "اللہ کا سا علم" ماننا شرک ہے۔ امام اہل سنت، مجدد اسلام لکھتے ہیں:

"علم ذاتی اللہ عزّ و جلّ سے خاص ہے، اس کے غیر کے لیے محال ہے، جو اس میں سے کوئی چیز اگر چہ ایک ذرہ سے کمتر سے کمتر غیر خدا کے لیے مانے وہ یقیناً کافر و مشرک ہے۔"(۱)

واضح ہو کہ "اللہ کا سا علم" علمِ ذاتی و علم محیط تفصیلی ہے جو خدا کے ساتھ خاص ہے اور کسی بھی بندے کے لیے ناممکن و محال ہے۔

(۴) ہم اہل حق - اہل سنت و جماعت - اَنبیا و مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کے لیے یا کسی بھی بندے کے لیے "علمِ ذاتی" اور علم محیط، تفصیلی نہیں مانتے، بلکہ صرف اور صرف علم عطائی، اِجمالی مانتے ہیں۔

(۵) فرقۂ اہل حدیث کے امام، انبیاء و مرسلین کے لیے "علم عطائی" ماننے کو بھی "اللہ کا سا

---

(۱) ● خالص الاعتقاد، ص:۹، ۱۰، رضا اکادیمی، ممبئی
● الدولة المكية بالمادة الغيبية، ص: ۱۳، النظر الأوّل من القسم الأول، استانبول.
● الفتاوى الرضوية، ج:۱۸، ص: ۵۷۱/ كتاب العقائد والكلام/ رسالة: الدولة المكيّة، إمام أحمد رضا اكاديمي، بريلي.

علم" بتاتے اور اسے "شرک" ٹھہراتے ہیں مگر یہ سو فیصد غلط ہے۔ اسے "اللہ کا سا علم" اور "شرک" ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ:

- اس کے قائلین کتاب اللہ کی آیتوں اور رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں سے یہ ثابت کریں کہ اس خدائے غنی و بے نیاز کا علم عطائی ہے،
- ساتھ ہی یہ بھی واضح کریں کہ اسے علم غیب کس نے عطا کیا اور کب عطا کیا؟

نام اس فرقے نے اپنے لیے بڑے اچھے اچھے تجویز کیے "اہلِ حدیث، اَثری، سَلفی"، اس لیے ہم گزارش کرتے ہیں کہ اپنے نام کی کچھ تو لاج رکھیے، "اہل حدیث" ہیں تو حدیث پیش کیجیے، "اثری" ہیں تو "اثر" لائیے "سلفی" ہیں تو سلف صالحین سے نقل پیش کیجیے کہ اللہ کا علم عطائی ہے، اور فلاں نے، فلاں وقت اسے عطا کیا، اگر نہیں پیش کر سکتے اور ہر گز ہر گز نہیں پیش کر سکتے تو توبہ کر کے زمرۂ اہل حق میں شامل ہو جائیے۔

علمِ الٰہی اور علمِ نبوی میں طرح طرح سے بنیادی فرق کی وضاحت

ہم اس باب میں امامِ اہل سنت، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے "علمِ الٰہی" اور "علمِ نبوی" کے درمیان فرق واضح کرنا چاہتے ہیں تاکہ اہل انصاف پر یہ عیاں ہو جائے کہ ہم اہلِ سنت نبیِ کریم ﷺ کے لیے ہرگز ہرگز "اللہ کا سا علم" نہیں مانتے۔ آپ ارقام فرماتے ہیں:

- اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور مخلوق کا علم عطائی۔
- اللہ تعالیٰ کا علم اُس کی ذات کے لیے واجب ہے اور مخلوق کا علم اس کی ذات کے لیے ممکن۔
- اللہ تعالیٰ کا علم ازلی، سرمدی، قدیم، حقیقی ہے کہ ہمیشہ سے ہے۔ ایسا نہیں کہ پہلے نہ تھا، پھر ہوا۔ اور مخلوق کا علم حادث، کہ پہلے نہ تھا، پھر ہوا۔
- اللہ تعالیٰ کا علم غیر مخلوق ہے اور مخلوق کا علم مخلوق ہے۔
- اللہ تعالیٰ کا علم کسی کے زیرِ قدرت نہیں اور مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے زیرِ قدرت و زیرِ اختیار ہے۔
- اللہ کا علم باقی رہنا واجب ہے اور مخلوق کا علم ایسا نہیں، اس کا فنا ہونا ممکن ہے۔
- اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیّر محال ہے اور خلق کے علم میں تغیّر ممکن۔

ومع هذه التفريقات لا يتوهّم المساواةَ إلّا الّذين أعمَى اللهُ أبصارَهم.[۱]

---

(۱) الدولة المكية بالمادة الغيبية، ص: ۳۰، النظر الثاني من القسم الأول، استانبول.

نیز فرماتے ہیں:

● کسی مخلوق کا معلوماتِ الٰہیہ کو بتفصیلِ تام، محیط ہو جانا شرع سے بھی محال ہے اور عقل سے بھی، بلکہ اگر تمام اہلِ عالم - اگلے، پچھلوں - سب کے جملہ علوم جمع کیے جائیں تو اُن کو علومِ الٰہیہ سے وہ نسبت نہ ہوگی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں میں سے ایک حصّے کو دس لاکھ سمندروں سے ہے۔ (۱)

نیز لکھتے ہیں:

علم ذاتی اور علم محیط تفصیلی اللہ عزّوجلّ کے ساتھ خاص ہیں، بندوں کے لیے صرف یک گونہ علم بعطاے الٰہی ہے۔ (۲)

نیز فرماتے ہیں:

ہم نہ علمِ الٰہی سے مساوات مانیں، نہ غیر کے لیے علم بالذات جانیں اور بعطاے الٰہی بھی **بعضِ علم** ہی ملنا مانتے ہیں۔ (۳)

علم الٰہی اور علم نبوی میں ایسے واضح فرق اور روشن تصریحات کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی اسے ”اللہ کا ساعلم“ اور ”شرک“ کہے تو بلا شبہہ یہ بڑی زیادتی ہے۔

---

(۱) ● خالص الاعتقاد ص: ۱۰.

● الفتاوی الرضویة، ج:۱۸، ص: ۵۷۱، ۵۷۲، کتاب العقائد والکلام، الإمام أحمد رضا اکادیمي، بریلي.

● الدولة المکّیة، ص: ۲۱، ۲۲، النظر الأول من القسم الأول، استنابول.

(۲) ● خالص الاعتقاد، ص: ۱۱.

● الدولة المکیة، ص: ۳۶، النظر الثالث، استانبول.

● الفتاوی الرضویة، ج:۱۸، ص: ۵۷۲/کتاب العقائد والکلام/ رسالة: الدولة المکیّة، إمام أحمد رضا اکادیمي، بریلي.

(۳) ● خالص الاعتقاد ص: ۱۱.

● الفتاوی الرضویة، ج:۱۸، ص: ۵۷۲، کتاب العقائد والکلام، إمام أحمد رضا اکادیمي، بریلي.

● الدولة المکیة، النظر الخامس.

آٹھواں مسئلہ

عقیدۂ حاضر و ناظر

کتاب و سنت کی روشنی میں

عقیدۂ حاضر و ناظر سے اہل سنت کی مراد:

اللہ عزّوجلّ نے اپنے حبیب سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ کمال عطا فرمایا ہے کہ آپ ایک جگہ تشریف فرما ہوتے ہوئے عالم کے احوال سے اس طرح باخبر ہوتے ہیں جیسے آپ وہاں بذات خود جلوہ فرما ہوں اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہوں، اس مفہوم کو ہم "حاضر و ناظر" سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ مگر اس کے برخلاف وہابیہ اسے شرک کہتے ہیں۔ ہم اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے کتاب و سنت اور اجماع امت کے شواہد ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

کتاب اللہ کی شہادت:

(۱) قرآن پاک میں اللہ عزّوجلّ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ﴿٤٥﴾ (۱)

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الأحزاب: ۳۳، الأیۃ: ٤٥

ترجمہ: اے محبوب! ہم نے آپ کو شاہد و مُبشّر و نذیر بنا کر بھیجا۔

(الف) عربی زبان میں شاھد کا لفظ حاضر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس کے کثیر شواہد ہیں:

مثلاً: خود قرآن پاک میں ہے:

"اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّ هُمْ شٰهِدُوْنَ ۝" (۱)

ترجمہ: یا ہم نے فرشتوں کو عورت پیدا کیا اور وہ (کفار) حاضر تھے۔

اس آیت کریمہ میں بھی شاہد بہ معنی حاضر استعمال ہوا ہے، جیسا کہ زبان عربی کے واقف کاروں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

- حجۃ الوداع کے خطبے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ." (۲) حاضر، غائب تک یہ پیغام پہنچادے۔

یہ حدیث صحیح بخاری شریف کے کتاب العلم، کتاب المغازی/باب حجۃ الوداع، کتاب الأضاحی، کتاب الفتن، کتاب التوحید میں بھی ہے، الفاظ میں کہیں شروع میں "أَلَا" کا اضافہ ہے اور کہیں بغیر فا کے صرف لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ ہے۔

اس حدیث میں شاہد کا لفظ غائب کے مقابلے میں استعمال ہوا ہے۔

- نماز جنازہ کی دعا میں ہے: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا و شَاهِدِنَا وَ غَائِبِنَا" (۳)

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة الصّٰفّٰت: ۳۷، الآية: ۱۵۰.

(۲) صحیح البخاري، ج: ۱، ص: ۲۳۴، کتاب المناسك/ باب الخطبة أيام مِنىٰ، مجلس البركات.

(۳) ● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ج: ۳۷، ص: ۲۴۸، مسند الأنصار، رقم الحديث: ۲۲۵۵۴، مؤسسة الرسالة: عن أبي قتادة رضي الله تعالى عنه.

● سنن أبي داؤد، ص: ۵۴۹، کتاب الجنائز / باب الدعاء للميت، رقم الحديث: ۳۱۹۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت، عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه.

● جامع الترمذي، ج: ۱، ص: ۱۲۱، أبواب الجنائز / باب ما يقول في الصلاة على الميت، مجلس البركات، مبارك فور.

● سنن ابن ماجه، ص: ۲۵۲، كتاب الجنائز / باب ما جاء في الدعاء فى الصلاة على الجنازة، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

● رواه أحمد وأبو داود والترمذي والنسائي وابن حبان والحاكم عن أبي هريرة، وأحمد وأبو يعلى والبيهقي وسعيد بن منصور في سنن عن أبي قتادة رضى الله تعالى عنهما. خرَّجه الإمام أحمد رضا رحمه الله تعالى في كتاب الجنائز من فتاواه، ج: ۴، ص: ۸۹، سنى دار الإشاعت.

اس میں بھی شاہد کا لفظ غائب کا مقابل ہے۔ اور غائب وہ ہے جو حاضر نہ ہو تو شاہد وہ ہو گا جو حاضر ہو۔

اس تشریح سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حاضر بنا کر بھیجا ہے۔ اور حاضر شخص اگر صاحب نظر ہو تو ناظر بھی ہوتا ہے لہٰذا حضور اقدس ﷺ حاضر بھی ہیں اور ناظر بھی۔

(ب) لغات القرآن کے موضوع پر مستند کتاب "المفردات" میں ہے:

الشهودُ والشهادة: الحضور مع المشاهدة إما بالبصر أو بالبصيرة۔(۱)

شہود اور شہادت کا معنی ہے "حاضر ہونا ناظر ہونے کے ساتھ" ناظر ہونا بصر سے ہو یا بصیرت سے۔

"گواہ" کو بھی شاہد اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مُشاہدہ کے ساتھ جو علم رکھتا ہے اس کو بیان کرتا ہے۔ اس تشریح کے پیش نظر شاہد کا معنی ہی حاضر و ناظر ہوا تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو شاہد بتا کر آپ کے حاضر و ناظر ہونے پر حجتِ قطعی قائم فرما دی۔

آپ کے حاضر و ناظر ہونے پر کثیر احادیث بھی ناطق ہیں، اب ہم یہاں چند احادیث نقل کرتے ہیں:

احادیث کی شہادت:

① مدینہ شریف سے بیت المقدس کا نظارہ اور اس کے اوصاف کی خبر:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم-: «لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ

---

(۱) المفردات في غريب القرآن للإمام الراغب الاصفهاني، ج:۱، ص:۳۵۲، مكتبة نزار مصطفى الباز۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الشهود والشهادة کا درج بالا معنی تحریر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وقد يقال: للحضور مفردا، قال: " عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ (السجدة: ٦) لكن الشهود بالحضور المجرد أولىٰ. والشهادة مع المشاهدة أولىٰ إهـ.

کبھی شہادت کا لفظ تنہا حضور کے معنی میں آتا ہے چناں چہ ارشاد باری " عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ " میں شہادت کا معنی صرف حضور ہے۔ لیکن شہود تنہا "حضور" کے معنی میں اولیٰ ہے اور شہادۃ "حضور مع المشاہدۃ" کے معنی میں اولیٰ ہے۔

ہمارے استدلال میں دونوں طرح کے مفاہیم کی رعایت ہے، پہلا استدلال اس معنی اَولیٰ کے مطابق ہے اور دوسرا استدلال معنی اول کے مطابق ہے۔ ۱۲ منہ

أُثْبِتْهَا. فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ قَالَ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ مَا يَسْأَلُونِّي عَنْ شَيْءٍ إِلاَّ أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ.(۱)

ترجمہ : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ میں حطیم کعبہ میں جلوہ افروز تھا اور قریش مجھ سے میرے سفر معراج کے بارے میں سوالات کر رہے تھے، انھوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ ایسی چیزوں کے بارے میں دریافت کیا جن کے جوابات میرے ذہن میں محفوظ نہیں تھے تو اس کے باعث مجھے بڑی تکلیف ہوئی، ایسی تکلیف جو کبھی نہ ہوئی تھی۔ [کیوں کہ ان کے سوالات لایعنی تھے پھر بھی وہ جواب نہ پاتے تو معجزۂ معراج کا انکار کر دیتے]

حضور کا بیان ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے پیش نظر کر دیا، اور اب کفار قریش مجھ سے جو کچھ بھی سوال کرتے میں بیت المقدس کو دیکھ دیکھ کر ان کے جوابات دے دیتا۔

(۲) یہی واقعہ ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے:

عن جابر بن عبد الله ، أنَّ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: لما كذَّبتني قريش قمت في الحجر فجلَّى الله لي بيت المقدس فطفقت أُخبرهم عن أياته وأنا أنظر إليه.(۲)

ترجمہ : حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب قریش نے (میرے معجزۂ معراج کے تعلق سے) مجھے جھٹلایا تو میں حطیم کعبہ میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بیت المقدس کو ظاہر کر دیا تو میں اس کی نشانیوں کو دیکھ دیکھ کر مشرکین کو بتانے لگا۔

کہاں کعبہ شریف اور کہاں بیت المقدس۔ دونوں کے درمیان لمبی مسافت حائل ہے مگر منوّرِ کائنات، فخر موجودات حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے سے سارے حجابات دور کر دیے گئے اور آپ نے مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہتے ہوئے بیت المقدس کی تمام نشانیاں اس طرح بتادیں جیسے آپ وہاں موجود ہوں اور سب کچھ دیکھ رہے ہوں۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج: ۱، ص: ۹۶، کتاب الإیمان/ باب الإسراء برسول الله صلى الله تعالىٰ علیه وسلم إلى السمٰوٰت و فرض الصلوات، مجلس البرکات

(۲) الصحیح لمسلم، ج: ۱، ص: ۹۶، کتاب الإیمان/ باب الإسراء برسول الله صلى الله تعالىٰ علیه وسلم إلى السمٰوٰت ، مجلس البرکات

تو یہ احادیث آپ کے حاضر و ناظر ہونے کی واضح دلیل ہیں۔

③ حضرت ابوہریرہ کا تین راتیں شیطان کو چوری میں گرفتار کرنا. اور سرکار کا اس کے تعلق سے متعدد غیبی خبریں بیان کرنا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رضى الله عنه - قَالَ وَكَّلَنِي رَسُولُ اللَّهِ - صلّى الله عليه وسلم - بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ ، فَأَتَانِي آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ ، فَأَخَذْتُهُ ، وَقُلْتُ: وَاللَّهِ لأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ - صلّى الله عليه وسلم-. قَالَ: إِنِّي مُحْتَاجٌ ، وَعَلَيَّ عِيَالٌ ، وَلِي حَاجَةٌ شَدِيدَةٌ . قَالَ فَخَلَّيْتُ عَنْهُ فَأَصْبَحْتُ، فَقَالَ النَّبِيُّ - صلّى الله عليه وسلم - « يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ » . قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً وَعِيَالاً فَرَحِمْتُهُ ، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ . قَالَ: « أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ » . فَعَرَفْتُ أَنَّهُ سَيَعُودُ لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ - صلّى الله عليه وسلم - إِنَّهُ سَيَعُودُ .

فَرَصَدْتُهُ فَجَاءَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ: لأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ - صلّى الله عليه وسلم- . قَالَ: دَعْنِي فَإِنِّي مُحْتَاجٌ ، وَعَلَيَّ عِيَالٌ لاَ أَعُودُ ، فَرَحِمْتُهُ ، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ فَأَصْبَحْتُ ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلم- «يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ، مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ». قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيدَةً وَعِيَالاً، فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ. قَالَ « أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ ».

فَرَصَدْتُهُ الثَّالِثَةَ، فَجَاءَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَامِ ، فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ: لأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - وَهَذَا آخِرُ ثَلاَثِ مَرَّاتٍ، أَنَّكَ تَزْعُمُ لاَ تَعُودُ ثُمَّ تَعُودُ . قَالَ: دَعْنِي أُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللَّهُ بِهَا . قُلْتُ: مَا هُوَ ؟ قَالَ: إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ (اللَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ) حَتَّى تَخْتِمَ الآيَةَ ، فَإِنَّكَ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللَّهِ حَافِظٌ وَلاَ يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَ . فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ فَأَصْبَحْتُ ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - « مَا قَالَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ » . قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ زَعَمَ أَنَّهُ يُعَلِّمُنِي كَلِمَاتٍ ، يَنْفَعُنِي اللَّهُ بِهَا، فَخَلَّيْتُ سَبِيلَهُ . قَالَ « مَا هِيَ » . قُلْتُ: قَالَ لِي: إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ مِنْ أَوَّلِهَا حَتَّى تَخْتِمَ (اللَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ) وَقَالَ لِي: لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللَّهِ حَافِظٌ وَلاَ يَقْرَبَكَ شَيْطَانٌ

حَتَّى تُصْبِحَ، وَكَانُوا أَحْرَصَ شَيْءٍ عَلَى الْخَيْرِ. فَقَالَ النَّبِيُّ - صلّى الله عليه وسلم - « أَمَا إِنَّهُ قَدْ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ ، تَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلاَثِ لَيَالٍ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ » . قَالَ: لَا . قَالَ « ذَاكَ شَيْطَانٌ » .[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہُریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مجھے رمضان کی زکات (صدقہ فطر) کی حفاظت پر مامور فرمایا تو (رات میں) میرے پاس ایک شخص آیا اور لپ بھر بھر کر غلے میں سے لینے لگا، تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ اللہ کی قسم میں تجھے ضرور رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بارگاہ میں پیش کروں گا۔ اس نے کہا میں محتاج ہوں اور میرے پاس بے سہارا بچے ہیں اور مجھے غلے کی سخت حاجت ہے۔ حضرت ابو ہُریرہ کا بیان ہے کہ یہ حال سن کر میں نے اسے چھوڑ دیا، صبح ہوئی تو نبی کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے پوچھا: اے ابو ہُریرہ تمھارا رات کا قیدی کیا ہوا؟

وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! اس نے شدید حاجت اور بے سہارا بچوں (کے بھوکے ہونے) کی شکایت کی تو مجھے اس پر رحم آگیا اور اسی وجہ سے میں نے اسے چھوڑ دیا، تو حضور (دانائے غیوب) صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "سنو! وہ بلا شبہہ، یقیناً تجھ سے جھوٹ بول کر گیا ہے، آج پھر آئے گا"۔

حضرت ابو ہُریرہ فرماتے ہیں کہ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ آئے گا کیوں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرما دیا ہے کہ وہ آئے گا۔

میں اس کی تاک میں تھا کہ اتنے میں وہ آگیا اور غلہ اٹھانے لگا، تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ (آج) تجھے رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کی عدالت میں ضرور پیش کروں گا۔ تو وہ کہنے لگا: مجھے چھوڑ دو، میں محتاج ہوں، میرے بے سہارا بچے ہیں جن کا نفقہ میرے ذمہ ہے، اب میں اس کے بعد نہیں آؤں گا۔ مجھے رحم آگیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا، صبح کو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: "اے ابو ہُریرہ! تیرا رات والا قیدی کہاں گیا؟"

میں نے عرض کی، یا رسولَ اللہ، اس نے آج بھی وہی عذر پیش کیا کہ سخت محتاج ہے، عیال دار ہے تو مجھے رحم آگیا اور اس کی راہ خالی کر دی۔

تو حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: سنو! وہ یقیناً تجھ سے جھوٹ بول کر گیا ہے، آج پھر آئے گا۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۳۱۰، كتاب الوكالة/ باب إذا وكّل رجلا فترك الوكيلُ شيئًا فأجازه الموكل فهو جائز، مجلس البركات

تو میں آج بھی اس کی تاک میں لگ گیا، اتنے میں وہ آیا اور لپ سے اٹھا اٹھا کر غلہ لینے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور یہ بتا دیا کہ ''آج میں تجھے ضرور رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضر کروں گا، یہ تیسرا اور آخری موقع ہے، تم کہتے ہو کہ دوبارہ نہیں آؤ گے، پھر آجاتے ہو''۔

اس نے کہا: مجھے چھوڑ دیجیے میں آپ کو کچھ ایسے کلمات سکھا دیتا ہوں جن سے اللہ آپ کو نفع دے گا۔ میں نے پوچھا، وہ کون سے کلمات ہیں: اس نے کہا کہ جب بستر پر سونے کے لیے جاؤ تو ''آیۃ الکرسی: لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ'' آخر تک پڑھ لیا کرو، تو اللہ کی طرف سے ایک محافظ صبح تک وہاں رہے گا اور شیطان تیرے قریب نہیں آئے گا۔

میں نے اس کی راہ خالی کر دی۔ صبح ہوئی (اور سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوا) تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا: ''رات تیرے قیدی نے کیا کہا؟'' میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! اس نے کہا کہ وہ مجھے کچھ ایسے کلمات سکھا دے گا جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے فائدہ دے گا۔ تو میں نے اس کی راہ خالی کر دی۔ حضور نے پوچھا وہ کلمات کیا ہیں؟ میں نے کہا کہ اس نے مجھے یہ بتایا ہے کہ جب تم اپنے بستر پر (سونے کے لیے) جاؤ تو آیۃ الکرسی شروع سے آخر تک پڑھ لیا کرو ''اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ'' اس نے یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک محافظ صبح تک تمھارے پاس رہے گا اور شیطان تیرے قریب نہیں آئے گا۔ اور صحابۂ کرام اچھی بات کے سب سے زیادہ شائق تھے۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''سنو! یہ بات تو اس نے بلاشبہ سچ کہی ہے اور وہ ہے بڑا جھوٹا۔''

ابو ہریرہ! تمھیں معلوم ہے کہ تین راتوں سے تم کس سے گفتگو کرتے رہے ہو؟

انھوں نے عرض کیا نہیں۔ تب حضور (دانائے غیوب) ﷺ نے فرمایا: ''وہ شیطان ہے۔''

صدقہ فطر کے غلے سے چوری کے یہ واقعات رات کے ہیں جن کا علم چور کو تھا، یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو۔ خود حدیث نبوی سے ایسی کوئی شہادت نہیں فراہم ہوتی کہ دوسروں کو بھی ان واقعات کا علم تھا مگر حضور نبیِ رحمت ﷺ نے ان واقعات کی تفصیلات کا تذکرہ اس طور پر فرمایا ہے جیسے آپ وہاں حاضر ہوں اور نگاہِ نبوت سے حال اور مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کا نظارہ فرما رہے ہوں۔

ذرا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان الفاظ میں غور فرمائیے:

"اے ابوہریرہ! تمہارا رات والا قیدی کیا ہوا؟"

یہ سوال واضح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ:

الف: حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آنے والے شخص کی چوری کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔

ب: حضرت ابوہُریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے گرفتار کر لیا، سرکار اس کا بھی مُشاہدہ فرما رہے تھے۔

ج: سرکار کی نظر غلے کے محافظ اور چور کی گفتگو پر بھی تھی۔

د: حضور یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ چور کو چھوڑ دیا گیا۔

ہ: بلکہ حضور کی نظر چور کے دل کے اندر چھپے ہوئے جھوٹ پر بھی تھی، اس لیے فرمایا کہ "یقیناً جھوٹ بول کر گیا ہے۔"

و: اور آپ نے یہ فرما کر کہ: "سیعود" آج پھر آئے گا" یہ اعلان فرما دیا کہ آپ آنے والے زمانے میں رونما ہونے والے واقعات پر بھی نظر رکھتے ہیں۔

دو جملوں میں سرکار ابد قرار علیہ وعلی آلہٖ الصّلاۃ والسلام نے اپنے حاضر وناظر ہونے کے چھ شواہد کی رہنمائی فرمادی، پھر دوسری رات کے واقعہ میں بھی یہ سارے شواہد موجود ہیں تو اس طرح یہ بارہ شواہد ہوئے۔

تیسری رات کے واقعہ کے سلسلے میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوہُریرہ سے یہ پوچھا کہ "رات تیرے قیدی نے کیا کیا؟" یعنی کیا تعلیم دی؟ یہ سوال بھی شروع کے چار شواہد کی نشان دہی کرتا ہے اور یہ ذہن دیتا ہے کہ آج کی شب غلے کے محافظ اور چور کی گفتگو بدل گئی ہے، پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "وھو کذوب، وہ بڑا جھوٹا ہے" فرما کر اس بات پر حجت تمام فرمادی کہ آپ کی نگاہ چور کے نہاں خانۂ قلب کو بھی دیکھتی ہے۔ یہ پانچ شواہد ہوئے جو آپ کے حاضر وناظر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

اخیر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح فرما دیا کہ وہ چور کوئی انسان نہیں ہے، بلکہ شیطان ہے، حضرت ابوہُریرہ تین شب سے جس چور کو پکڑ رہے تھے اور اس سے گفتگو بھی کر رہے تھے اسے اب تک پہچان نہ سکے کہ یہ کون ہے مگر نگاہ نبوت نے لباس انسانیت میں چھپے ہوئے شیطان کو دیکھ کر پہچان لیا، غور فرمائیے جو چور کے پاس حاضر تھا اور ناظر بھی وہ تو نہ پہچان سکا مگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دور

رہ کر بھی اس طرح اسے پہچان لیا جیسے آپ اس کو لباس شیطنت بدلتے وقت دیکھ رہے ہوں۔

اس طرح اس حدیث میں راقم الحروف کے بطور اٹھارہ شواہد ہوئے جن سے آپ کے حاضر وناظر ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ حضرات وہابیہ کے قلوب پر اگر اتنے شواہد گراں گزریں تو کم کرسکتے ہیں مگر عمل بالحدیث کے دعوے کا اتنا احترام تو کریں کہ عقیدۂ حاضر وناظر کو شرک کہہ کر اس حدیث سے کھلا انحراف نہ کریں۔

کتاب وسنت اور اجماعِ امت کے ان شواہد اور نصوص سے روز روشن کی طرح عیاں اور ثابت ہوگیا کہ حضور سید عالم ﷺ حاضر وناظر ہیں لیکن وہابیہ نے ان تمام نصوص کو پس پشت ڈال کر اس عقیدہ کو شرک قرار دیا ہے۔ ان کے امام رقم طراز ہیں:

"اور ہر جگہ حاضر وناظر سمجھنا، اور قدرت تصرف کی ثابت کرنی، سو ان باتوں سے شرک ثابت ہوجاتا ہے، گو کہ پھر اللہ سے چھوٹا ہی سمجھے اور اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ۔ اور اس بات میں اولیا وانبیا میں اور جن وشیطان میں اور بھوت اور پری میں کچھ فرق نہیں، یعنی جس سے کوئی یہ معاملہ کرے گا وہ مشرک ہوجائے گا۔ خواہ انبیا واولیا سے، خواہ پیروں وشہیدوں سے، خواہ بھوت وپری سے۔"(۱)

④ عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم نَعَى زَيْدًا وَجَعْفَرًا وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ ، فَقَالَ: « أَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ، ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ - وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ - حَتَّى أَخَذَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللهِ حَتّٰى فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِمْ ».(۲)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو حضرت زید، حضرت جعفر، اور حضرت ابن رواحہ کے شہید ہونے کی خبر جنگ سے ان کی شہادت کی خبر آنے سے پہلے ہی دے دی۔ آپ نے فرمایا: زید نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور وہ شہید ہوگئے، پھر جعفر نے لیا اور وہ بھی شہید ہو گئے، پھر ابن رواحہ نے لیا اور وہ بھی شہید ہوگئے۔ یہ خبر دیتے وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ۔یہاں تک کہ سیف اللہ (خالد بن ولید) نے جھنڈا تھام لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

---

(۱) تقوية الإيمان، ص: ۸، ۹، پہلا باب: "توحید اور شرک کے بیان میں، راشد کمپنی، دیوبند

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۶۱۱، كتاب المغازي/ باب غزوة موتة من أرض الشام، مجلس البركات، مبارك فور.

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینۂ منورہ میں قیام پذیر تھے مگر جنگ موتہ میں پیش آنے والے اہم واقعات کی غیبی خبریں اس طور پر دے رہے تھے جیسے کوئی اپنی ہتھیلی کے نشانات دیکھ دیکھ کر بتاتا جائے۔

یہ حدیث بہت ہی واضح طور پر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

⑤ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر جب صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مقام بدر میں پہنچے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

هَذَا مَصْرَعُ فُلاَنٍ. وَيَضَعُ يَدَهُ عَلَى الأَرْضِ هٰهُنَا وَهٰهُنَا، قَالَ: فَمَا مَاطَ أَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ يَدِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم.[1]

یہ فلاں کے (قتل ہوکر) گرنے کی جگہ ہے اور آپ اپنا ہاتھ زمین پر رکھ کر فرماتے، یہاں اور یہاں۔ (یعنی فلاں، فلاں یہاں، یہاں قتل ہوکر گریں گے) راوی حدیث کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے جو نشان دہی فرمائی تھی اس جگہ سے کوئی بھی ہٹ کر اِدھر اُدھر نہ گرا۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

وفيه معجزتان مِن أَعْلامِ النبوة. أحدُهما: إخبارُهُ صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بمَصرع جَبابِرَتهم، فلم يتعدّ مَصْرَعَه. إلخ.[2]

اس حدیث میں دو معجزے ہیں جو نبوت کے دلائل سے ہیں۔ پہلا معجزہ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین کے ظالم سرداروں کے قتل ہونے کی جگہ بتادی تو کوئی اس سے اِدھر اُدھر نہ گرا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آنے والے زمانے میں درپیش ہونے والے واقعات کو اسی طور پر دیکھ رہے تھے جیسے آپ عین جائے وقوع پر تشریف فرما ہوں اور اپنی چشمان نبوت سے ملاحظہ فرما رہے ہوں۔

اس طرح یہ حدیث عقیدۂ حاضر و ناظر کا واضح ثبوت ہے۔

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۱۰۲، كتابُ الجهاد و السِّيَر/ بابُ غزوة بدر، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم بن الحجاج، ج: ۲، ص: ۱۰۲، كتاب الجهاد والسِّير/ باب غزوة بدر، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) عَنْ (عبد الله) ابن عمر، قال: قالَ رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: إنَّ اللهَ -عزَّ و جلّ- قد رَفَعَ لِيَ الدُّنيا، فَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْها و إِلىٰ مَا هُوَ كَائِنٌ فِيهَا إلى يوم القيامة، كأنّما أنظُرُ إلى كَفِّي هذهِ، جِلِّيَانٌ[1] مِّنَ الله جَلَاهُ لِنَبِيِّهِ كَمَا جَلا لِلنَّبيين من قَبْلِهِ.[2]

بے شک اللہ نے دنیا کو میرے سامنے کر دیا، تو میں اسے اور قیامت تک اس میں جو کچھ ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، یہ مشاہدۂ کائنات اس روشنی کے سبب ہے جو اللہ نے اپنے نبی کے لیے روشن فرمائی جیسے مجھ سے پہلے انبیا کے لیے روشن فرمائی تھی۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین.

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ:

اللہ عزّوجل نے یہ دنیا اور قیامت تک جو کچھ اس میں ہوگا سب کو حضور ﷺ کے پیش نظر کر دیا اور آپ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح تمام مَا كَان و ما يكون کا مشاہدہ فرماتے ہیں تو اس حدیث سے اہل سنت و جماعت کے اس عقیدے کی روشن تایید ہوتی ہے کہ آپ اللہ عزوجل کی عطا سے "حاضر و ناظر" ہیں۔

ہم نے یہاں صرف نمونے کے طور پر کچھ حدیثوں کو پیش کیا ہے ورنہ اس عقیدے کے ثبوت میں کثیر احادیث نبویہ وارد ہیں۔ صحیحین میں علامات قیامت کے تعلق سے جو احادیث تخریج کی گئی ہیں ان میں سے زیادہ تر حدیثوں سے اس عقیدے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے "علوم غیبیہ کی بحث" میں بھی اس نوع کی کچھ حدیثیں ہیں جن کے مطالعہ سے قارئین کو بخوبی اندازہ ہوگا۔

اجماعِ امت کی شہادت:

کتاب و سنت کے یہی وہ دلائل واضحہ ہیں جن کی بنا پر امت مسلمہ نے حضور سید عالم جنابِ محمّد رسول اللہ ﷺ کو بالاجماع حاضر و ناظر تسلیم کیا اور اجماع امت بجائے خود ایک مستقل دلیل ہے، ہاں

---

(۱) جِلّيَان: بكسر الجيم و تشديد اللام المكسورة: الإظهارو الكشف، أي هذا إظهار و كشفٌ من الله. النهاية ج: ۱، ص: ۲۹۱، و لسان الغرب، و تاج العروس.

(۲) المعجم الكبير الكبير للإمام الطبراني، ج: ۱۳، ص: ۳۱۹، مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، قاهره.

یہ دلیل صرف قائلین اجماع پر حجت ہوگی۔

محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شخصیت اہل سنت اور فرقۂ وہابیہ دونوں کے نزدیک مسلَّم ہے، وہ اپنے ایک رسالہ "سلوكُ أقربِ السُّبل" میں یہ انکشاف فرماتے ہیں:

"باچندیں اختلافات وکثرتِ مذاہب کہ در علماے امت ست، یک کس را دریں مسئلہ ہیچ اختلافے نیست کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بہ حقیقتِ حیات، بے شائبہ مجاز و توہُّمِ تاویل دائم وباقی ست وبر اعمال امت حاضر وناظر۔ و مر طالبین حقیقت و متوجہان آں حضرت را مفیض و مربّی ست۔"[1]

ترجمہ: "علماے امت کے درمیان اس قدر اختلاف وکثرتِ مذاہب کے باوجود اس مسئلہ میں ایک شخص کا بھی کوئی معمولی اختلاف نہیں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر مجاز کے شائبہ اور تاویل کے وہم کے حقیقی زندگی کے ساتھ زندہ وباقی ہیں اور امت کے اعمال پر حاضر وناظر۔ اور خاص کر حقیقت کے طالبوں اور آں حضرت کی طرف توجہ کرنے والوں کے لیے فیض رساں و مربّی ہیں۔"

جب علماے امت بلا اختلاف آپ کو زندہ وباقی اور احوال امت پر حاضر وناظر مانتے ہیں تو یہ اس عقیدے پر اجماع امت ہوا اور احادیث متواتر المعنیٰ شاہد ہیں کہ امت کا اجماع خطا سے معصوم ہے اس لیے یہ بھی ایک قوی دلیل ہے اور جو شخص اجماع کو حجت نہ مانے اس پر کتاب وسنت کے وہ دلائل تو ضرور حجت ہیں جو پچھلے صفحات میں مذکور ہوئے۔ وللہ الحمد۔

---

(۱) سلوكُ أقرب السُّبل بالتَّوجه إلى سيّد الرسل صلی اللہ علیہ وسلم. برحاشیہ کتاب أخبار الأخيار في أسرار الأبرار، ص: ۱۶۱، کتب خانہ رحیمیہ، دیو بند

نواں مسئلہ

توسُّل ونِدا

احادیث کریمہ کی روشنی میں

وسیلہ کی لغوی تشریح: وسیلہ کے معنی ہیں ذریعہ، سببِ قرب، قربت، وہ چیز جس کے ذریعہ دوسرے کا قرب حاصل ہو، جو دوسرے تک رسائی کا سبب بنے۔ مسلمانوں کے عرف میں اس سے مراد "اللہ عزوجل کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ" ہے خواہ وہ ذریعہ کوئی عملِ صالح ہو یا بندۂ صالح۔

لسان العرب میں ہے:

● والوَسِيلة: القُرْبة-وَوَسَّل فلانٌ إلى الله وسِيلةً: إذا عَمِل عملاً تقرَّب به إليه- والوَسِيلةُ: ما يُتَقرَّبُ به إلى الغَيْر.[1]

وَسِيلة: قربت، وَسَّل فلانٌ إلى الله وسِيلةً. فلاں عملِ صالح کرکے اللہ کا مقرب ہوا۔

وَسِيلة: جس کے ذریعہ دوسرے کا تقرب حاصل ہو۔

● والذَّرِيْعَةُ: الوَسِيلةُ. والذَّرِيْعَةُ : السببُ إلى الشَّيء، يُقال: فلانٌ ذَرِيعتي إليك، أي سَبَبي ووُصْلَتي الذي أَتسبَّبُ به إليك. ثم جُعلتِ الذريعةُ مثلاً لِكل شيء أَدْنى من شيء وقَرَّب منه.[2]

(۱) لسان العرب، ص: ٤٨٣٧، دار المعارف.

(۲) لسان العرب، ص: ١٤٩٨، دار المعارف.

ذريعة: وَسِيلة، شے تک رسائی کا سبب، کہاجاتا ہے: فلانٌ ذَرِيعتي إليك. فلاں تم تک رسائی کے لیے میرا سبب اور رابطہ ہے، پھر لفظ ذريعة کا استعمال ہر اس چیز کے لیے ہونے لگا جو کسی دوسری چیز سے قریب کردے۔

تاج العروس میں ہے:

الوَسيلَةُ: والسَّبَبُ إلى شيءٍ، يُقال: فلانٌ ذَريعَتي إليكَ: أي سبَبي ووُصْلَتي الّذي أَتَسبَّبُ به إليكَ.[1]

شے تک پہنچنے کا سبب، کہاجاتا ہے: "فلانٌ ذَريعَتي إليكَ" فلاں تمھارے پاس میری رسائی کا ذریعہ ورابطہ ہے۔

ان امور پر سب کا اتفاق ہے کہ:

- بغیر کسی وسیلے کے اللہ تعالی سے کچھ مانگنا، اور اس کی بارگاہ میں دعا کرنا جائز ہے۔

ارشاد باری ہے:

"اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً"[2].

ترجمہ: اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ۔

نیز ارشاد ربّانی ہے:

" اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ" [3]

ترجمہ: دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔

- اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ عبادات، اذکار اور اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے۔
- یہ عقیدہ بھی اجماعی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو بھی معبود ماننا، اور اس حیثیت سے اسے بارگاہِ الٰہی کا مقرب سمجھ کر وسیلہ بنانا شرک ہے جو عفو و مغفرت کے دائرے سے باہر ہے۔

لیکن اللہ کے کسی مقرب بندے - نبی، ولی، صالح - کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے یا نہیں،

---

(۱) تاج العروس من جواهر القاموس، ج: ۲۱، ص: ۱۲، المجلس الوطنى للثقافة و الفنون.
(۲) القرآن الحكيم، سورة الأعراف:۷، الأية: ۵۵.
(۳) القرآن الحكيم، سورة البقرة:۲، الأية: ۱۸۶.

اس میں نزاع ہے۔

ہم اہل حق - اہل سنت و جماعت - کے نزدیک یہ جائز، بلکہ مندوب ہے، اور وہابیہ اسے بدترین بدعت اور شرک قرار دیتے ہیں۔

محلِ نزاع

"مُسلمِ صادق اپنے معبود برحق "اللّٰہُ الرحمٰن" کی بارگاہ میں دعا کرے اور اس کے سب سے پیارے رسول محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یا دوسرے نبی یا رسول، یا صحابی یا ولیِ مقرب کو وسیلہ بنائے۔

یا مُسلمِ صادق ان نفوس قدسیہ میں سے کسی کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنا کر ان سے دعا کرائے۔ پھر ان حضرات قدس سے قریب ہو کر انھیں وسیلہ بنائے یا دور رہ کر، اور ان کی حیات میں انھیں وسیلہ بنائے یا بعدِ وصال انھیں مظہرِ قدرتِ الٰہی سمجھ کر دور سے پکارے اور دعا کرائے یا نزدیک سے۔"

اہل سنت و جماعت کے نزدیک یہ سب جائز و درست ہے مگر وہابی ان میں سے اکثر کو شرک قرار دیتے ہیں جیسا کہ ان کے مذہب کی اہم کتاب "تقویۃ الایمان" کی درج ذیل عبارات ناطق ہیں:

"پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کی برابر نہیں جانتے تھے، بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے ... مگر یہی پکارنا ... اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا بھی ان کا کفر و شرک تھا۔ سو جو کوئی کسی سے یہ معاملہ کرے گو کہ اس کو اللہ کا بندہ اور مخلوق ہی سمجھے سو ابوجہل اور وہ شرک میں برابر ہے۔"(۱)

اللہ کی بارگاہ میں اس کے جن مقربین کو وسیلہ بنایا جاتا ہے وہ وسیلہ بنانے والوں کے حق میں سفارشی اور وکیل ہوتے ہیں، اسے شرک کہنا فی الواقع انبیا اور اولیا سے توسّل کو شرک کہنا ہے۔

تو اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ انبیا اور اولیا سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توسُّل شرک ہے اور جو ایسا کرے وہ اور ابوجہل شرک میں برابر ہیں۔

اس عبارت میں "پکارنے" کو بھی شرک میں شمار کیا ہے۔ مگر ایک دوسرے مقام پر "دور سے پکارنے" کو شرک کہا ہے چناں چہ لکھتے ہیں:

"یہ جو بعضے لوگ اگلے بزرگوں کو دور دور سے پکارتے ہیں اور اتنا ہی کہتے ہیں کہ "یا

---

(۱) تقویۃ الایمان، ص:۷، ۸، پہلا باب: "توحید اور شرک کے بیان میں"، راشد کمپنی، دیوبند۔

حضرت، تم اللہ کی جناب میں دعا کرو کہ وہ اپنی قدرت سے ہماری حاجت روا کرے"۔ اور پھر یوں سمجھتے ہیں کہ "ہم نے کچھ شرک نہیں کیا، اس واسطے کہ ان سے حاجت نہیں مانگی، بلکہ دعا کروائی ہے، سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ اس مانگنے کی راہ سے شرک ثابت نہیں ہوتا لیکن پکارنے کی راہ سے شرک ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کو ایسا سمجھا کہ دور سے اور نزدیک سے برابر سن لیتے ہیں جب ہی ان کو اس طرح پکارا۔"(۱)

اس عبارت میں صراحت ہے کہ:

بزرگوں سے دعا کرا سکتے ہیں مگر انھیں دور سے "دعا" کے لیے پکارنا شرک ہے۔

فرقہ وہابیہ کے پاس اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں نہ کتاب اللہ سے، نہ سنت رسول اللہ سے، نہ اجماع سے، نہ سلف و خلف سے۔ اور دلائل کے نام پر وہ جو کچھ بھی پیش کرتے ہیں وہ "محلِ نزاع" سے بالکل بیگانہ ہیں۔ "محلِ نزاع" کیا ہے:

"مسلم صادق کا نبی یا ولی کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا" اور ان دانش مندوں کے جتنے دلائل ہیں ان سب کا تعلق مشرکین اور ان کے باطل معبودوں سے ہے۔

- کہاں مسلمِ صادق ـــــ اور ـــــ کہاں مشرک۔
- کہاں مُقرّبانِ بارگاہ ـــــ اور ـــــ کہاں معبودانِ باطل۔

"شرک" کبھی معاف نہ ہوگا اس لیے مشرک کا کوئی وسیلہ اس کے کام نہیں آئے گا۔ اور جن کو وہ خدا کے سوا پوجتے ہیں وہ شفیع نہ ہو سکیں گے۔

لیکن مسلم صادق کا وسیلہ انبیا و اولیا ہیں اور وہ بارگاہ الٰہی میں ان کے شفیع ہیں۔ جو آیات مشرکین اور ان کے باطل معبودوں کے بارے میں ہیں وہ آیات یہ حضرات مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں، پھر سمجھتے ہیں کہ توحید کا حق ادا کر دیا۔

ہم یہاں سب سے پہلے انھی وہابی حضرات کے دلائل پیش کرتے ہیں۔

فرقۂ وہابیہ کے دلائل

پہلی دلیل اور جواب: امام الطائفہ مولوی اسماعیل دہلوی نے "توسُّل" کے شرک ہونے پر

---

(۱) تقویۃ الإیمان، ص:۲۰، ۲۱، الفصل الثانی فی ردّ الإشراك فی العلم، راشد کمپنی، دیوبند۔

-جیسا کہ ابھی گزرا- یہ دلیل قائم کی ہے:

"پیغمبر خدا کے وقت میں کافر بھی اپنے بتوں کو اللہ کی برابر نہیں جانتے تھے، بلکہ اسی کا مخلوق اور اسی کا بندہ سمجھتے تھے... مگر یہی پکارنا... اور ان کو اپنا وکیل اور سفارشی سمجھنا بھی ان کا کفر و شرک تھا۔"

یہ بھی کہنا چاہیے تھا:

"ساتھ ہی وہ ان بتوں کو اپنا معبود جانتے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔"

تاکہ یہ واضح ہو جاتا کہ ان کا اصل کفر و شرک بتوں کو معبود سمجھنا اور ان کی پوجا کرنا تھا، پھر ان کو معبود جان کر ان سے توسل بھی شرک ہوگا، اس لیے نہیں کہ اصل توسل شرک ہے، بلکہ اس لیے کہ بتوں کو معبود جاننا اور ان کی پوجا کرنا شرک ہے۔

کیا اس برے اعتقاد کے ساتھ کوئی اللہ تعالی کو خالق اور رازق مانے تو وہ مشرک نہ ہوگا؟ ہوگا ضرور! مگر اس وجہ سے نہیں کہ وہ اللہ تعالی کو خالق اور رازق مانتا ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ بتوں کو معبود جانتا ہے۔

کوئی شخص بتوں کو اپنا معبود مانے اور اس عقیدے کے ساتھ سیدنا محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانے تو کیا وہ مشرک نہ ہوگا؟ ہوگا اور ضرور ہوگا! مگر اس وجہ سے نہیں کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کو "اللہ کا رسول" مانتا ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ وہ بتوں کو معبود مانتا ہے۔

گفتگو نہ "مشرک" میں ہے، نہ بتوں کو وسیلہ بنانے میں، بلکہ گفتگو "مسلم صادق" میں ہے اور انبیا و اولیا کو وسیلہ بنانے میں۔

ہم کہتے ہیں مسلمِ صادق کا انبیا و اولیا کو وسیلہ بنانا جائز ہے اور تم اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہو کہ "مشرک" کا اپنے بتوں کو وسیلہ بنانا شرک ہے اس لیے مسلمان کا انبیا و اولیا کو وسیلہ بنانا بھی شرک ہوگا۔ ہے کوئی نسبت دعوی اور دلیل میں؟

اگر اس طرح کا استناد روا ہو تو دنیا سے امان اٹھ جائے اور تمھارے لیے ہر اچھی چیز کو برا کہنا آسان ہو جائے۔ مثلاً:

ہم کہیں گے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے ان کے لیے جنت ہے۔

اور تم کہو گے:

ہرگز نہیں مُشرک ہمیشہ جہنم میں رہے گا، اور پھر آیتوں پر آیتیں تلاوت کرنا شروع کر دو۔

اگر آپ ہمارا موقف نہیں سمجھ سکتے اور محل نزاع کو ذہن میں محفوظ نہیں رکھ سکتے تو پھر اس طرح کا لایعنی استدلال کرتے رہیں گے اور مسلمانوں کو کافر و مشرک بتاتے رہیں گے۔ قارئین ایک بار پھر تقویۃ الایمان کی وہ ''مشرک ساز'' عبارت پڑھ لیں، پھر دیکھیں کہ دعوے اور دلیل میں اسی طرح کی بے ربطی ہے یا نہیں۔

وہابیوں کے پاس مسلمانوں کو مشرک بنانے کی دلیل یہی ہے کہ کفار و مشرکین کے عقیدۂ شرک سے مسلمانوں کے عقیدۂ اسلام پر حملہ کرتے ہیں اور ''محل نزاع'' سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔

دوسری دلیل اور جواب: یہ حضرات مسلمانوں کے عقیدۂ توسل کو شرک قرار دینے کے لیے کچھ آیات بھی پیش کرتے ہیں، آپ بھی ان کی تلاوت کیجیے۔

(۲) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّ لَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ (۱)

ترجمہ: ''اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ کافر کے لیے کوئی سفارش مانی جائے، اور نہ کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے، نہ ان کی مدد ہو۔''

اس آیت کریمہ کا تعلق کفار و مشرکین سے ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ کفار مشرکین کا کوئی وسیلہ اور کوئی سفارش اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہ ہوگی۔

(۳) دوسرے مقام پر ہے:

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ (۲)

ترجمہ: جب بیزار ہوں گے پیشوا اپنے پیروؤں سے، دیکھیں گے عذاب اور کٹ جائیں گے ان کے اسباب و تعلقات۔

یہ آیت کریمہ بھی کفار و مشرکین کے بارے میں ہے:

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ:۲، الآیۃ: ۴۸.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ:۲، الآیۃ: ۱۶۶.

"یہ روز قیامت کا بیان ہے جب مشرکین اور ان کے پیشوا جنھوں نے انھیں کفر کی ترغیب دی تھی ایک جگہ جمع ہوں گے اور عذاب نازل ہوتا ہوا دیکھ کر ایک دوسرے سے بیزار ہو جائیں گے۔" (خزائن العرفان)

(۴) ارشاد ربانی ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ يَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ (۱)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ تم ان کو پکارو جنھیں اللہ کے سوا تم نے اپنا معبود سمجھ رکھا ہے، وہ اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے، نہ پھیر دینے کا۔ وہ مقبول بندے جنھیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ آپ ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بے شک تمھارے رب کا عذاب ڈر کی چیز ہے۔

ان آیات کا تعلق بھی کفار و مشرکین سے ہی ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کو پوجتے ہیں۔

(۵) اللہ تعالی اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے فرماتا ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَ مَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾ (۲)

ترجمہ: "اے نبی! آپ مشرکوں سے کہیے کہ تم انھیں پکارو جنھیں تم اللہ کے سوا معبود بنا بیٹھے ہو وہ تو ذرہ بھر کے مالک نہیں آسمانوں اور زمین میں اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ حصہ، اور نہ اللہ کا ان میں سے کوئی مددگار۔

یہ آیت کریمہ بھی کفار و مشرکین کے بارے میں ہے۔

اس مقام پر وہابی علما اپنے امام، علامہ ابن القیم کی ایک عبارت سے بھی استناد کرتے ہیں جو انھوں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھی ہے، وہ عبارت یہ ہے:

"وقد قطع الله تعالى كُلَّ الأسباب التي تعلَّق بها المشركون جميعا، ... فالمشرك

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الإسراء: ۱۷، الآية: ۵۶، ۵۷.

(۲) القرآن الحكيم، سورة سبا: ۳۴، الآية: ۲۲.

إنما يتخذ معبوده لما يعتقد أنه يحصل له به من النفع، والنفعُ لا يكون إلا مَن فيه خصلة من هذه الأربع:

● إمّا مالك لما يريد عابده منه، ● فإن لم يكن مالكا كان شريكا للمالك، ● فإن لم يكن شريكا له كان مُعينا له وظهيرا، ● فإن لم يكن مُعينا ولا ظهيرا كان شفيعا عنده.

فنفى الله سبحانَه المراتبَ الأربع نفيا مترتبا، متنقلا من الأعلى إلىٰ ما دونه، فنفى الملك، والشركة، والمظاهرة، والشفاعة التي يظُنُّها المشرك، وأثبت شفاعة لا نصيب فيها لمشرك، وهي الشَّفاعةُ بإذنه. فكفى بهذه الآية نورا، وبرهانا . . . وقطعا لأصول الشرك ومواده لمن عقلها، والقرانُ مملوء من أمثالها ونظائرها."(۱)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:

مشرکین نے اللہ کے سوا جن کو اپنا معبود بنایا ہے انھیں اپنا "نافع" اعتقاد کر کے معبود بنایا ہے، اور "نافع" چار طرح کے افراد ہو سکتے ہیں:

● یا تو وہ اس چیز کا مالک ہو جو مشرک اس سے چاہتا ہے۔
● یا وہ مالک کا شریک ہو کہ وہ بھی کچھ دے سکتا ہے۔
● یا وہ مالک کا معین و مددگار ہو۔
● یا وہ مالک سے سفارش کر سکتا ہو۔

ترتیب وار یہ چار مراتب ہیں، ان میں ہر پہلا مرتبہ دوسرے سے اعلیٰ ہے اور ہر دوسرا مرتبہ پہلے سے ادنیٰ و کمتر۔

اللہ تعالی نے اس آیت کریمہ میں نفع رسانی کے چاروں مراتب کو مسترد کر دیا ہے اور مشرک جن بنیادوں پر غیر اللہ کو اپنا معبود بناتا ہے ان تمام بنیادوں کو ڈھا دیا ہے کہ وہ معبود باطل نہ کسی چیز کا مالک ہے، نہ شریک، نہ معین و مددگار، نہ شفیع و سفارشی، تو یہ آیتِ کریمہ عقل والوں کے نزدیک شرک کی جڑیں کاٹنے کے لیے کافی ہے۔

---

(۱) ● الضوء المنير على التفسير لابن القيم الجوزية،ج:٥،ص:٨٢، ٨٣، مؤسّسة النور للطباعة والتجليد.
● بدائع التفسير، الجامع لما فسّره الإمام ابن القيم الجوزية، ج:٢،ص: ٣٤١، دار ابن الجوزى للنشر والتوزيع.

ان الفاظ پر ایک بار پھر نگاہ ڈالیے:

● فنفي . . . الشفاعة التي يظنُّها المشرك.

مشرک اپنے معبود باطل سے جس شفاعت (یا وسیلے) کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اللہ تعالی نے اس کی بھی نفی فرمادی۔

● وأثبت شفاعة لا نصيب فيها لمشرك وهي الشفاعة بإذنه .

ہاں! اللہ تعالی نے ایک شفاعت برقرار رکھی ہے، اور وہ ''شفاعت بالِاذن'' ہے (جو انبیا و اولیا مسلمانوں کے لیے کریں گے) اس میں کسی مشرک کے لیے کوئی حصہ نہیں۔

قطعاً لِأُصول الشّرك ومواده لِمَنْ عَقَلها.

● یہ آیت کریمہ ارباب عقل کے نزدیک شرک کی جڑیں کاٹنے کے لیے کافی ہے۔

الغرض چاروں آیات اور وہابیوں کے امام ابن القیم کی تفسیر سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین کے لیے اللہ کی بارگاہ میں کوئی وسیلہ اور شفیع نہیں ہے اور خدا کے سوا جن کو وہ پوجتے ہیں وہ ان کے کسی کام نہ آئیں گے۔ نہ ان کی شفاعت کریں گے نہ کوئی مدد۔ ان آیات کا تعلق مومنوں سے نہیں ہے مگر یہ بات عقل والے سمجھتے ہیں لِمَنْ عَقَلَها .

پھر ان نصوص سے یہ استدلال کیوں کر بجا ہوا کہ مسلمانوں کا اللہ کی بارگاہ میں کوئی وسیلہ و شفیع نہ ہوگا۔ یہ وہابی دانشوروں کا عجب استدلال ہے ''مارے گھٹنا پھوٹے سر''۔ ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ کوئی ایسی محکم، غیر مؤول آیت پیش کیجیے، جس سے یہ ثابت ہے کہ مسلم کامل انبیا و اولیا کو وسیلہ بنانا شرک ہے۔

''فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا اللّٰهَ' وكونوا مع الصادقين.''

دلائلِ اہلِ سنت

علماے اہل سنت نے توسّل کے جواز پر کتاب و سنت سے دلائل قائم کیے ہیں، ہم چند دلائل یہاں قلم بند کرتے ہیں:

آیات سے توسل کا ثبوت:

❶ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵ (۱)

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة المائدة: ۵، الأية: ۳۵.

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو (جس کی بدولت تمھیں اس کا قرب حاصل ہو) اور اس کی راہ میں کوشش کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اعمالِ صالحہ کو وسیلہ بنانا جائز ہے جیسا کہ آیت کریمہ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِينَ ۝ [1] [اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد چاہو۔] اور حدیث غار [2] سے عیاں ہے۔

مقبول بارگاہ الٰہی کی ذاتِ شریف کو وسیلہ بنانے میں اختلاف ہے فرقہ وہابیہ اس کو شرک کہتا ہے اور ہم اہل سنت وجماعت اس کے بھی جواز واستحسان کے قائل ہیں۔

ہمارا استناد اس آیت کریمہ سے اس طرح ہے کہ وسیلہ طلب کرنے کا حکم تقوی کے بعد ہے، تقویٰ کے تحت تمام اعمال صالحہ کی بجاآوری اور برے کاموں سے بچنا داخل ہے، اس لیے طلب وسیلہ سے اعمال صالحہ کی بجاآوری مراد نہ ہوگی بلکہ مقربین کو وسیلہ بنانا مراد ہوگا۔ مخالفین جو وسیلہ سے اعمال صالحہ مراد لیتے ہیں ان سے ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال صالحہ مقبول ہیں یا نہیں، یہ ہمیں نہیں

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الآية: ۱۵۳.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۲۹۴، ۲۹۵، كتاب البيوع/ باب إذا اشترى شيئا لغيره بغير إذنه فرضي، مجلس البركات.

حدیث غار: حدیث غار ایک طویل حدیث ہے جس کا انتخاب بقدر ضرورت یہ ہے:

إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: انْطَلَقَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَتَّى أَوَوُا الْمَبِيتَ إِلَى غَارٍ فَدَخَلُوهُ فَانْحَدَرَتْ صَخْرَةٌ مِنَ الْجَبَلِ فَسَدَّتْ عَلَيْهِمُ الْغَارَ فَقَالُوا إِنَّهُ لَا يُنْجِيكُمْ مِنْ هَذِهِ الصَّخْرَةِ إِلَّا أَنْ تَدْعُوا اللّٰهَ بِصَالِحِ أَعْمَالِكُمْ...

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا کہ پہلے زمانے کے تین شخص کہیں جا رہے تھے، سونے کے وقت ایک غار کے پاس پہنچے، اس میں یہ تینوں شخص داخل ہو گئے، پہاڑ کی ایک چٹان اوپر سے گری جس نے غار کو بند کر دیا، انھوں نے کہا: اب اس سے نجات کی، سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ تم اپنے عملِ صالح کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں دعا کرو ---

پھر ایک نے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا، اور دوسرے نے اپنی چچازاد بہن کو مالی تعاون کا، اور تیسرے نے اپنے ایک مزدور کو اجرت سے بہت زیادہ عطا کرنے کا ذکر کر کے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا: اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ فَعَلْتُ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ فَفَرِّجْ عَنَّا مَا نَحْنُ فِيهِ. الٰہی! اگر یہ کام میں نے تیری رضا کے لیے کیا ہے تو یہ چٹان ہٹا دے۔ فَانْفَرَجَتِ الصَّخْرَةُ فَخَرَجُوا يَمْشُونَ. وہ چٹان ہٹ گئی اور یہ تینوں اس غار سے نکل کر چلے گئے۔ (التقاط از صحیح البخاری، ج:۱، ص: ۳۰۲، ۳۰۳، باب من استاجر أجيرا فترك أجره، مجلس البركات)

معلوم، پھر بھی ان سے توسّل جائز ہے اور حضرات انبیاے کرام و مرسلین عظام علیہم الصلاۃ والسلام اور اولیاء اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو ضرور مقبولِ بارگاہ خداوندی ہیں تو ان سے توسل بدرجہ اَولیٰ جائز ہے۔ اعمالِ صالحہ اسی وقت تقرب کا ذریعہ بن سکتے ہیں جب وہ مقبولِ بارگاہِ خداوندی ہوں اور انبیا اور اولیا کی یہ مقدس جماعت یقیناً مقبولِ بارگاہ ہے اس لیے یہ حضرات ضرور تقرب کا ذریعہ بنیں گے۔

(۲) وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۶۴﴾ (۱)

ترجمہ: اور اے محبوب! جب وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں، اگر وہ آپ کے حضور حاضر ہوں، پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کے لیے مغفرت طلب کریں تو وہ ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا، مہربان پائیں۔

ظالم و معصیت کار جہاں سے بھی اللہ کی بارگاہ میں توبہ واستغفار کریں اللہ سے کرم کی امید ہے مگر "آپ کے حضور حاضر ہوں" فرما کر "حاضرِ بارگاہِ رسالت" ہونے کی رہنمائی فرمائی گئی تاکہ رسول اللہ ان کا وسیلہ بن کر بارگاہِ الٰہی میں ان کے لیے شفاعت فرمائیں تو اللہ ضرور ان کی توبہ قبول کر کے ان پر رحم فرمائے گا۔ مجرمین کا بارگاہ رسالت میں حاضر ہونا "آپ کی ذاتِ اقدس سے توسّل" کے لیے ہے اور سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا ان کے حق میں استغفار شفاعت ہے۔

تو اس آیت کریمہ سے ثابت ہو گیا کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے توسّل جائز و مطلوب و مندوب ہے، یہ الگ بات ہے کہ یہ توسّل سرکار علیہ الصلاۃ والسلام سے دعا کرانے کے لیے ہے۔

احادیث سے توسّل کا ثبوت:

(۱) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ، كَانَ - إِذَا قُحِطُوا - اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، فَقَالَ : اللّٰهُمَّ إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا صلی اللہ علیہ وسلم فَتَسْقِينَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا- قَالَ: فَيُسْقَوْنَ.(۲)

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة النساء: ٤، الآية: ٦٤.

(۲) ● صحيح البخاري، ج: ١، ١٣٧، أبواب الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء.

● و- ص: ٥٢٦، كتاب المناقب/ ذكر عباس بن عبد المطلب، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط زدہ ہوتے تو امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلے سے بارش برسنے کی دعا مانگتے۔ آپ عرض کرتے:

"اے اللہ! ہم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے تھے اور تو ہم پر بارش نازل فرماتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں تو ہم پر بارش برسادے۔"

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ: پھر بارش برسنے لگتی تھی۔

اس حدیث کے الفاظ

- اسْتَسْقَى بِالْعَبَّاسِ . (عباس کے وسیلے سے بارش برسنے کی دعا کرتے)
- كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا. (ہم تیری بارگاہ میں نبی کو وسیلہ بناتے تھے)
- إِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا. (ہم اپنے نبی کے چچا کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے ہیں۔)

سے بہت واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ محبوبانِ خدا بالخصوص حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ شریفہ سے توسّل جائز ہے اور وسیلے کی برکت سے دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔

حدیث کے کلمات "بِعَمِّ نَبِيِّنَا" سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ مبارکہ سے صحابہ کرام کا توسّل سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قربِ خاص اور قرابت داری کی بنا پر تھا جو بارگاہِ الٰہی میں جلد قبولیت کا باعث تھا، اس حیثیت سے ان سے توسّل گویا سرکار ابد قرار سے ہی توسّل تھا۔

اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بناکر دو باتوں کا افادہ فرمایا:

ایک: یہ کہ غیر نبی کو بھی وسیلہ بنانا جائز ہے جب کہ وہ صالح ہو اور قرب خداوندی کے منصب پر فائز ہو۔

دوسرے: یہ کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرابت نسبی کی وجہ سے یہ توسّل گویا سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہی توسّل ہے۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی ولی اللہ اور صاحبِ کرامت صحابی جلیل تھے، اور بارگاہ الٰہی کے ایسے مقرب خاص جن کی زبان سے صادر شدہ کلماتِ بابرکات کی موافقت میں اللہ عزّ وجل نے آیات قرآنی نازل فرمائیں، اس لیے ان کی دعا بے اثر نہ ہوتی مگر وہ خود دعا فرماتے تو یہ افادات نہ حاصل ہوتے اور ممکن ہے قبولیت میں وہ سرعتِ اثر نہ ہوتی جو وہ چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے عم نبی

مکرم کے وسیلے سے دعا فرمائی۔

علاوہ ازیں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعد وصال توسّل کے بارے میں حدیث آگے آرہی ہے۔

۲ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ أَبِي طَالِبٍ:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ
ثِمَالُ الْيَتَامَى عِصْمَةٌ لِلأَرَامِلِ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا، وہ ابو طالب کا یہ شعر گنگنا رہے تھے:

"حضور گورے رنگ والے ہیں، آپ کے روے زیبا کے وسیلے سے بارش کی دعا کی جاتی ہے،
آپ یتیموں کے سہارا اور بیواؤں کو پناہ دینے والے ہیں"

سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روئے زیبا کو وسیلہ بنا کر بارگاہ الٰہی میں دعا کرنا آپ کی ذاتِ شریف سے توسّل ہے تو یہ حدیث ذاتِ نبی سے توسّل کی دلیل ہے۔

۳ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ حُنَيْفٍ ، أَنَّ رَجُلاً ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ فَقَالَ : أُدْعُ اللهَ لِي أَنْ يُعَافِيَنِي فَقَالَ : إِنْ شِئْتَ أَخَّرْتُ لَكَ وَهُوَ خَيْرٌ ، وَإِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ- فَقَالَ: ادْعُهْ ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ ، وَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ، وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ :

"اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ ، وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ ، يَا مُحَمَّدُ إِنِّي قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى ، اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ." (۲)

ترجمہ: حضرت عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کی کہ حضور، میرے لیے خدائے کریم سے عافیت کی دعا مانگیے، حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فرمایا: اگر چاہو تو ابھی یہ دعا نہ مانگوں اور یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اور اگر چاہو تو ابھی دعا کر دوں؟

---

(۱) صحيح البخاري ، ج: ۱، ص: ۱۳۷، أبواب الاستسقاء / باب سؤال النّاس الإمام الاستسقاء، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) سنن ابن ماجه، ص: ۷۹۹، بابُ ما جاء في صلاة الحاجة.

اس نے عرض کیا: حضور! دعا فرمادیجیے۔ تو آپ نے اس سے فرمایا کہ اچھی طرح وضو کرو، اور دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو:

"اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں رحمت والے نبی ﷺ کے وسیلے سے، یا رسولَ اللہ! میں نے آپ کے وسیلے سے اپنی اس حاجت کے سلسلے میں اپنے رب کی طرف توجہ کی تاکہ یہ حاجت پوری ہو جائے۔ اے اللہ! حضور ﷺ کی سفارش میرے حق میں قبول فرما۔"

اب اس حدیث کے کلمات پر غور فرمائیے:

(الف) "نابینا صحابی حاضرِ خدمت ہوے اور بینائی کے لیے دعا کی درخواست کی"

یہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک سے توسّل ہے تاکہ آپ اُن کی بینائی کے لیے دعا فرمادیں۔

(ب) "اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، رحمت والے نبی کے وسیلے سے"

نابینا صحابی نے ان کلمات کے ذریعہ حضور کی ذات کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بناکر خود دعا کی ہے۔

(ج) "یا رسول اللہ میں نے آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کی" یہ رسول اللہ ﷺ کو دور سے غائبانہ پکارنا بھی ہے۔ اور آپ کی ذاتِ شریف کے وسیلے سے بارگاہ الٰہی میں دعا بھی۔

ان دونوں صورتوں میں سرورِ کونین ﷺ کی ذاتِ شریف کو نابینا صحابی نے اپنی دعا کی مقبولیت کے لیے وسیلہ بنایا ہے۔ یعنی "ذاتِ نبی" سے توسّل تینوں صورتوں میں ہے، فرق یہ ہے کہ پہلی صورت (الف) میں سرکار کی ذات کو وسیلہ بنایا گیا ہے خود سرکار سے دعا کرانے کے لیے۔ اور دوسری اور تیسری (ب وج) صورتوں میں "ذاتِ اقدس کو وسیلہ بنایا گیا ہے اپنی دعا کی قبولیت کے لیے۔

(د) "اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ، اے اللہ میرے حق میں حضور کی سفارش کو قبول فرما۔"

اس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور رحمت عالم ﷺ نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اپنے نابینا صحابی کے لیے سفارش فرمائی تھی، بہ لفظ دیگر دعاے شفا فرمائی تھی، اور یہ حق ہے کیوں کہ نابینا نے حضور سے دعا کی درخواست کی تھی اور سرکار نے یہ درخواست منظور بھی فرمائی تھی اس لیے نابینا صحابی نے اپنی دعا میں اسے ذکر فرمایا:

تو اس کو بنیاد بناکر پوری حدیث کو "توسّل بالدّعا" پر محمول کرنا بیجا ہے۔ کیوں کہ "ب" اور

"ج" دو صورتوں میں تو اپنی دعا کی قبولیت کے لیے ذات انور کو ضرور وسیلہ بنایا گیا ہے۔ پھر جیسا کہ راقم سطور نے وضاحت سے بیان کیا یہاں "توسُّل بالدّعا" میں بھی ذات نبی سے توسل ہے کہ دعا کرانے کے لیے آپ کی ذات کو وسیلہ بنایا۔ اب وہابی مجتہدین اپنے مخصوص عقیدے سے اس حدیث پاک کا موازنہ کر کے خود فیصلہ کریں کہ یہ سب کچھ شرک ہے یا اس میں کہیں ایمان کی کچھ رمق بھی ہے؟

یہ حدیث صحیحین میں نہیں ہے لیکن صحیحین کی شرط پر صحیح ہے چناں چہ ● حافظ ابو عبد اللہ الحاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

هذا حديث صحيح على شرط الشَّيخين ولم يخرّجا.[1]

ترجمہ: یہ حدیث شیخین (امام بخاری وامام مسلم) کی شرط پر صحیح ہے، اور ان حضرات نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

● امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی "علیٰ شرطِهما" لکھ کر اس کو برقرار رکھا۔

● اور جامع الترمذی میں ہے:

قال أبو عيسىٰ: هذا حديث حسنٌ، صحيح، غريب.[2]

ترجمہ: امام ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن، صحیح، غریب ہے۔

● امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی نے یہ حدیث تخریج کر کے لکھا:

هذا لفظ حديث العباس، زاد محمد بن يونس في روايته، قال: فقام وقد أبصرَ، وَرَوَينَاهُ في كتاب الدّعوات بإسنادٍ صحيحٍ عن روح بن عبادة، عن شعبة ففعل الرجلُ، فبرأ.[3]

ترجمہ: محمد بن یونس کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ نابینا دعا کے بعد بینا ہو کر کھڑے ہوئے، ہم نے یہ حدیث کتابُ الدّعوات میں اسناد صحیح سے روح بن عُبادہ سے بروایتِ شعبہ روایت کی

---

(۱) اَلمستدرك مع التلخيص للذهبي، ج:۱،ص:۳۱۳، كتاب صلاةِ التطوع/ دعاءُ ردِّ البصر، دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) جامع الترمذي، ج:۲،ص:۱۹۷، أبواب الدّعوات/ باب في انتظار الفرج وغير ذلك، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة/ السفر السادس، ص: ۱۶۶، ۱۶۷/ باب ما في تعليمه الضرير ما كان فيه شفاءه، دار الكتب العلمية، بيروت.

ہے اس کے الفاظ ہیں کہ

”نابینا نے تعلیم نبوی کے مطابق عمل کیا تو شفایاب ہو گئے۔“

● امام منذری فرماتے ہیں:

رواه الترمذي وقال: حديثٌ صحيحٌ، غريبٌ. والنَّسائي وابنُ خزيمة في صحيحه والحاكم فقال: صحيحٌ على شرطِ البخاري ومسلم.[1]

☆ اس حدیث میں حاجت کے وقت رسول اللہ ﷺ کو ندا بھی ہے اور آپ سے توسّل والتجا بھی۔

☆ پھر یہ ندا و توسّل نابینا صحابی نے اپنی مرضی سے نہیں کیا، بلکہ حضور سید عالم ﷺ نے انھیں یہ طریقہ تعلیم فرمایا۔

☆ نابینا صحابی نے یہ نماز حضور ﷺ کے سامنے نہ پڑھی، بلکہ مسجد میں جا کر پڑھی، پھر حضور کی بارگاہ میں بینا ہو کر حاضر ہوئے، جیسا کہ آنے والی حدیث (۴) کے الفاظ ”ثُم إئتِ المسجدَ فصلّ فيه ركعتين“ شہادت دیتے ہیں۔ اس لیے ظاہر یہ ہے کہ نابینا صحابی نے سرکار کی تعلیم فرمائی ہوئی دعا مسجد میں نماز کے بعد کی، تو بارگاہِ الٰہی میں نابینا کی دعا اور حضور کو ندا اور آپ سے التجا سب آپ کے غائبانہ میں ہوئی اور یہ وہابی مذہب میں شرک ہے تو کیا رسول اللہ ﷺ شرک کی تعلیم دینے کے لیے مبعوث ہوئے تھے؟

(۴) رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد توسّل کا ثبوت:

عَنْ أبي أمامة بن سهل بن حُنَيف عن عمِّهِ عثمان بن حُنَيف -رضي الله تعالى عنه- أن رجلا كان يختلف إلى عثمان بن عفان -رضي الله تعالى عنه- في حاجة، فكان عثمانُ لا يلتفت إليه ولا ينظر في حاجته فلقي عثمانَ بن حُنَيف فشكى ذلك إليه، فقال له عثمانُ بن حُنيف: اِئتِ الميضأة فتوضأ، ثم ائتِ المسجد، فصلِ فيه ركعتين، ثم قل:

”اللّٰهُمَّ إني أسألك وأتوجَّه إليكَ بنبيِّنا محمّد صلّى الله عليه وسلَّمَ نبيِّ الرحمة، يا محمدُ، إني أتوجّه بك إلى ربي، فيُقضىٰ لي حاجتي“.

---

(۱) ● الترغيب والترهيب، ج:۱،ص: ۳۱۰، كتاب النوافل/ الترغيب في صلاة الحاجة، مكتبة المعارف، الرياض.

● وہابیوں کے امام البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح لکھا ہے (مصدر سابق)

وتذكر حاجتك ورُح إليَّ حتى أروح معك، فانطلق الرجلُ فصنع ما قال له، ثم أتى بَابَ عثمان بن عفان -رضي الله تعالى عنه- فجاء البوّاب، حتى أخذ بيدهٖ فأدخله، عثمان بن عفان -رضي الله تعالى عنه- فأجلسه معه على الطنفسة، فقال: حاجتك؟ فذكر حاجته فقضاها له، ثم قال له: ما ذكرت حاجتك، حتى كانت هذه السّاعة وقال: ما كانت لك من حاجة فَاذكرها،

ثم إن الرجل خرج من عنده فلقي عثمان بنَ حُنيف، فقال له: جزاكَ اللهُ خيرا ما كان ينظر في حاجتي ولا يلتفت إليَّ حتى كلَّمتَه فيَّ.

فقال عثمان بن حُنيف: والله ما كلَّمتُه ولكنّي شهدت رسولَ الله -صلى الله عليه وآله وسلم-، وأتاه رجل ضرير، فشكى إليه ذهابَ بصره، فقال له النَّبيُّ صلى الله عليه وآله وسلم: أفتصبر فقال: يا رسولَ الله ليس لي قائد وقد شقَّ عليَّ.

فقال له النبي صلى الله عليه وآله وسلم: إئت الميضأة، فتوضأ، ثم صلِّ ركعتين ثم ادعُ بهذه الدعوات.

قال ابنُ حُنيف: فوالله ما تفرَّقنا وطال بنا الحديث، حتى دخل علينا الرجل كأنه لم يكن به ضرر قط.[1]

ترجمہ: ابو امامہ بن سہل بن حُنیف سے روایت ہے کہ ان کے چچا حضرت عثمان بن حُنیف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بتایا کہ ایک شخص امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دربار میں اپنی کسی ضرورت سے جاتا، آتا رہتا تھا اور حضرت امیر المومنین اس کی طرف نہ توجہ فرماتے، نہ اس کی ضرورت پر نظر فرماتے تو وہ شخص حضرت عثمان بن حُنیف سے ملا اور ان سے اس بات کی شکایت کی۔ تو حضرت عثمان بن حُنیف نے فرمایا کہ وضو خانے پر جاکر وضو کرو، پھر مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھو، اس کے بعد یوں عرض کرو:

"اے اللہ، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی -نبیِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے وسیلے سے توجہ کرتا ہوں، یارسولَ اللہ! بے شک میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں کہ میری حاجت روا فرمائے۔"

---

(۱) المعجم الصغير للإمام الطبراني، ص: ۱۸۳، ۱۸۴، باب الطاء ، مَن اسمه الطاهر، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.

اس کے بعد اپنی حاجت ذکر کرو۔ پھر شام کو میرے پاس آنا، تو میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔ اس شخص نے وضو ونماز کے بعد بارگاہِ الٰہی میں دعا اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ندا والتجا کی۔ پھر حضرت امیر المومنین کے دروازے پر گیا تو دربان اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں لے گیا، اور آپ نے اسے اپنی مسند پر بٹھا کر پوچھا کہ کیا کام ہے؟ اس شخص نے اپنی حاجت بتائی تو حضرت امیر المومنین نے فوراً اس کی حاجت پوری کر دی، پھر فرمایا، اتنے دنوں میں تم نے اب اپنی حاجت بیان کی، آیندہ تمھیں جب کوئی حاجت پیش آئے تو آکر بتا دینا۔ (حاجت روائی کر دی جائے گی)

وہ آدمی حضرت امیر المومنین کے پاس سے رخصت ہو کر حضرت عثمان بن حُنیف کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ اللہ تعالی آپ کو جزاے خیر دے، امیر المومنین میری حاجت پر نظر نہ فرماتے تھے، نہ میری طرف نگہ التفات فرماتے تھے یہاں تک کہ آپ نے میرے بارے میں ان سے سفارش فرمائی۔

تو عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم، میں نے تو امیر المومنین سے کچھ بھی نہیں کہا۔ واقعہ یہ ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر تھا آپ کے پاس ایک نابینا صحابی آئے اور اپنے نابینا ہونے کی شکایت کی، نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر کرو۔ تو وہ کہنے لگے، حضور، مجھے کوئی راہ بتانے والا نہیں ہے اور یہ میرے لیے شاق ہے۔

تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وضو کی جگہ جا کر وضو کرو، پھر دو رکعت نماز پڑھو، اور یہ دعا کرو۔ حضرت عثمان بن حُنیف نے فرمایا کہ اللہ کی قسم، ہم لوگ ابھی وہاں سے ہٹے بھی نہیں تھے، باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہ آدمی ہمارے پاس بینا ہو کر آگیا جیسے اسے کبھی آنکھوں میں تکلیف ہوئی ہی نہ تھی۔

یہ حدیث صحیح ہے چناں چہ امام حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی اس حدیث کی متعدّد سندیں ذکر کر کے لکھتے ہیں:

والحديث صحيح.[۱] یہ حدیث صحیح ہے۔

امام حافظ عبد العظیم بن عبد القوی المنذری (۵۸۱-۶۵۶) لکھتے ہیں:

"قال الطبراني بعد ذكر طُرُقه: والحديثُ صحيح."[۲]

ترجمہ: امام طبرانی نے اس حدیث کے طُرق ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

---

(۱) المصدر السابق.

(۲) الترغيب والترهيب، ج:۱، ص: ۳۱۰، كتاب النوافل/ الترغيب في صلاة الحاجة ودعائها، مكتبة المعارف، الرياض.

امام منذری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ائمہ نقد وتنقیح سے ہیں۔ انھوں نے اس تصحیح کو مسلّم وبرقرار رکھا۔

حضرت عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابیِ رسول ہیں، بارگاہِ رسالت سے براہ راست تعلیم وتربیت پائی ہے، احادیث نبویہ کے مفاہیم ومقاصد عالیہ پر گہری نظر رکھتے تھے انھوں نے عہد عثمانی کے ایک حاجت مند کو حاجت برآری کے لیے وہی دعا تعلیم فرمائی جو سرور کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں ایک نابینا صحابی کو تعلیم فرمائی تھی۔ اور اس دعا میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو لفظ "یا" سے ندا بھی ہے، اور آپ سے "التجا" بھی، اور بارگاہ الٰہی میں آپ کی ذات شریف سے "توسُّل" بھی۔ الغرض وہ چاروں صورتیں یہاں بھی ذاتِ رسالت سے توسل کی پائی جاتی ہیں جو حدیث (۴) میں وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکی ہیں۔

فرق یہ ہے کہ حدیث (۴) میں ذات رسالت سے توسل کی چاروں صورتیں حضور کی حیات ظاہری سے متعلق ہیں اور اس حدیث میں توسُّل کی چاروں صورتیں سرکار کے وصال کے بہت بعد پائی گئی ہیں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابیِ رسول حضرت عثمان بن حُنیف یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ رسول کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے آپ کی حیات ظاہری میں بھی ندا اور التجا وتوسُّل جائز ہے اور بعد وصال بھی۔ اسی لیے تو خلافتِ عثمانی میں انھوں نے ایک حاجت مند کو وہ دعا تعلیم فرمائی۔

پھر اللہ تبارک وتعالی کو یہ توسُّل اس قدر پسند آیا کہ فوراً ان کی دعا قبول فرمالی، اور حضرت عثمان تک ان کی رسائی بھی آسان ہوگئی، اور ان کی حاجت بھی پوری ہوگئی، بلکہ آئندہ کے لیے حاجت روائی کی بشارت بھی مل گئی۔

کیا خیر القرون میں یہ سب شرک کا کاروبار ہو رہا تھا، کیا حضرت عثمان بن حُنیف نے شرک کی تعلیم دی تھی، اور کیا اس بندۂ خدا نے اپنی حاجت کے لیے شرک کا کام کیا تھا، وہ صحابی نہیں، تو تابعی ضرور تھے جو ایک قول پر "وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ"[1] کے اعزاز سے مشرف تھے۔ اس لیے ندا وتوسُّل کو شرک قرار دینا احادیث صحیحہ، سلفِ صالحین کے عمل اور خود سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعلیمات سے انحراف ہے۔

⑤ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ ، حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ زَيْدٍ ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ مَالِكٍ

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ التوبۃ:۹، الآیۃ:۱۰۰.

النُّكْرِيُّ ، حَدَّثَنَا أَبُو الْجَوْزَاءِ أَوْسُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ :

قُحِطَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ قَحْطًا شَدِيدًا فَشَكَوْا إِلَى عَائِشَةَ فَقَالَتْ : انْظُرُوا قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ، فَاجْعَلُوا مِنْهُ كِوًى إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى لاَ يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّمَاءِ سَقْفٌ.

قَالَ : فَفَعَلُوا، فَمُطِرْنَا مَطَرًا حَتَّى نَبَتَ الْعُشْبُ وَسَمِنَتِ الإِبِلُ حَتَّى تَفَتَّقَتْ مِنَ الشَّحْمِ , فَسُمِّيَ عَامَ الْفَتْقِ.[1]

ترجمہ: حضرت اَوس بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ اہل مدینہ شدید قحط سے دوچار ہوگئے تو انھوں نے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی (تاکہ وہ دعا کریں یا کوئی تدبیر بتائیں)

انھوں نے فرمایا: آپ لوگ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور دیکھیں اور اس کی چھت میں آسمان کی طرف متعدّد مقامات پر سوراخ کردیں تاکہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے۔

اوس بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ اہل مدینہ نے قبر مبارک کی چھت کھول دی تو خوب بارش ہوئی، زمین پر (ہر طرف) سبزے اُگ آئے، اونٹ فربہ ہوگئے اور ان کے بدن پر چربی چڑھ گئی۔ اور (چربی کی کثرت کی وجہ سے) اس سال کا نام "چربی کا سال" رکھ دیا گیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ:

(الف) اہل مدینہ نے حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حکم پر حضور رحمتِ عالم، محبوبِ رب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات کو بارگاہ الٰہی میں "وسیلے" کے طور پر پیش کیا اور زبان حال سے گویا یہ التجا کردی کہ پروردگار عالم یہ تیرے پیارے رسول ہیں جنھیں تو نے رحمۃ للعالمین بنایا، ہم انھی کو تیری بارگاہ میں وسیلہ بناتے اور بارانِ رحمت کے نزول کی امید رکھتے ہیں۔

یہاں نماز، روزہ، حج وغیرہ طاعات وعبادات کے وسیلے سے دعا نہیں کی گی ہے بلکہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان سے چھت کا حجاب ہٹا کر یہ ظاہر کردیا گیا ہے کہ الٰہ العالمین ہم بے سہاروں کے پاس تیری بارگاہ تک رسائی کے لیے جو سب سے محبوب اور مقبول ذریعہ ہے وہ مصطفیٰ جان رحمت ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب وہ ہیں، ان کی قبر شریف ہے اور تیرا فیضان کرم۔

یہ بلا شبہہ "ذاتِ شریف" سے توسّل ہے اور وہ بھی وصال کے بعد۔

---

(۱) مسند الدارمي المعروف بـ سنن الدارمي، ج:۱، ص: ۲۲۷، بابُ ما أكرَمَ اللهُ تعالىٰ نبيه، بعد موته ﷺ، رقم الحديث: ۹۳.

(ب) محقق علی الاطلاق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ تشریح کی ہے:

وسبب رفع حجاب میان، قبر شریف وآسمان، آں باشد کہ این طلبِ شفاعت است از قبر شریف زیرا کہ در حیات آں حضرت استسقا کردند بذات شریف، وچوں ذاتِ شریف وے در پردہ شد امر کردہ عائشہ کہ کشف کردہ شود قبر شریف تا باراں ببارد، گویا استسقا کردند بقبر، ودر حقیقت استسقا واستشفاع است بذاتِ شریف وے، وکشفِ قبر مبالغہ است در آں۔[1]

ترجمہ: قبر شریف اور آسمان سے حجاب ہٹانے کا سبب یہ ہے کہ یہ قبر شریف سے طلبِ شفاعت ہے کیوں کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات میں اہل مدینہ آپ کی ذات شریف سے بارش کے لیے درخواست کرتے تھے اور جب آپ پردہ فرماگئے تو حضرت عائشہ صدیقہ نے قبر شریف کھولنے کا حکم دیا تاکہ بارش ہو تو یہ بظاہر قبر شریف کو بارش کے لیے وسیلہ بنانا ہوا۔ اور حقیقت میں یہ سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کی ذات شریف سے التجا ہے کہ آپ بارگاہ الٰہی میں بارش کے لیے سفارش کردیں، دعا فرمائیں اور قبر انور سے حجاب ہٹانا مبالغہ کے لیے ہے۔

اس تشریح کے مطابق اہل مدینہ نے کشفِ حجاب کرکے ذاتِ اقدس کو وسیلہ بنایا تاکہ آپ بارگاہ الٰہی میں بارانِ رحمت کے لیے دعا فرمائیں اور سفارش کریں۔

پہلی تشریح (الف) میں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات شریف دلالتِ حال کے بطور وسیلہ بن رہی ہے نزول رحمت وفیضان کرم کے لیے۔

اور دوسری تشریح (ب) پر ذات شریف کو گویا وسیلہ بنایا گیا ہے بارگاہِ الٰہی میں نزول رحمت کی سفارش ودعا کے لیے۔

اس حیثیت سے دیکھا جائے کہ سرکار وصال کے بعد دوبارہ زندہ فرمادیے گئے اور آپ کی بارگاہ میں امت کے احوال پیش ہوتے ہیں۔ دوسری توجیہ زیادہ مناسب ہے اور پہلی تشریح بھی بجا ہے۔ اور دونوں ہی صورتوں میں آپ کے وصال کے بعد آپ کی ذات اقدس کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔

اب وہابی حضرات کو اختیار ہے کہ جو تشریح چاہیں پسند فرمائیں ہم تو بس اتنا ہی عرض کرسکتے ہیں کہ آپ اپنا مخصوص عقیدہ قبول حدیث کی راہ میں حائل نہ ہونے دیں۔

---

(۱) ☆ اشِعَّة اللمعات، ج:٤، ص:٣٢٩، کتاب الفضائل والشّمائل / باب الکرامات / الفصل الثاني.
☆ لمعات التنقیح في شرح مشکاة المصابیح، ج:٩، ص: ٥١٩، ٥٢٠، کتاب الفضائل والشمائل / باب الکرامات / الفصل الثاني، دار النوادر.

اس حدیث پر امام ابن حبان نے اپنی معلومات کی بنا پر کچھ کلام کیا ہے اور بعد میں محدثِ وہابیہ شیخ البانی نے بھی وہی روش اپنائی مگر حق یہ ہے کہ ان کو حقیقت حال کا علم نہ ہوسکا، اور صحیح یہ ہے کہ اس حدیث کے رجال قوی، قابل حجت ہیں اس کی تحقیق امام دارقطنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی ہے۔ اور فتح المنان شرح دارمی کے انکشافات سے بھی یہ عیاں ہے۔(۱)

---

(۱) قوله: ''حدثنا أبو النعمان'':

هو محمدُ بن الفضل السدوسي الملقب بعارم، أحدُ مشايخ الإسلام المتفق على الاحتجاج بهم، وحديثه في الكتب الستة، تقدمت ترجمته في حديث رقم ۲۷.

وأما قول الشيخ الألباني ''بأنه اختلط في آخر عمره، ولا يدرىٰ هل سمع منه الدارمي قبل الاختلاط أو بعده، ثم رده لحديث الباب'' فنلتمس للشيخ العذر ، ونُحسِن به الظن بأنه لم يقف على كلام الدار قطني فيه، ففي ''سؤالات أبي عبد الرحمٰن السلمي للدارقطني'' قال : وقال : عارم أبو النعمان ثقة، وتغير بآخره وما ظهر عنه بعد اختلاطه حديث منكر. اهـ. ولذلك تعقّب الذهبي في الميزان ابن حبان لقوله: ''اختلط في آخر عمره، وتغير حتى كان لا يدري ما يحدث به، فوقع في حديثه المناكير الكثيرة، فيجب التنكب عن حديثه فيما رواه المتأخرون، فإذا لم يعلم هذا من هذا ترك الكل، ولا يحتج بشيء منها.

قال الذهبي متعقباً:

فهذا قول حافظ العصر - يعني الدارقطني - الذي لم يأت بعد النسائي مثله، فأين هذا القولُ من قول ابن حبان الخساف المتهور، ولم يقدر ابن حبان أن يسوق له حديثا منكرا، فأين ما زعم؟!، بل من مفرداته : عن حماد، عن حميد، عن أنس مرفوعا: اتقوا النار ولو بشق تمرة، وقد كان حدث به قبل عن حماد، عن حميد، عن الحسن مرسلا، وهو أصح لأن عفان وغيره رووه عن حماد. اهـ.

قلت: ومن المعلوم أن وجود الأفراد في الثقة لا تخرجه عن هذا الوصف ولا تقدح فيه.

وقال الذهبي في السير بعد أن أورد كلام أبي داود ''أنه اختلط'' قال : فرج عنا الدارقطني في شأن عارم فقال: تغير بآخره، وما ظهر له بعد اختلاطه حديثٌ منكر، وهو ثقة، فانظر إلى قول أمير المؤمنين في الحديث أبي الحسن، فأين هذا من قول ذاك الخساف المتفاصح أبي حاتم ابن حبان في عارم . . . ثم قال :فأين ما زعمت من المناكير الكثيرة؟ ! فلم يذكر منها حديثا. آهـ.

وأما قول الشيخ الألباني: ''ولا يدرى سمع منه الدارمي قبل الاختلاط أو بعده''، يلزمه أن يضعف روايات البخاري في الصحيح، لأن البخاري ليس بأقدم سماعاً من الدارمي - الذي هو في عداد شيوخه - من أبي النعمان.

قوله : ''ثنا سعيد بن زيد'':

هو ابن درهم الأزدي، الجهضمي أخو حماد بن زيد، ممن اختلف فيه، فوثقه ابن معين، وقال الإمام أحمد: ليس به بأس، وقال أبو حاتم والنسائي: ليس بالقوي، لكنه صالح الحديث.

قلت: لكنه مع هذا صالح الحديث إن شاء الله فقد استشهد به البخاري في صحيحه ، وقال

ابن عدي الذي سبر حديثه : له غير ما ذكرت أحاديث حسان ، وليس له متن منكر لا يأتي به غيره، وهو عندي في جملة من ينسب إلى الصدق .اهـ. وأما قول الشيخ الألباني في أحكام التوسل : فيه ضعف، فإنما قصد أنه لا ينزل حديثه عن رتبة الحسن، لأنه قال في الإرواء [٥/ ٣٣٨]: وفي سعيد بن زيد - أخو حماد - كلام لا ينزل به حديثه عن رتبة الحسن إن شاء الله . اهـ، وقد صحح حديثه الحافظ الذهبي في السير [١٠/ ٢٦٩] عقب إيراده حديث عارم، عنه، وهو حديث أبي سعيد الخدري مرفوعا: نهى أن يشرب الرجل وهو قائم، وأن يلتقم فم السقاء فيشرب منه، وجوَّدَ إسناده ابنُ القيم في الفروسية [/ ٢٠]، وتقدم أن الحافظ لم يضعفه في تقريبه، بل قال :صدوق له أوهام، وقد قال هذه العبارة في غير واحد من رجال الصحيحين.

قوله» :''ثنا عمرو بن مالك النكري'':

هو بضم النون المشدّدة، كنيته أبو يحيى، ويقال : أبو مالك البصري، ذكره ابن حبان في الثقات وقال : يعتبر حديثه من غير رواية ابنه عنه وحديث الباب بحمد الله من غير رواية ابنه عنه، ووثقه الذهبي في الميزان، وقال ابن حجر : صدوق له أوهام، ولو قال: صدوق يجتنب من حديثه ما كان من رواية ابنه عنه لكان أولى لقول ابن حبان المتقدم، أما قول الشيخ الألباني في تمام المنة [/ ١٣٨] بعد نقل كلام ابن حبان: وكل هذا يفيد أنه لا يحتج بما انفرد به ، فمعارض بقوله في الإرواء [٥/ ٦٠٨]: وعمرو بن مالك النكري وهو ثقة.

اس سے معلوم ہوا کہ البانی ایک ہی راوی کی توثیق اور تضعیف دونوں کرتے ہیں۔ راوی کی حدیث اگر البانی کے مذہب کے موافق ہے تو توثیق کی اور اگر مخالف ہے تو کسی نہ کسی حیلے سے تضعیف کر دی۔ یہ ہے پیشوائے وہابیہ کی شانِ جرح وتعدیل۔

قوله : ''ثنا أبو الجوزاء أوس بن عبد الله'':

الربعي، البصري أحد فقهاء التابعين والعلماء العاملين، ممن خرج على الحجاج لتأخيره الصلاة، يقال: إنه قتل بالجماجم، وثقة أبو حاتم، وأبو زرعة، والعجلي، والجمهور، وحديثه في الكتب الستة، قال الحافظ في التقريب: ثقة يرسل كثيراً.

قلت: حديثه هنا متصل، وما كان عن عمر، وعلي رضي الله عنهما فهو مرسل كما بينه ابن أبي حاتم، عن أبي زرعة.

(فتح المنان شرح كتاب الدارمي، المسمى بـ : المسند الجامع ، ج:١،ص: ٥٦٠، ٥٦١، ٥٦٢، باب ما أكرم الله تعالى نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم بعد موته، دار البشائر الإسلامية، بيروت.)

وحديث الباب إسناده صالح لما تقدم - بِغَضِّ النظرِ عن كونه يؤيد مذهبا معيناً - وذلك لأني لم أر أحداً ضعفه بحجة، وقد نقل الشيخ الألباني عن الشيخ ابن تيمية في الرد على البكري، قوله: ''ليس بصحيح، ولا يثبت إسناده ، وأنه كذب'' وأنا ممن يحسن الظن بالشيخ الألباني، فأقول: لعله لم يدر أن الشيخ ابن تيمية لم يتكلم على رجال الدارمي ولا تطرق إليهم، بل ولا وقف عليه الشيخ من حديث الدارمي فإنه قال في أول كتابه (ص/ ٢٧): «وأما ما ذكره من أن أهل المدينة شكوا إلى عائشة... '' الحديث قال: ذكر هذا فيما أظن محمد بن الحسن بن زبالة فيما صنفه في أخبار المدينة،

⑥ عَنْ مَالِكِنِ الدَّارِ، قَالَ: وَكَانَ خَازِنَ عُمَرَ عَلَى الطَّعَامِ، قَالَ: أَصَابَ النَّاسَ قَحْطٌ فِي زَمَنِ عُمَرَ، فَجَاءَ رَجُلٌ إِلَى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: ''يَا رَسُولَ اللهِ، اسْتَسْقِ لِأُمَّتِكَ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَكُوا''، فَأَتَى الرَّجُلَ فِي الْمَنَامِ فَقِيلَ لَهُ: ائْتِ عُمَرَ فَأَقْرِئْهُ السَّلَامَ، وَأَخْبِرْهُ أَنَّكُمْ مَسْقِيُّونَ وَقُلْ لَهُ: عَلَيْكَ الْكَيْسُ، عَلَيْكَ الْكَيْسُ، فَأَتَى عُمَرَ فَأَخْبَرَهُ فَبَكَى عُمَرُ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَبِّ، لَا آلُو إِلَّا مَا عَجَزْتُ عَنْهُ.''[1]

ترجمہ: مالکُ الدار – جو حضرت عمر کی جانب سے غلّے کے خازن تھے – روایت کرتے ہیں کہ (ایک بار) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں لوگوں پر قحط سالی آئی، تو ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر انور پر آیا اور عرض کی: **یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجیے، کیوں کہ آپ کی امت ہلاکت کے قریب ہے،** تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس شخص کے خواب میں تشریف لائے، پھر اس سے کہا گیا: عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جاؤ اور ان سے سلام کہو، اور انھیں خبر دو کہ تم پر بارش رحمت نازل ہوگی، اور یہ بھی کہو: سمجھ داری کو لازم پکڑو، سمجھ داری کو لازم پکڑو، وہ شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور انھیں اس کی خبر دی۔ تو حضرت عمر رو پڑے پھر کہا: اے میرے رب میں کوتاہی نہیں کرتا مگر اس میں جس سے میں عاجز ہوں۔

یہ حدیث صحیح ہے اور جن صاحب نے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا خواب میں دیدار کیا ہے وہ صحابی رسول بلال بن حارث مزنی ہیں، چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

وَرَوَىٰ ابنُ أبي شيبة بإسناد صحيح من رواية أبي صالح السّمان عن مالك الدار. وكان خازن عمر ..... وقد روى سيف في الفتوح: أن الذي رأى

وجوابه من وجهين: أحدهما أن هذا محمد بن زبالة ضعيف لا يحتج به، ثم بعد ذلك أبطل الحديث ولم يثبته في [ص/ ٦٧] لكون محمد بن الحسن بن زبالة في إسناده، فأما لو كان الشيخ تطرق إلى رجال الدارمي، لكان في المسألة كلام آخر، نعم وقد ذكر حديث الباب الحافظ أبو الفرج بن الجوزي في كتابه ''الوفا'' بابَ: في الاستسقاء بقبره ﷺ، ولم يعلق عليه بشيء وهو الذي تعرف في هذا الفن، والمتشدد في الرواة، ومع ذلك لم يضعفه ولا أدخله موضوعاته.

(فتح المنان شرح كتاب الدارمي، المسمى بـ: المسند الجامع، ج:١، ص: ٥٦٤، دار البشائر الإسلامية، بيروت.) ١٢ منه

(١) مصنَّف ابن أبي شيبة، ج: ١٢، ص: ٣١، ٣٢، كتاب المناقب/ ما ذكر في فضل عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه، الدار السلفية.

في المنام المذكور هو بلالُ بن الحارث المزني أحد الصحابة.[1]

ترجمہ: امام ابن ابی شیبہ نے یہ حدیث بہ اسناد صحیح ابو صالح سمان سے اور انھوں نے حضرت عمر کے خازن مالک دار سے روایت کی... اور محدث سیف نے "الفتوح" میں روایت کیا کہ خواب میں جس خوش نصیب کو حضور کی زیارت ہوئی تھی وہ آپ کے صحابی حضرت بلال بن حارث مزنی تھے۔

اس حدیث سے عیاں ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد خلافت فاروقی میں ایک صحابی (حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے روضہ انور پر حاضر ہوکر عرض کیا: "یا رسول اللہ، اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجیے"۔

اس سے دو باتوں کا ثبوت فراہم ہوا:

☆ سرکار کے وصال کے بعد آپ کو یارسول اللہ کہہ کر ندا والتجا۔

☆ بارگاہ الٰہی میں دعا کے لیے آپ سے توسّل۔

روضہ انور پر حاضر ہوکر یہ عرض کرنا کہ:

"یارسول اللہ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا کیجیے۔" یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بارگاہ الٰہی میں دعا کرانے کے لیے آپ کو وسیلہ بنانا ہے تو یہ بھی ذات نبی سے توسّل ہے۔

فرقہ وہابیہ کے محدث کبیر، شیخ البانی نے اس حدیث پر کئی طرح سے کلام کرکے اسے ساقط الحجت قرار دیا ہے حالاں کہ یہ حدیث واقع میں صحیح اور قابل حجت ہے۔ مسند جامع (مسند دارمی) کے شارح ابو عاصم نبیل بن ہاشم عمری (ولادت: ۱۳۸۰ھ) نے شیخ البانی کے کلام کا جائزہ لے کر حدیث کی صحت پر مناسب گفتگو کی ہے۔ ہم وہ پوری گفتگو یہاں نقل کرتے ہیں، ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔[2]

---

(۱) فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج:۲، ص: ۴۹۵، کتاب الاستسقاء، المكتبة السلفية.

(۲) وهذا الحديث أبطله الشيخ الألباني لأسباب، منها: أن مالك الدار غيرُ معروف العدالة والضبط، ومنها: أن ابن أبي حاتم لما ذكره لم يحك فيه توثيقا، ولم يذكر له راوياً غير أبي صالح، ومنها: أن قول الحافظ في الفتح ليس نصاً في تصحيح جميع السند، بل من أبي صالح فقط، ولولا ذلك لما ابتدأ هو الإسناد من عند أبي صالح، ولقال رأساً: عن مالك الدار، قال: ولكنه -أي الحافظ- تعمَّد ذلك ليلفت النظر إلى أن ههنا شيئا ينبغي النظر فيه.

والعلماءُ إنما يفعلون ذلك لأسباب، منها أنهم قد لا يحضرهم ترجمة بعض الرواة، فلايستجيزون لأنفسهم حذف السند كله، لما فيه من إيهام صحته لا سيما عند الاستدلال به، بل يوردون منه ما فيه موضع للنظر فيه، وهذا هو الذي صنعه الحافظُ رحمه الله . اهـ . كلام الشيخ الألباني، والذي قاله مجرد احتمال قدح به في أمانة الحافظ.

فأقول: قوله: ''إن مالك الدار غير معروف العدالة'' فيه نظر، ● فقد ذكره ابن سعد في طبقاته، واسمه مالك بن عياض الدار مولى عمر فقال: انتموا إلى جبلان من حمير ، روى عن أبي بكر الصديق وعمر رحمهما الله ، روى عنه أبو صالح السمان، وكان معروفاً. اهـ. ● وذكره ابن حبان في ثقاته وقال نحو ما قال ابن سعد، ● وذكره خليفةُ ابن خياط في الطبقات في حلفاء بني عدي بن كعب بن لؤي .

وأما قوله:''إن ابن أبي حاتم لما ذكر . . .'' الخ كأن الشيخ لم يدر أن البخاري أيضا ذكره في تاريخه، وأورد أثره، وسكت عنه هو وابن أبي حاتم وهذا توثيق منهما كما مشى عليه الحافظ في ''تعجيل المنفعة'' ومشى عليه الشيخ أيضا في ''الإرواء'' وغيره من كتبه.

وأما قوله : «إن تصحيح الحافظ له ليس نصاً في تصحيح جميع السند، وربما لم يحضره رجال جميع السند . . .'' فأقول: أهل العلم لا يعدون هذا الرد من الحجة في شيء، والمشهور عنهم : أن من حفظ حجةٌ على من لم يحفظ، والذي يقنع في هذا هو الواقع لأنه الحجة ، فإن كان ما ذكره الحافظ لا يوافق الواقع تركنا قوله لمخالفته، وقد بحثنا فوجدنا ابن أبي شيبة قد قال في ''المصنف'' [١٢/ ٣١، ٣٢] كتاب الفضائل، باب فضائل أبي بكر الصديق: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن مالك الدار - وكان خازن عمر على الطعام ...'' الحديث، فهذا إسناد على شرط الصحيح غير ''مالك الدار'' وفيه الكلام المتقدم، ومما يدل على صحة الحديث وأنه غير ضعيف قول الإمام البخاري في تاريخه: مالك بن عياض الدار أن عمر قال في قحط: يا رب لا آلوا إلا ما عجزت عنه، قاله علي، عن محمد بن خازم، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن مالك الدار، وسكت عنه ، فلو كان ضعيفا لقال : ولا يصح، أو لعلق عليه بشيء كعادته في ذلك كما علق على حديث أسماء بن الحكم الفزاري لما روى عن علي بن أبي طالب: ''كنت إذا سمعت من رسول الله ﷺ حديثا نفعني به ...'' قال : لم يرو عنه إلا هذا الحديث، وحديث آخر لم يتابع عليه، وقد روى أصحاب النبي بعضهم عن بعض ولم يحلف بعضهم بعضا. اهـ. ومثل هذا في تاريخه كثير، فلما رأينا البخاري سكت عن حديث مالك الدار بعد إيراده له في تاريخه عرفنا أنه صحيح عنده، والله أعلم.

(فتح المنان شرح كتاب الدارمي، المسمى بـ: المسند الجامع لأبي محمد عبد اله بن عبد الرحمن، ج:١،ص: ٥٦٥، ٥٦٦، بابٌ ما أكرم الله تعالى نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم بعد موته، دار البشائر الإسلامية، بيروت.)

اس گفتگو سے یہ امر منقح ہو کر سامنے آجاتا ہے کہ زیر بحث حدیث کے راوی ''مالک دار'' کا نام مالک بن عیاض دار ہے، آپ معروف العدالہ ہیں، امام ابن سعد اور خلیفہ بن خیاط نے ان کا تذکرہ اپنے طبقات میں اور امام ابن حبان نے ثقات میں کیا ہے۔

یہاں تک کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''التاریخ الکبیر'' میں ان کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کا اثر بھی روایت کیا ہے اور ان کی جرح سے سکوت اختیار کر کے ان کی توثیق فرمائی ہے۔ الغرض یہ حدیث صحیح و قابل حجت ہے۔

⑦ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ قَالَ : اسْتَسْقَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عَامَ الرَّمَادَةِ بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، فَقَالَ : اللَّهُمَّ هَذَا عَمُّ نَبِيِّكَ الْعَبَّاسُ ، نَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِهِ فَاسْقِنَا ، فَمَا بَرِحُوا حَتَّى سَقَاهُمُ اللَّهُ ، قَالَ : فَخَطَبَ عُمَرُ النَّاسَ، فَقَالَ : أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرَى لِلْعَبَّاسِ مَا يَرَى الْوَلَدُ لِوَالِدِهِ، يُعَظِّمُهُ، وَيُفَخِّمُهُ ، وَيَبَرُّ قَسَمَهُ فَاقْتَدُوا أَيُّهَا النَّاسُ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَمِّهِ الْعَبَّاسِ ، وَاتَّخِذُوهُ وَسِيلَةً إِلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فِيمَا نَزَلَ بِكُمْ.[1]

ترجمہ: زید بن اسلم سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رمادہ والے سال (جب زمین تپش سے جل کر راکھ کی طرح ہوگئی تھی) حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کے وسیلے سے بارش کے لیے دعا کی، الفاظ یہ تھے:

"اے اللہ یہ تیرے نبی کے چچا عباس ہیں ہم ان کے وسیلے سے تیری طرف توجہ کرتے ہیں تو ہم پر بارش برسادے۔"

وہ لوگ ابھی وہاں سے ہٹے بھی نہیں تھے کہ اللہ نے بارش رحمت برسادی۔

ابن عمر کا بیان ہے کہ پھر حضرت عمر نے لوگوں کو یہ خطبہ دیا:

اے لوگو! بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عباس کو اسی طرح قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے جیسے اولاد اپنے والد کو قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے، آپ حضرت عباس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور ان کی قسم پوری کرتے تھے تو اے لوگو! حضور کے چچا عباس کی تعظیم و تکریم میں حضور کی اقتدا کرو اور ان کو اللہ کی بارگاہ میں اپنے مصائب میں وسیلہ بناؤ۔"

اس حدیث کے الفاظ:

- اسْتَسْقَى عُمَرُ بِالْعَبَّاسِ.(عباس بن عبدالمطلب کے وسیلے سے بارش کی دعا کی۔)
- نَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِهِ.(ہم عباس کے وسیلے سے تیری طرف توجہ کرتے ہیں۔)
- وَاتَّخِذُوهُ وَسِيلَةً إِلَى اللهِ.(عباس کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بناؤ۔)

ولی اللہ کی ذات شریف سے توسل کی واضح دلیل ہیں۔

(١) المستدرك على الصحيحين، ج:٣، ص: ٣٣٤، كتاب معرفة الصحابة/ باب استسقى عمر عام الرمادة بالعباس رضى الله تعالى عنه، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

وصحّ نحوه من حديثِ أنسٍ فَأَمّا داؤد فمتروكٌ.(۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی داؤد متروک ہیں اور حدیث انس اس کے ہم معنی ہے جو صحیح ہے۔

ہم نے یہ حدیث یہاں تائید کے طور پر پیش کی ہے۔

⑧ عَنْ أَنسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: أَصَابَتِ النَّاسَ سَنَةٌ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَبَيْنَا النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- يَخْطُبُ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ الله ''هَلَكَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِيَالُ فَادْعُ اللهَ لَنَا''، فَرَفَعَ يَدَيْهِ وَمَا نَرَى فِي السَّمَاءِ قَزَعَةً، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا وَضَعَهَا حَتَّى ثَارَ السَّحَابُ أَمْثَالَ الْجِبَالِ، ثُمَّ لَمْ يَنْزِلْ عَنْ مِنْبَرِهِ حَتَّى رَأَيْتُ الْمَطَرَ يَتَحَادَرُ عَلَى لِحْيَتِهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَمُطِرْنَا يَوْمَنَا ذٰلِكَ وَمِنَ الْغَدِ وَبَعْدَ الْغَدِ وَالَّذِي يَلِيهِ حَتَّى الْجُمُعَةِ الأُخْرَى. وَقَامَ ذٰلِكَ الأَعْرَابِيُّ، أَوْ قَالَ: غَيْرُهُ— فَقَالَ: يَا رَسُولَ الله: تَهَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللهَ لَنَا، فَرَفَعَ يَدَيْهِ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ حَوَالَيْنَا ، وَلاَ عَلَيْنَا. فَمَا يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّحَابِ إِلاَّ انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِينَةُ مِثْلَ الْجَوْبَةِ وَسَالَ الْوَادِي ''قَنَاةُ'' شَهْرًا وَلَمْ يَجِئْ أَحَدٌ مِنْ نَاحِيَةٍ إِلاَّ حَدَّثَ بِالْجَوْدِ.(۲)

ترجمہ: ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں لوگوں پر قحط پڑا تو جمعہ کے دن جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، ایک اعرابی کھڑا ہوگیا اور عرض کی: **یارسولَ اللہ!** مال تلف ہوگیا اور بچے فاقہ کررہے ہیں تو آپ ہمارے لیے اللہ سے (بارش کی) دعا کیجیے۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، اس وقت آسمان میں ایک ٹکڑا بھی بادل کا نظر نہ آتا تھا، مگر قسم اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں کو سمیٹنے بھی نہ پائے تھے کہ بادل پہاڑوں کی طرح چھا گیا، اور ابھی آپ اپنے منبر پر سے اترے بھی نہیں تھے کہ میں نے بارش کا پانی آپ کی داڑھی مبارک پر ٹپکتے ہوئے دیکھا۔ یہ بارش دن بھر ہوتی رہی، پھر دوسرے، تیسرے اور

(۱) تلخيص المستدرك للإمام الذهبي،ج:۳،ص: ۳۳٤،دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) صحيح البخاري ، ج: ۱، ص: ۱۲۷، كتاب الجمعة/ باب الاستسقاء في الخطبة يوم الجمعة، مجلس البركات.

❀ الصحيح لمسلم،ج: ۱، ص: ۲۹٤، كتاب صلاة الاستسقاء، مجلس البركات.

چوتھے دن جاری رہی، یہاں تک کہ دوسرے جمعہ تک برستی رہی۔

تو وہی اَعرابی یا (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے) فرمایا کہ (کوئی) دوسرا (آدمی خطبہ کے وقت) پھر کھڑا ہو گیا اور اس نے عرض کی: **یارسولَ اللہ!** (بارش کی کثرت سے) مکان گر گئے اور مال ڈوب گئے، حضور آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے دعا فرمائیے، تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کو اٹھائے اور عرض کی:

"اے اللہ! ہمارے آس پاس مینہ برسا اور ہم پر نہ برسا"

پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بادل کے جس ٹکڑے کی طرف اشارہ کرتے وہ ہٹ جاتا اور پورا مدینہ (بادل سے صاف ہو کر) مثل حوض کے ہو گیا اور "قناۃ" نامی نالہ ایک مہینے تک بہتا رہا اور جو شخص بھی کسی طرف سے آتا وہ موسلا دھار بارش کی خبر دیتا۔

اس حدیث میں یہ بیان ہے کہ ایک اعرابی صحابی نے دو بار حضور جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں استغاثہ کرتے ہوئے عرض کیا:

"یَا رَسُولَ اللہ، مال تباہ ہو گیا۔ یَا رَسُولَ اللہ، گھر منہدم ہو گئے، آپ ہمارے لیے دعا فرمائیے۔"

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یَا رَسُولَ اللہ! کہنا اور آپ کی ذات کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے۔ دعا تو وہ صحابی بھی کر سکتے تھے مگر حضور کے پاس گئے تا کہ آپ کی ذاتِ شریف کو بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لیے وسیلہ بنائیں۔

یہاں وسیلہ ذاتِ رسالت کو ہی بنایا گیا ہے اور دعا کی درخواست بھی حضور سے ہی کی گئی ہے۔ اگر یہ امور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعدِ وصال شرک ہوتے تو سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس سے اپنی حیات ظاہری میں ہی فوراً منع فرما دیتے کہ جو چیز شرک ہوتی ہے وہ کبھی معاف نہیں ہوتی، نہ حیات میں، نہ بعد وفات۔ اس لیے یہاں حیات ظاہری کے ساتھ جواز کو خاص کرنا بے معنی ہے۔ قرآن حکیم میں مطلقاً فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ [1]

اللہ شرک کو نہیں بخشتا اور اس سے چھوٹے گناہوں کو جس کے لیے چاہے بخش دیتا ہے۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النساء: ٤، الآیۃ: ٤٨.

احادیث سے ندا کا ثبوت:

حضور سید عالم ﷺ کو آپ کی حیات ظاہری میں یا رسولَ الله یا اس کے ہم معنی لفظ سے پکارنے کے شواہد صحیحین میں بے شمار ہیں اور آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کو پکارنے کے شواہد صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں بہت ہیں، ہم یہاں چند کا انتخاب پیش کرتے ہیں:

(۹) عَنْ عَبْدِ الله ابنِ مَسْعُوْدٍ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ: كُنَّا نَقُولُ فِي الصَّلاَةِ خَلْفَ رَسُولِ الله -صلّى الله تعالى عليه وسلّم-: السَّلاَمُ عَلَى الله، السَّلاَمُ عَلَى فُلاَنٍ. فَقَالَ لَنَا رَسُولُ الله -صَلى الله تعالى عليه وسلم- ذَاتَ يَوْمٍ: إِنَّ اللهَ هُوَ السَّلاَمُ. فَإِذَا قَعَدَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلاَةِ فَلْيَقُلِ: التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ "السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ" السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ.

فَإِذَا قَالَهَا: أَصَابَتْ كُلَّ عَبْدٍ لِلّٰهِ صَالِحٍ فِي السَّمَاءِ وَالأَرْضِ.

أَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

ثُمَّ يَتَخَيَّرُ مِنَ الْمَسْأَلَةِ مَا شَاءَ."[۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو کہتے: "السَّلاَمُ عَلَى الله، السَّلاَمُ عَلَى فُلاَن" اللہ پر سلام ہو، فلاں پر سلام ہو۔ تو ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہم سے فرمایا: اللہ تو خود سلام ہے، جب تم میں سے کوئی نماز کے "قعدہ" میں بیٹھے تو کہے:

التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ	اللہ کے لیے ساری تحیات، نمازیں اور
"السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ	پاکیزہ کلمے ہیں۔ اے نبی آپ پر سلام ہو،
اللهِ وَبَرَكَاتُهُ". السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى	اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ ہم
عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ.	پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔

نمازی جب یہ کلمہ (السَّلاَمُ عَلَيْنَا وَعَلَى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِينَ.) کہے گا تو زمین وآسمان کے ہر صالح بندے کو سلام پہنچ جائے گا۔ (اس کے بعد یہ پڑھے)

---

(۱) ❀ الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۱۷۳، كتاب الصلاة/ باب التشهد في الصلاة. مجلس البركات.
❀ صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۱۵، كتاب الاذان/ باب التشهد في الصلاة، مجلس البركات.
❀ سنن أبي داؤد، ص: ۱۳۹، كتاب الصلاة/ باب التشهد.

أَشْهَدُ أَنْ لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔

پھر جو دعا چاہے اختیار کرے۔

یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ہے، اور دوسری کتب صحاح میں بھی محدثین نے اس کی تخریج فرمائی ہے۔ اور اس پر چاروں ائمۂ مذاہب اور ان کے مقلدین، نیز سلف و خلف کا عمل رہا ہے۔ ارشاد نبوی کے مطابق یہ تشہّد خاص نماز ہی میں پڑھا جاتا ہے، جس میں حضور سید الانبیا ﷺ کی بارگاہ میں سلام بھیجنے کے یہ کلمات وارد ہیں: السَّلاَمُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ. سلام ہو آپ پر اے نبی! اور اللہ کی رحمت اور برکتیں۔

پھر یہ تشہد پڑھنے کا حکم حضور اقدس ﷺ کی حیات ظاہری میں بھی تھا اور آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔

اس لیے اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کو "أَيُّهَا النَّبِيُّ" اور "یا نبي" کہہ کر پکارنا مطلقاً جائز ہے۔ نماز میں بھی اور نماز سے باہر بھی، آپ کی حیاتِ ظاہری میں بھی، اور بعد میں بھی۔

یہیں سے "یا رسولَ الله" اور "یا نبيَّ الله" کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ اگر یہ ندا شرک ہوتی تو حضور اقدس ﷺ ہرگز ہرگز اس کی تعلیم نہ دیتے، نہ امت اس پر عمل پیرا ہوتی۔ مگر افسوس ہے کہ وہابی اس کو شرک قرار دیتے ہیں جو یقیناً صحیحین سے کھلا ہوا انحراف ہے۔

(۱۰) عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ أَنَّ عَائِشَةَ، -رَضِيَ اللهُ عَنْهَا- زَوْجَ النَّبِيِّ صلّى الله عليه وسلّمَ أَخْبَرَتْهُ، قَالَتْ: أَقْبَلَ أَبُوبَكْرٍ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- عَلَى فَرَسِهِ مِنْ مَسْكَنِهِ "بِالسُّنْحِ" حَتَّى نَزَلَ، فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمْ يُكَلِّمِ النَّاسَ حَتَّى نَزَلَ فَدَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ، رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، فَتَيَمَّمَ النَّبِيَّ صلّى الله عليه وسلّمَ وَهُوَ مُسَجًّى بِبُرْدِ حِبَرَةٍ فَكَشَفَ عَنْ وَجْهِهِ ثُمَّ أَكَبَّ عَلَيْهِ فَقَبَّلَهُ ثُمَّ بَكَى فَقَالَ: بِأَبِي أَنْتَ يَا نَبِيَّ اللهِ! لاَ يَجْمَعُ اللهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ، أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا. (۱)

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۱۲۷، كتاب الجمعة/ باب الاستسقاء في الخطبة يوم الجمعة، مجلس البركات

ترجمہ: ابن شہاب زہری سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے بتایا کہ حضرت عائشہ زوجۂ نبی کریم ﷺ نے انھیں بتایا، کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (حضور سید عالم ﷺ کے وصال کے بعد) اپنی جائے سکونت مقامِ ''سنح'' سے گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لائے، یہاں تک کہ گھوڑے سے اترے تو مسجد میں داخل ہوئے، کسی سے گفتگو نہ کی، اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے، پھر نبی ﷺ کی زیارت کے قصد سے حاضرِ بارگاہ ہوئے۔ آپ کو یمنی چادر اوڑھائی گئی تھی، آپ کے چہرے سے چادر اٹھائی پھر آپ پر جھکے اور آپ کے چہرے کو بوسہ دیا پھر روئے اور عرض کیا: **اے اللہ کے نبی آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں**۔ اللہ آپ پر دو موتوں کو جمع نہیں کرے گا، جو موت آپ کے لیے مقدر تھی وہ آچکی۔

اس حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور رحمت عالم ﷺ کے وصال اقدس کے بعد ''یا نبیَّ اللہ کہہ کر آپ کو خطاب کیا جس سے بعد وصال ''یا رسولَ اللہ، یا نبیَّ اللہ'' کہنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

اور یہ کہنا کہ ''قریب سے پکارنا جائز ہے اور بعید سے پکارنا شرک ہے'' محض بیجا بات ہے ''شرک'' کبھی اور کسی حال میں معاف و مباح نہیں ہے اس لیے قریب و بعید دور و نزدیک سب کا حکم یکساں ہوگا۔ قریب سے پکارنا شرک نہیں تو دور سے پکارنا بھی شرک نہ ہوگا۔

رجال غیب سے استمداد وندا:

رجالِ غیب نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں مگر اللہ کے اذن سے وہ پکارنے والوں کی پکار سنتے اور ان کی مدد کرتے ہیں احادیث نبویہ سے اس کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، ہم یہاں اپنے سنی بھائیوں کے لیے دو حدیثیں نقل کرتے ہیں:

(۱۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضِ فَلاةٍ فَلْيُنَادِ: يَا عِبَادَ اللهِ، احْبِسُوا عَلَيَّ، يَا عِبَادَ اللهِ احْبِسُوا عَلَيَّ، فَإِنَّ لِلّٰهِ فِي الأَرْضِ حَاضِرًا سَيَحْبِسُهُ عَلَيْكُمْ۔(۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد

---

(۱) ❀ المعجم الكبير للطبراني، ج: ۱۰، ص: ۲۶۷، رقم الحديث: ۱۰۵۱۸، قاهره

❀ مسند أبي يعلى، ج: ۹، ص: ۱۷۷، رقم حديث: ۵۲۶۹، دار المامون للتراث، بيروت.

فرمایا: صحرا میں جب تم میں سے کسی کا جانور بھاگ جائے تو وہ پکارے: اے اللہ کے بندو! اسے میرے لیے روکو۔ اے اللہ کے بندو! اسے میرے لیے روکو۔ کیوں کہ زمین میں اللہ کا کوئی بندہ حاضر ہوتا ہے، جو اُسے تمھارے لیے جلد روک لے گا۔

⑫ عَنْ عُتْبَةَ بن غَزْوَانَ، عَنْ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيسٌ، فَلْيَقُلْ: يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ للهِ عِبَادًا لا نَرَاهُمْ، وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ.(۱)

ترجمہ: حضرت عتبہ بن غزوان نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز کھو جائے، یا وہ کوئی مدد چاہے اور وہ ایسی سرزمین میں ہو جہاں کوئی انیس وغم خوار نہ ہو تو وہ یوں پکارے: "اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو" کیوں کہ (وہاں) اللہ کے کچھ ایسے بندے (موجود ہوتے) ہیں جنھیں ہم نہیں دیکھ پاتے۔ (عتبہ کہتے ہیں کہ) اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔

ان احادیث کریمہ سے یہ امور واضح طور پر ثابت ہوتے ہیں:

☆ انبیاے کرام اور صالحین عظام کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا جائز ہے، خواہ اپنی دعا میں انھیں وسیلہ بنایا جائے یا ان کو وسیلہ بنا کر ان سے دعا کرائی جائے۔

☆ اللہ کے رسول ﷺ کو دور ونزدیک سے، حیات ظاہری میں اور وصال کے بعد یا رسولَ اللہ کہنا یا اس کے ہم معنی لفظ سے پکارنا جائز ہے۔

☆ یہ برابر سلف وخلف کا معمول رہا ہے آج بھی ہے اور آیندہ بھی رہے گا۔

☆ اولیاء اللہ کو غائبانہ پکارنا جائز ہے اور ان سے استغاثہ بھی شرعاً مندوب ہے۔

الغرض ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اہل سنت وجماعت "توسّل اور نداے یا رسول اللہ" کے جواز کا موقف اختیار کر کے منہاج شریعت سے ذرہ برابر بھی منحرف نہیں ہوئے، بلکہ وہی پورے طور پر منہاج شریعت پر قائم ہیں۔ اور جو لوگ "توسّل اور نداے یا رسول اللہ" کو ناجائز اور شرک بتاتے ہیں وہ یقیناً منہاج شریعت سے منحرف ہو چکے ہیں۔ وہابی غیر مقلدین کا یہی حال ہے۔

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، ج: ۷، ص: ٤٨، رقم الحديث: ۱۳۷۳۷، دارُ الكتب العلمية، بيروت.

دسواں مسئلہ

تصرفاتِ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام

کتاب وسنت کی روشنی میں

قادر مطلق جلّ وعلا نے اپنے محبوب ومقرب بندوں - انبیا، اولیا، شُہدا - کو بہت کچھ تصرفات کی قدرت عطا فرمائی ہے۔ مثلاً:

- بیماروں کو شفا دینا
- نابینا کو بینائیِ چشم عطا کرنا
- فریاد کرنے والوں کی امداد کرنا
- مشکلات سے دوچار مجبوروں کی دستگیری کرنا
- فتح وشکست دینا
- مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ، وغیرہ۔

مگر فرقۂ وہابیہ قادر مطلق کے اذن وعطا سے بھی انبیا واولیا کے لیے اس طرح کے تصرفات ماننے کو شرک کہتا ہے۔

دلائلِ اہلِ سنت

قرآن حکیم کی کثیر آیات اور بے شمار احادیثِ نبویہ سے انبیا واولیا کے لیے بِاِذن اللہ عالم میں تصرفات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ ہم یہاں صرف چند آیات اور احادیث کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں، پھر

واضح کریں گے کہ فرقۂ وہابیہ ان آیات واحادیث سے اعراض کرتا ہے۔

کتاب اللہ سے تصرفات کا ثبوت:

① اللہ عزّوجلّ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے خصوصی انعامات یاد دلاتے ہوئے ان کے تصرفات کا ذکر فرماتا ہے، ارشاد ہے:

وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْۚ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْۚ(۱)

ترجمہ: اور جب تو مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا، پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مُردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصّلاۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے اِذن سے

- مٹی کی مورت کو اپنی پھونک سے زندہ پرندہ بنا دیتے۔
- مادر زاد نابینا کو بینائیِ چشم عطا فرما دیتے۔
- سفید داغ والے کو شفایاب فرما دیتے۔
- مُردوں کو زندہ کر دیتے۔

یہ بلا شبہہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبیّنا وعلیہ الصلاۃ والسلام کے عظیم معجزات ہیں جو یقیناً ان کے عظیم تصرفات سے بھی ہیں۔

② بلکہ خود **حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے ان تصرفات کا ذکر کیا ہے،**

چناں چہ سورۂ آل عمران میں ہے:

”اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـٴَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَۙ

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ المائدۃ، : ۵، الأیۃ: ۱۱۰.

فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ”(۱)

ترجمہ: (حضرت عیسٰی نے بنی اسرائیل سے فرمایا:) میں تمھارے پاس ایک نشانی لایا ہوں (جو میرے نبی ہونے کی دلیل ہے) تمھارے رب کی طرف سے کہ ● میں تمھارے لیے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے ● اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو ● اور میں مُردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے ● اور تمھیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو ● اور جو اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ بے شک ان باتوں میں تمھارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

③ حضرت داوٗد علیہ السلام کو جو تصرفات عطا ہوئے، ان کا ذکر ان آیات میں ہے۔

ارشاد ہے:

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَالطَّیْرَ ؕ وَكُنَّا فٰعِلِیْنَ ”(۲)

ترجمہ: اور داوٗد کے ساتھ پہاڑ مُسخّر فرما دیے کہ تسبیح کرتے اور پرندے (مُسخّر فرما دیے) اور یہ ہمارے کام تھے۔

④ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ ”(۳)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے داوٗد کو اپنا بڑا فضل دیا، اے پہاڑو! اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو۔ اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کیا۔

⑤ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَیْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ ”(۴)

ترجمہ: اور ہمارے بندے داوٗد نعمتوں والے کو یاد کرو، بے شک وہ بڑا رجوع کرنے والا ہے۔ بے شک ہم نے اس کے ساتھ پہاڑ مُسخَّر فرما دیے کہ تسبیح کرتے شام کو اور سورج چمکتے۔ اور پرندے جمع کیے ہوئے، سب اس کے فرماں بردار تھے، اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة آل عمران، : ۳، الآیة: ٤۹.

(۲) القرآن الحکیم، سورة الأنبیاء، : ۲۱، الآیة: ۷۹

(۳) القرآن الحکیم، سورة سبا: ۳٤، الآیة: ۱۰

(٤) القرآن الحکیم، سورة ص، : ۳۸، الآیات: ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰.

اور قول فیصل دیا۔

ان آیات سے استشہاد یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد-علی نبیّنا و علیہ الصلاۃ و السلام- کے لیے

- پہاڑوں کو مُسخَّر کر دیا۔
- اور پرندوں کو بھی مسخر فرمایا۔
- اور لوہے کو نرم فرمایا۔
- اور آپ کو مضبوط سلطنت عطا فرمائی۔

یہ عالَم کون میں حضرت داوٗد علیہ الصلاۃ والسلام کے کھلے ہوئے تصرفات ہیں جو خدائے قادر و توانا نے آپ کو عطا فرمائے۔

خدائے قدیر نے حضرت داوٗد علیہ الصلاۃ والسلام کی آواز میں اتنی زبردست تاثیر ودیعت فرمادی تھی کہ آپ کی تسبیح سن کر پہاڑ اور پرندے بھی بلند آواز سے تسبیح شروع کر دیتے، اور آپ کے ہاتھ میں خدائے قادر و توانا نے وہ حرارتِ اثردی تھی کہ لوہا دستِ اقدس میں آتے ہی موم کی طرح نرم ہوجاتا تو یہ اللہ کی عطا سے آپ کی آواز اور ہاتھ کا تصرف ہوا جسے اللہ تعالی نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے جیسے وہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فعل کو اپنا فعل بتاتا ہے:

"وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ. (۱)

اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ". (۲)

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کو قدرت کی طرف سے جو تصرفات عطا ہوئے، ان کا ذکر قرآن پاک اس طرح کرتا ہے:

وَ لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَ كُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة الأنفال: ۸، الآية: ۱۷.
ترجمہ: اے محبوب، وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ (کنزالایمان) ۱۲ منہ

(۲) القرآن الحكيم، سورة الأنفال: ۸، الآية: ۲۴.
ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ و رسول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ جب رسول تمھیں اُس چیز کے لیے بلائیں جو تمھیں زندگی بخشے گی۔ (کنزالایمان) ۱۲ منہ

عٰلِمِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ مِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ یَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَ كُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۲﴾ (۱)

ترجمہ: اور سلیمان کے لیے تیز ہوا مُسخّر کر دی کہ اس کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم کو ہر چیز معلوم ہے۔ اور شیطانوں میں سے وہ جو اس کے لیے غوطہ لگاتے اور اس کے سوا اور کام کرتے اور ہم انھیں روکے ہوئے تھے۔

❼ وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ؕ وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۱۲﴾ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ (۲)

ترجمہ: اور سلیمان کے بس میں ہوا کر دی، اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ۔ اور شام کی منزل ایک مہینے کی راہ، اور ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے۔ اور جو ان میں ہمارے حکم سے پھرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگردار دیگیں۔

❽ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ﴿۳۶﴾ وَ الشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾ وَّ اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿۳۸﴾ (۳)

ترجمہ: (حضرت سلیمان نے) عرض کیا اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو، بے شک تو ہی ہے بڑی دین والا۔ تو ہم نے ہوا اس کے بس میں کر دی کہ اس کے حکم سے نرم، نرم چلتی جہاں وہ چاہتا۔ اور دیو بس میں کر دیے ہر معمار اور غوطہ خور اور دوسرے جو بیڑیوں میں جکڑے ہوئے۔

یہ آیات حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ان تصرفات کی شاہد ہیں:

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الأنبیاء: ۲۱، الأیات: ۸۱، ۸۲.

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ سبا: ۳٤، الأیات: ۱۲، ۱۳.

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ ص: ۳۸، الأیات: ۳۵، ۳٦، ۳۷، ۳۸.

- ہوا آپ کے کنٹرول میں ہے جو آپ کے حکم سے مہینوں کے راستے چند ساعتوں میں طے کرتی ہے۔
- جن اور شیاطین آپ کے تابعِ فرمان ہیں، جو آپ کے حکم کے مطابق طرح طرح کے محل بناتے اور دوسرے مشکل کام انجام دیتے ہیں۔
- اور ان میں جو شریر وفتنہ پرور ہیں ان کے پاوں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر دیا ہے۔

⑨ حضرت یوسف علیہ السلام کے جو واقعات قرآن مقدس نے بیان کیے ہیں ان میں ایک چشم کشا واقعہ یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے بھائیوں سے فرمایا:

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَ اْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ[1]

ترجمہ: میرا یہ کرتا لے جاؤ، اور اسے میرے والد کے منھ پر ڈال دو، ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اور اپنے سب گھر بھر کو میرے پاس لے آؤ، جب (ان کے بھائیوں کا یہ) قافلہ مصر سے روانہ ہوا تو یہاں (کنعان میں) ان کے والد نے کہا، بے شک میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھ (بہک) گیا ہے۔ بیٹے بولے، خدا کی قسم، آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں، پھر جب خوشی سنانے والا آیا، اس نے وہ کُرتا یعقوب کے منھ پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی آنکھیں واپس آگئیں (روشن ہو گئیں)۔

ان آیات سے مجموعی طور پر یہ امور معلوم ہوئے:

- حضرت یوسف علیہ السلام کے والد ماجد حضرت سیدنا یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں (فراقِ یوسف) میں جا چکی تھیں۔
- حضرت یوسف علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ میرا کُرتا والد ماجد کے چہرے پر ڈال دیا جائے تو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔
- اور ہوا بھی یہی کہ وہ کُرتا حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر پڑتے ہی فوراً آپ کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ یوسف: ۱۲، الأیات: ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶.

نابینا آنکھوں کو اپنے کرتے کے ذریعے بینا و روشن کر دینا بلا شبہہ عظیم تصرف ہے۔

⑩ ایک عالمِ کتاب نے تختِ بلقیس حضرت سلیمان علیہ الصلاۃ والسلام کے دربار میں کیسے حیرت انگیز طریقے سے حاضر کیا، اس کا تذکرہ ان آیات میں ہے:

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿۳۹﴾ قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۛ[1]

ترجمہ: سلیمان نے فرمایا: اے درباریو! تم میں کون ہے جو اس کا تخت میرے پاس لے آئے، اس سے پہلے کہ وہ مطیع ہو کر میرے پاس حاضر ہو، ایک بڑا خبیث جن بولا کہ وہ تخت میں حضور کی بارگاہ میں حاضر کر دوں گا، اس سے پہلے کہ حضور اجلاس برخاست کریں، اور بے شک میں قوت والا، امانت دار ہوں۔ (اور) "جس کے پاس کتاب کا علم تھا" اس نے عرض کی کہ میں اسے آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں گا۔ پھر جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا، کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے۔

تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بلقیس شہر سبا کی ملکہ تھی اور اس کا تخت طول میں اسّی گز، عرض میں چالیس گز، سونے، چاندی کا بنا ہوا، جواہرات سے مرصّع تھا۔ شہر سَبا سے روانگی کے وقت اس نے اپنا تخت سات محلوں میں سے سب سے پچھلے محل میں محفوظ کر کے تمام دروازے مقفل کر دیے تھے اور ان پر پہرہ دار بھی مقرر کر دیے۔ (ماخوذ از خزائن العرفان)

غرض یہ کہ "عالمِ کتاب" نے اللہ کی دی ہوئی طاقت سے ایسے عظیم اور محفوظ تخت کو طویل مسافت کے باوجود پلک جھپکنے سے پہلے بارگاہ سلیمانی میں حاضر کر دیا جو بلا شبہہ اللہ عزوجل کی عطا سے ایک حیرت انگیز تصرف ہے، ایک "عالمِ کتاب" مقرب بارگاہِ خداوندی ہو جائے تو اسے تصرف کی ایسی طاقت دی جاتی ہے تو انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی شان تو بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے۔

⑪ حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے ایک تصرف کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے:

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النمل: ۲۷، الأیات: ۳۸، ۳۹، ۴۰.

عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ (۱)

ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو، فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہ نکلے، (اور) ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔

ڈنڈا مار کر پتھر جیسی سخت اور ٹھوس چیز سے پانی جیسے رقیق کے بارہ چشمے بہا دینا بلا شبہہ ایک عظیم تصرف ہے جو ایک پیغمبر جلیل الشان کے ذریعہ ظاہر ہوا۔ ہاں یہ بھی ایک حقیقت واقعہ ہے کہ یہ سب کچھ باذن اللہ ہوا، اور الحمد للہ ہم اہل حق انبیا و اولیا کے لیے اِذنِ الٰہی سے ہی تصرفات کے قائل ہیں۔

سُنیوں کی تشفی کے لیے ایک تفسیری وضاحت:

تفاسیر میں ہے:

جب بنی اسرائیل نے سفر میں پانی نہ پایا، شدت پیاس کی شکایت کی تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو، آپ کے پاس ایک مربَّع پتھر تھا، جب پانی کی ضرورت ہوتی آپ اس پر عصا مارتے (اور) اس سے بارہ چشمے جاری ہو جاتے اور یہ سب سیراب ہو جاتے، یہ بڑا معجزہ ہے۔

لیکن سیّد الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انگشت مبارک سے چشمے جاری فرما کر جماعت کثیرہ کو سیراب فرمانا اس سے بہت اعظم و اعلیٰ ہے کہ عضو انسانی سے چشمے جاری ہونا پتھر کی نسبت زیادہ تعجب خیز ہے۔ (۲)

⑫ فرشتوں کے تصرفات کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح ہے:

وَ النّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ﴿۲﴾ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ﴿۴﴾ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ﴿۵﴾ (۳)

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة البقرة: ۲، الآية: ۶۰.

(۲) ● لباب التأويل في معاني التنزيل المسمى بـ تفسير الخازن، ج: ۱، ص: ۴۸، ۴۸، تحت الآية: "وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ"، دار الكتب العلمية، بيروت.

● مدارك التنزيل وحقائق التأويل المعروف بـ تفسير النسفي، ج: ۱، ص: ۵۰، تحت الآية: "وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ"، أبناء مولوى محمد بن غلام رسول السُورتي، مومبائي.

● خزائن العرفان حاشية كنز الإيمان.

(۳) القرآن الحكيم، سورة النّزعت: ۷۹، الأيات: ۱، ۲، ۳، ۴، ۵.

ترجمہ: قسم ان فرشتوں کی کہ سختی سے جان کھینچیں، اور ان کی جو نرمی سے بند کھولیں، اور ان کی جو آسانی سے پیریں، پھر آگے بڑھ کر جلد پہنچیں، پھر کام کی تدبیر کریں۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے اِذن سے روحیں بھی قبض کرتے ہیں، اور دنیا کے تمام امور کی تدبیر بھی فرماتے ہیں۔

احادیث سے تصرفات کا ثبوت:

اس باب میں احادیث نبویہ کثرت سے وارد ہیں اور وہ بھی مختلف انواع کی ہیں، مثلاً: • سیّد کائنات ﷺ کی انگشت مبارک سے پانی کے چشمے جاری ہونا • آپ کے کھانے میں حیرت انگیز طور پر برکت کا ظہور • درختوں کی اطاعت وشہادت • استن حنانہ کا دست شفقت کے اثر سے سکون وقرار پانا • آپ کی ہتھیلی میں سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا • درخت اور پہاڑ کا سلام عرض کرنا • گوہ، بھیڑیا، اور ہرن کا آپ کی رسالت کی خبر وشہادت دینا • نابینا کو بینائی چشم عطا کرنا • ٹوٹے ہوئے عضو اور نکلی ہوئی آنکھ کو بغیر کسی آپریشن کے دستِ رحمت سے ٹھیک کر دینا۔ • قابل رشک قوتِ حافظہ عطا کرنا • زبان سے نکلی ہوئی باتوں کا تیر بہ ہدف ہونا • زمین اور زمین کے خزانوں کا مالک ومختار ہونا • چاند شق کرنا • اور ڈوبا ہوا سورج لوٹا دینا • جنت عطا فرمانا • شکست خوردہ لشکر کو فتح یاب کرنا۔

اور اس طرح کے کثیر معجزات وتصرفات جو احادیث میں وارد ہیں، ہم اس مختصر میں سب کا احاطہ نہیں کر سکتے اس لیے صرف چند معجزات وتصرفات کے بیان پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱) عَنْ سَلِمَةَ بنِ الأَكْوَعِ ، قَالَ: غَزَوْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- حُنَيْنًا ... فَوَلّٰى صَحَابَةُ رسول الله صلّى الله عليه وسلَّمَ، ... فَلَمَّا غَشُوا رَسُولَ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- نَزَلَ عَنِ الْبَغْلَةِ **ثُمَّ قَبَضَ قَبْضَةً مِنْ تُرَابِ مِنَ الأَرْضِ** ثُمَّ اسْتَقْبَلَ بِهِ وُجُوهَهُمْ فَقَالَ: شَاهَتِ الْوُجُوهُ. فَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْهُمْ إِنْسَانًا إِلاَّ مَلأَ عَيْنَيْهِ تُرَابًا بِتِلْكَ الْقَبْضَةِ فَوَلَّوْا مُدْبِرِينَ.[1]

حضرت سلمہ بن الاکوع سے مروی ہے کہ ہم نے جنگ حنین میں حضور سرورِ عالم ﷺ کی

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۲، ص:۱۰۱، كتابُ الجهاد والسِّير/ باب غزوة حُنين، مجلس البركات، مبارك فور.

معیت میں جہاد کیا۔ صورت ایسی پیش آئی کہ اصحاب کے قدم اکھڑ گئے جب مشرکین نے حضور اقدس ﷺ کو ہجوم کر کے گھیر لیا، آپ اپنی سواری سے اتر آئے اور زمین سے ایک مشت خاک لے کر ان کے منہ پر مار دی، اور فرمایا: "چہرے بگڑ جائیں" شاهتِ الوجوه۔ ان میں سے ہر ہر فرد کی دونوں آنکھوں میں مٹی بھر گئی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ نے لشکر اَعدا کو ایک مشت خاک کے ذریعہ شکست دی اور مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی۔ یہ بلا شبہہ خداے پاک کی دی ہوئی قوت سے کائنات میں عظیم تصرف ہے۔

② رسول اللہ نے دستِ مبارک پھیر کر ٹوٹی ہوئی پنڈلی درست فرمادی:

صحابیِ رسول حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے چند جوانوں پر مشتمل ایک دستہ حضرت عبد اللہ بن عتیک کی کمان میں ابو رافع یہودی کے پاس بھیجا جو رسول اللہ کو ایذا پہنچایا کرتا تھا، مختصر یہ کہ حضرت عبد اللہ بن عتیک ابو رافع یہودی کے محل کے زینے سے اتر رہے تھے کہ گر پڑے اور پنڈلی ٹوٹ گئی، اب آگے کی روداد انھیں کے الفاظ میں سنیے، فرماتے ہیں:

فَعَصَّبْتُهَا بِعِمَامَةٍ، ... فَانْطَلَقْتُ إِلَى أَصْحَابِي ... فَانْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَدَّثْتُهُ، فَقَالَ: «ابْسُطْ رِجْلَكَ» فَبَسَطْتُ رِجْلِي فَمَسَحَهَا، فَكَأَنَّهَا لَمْ أَشْتَكِهَا قَطُّ.(۱)

ترجمہ: میں اس کو عمامہ سے باندھ کر اپنے اصحاب کی طرف چلا، پھر حضور اقدس کی خدمت میں پہنچا اور واقعہ عرض کیا، حضور نے فرمایا: پاؤں دراز کرو، میں نے دراز کیا، حضور نے اس پر اپنا دستِ مبارک پھیر دیا تو پاؤں ایسا ٹھیک ہو گیا جیسے کبھی اس میں کوئی شکایت و تکلیف تھی ہی نہیں۔

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ نے دست مبارک پھیر کر ٹوٹی پنڈلی ٹھیک کر دی۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۵۷۷، كتاب المغازي/ باب: ... أبي رافع عبد الله بن أبي الحقيق، مجلس البركات، مبارك فور.

③ زمین کے خزانوں کی چابیاں رسول اللہ کے اختیار میں:

عن عقبة بن عامر أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- خرج يومًا، فصلّىٰ على أهل أُحُد صلاتَه على الميت ثم انصرف إلى المنبر فقال: إنّي فرط لكم و أنا شهيد عليكم و إني والله لأنظر إلى حوضي الآن، و إنّي قد أعطيتُ مفاتيحَ خزائنِ الأرض أو مفاتيحَ الأرض و إنّي والله ما أخاف عليكم أن تُشركوا بعدي و لكنّي أخاف عليكم أن تتنافَسُوا فيها.[1]

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز مدینہ شریف سے نکلے اور آسودگانِ اُحُد کی نمازِ جنازہ پڑھی، پھر منبر پر آئے اور فرمایا میں حوضِ کوثر پر تم سے پہلے پہنچا رہوں گا اور میں تمھاری گواہی دوں گا اور بے شک میں اِس وقت بھی اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں اور بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی یا زمین کی کنجیاں عطا کی گئیں، اور بے شک مجھے خدا کی قسم یہ اندیشہ نہیں ہے کہ تم لوگ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم لوگ دنیا میں رغبت کرو گے۔

④ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ - صلى الله عليه وسلَّمَ -: «بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الكَلِمِ، وَنُصِرتُ بِالرُّعْبِ، وَبَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيتُ بِمَفَاتِيحِ خَزَائِنِ الأَرْضِ فَوُضِعَتْ فِي يَدِي، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَذَهَبَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- وَأَنْتُمْ تَنْتَثِلُونَهَا».[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جوامعَ الکلم (معانی کثیرہ کے جامع اور ممکن حد تک مختصر کلمات) کے ساتھ مبعوث کیا گیا اور خوف و رُعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی، میں نے دیکھا کہ میرے پاس زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں اور وہ سب میرے ہاتھوں میں رکھ دی گئیں۔ ابو ہُریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو دنیا سے تشریف لے

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۲، ص: ۲۵۰، كتاب الفضائل/ باب إثباتِ حوضِ نبينا صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ و صفاته، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۱۹۹، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، مجلس البركات.

گئے اور تم لوگ وہ خزانے اور فتوحات نکال رہے ہو۔

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں حضور سید عالم ﷺ کے دست اقدس میں ہیں تو آپ کو ان خزانوں میں تصرف کا اختیار بھی ہے۔ کیوں کہ خزانوں کی کنجیاں اسی لیے عطا کی جاتی ہیں کہ ان میں تصرف کیا جائے۔ خود مولوی اسماعیل دہلوی کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ لکھتے ہیں:

"جس کے ہاتھ میں کنجی ہوتی ہے، قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے، جب چاہے تو کھولے، جب چاہے نہ کھولے۔" (١)

بلکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کے مطابق ممالک فتح ہوئے اور خزانے بھی خوب ملے اور مسلمانوں کی حکومت دنیا کے بڑے حصے پر قائم ہو گئی۔

⑤ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ . . . "واعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ . . . فاعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ.(٢)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد میں تھے، اسی درمیان نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور یہود سے فرمایا: یقین جانو کہ زمین کے مالک اللہ و رسول ہیں ۔۔۔ پھر یقین جانو کہ زمین کے مالک اللہ و رسول ہیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ مالک زمین ہیں۔ ہاں اس حدیث کا سبب نزول خاص ہے مگر اعتبار عمومِ الفاظ کا ہوتا ہے۔ اس لیے آپ کی ملکیت جزیرۃ العرب کی زمینوں کے ساتھ خاص نہ ہوگی، بلکہ عام رہے گی۔

⑥ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ -صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلَّمَ- قَالَ : مَنْ يَّضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ.(٣)

---

(١) تقوية الإيمان، ص: ٨، الفصل الثاني في رد الإشراك في العلم، راشد كمپنی، ديو بند.

(٢) صحيح البخاري، ج: ١، ص: ٤٤٩، كتاب الجهاد/ بابُ إخراج اليهود، مجلس البركات.

(٣) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٩٥٩، كتاب الرقاق/ بابُ حفظِ اللسان، مجلس البركات.

ترجمہ: جو مجھے اپنی زبان وشرمگاہ کی ضمانت دے (کہ وہ ان سے میری نافرمانی نہ کرے گا) میں اس کے لیے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ اللہ عزوجل کی عطا سے جنت کے مالک ہیں، یا کم از کم اس میں تصرف کے لیے ماذون ومختار۔

⑦ رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب اسلمی کو جنت عطا فرمائی:

حَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ كَعْبٍ الأَسْلَمِيُّ، قَالَ: كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- فَأَتِيْهِ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ، فَقَالَ لِي: « سَلْ ». فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ: «أَوَغَيْرَ ذَلِكَ ؟». قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ. قَالَ « فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ ».[1]

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رات میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا، ایک شب میں نے وضو کا پانی اور دوسری ضروریات — مسواک، کنگھی، کپڑا وغیرہ — خدمتِ اقدس میں حاضر کیا، تو حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "سَلْ" [مانگ لو] میں نے عرض کی کہ "میں جنت میں حضور کی رفاقت مانگتا ہوں (کہ جنت میں حضور کے ساتھ رہوں)۔ حضور ﷺ نے پوچھا: کچھ اور؟ میں نے عرض کی: میرا مقصود یہی ہے۔ حضور نے فرمایا: تب کثرتِ سجود کے ذریعہ میری اعانت کرو۔

زبان رسالت سے نکلا ہوا لفظ "سَلْ" [مانگ لو] مطلق ہے، کیا مانگو، کتنا مانگو، دنیا کی نعمتیں مانگو، یا آخرت کی نعمتیں مانگو، کسی چیز کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے اس لیے اس اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا وآخرت کی جو چیز اور جو نعمت چاہو مانگ لو، اور جتنی اور جیسی چاہو مانگ لو، سب عطا ہوگا۔

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

مطلق کا اطلاق یہی چاہتا ہے، علمائے امت نے بھی یہیں سمجھا اور یہی صراحت فرمائی۔ چناں

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۱۹۳، كتاب الصلاة/ باب فضلِ السجود والحثّ عليه، مجلس البركات، مبارك فور.

چہ فاضل اجل حضرت علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری شرحِ مشکاۃ میں لکھتے ہیں:

وَيُؤْخَذُ مِنْ إِطْلَاقِهِ -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- الْأَمْرَ بِالسُّؤَالِ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ مَكَّنَهُ مِنْ إِعْطَاءِ كُلِّ مَا أَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ.[1]

ترجمہ: حضور سید عالم ﷺ نے "مانگنے کا حکم مطلق" دیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ قدرت بخشی ہے کہ حق جلّ وعلا کے خزانوں میں سے جو کچھ چاہیں عطا فرمادیں۔

شیخ شیوخِ علماء الہند، شیخ محقق حضرت مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکاۃ میں فرماتے ہیں:

از اطلاقِ سوال کہ فرمود "بخواہ" تخصیص نہ کرد بہ مطلوبے خاص، معلوم می شود کہ کار ہمہ بہ دست ہمت وکرامت اوست ﷺ۔ ہرچہ خواہد، ہر کرا خواہد بہ اذنِ پروردگارِ خود بدہد۔[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حضرت ربیعہ سے مطلقا فرمایا: "سَلْ" [مانگ لے] کسی مخصوص چیز یا نعمت سے "مانگنے" کو خاص نہ فرمایا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے کام حضور سید عالم ﷺ کے دست کرامت میں ہیں جو کچھ چاہیں اور جس کے لیے چاہیں اپنے پروردگار کی اجازت سے دیں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ:

☆ دنیا وآخرت کی ساری نعمتیں، تمام مرادیں حضور سید کونین ﷺ کے اختیار میں ہیں، اور آپ ہر طرح کی حاجت پوری فرما سکتے ہیں۔

☆ یہاں تک کہ آپ جنت بھی عطا فرسکتے ہیں اور اپنی جنت میں کسی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہیں تو رکھ بھی سکتے ہیں، اسی لیے آپ نے حضرت ربیعہ بن کعب کی درخواست منظور فرمالی۔

تو یہ کائنات میں باذنِ اللہ نبی کریم ﷺ کا اپنے قصد واختیار سے تصرف ہے۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ج:۲، ص: ۵۶۷، کتابُ الصلاۃ/ باب السُّجود وفضله، دار الکتب العلمیة، بیروت.

(۲) أشعّة اللمعات شرح مشکاۃ، ج: ۱، ص:۴۲۵، کتاب الصلاۃ/ بابُ السجود وفضله، مکتبه حبیبیه پاکستان.

چاند پر تصرف کی احادیث:

کائنات عالم میں حضور سید عالم ﷺ کے تصرف واقتدار کا بیّن ثبوت معجزۂ شق القمر ہے جس کا ذکر قرآن حکیم کی "سورۃ القمر" میں ہے:

اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝ وَ اِنۡ يَّرَوۡا اٰيَةً يُّعۡرِضُوۡا وَ يَقُوۡلُوۡا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ ۝ [1]

ترجمہ: قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا اور اگر (مشرکین مکہ) کوئی نشانی دیکھیں تو اس سے منھ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو چلا آتا ہے۔

صِحاح کی احادیث کثیرہ میں اس معجزے کا بیان ہے ہم یہاں ان میں سے چند احادیث نقل کرتے ہیں۔

(۸) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، أَنَّ أَهْلَ مَكَّةَ سَأَلُوا رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- أَنْ يُرِيَهُمْ آيَةً فَأَرَاهُمُ الْقَمَرَ شِقَّتَيْنِ حَتَّى رَأَوْا حِرَاءً بَيْنَهُمَا. [2]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ آپ انھیں کوئی معجزہ دکھائیں، تو آپ نے انھیں چاند کے دو ٹکڑے (کر) دکھائے، انھوں نے حرا پہاڑ کو چاند کے ان دو ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

دونوں ٹکڑوں کے درمیان سرور کائنات ﷺ نے اتنا زیادہ فاصلہ اس لیے کر دیا تا کہ کسی کو بعد میں فریب نظر کا شبہہ نہ واقع ہو اور اس کا ضمیر پوری طرح مطمئن ہو کہ واقعی رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوتِ خداداد سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے، پھر مشرکین کے ایمان کا اور مومنین کے مزید ایقان واذعان کا سبب بنے۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة القمر: ٥٤، الأيات: ١، ٢.

(۲) ❀ صحيح البخاري، ج:١، ص:٥٤٦، كتاب بنيان الكعبة/ باب انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:٢، ص:٣٧٣، كتاب صفاتِ المنافقين وأحكامهم/ باب انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور.

⑨ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ: انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- شِقَّتَيْنِ فَقَالَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّمَ- اشْهَدُوا.[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں (اعجاز نبوت سے) چاند دو ٹکڑے ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم لوگ گواہ ہو جاؤ۔"

گواہ بنانے کی حکمت یہ ہو سکتی ہے کہ شقِّ قمر کا یہ معجزہ رات میں ظاہر ہوا تھا جب لوگ عموماً سو رہے ہوتے ہیں، اور بیدار رہنے والے بھی سب باہر نہیں ہوتے، اور باہر رہنے والے بھی سب کے سب آسمان کی طرف برابر نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھتے اس لیے دیکھنے والوں کو چاہیے کہ اچھی طرح دیکھ کر گواہ بن جائیں تاکہ بعد میں دوسرے لوگوں کو اس معجزے کی قرار واقعی خبر دے سکیں اور وہ ان کے ایمان کا، یا ایمان میں جلا و استحکام کا سبب بنے۔

⑩ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: انْشَقَّ الْقَمَرُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- فِرْقَتَيْنِ، فِرْقَةً فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةً دُونَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلّى الله عليه وسلّمَ: اشْهَدُوا.[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ چاند رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں (آپ کے اعجاز سے) دو ٹکڑے ہوگیا، ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر، اور دوسرا ٹکڑا پہاڑ کے نیچے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ گواہ ہو جاؤ۔

یہ آسمان پر حضور سید کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعجاز و تصرف کی عظیم نشانی تھی اس لیے آپ نے حکم

---

(۱) ❀ صحيح البخاري، ج:۱،ص:۵۱۳، كتاب المناقب/ باب سوال المشركين أن يُريهم النبي صلى الله تعالى عليه وسلم آية فأراهم انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم،ج:۲،ص:۳۷۳،كتاب صفات المنافقين وأحكامهم/ باب انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) ❀ صحيح البخاري، ج:۲،ص:۷۲۱،كتاب التفسير/ باب "وانشق القمر وإن يرد أية يعرضوا"، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم،ج:۲،ص:۳۷۳،كتاب صفات المنافقين وأحكامهم/ باب انشقاق القمر، مجلس البركات، مبارك فور.

دیا کہ تم لوگ اس کے گواہ ہو جاؤ۔

یا یہ مطلب ہے کہ تم نے دلیل نبوت کا اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو گواہی دو کہ میں اللہ کا رسول ہوں کہ دلیل نبوت کا ظہور شہادتِ نبوت کا مقتضی ہے چناں چہ بارہا ایسا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی معجزے کے ظہور کے وقت خود بھی اپنی رسالت کی شہادت کا اعلان فرمایا، صحیحین میں ایسی متعدّد احادیث ہیں۔

(۱۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ ، قَالَ : انْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَصَارَ فِرْقَتَيْنِ فَقَالَ لَنَا: اشْهَدُوا اشْهَدُوا.[۱]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ چاند پھٹ گیا اور ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے، چاند دو ٹکڑے ہو گیا تو حضور ﷺ نے ہم سے فرمایا: تم لوگ (میرے اس تصرف کے) گواہ بن جاؤ، تم لوگ (میرے اس تصرف کے) گواہ بن جاؤ۔

معجزہ دلیل نبوت ہوتا ہے اس لیے مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے معجزے کا مطالبہ کیا، اور آپ نے اپنی قدرت و تصرف کا حیرت انگیز مظاہرہ فرماتے ہوئے آسمان پر جگمگانے والے چاند کے ہی دو ٹکڑے کر دیے۔ اور نہ صرف یہ کہ دو ٹکڑے کیے، بلکہ ہر ٹکڑے کو الگ الگ اتنا دور کر دیا کہ "حرا" پہاڑ ان دونوں ٹکڑوں کے بیچ میں آگیا۔ یہ آسمان پر تصرف نبوی کی واضح دلیل ہے۔

انشقاق قمر سے متعلق شارح بخاری[۲] کی نفیس تحقیق

نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح بخاری میں احادیثِ شقِ قمر پر اچھی اور جامع بحث کی ہے ہم یہاں افادۂ عام کے لیے اسے نقل کرتے ہیں:

"انشقاق القمر کی حدیث امام بخاری نے تین صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم

---

(۱) ❀ صحيح البخاري، ج:۲،ص:۷۲۱، كتاب التفسير/ باب "وانشقّ القمرُ وإن يروا آية يعرضوا"، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:۲،ص:۳۷۳، كتاب صفات المنافقين وأحكامهم/ باب انشقاق القمر.

(۲) شارح بخاری: نائب مفتی اعظم ہند، فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سابق صدر دار الافتاء و ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔

أجمعین سے روایت کی ہے: **ایک** حضرت عبد اللہ بن مسعود۔ **دوسرے** حضرت انس بن مالک۔ **تیسرے** حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

ان میں سے اخیر کے دو صاحبان اس وقت موجود نہیں تھے۔ حضرت انس مدینہ طیبہ میں تھے اور حضرت عبد اللہ ابن عباس ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوا ہے اور حضرت عبد اللہ بن عباس بعثت نبوی کے ساتویں سال پیدا ہوئے۔ (اکمال)

تو بظاہر ان دونوں حضرات سے روایت مروی ہوئی پھر بھی اس میں کوئی حرج نہیں کہ اس پر محدثین کا اتفاق ہے کہ صحابی کی مرسل حدیث متصل کے حکم میں ہے، اس لیے کہ صحابی نے یا تو اسے کسی صحابی سے سن کر روایت کیا ہے یا خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سن کر۔

رہ گئے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو وہ اس وقت موجود تھے جیسا کہ مناقب اور تفسیر کی روایات میں تصریح ہے۔

بیہقی نے دلائل میں انھی سے روایت کی ہے کہ میں نے چاند کے ایک ٹکڑے کو اس پہاڑ پر دیکھا ہے جو منیٰ میں تھا اور ہم مکہ میں تھے۔ اس روایت سے مناقب کی ان دونوں روایتوں میں تطبیق ہو جاتی ہے۔ حاصل یہ ہوا کہ یہ واقعہ مکہ معظمہ میں ہوا تھا، اور چاند کا ایک ٹکڑا اس پہاڑ پر تھا جو منیٰ میں تھا۔ مکہ معظمہ سے حرا اور منیٰ دونوں پورب جانب ہیں۔ اس لیے یہ روایت اس کے بھی معارض نہیں کہ حرا کو دونوں ٹکڑوں کے بیچ دیکھا۔

ان صحابہ کرام کے علاوہ **حضرت عبد اللہ بن عمر** رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی یہ معجزہ مروی ہے۔ نیز **حضرت جبیر بن مطعم** رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے، جیسا کہ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں چاند دو پارہ ہوا، یہاں تک کہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک اس پہاڑ پر اور دوسرا اس پہاڑ پر۔ تو مشرکین نے کہا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جادو کر دیا ہے۔ ان کے بعض نے بعض سے کہا اگر انھوں نے جادو کر دیا ہے تو استطاعت رکھتے ہیں کہ سب لوگوں پر جادو کر دیں۔

علاوہ ازیں **حضرت علی** رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ چاند دو ٹکڑے ہوا اور ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ **حضرت حذیفہ بن یمان** رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس کے مثل مروی ہے۔ یہ کل سات صحابہ کرام ہوئے۔

ایک شبہہ اور اس کا جواب:

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر چاند کا دو ٹکڑے ہونا صحیح ہوتا تو ایسی عجیب وغریب بات لوگوں سے چھپی نہیں رہتی اور یہ بطریق تواتر منقول ہوتا، نیز اہل نجوم اور تاریخ والے اسے جانتے اور اپنی کتابوں میں اسے ذکر کرتے۔

جواب یہ ہے کہ:

- یہ واقعہ رات میں ہوا، اُس وقت لوگ گھروں میں ہوتے ہیں اور سوئے رہتے ہیں۔
- پھر یہ واقعہ ایک آن کے لیے ہوا تھا۔ اسے وہی شخص دیکھ سکتا تھا جو اس وقت چاند پر نظر رکھتا ہو عام طور پر لوگ رات کو جاگتے بھی ہیں تو اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں، کون ہے جو آسمان کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہتا ہے۔ چاند میں گہن لگتا ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اگر وہ معمولی اور تھوڑی دیر رہتا ہے تو اس کو چند ہی لوگ دیکھ پاتے ہیں۔
- علامہ عینی نے نقل فرمایا ہے کہ مکہ والوں نے کہا کہ یہ ابن ابو کبشہ (یعنی سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ) کا جادو ہے۔ سفر کرنے والوں سے پوچھو اگر انھوں نے دیکھا ہو تو سچ ہے، ورنہ جادو ہے۔ جو لوگ سفر میں گئے تھے جب واپس آئے، تو انھوں نے بتایا کہ ہم نے چاند دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔

یہاں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ مکہ معظّمہ میں ہوا، اسے صرف وہی لوگ دیکھ سکتے تھے جو مکہ معظمہ کے آس پاس اُن حدود میں تھے جو مکہ میں چاند کو دیکھ سکیں۔ رہ گئے دور دراز کے لوگ تو وہ اختلاف مطالع کی بنا پر مکہ کے افق پر چمکنے والے چاند کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ بھلا کس طرح دیکھ سکتے ہیں۔

ایک اور شبہہ کا جواب:

قاضی بیضاوی نے فلاسفہ کی تقلید جامد میں آیت کریمہ "اِقۡتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انۡشَقَّ الۡقَمَرُ ۝"[1] کی تفسیر میں کہا: "ینشق عند مجيء القيامة" یعنی قیامت آنے پر شق ہوگا۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ القمر: ٥٤، الآیۃ: ١.

اسے علما نے کئی طرح سے رد کیا ہے:

اولاً: انشق ماضی کا صیغہ ہے، اور نصوص کے ظاہر سے عدول بلا دلیل جائز نہیں۔

ثانیاً: "اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ" اس کی دلیل ہے کہ یہ اعجاز قیامت قائم ہونے سے پہلے ہوگا۔

ثالثاً: آگے فرمایا گیا: "وَ اِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَ یَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝"[1] اگر یہ لوگ آیت دیکھتے ہیں تو اس سے روگردانی کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ ہمیشہ رہنے والا جادو ہے۔"

ظاہر ہے کہ قیامت کے دن کفار اس قسم کی بات نہیں کہیں گے۔ اس دن تو ان پر حق واضح ہو جائے گا۔

رابعاً: اسے نشانی فرمایا گیا۔ اور نشانی کی ضرورت اسی دنیا میں ہے۔ قیامت کے روز کوئی نشانی طلب کرنے والا نہیں رہے گا۔[2]

پانی میں تصرف کی احادیث

⑫ عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّم- بِإِنَاءٍ وَهُوَ بِالزَّوْرَاءِ فَوَضَعَ يَدَهُ فِي الإِنَاءِ فَجَعَلَ المَاءُ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ قَالَ قَتَادَةُ: قُلْتُ لأَنَسٍ: كَمْ كُنْتُمْ قَالَ: ثَلَاثَ مِأَةٍ ، أَوْ زُهَاءَ ثَلَاثِ مِأَةٍ.[3]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک برتن پیش کیا گیا، اس وقت آپ مقام زوراپر تھے، آپ نے اپنا دست اقدس اس برتن میں رکھا تو پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے ابلنے لگا، جس سے صحابہ نے وضو کیا۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة القمر: ٥٤، الآیة: ٢.

(۲) نزہة القاري شرح صحیح البخاري، ج:۷، ص:۷۷، ۷۸، کتاب المناقب/ بابُ انشقاق القمر، رضوی کتاب گھر، دھلی.

(۳) ❀ صحیح البخاري، ج:۱، ص:٥٠٤، کتاب المناقب/ باب علاماتِ النُّبوة في الإسلام، مجلس البرکات، مبارك فور.

❀ الصحیح لمسلم، ج:۲، ص:۲٤٦، کتاب الفضائل/ باب تفضیل نبینا ﷺ علی جمیع الخلائق، مجلس البرکات، مبارك فور.

راوی حدیث حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ لوگ کتنے تھے؟ تو انھوں نے بتایا کہ تین سو تھے یا اس کے قریب۔

(۱۳) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- وَحَانَتْ صَلاَةُ الْعَصْرِ فَالْتُمِسَ الْوَضُوءُ فَلَمْ يَجِدُوهُ فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ صلّى الله عليه وسلَّمَ بِوَضُوءٍ فَوَضَعَ رَسُولُ اللهِ صلّى الله عليه وسلَّمَ يَدَهُ فِي ذَلِكَ الإِنَاءِ فَأَمَرَ النَّاسَ أَنْ يَتَوَضَّؤُوا مِنْهُ فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ تَحْتِ أَصَابِعِهِ فَتَوَضَّأَ النَّاسُ حَتَّى تَوَضَّؤُوا مِنْ عِنْدِ آخِرِهِم.(۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا اور پانی تلاش کرنے پر بھی دست یاب نہ ہو سکا آخر کار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پانی کا برتن لا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں اپنا دست مبارک رکھا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں، میں نے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے نیچے سے ابل رہا ہے تو لوگ وضو کرنے لگے یہاں تک کہ سب نے وضو کر لیا۔

(۱۴) حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فِي بَعْضِ مَخَارِجِهِ وَمَعَهُ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ فَانْطَلَقُوا يَسِيرُونَ، فَحَضَرَتِ الصَّلاَةُ فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً يَتَوَضَّؤُونَ، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَجَاءَ بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ يَسِيرٍ فَأَخَذَهُ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَتَوَضَّأَ ثُمَّ مَدَّ أَصَابِعَهُ الأَرْبَعَ عَلَى الْقَدَحِ ثُمَّ قَالَ: قُومُوا فَتَوَضَّؤُوا، فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ حَتَّى بَلَغُوا فِيمَا يُرِيدُونَ مِنَ الْوُضُوءِ. وَكَانُوا سَبْعِينَ ، أَوْ نَحْوَهُ.(۲)

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱،ص:۵۰٤، كتابُ المناقب/ بابُ علاماتِ النّبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:۲،ص:۲٤٥، كتابُ الفضائل/ بابُ تفضيل نبينا ﷺ على جميع الخلائق، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) ❀ صحيح البخاري، ج:۱،ص:۵۰٤، ۵۰۵، كتاب المناقب/ باب علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:۲،ص:۲٤٥، كتابُ الفضائل/ بابُ تفضيلِ نبينا ﷺ على جميع الخلائق، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک سفر میں نکلے، آپ کے ہمراہ آپ کے اصحاب بھی تھے، دورانِ سفر نماز کا وقت آگیا اور ان کے پاس پانی نہیں تھا جس سے وضو کرتے۔

ایک صحابی ایک پیالے میں تھوڑا سا پانی لے کر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے اس سے وضو فرمایا، پھر چاروں انگلیاں اس پیالے پر دراز فرمادیں اور صحابہ سے فرمایا: اٹھو، وضو کرو۔ تو لوگ وضو کرنے لگے، یہاں تک کہ سب کے سب وضو سے فارغ ہو گئے اور یہ حضرات ستر یا اس کے قریب تھے۔

⑮ أَخْبَرَنَا حُمَيْدٌ عَنْ أَنَسٍ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ: حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَقَامَ مَنْ كَانَ قَرِيبَ الدَّارِ مِنَ الْمَسْجِدِ يَتَوَضَّأُ. وَبَقِيَ قَوْمٌ، فَأُتِيَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- بِمِخْضَبٍ مِنْ حِجَارَةٍ فِيهِ مَاءٌ فَوَضَعَ كَفَّهُ فَصَغُرَ الْمِخْضَبُ أَنْ يَبْسُطَ فِيهِ كَفَّهُ فَضَمَّ أَصَابِعَهُ فَوَضَعَهَا فِي الْمِخْضَبِ فَتَوَضَّأَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ جَمِيعًا قُلْتُ: كَمْ كَانُوا، قَالَ: ثَمَانُونَ رَجُلاً.[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نماز کا وقت آگیا تو جن لوگوں کا گھر مسجد سے قریب تھا وہ گھر چلے گئے، اور باقی لوگ رہ گئے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پتھر کا ایک برتن لایا گیا جس میں تھوڑا سا پانی تھا، آپ نے اس میں اپنی ہتھیلی رکھی تو برتن کے چھوٹا ہونے کے باعث ہتھیلی اس میں پھیل نہ سکی، اس لیے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انگلیاں سمیٹ کر برتن میں رکھیں تو (پانی اس کثرت سے اُبلنے لگا کہ) سارے لوگوں نے اس سے وضو کرلیا۔

حضرت حمید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا کہ یہ لوگ کتنے تھے؟ فرمایا کہ اسّی (۸۰) لوگ تھے۔

⑯ عَنِ الْبَرَاءِ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ : كُنَّا يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ مِاْءٍ.

---

(۱) ❀ صحيح البخاري، ج:١، ص: ٥٠٥، كتاب المناقب/ بابُ علاماتِ النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:٢، ص:٢٤٥، كتاب الفضائل/ بابُ تفضيلِ نبينا صلى الله عليه وسلم على جميع الخلائق، مجلس البركات، مبارك فور.

وَالْحُدَيْبِيَةُ بِئْرٌ فَنَزَحْنَاهَا حَتَّى لَمْ نَتْرُكْ فِيهَا قَطْرَةً فَجَلَسَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّم- عَلَى شَفِيرِ الْبِئْرِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَمَضْمَضَ وَمَجَّ فِي الْبِئْرِ فَمَكَثْنَا غَيْرَ بَعِيدٍ ثُمَّ اسْتَقَيْنَا حَتَّى رَوِينَا وَرَوِيَتْ، -أَوْ صَدَرَتْ- رَكَائِبُنَا.[1]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مقام حُدَیبیہ میں قیام کے زمانے میں ہم لوگ چودہ سو افراد تھے، حُدَیبیہ ایک کنواں ہے، اس کا سارا پانی ہم لوگوں نے نکال لیا، اور اس میں ایک قطرہ بھی نہ چھوڑا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کنویں کے کنارے پر بیٹھ گئے اور پانی مانگا، پھر اس پانی سے کلی فرماکر اسے کنویں کے اندر ڈال دیا، ہم لوگ کچھ دیر رکے رہے پھر پانی نکال کر پینے لگے یہاں تک کہ سب لوگ سیراب ہوگئے اور ہماری سواریاں بھی پانی پی کر آسودہ ہوگئیں۔

(۱۷) عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: كُنَّا نَعُدُّ الْآيَاتِ بَرَكَةً وَأَنْتُمْ تَعُدُّونَهَا تَخْوِيفًا كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- فِي سَفَرٍ فَقَلَّ الْمَاءُ فَقَالَ: اطْلُبُوا فَضْلَةً مِنْ مَاءٍ فَجَاؤُوا بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ قَلِيلٌ فَأَدْخَلَ يَدَهُ فِي الْإِنَاءِ ثُمَّ قَالَ: "حَيَّ عَلَى الطَّهُورِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللهِ" فَلَقَدْ رَأَيْتُ الْمَاءَ يَنْبُعُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- وَلَقَدْ كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ.[2]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اپنے تلمیذ حضرت علقمہ تابعی کو خطاب کرکے) فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول نشانیوں کو برکت شمار کرتے تھے اور تم (گروہ تابعین) ان نشانیوں کو (مشرکین کو) ڈرانے کا واقعہ سمجھتے ہو۔

ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے اور پانی کی کمی ہوگئی، تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کچھ بچا ہوا پانی تلاش کرو، تو صحابہ کرام ایک برتن لائے جس میں تھوڑا سا پانی تھا تو آپ نے برتن میں اپنا ہاتھ ڈال کر فرمایا: "آجاؤ پاک کرنے والے، برکت والے پانی کے پاس، اور برکت اللہ کی

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۵۰۵، كتاب المناقب/ باب علاماتِ النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۵۰۵، كتاب المناقب/ باب علاماتِ النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

طرف سے ہے۔" میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابل رہا ہے۔ اور جس وقت کھانا کھایا جاتا تاہم لوگ کھانے سے سبحان اللہ کی آواز سنتے۔

(۱۸) صحابیِ رسول حضرت عمران بن حُصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار فقہائے صحابہ میں ہوتا ہے، فتح خیبر کے سال مشرف بہ اسلام ہوئے، متعدّد غزوات میں شریک ہوئے، آپ حضور سید عالم ﷺ اور آپ کے اصحاب کے ایک سفر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ انکشاف فرماتے ہیں کہ ایک صحابی جُنبی ہو گئے جو پانی کے فقدان کی وجہ سے غسل نہ کر سکے اور دوسرے صحابہ پیاسے رہ گئے۔

اب اس کے بعد کا واقعہ انھی صحابیِ رسول کے الفاظ میں سنیے:

فَاشْتَكَى إِلَيْهِ النَّاسُ مِنَ الْعَطَشِ فَنَزَلَ، فَدَعَا فُلاَنًا – كَانَ يُسَمِّيهِ أَبُو رَجَاءٍ، نَسِيَهُ عَوْفٌ – وَدَعَا عَلِيًّا فَقَالَ: اذْهَبَا فَابْتَغِيَا الْمَاءَ فَانْطَلَقَا فَتَلَقَّيَا امْرَأَةً بَيْنَ مَزَادَتَيْنِ ، أَوْ سَطِيحَتَيْنِ – مِنْ مَاءٍ عَلَى بَعِيرٍ لَهَا، فَقَالاَ لَهَا: أَيْنَ الْمَاءُ، قَالَتْ: عَهْدِي بِالْمَاءِ أَمْسِ هَذِهِ السَّاعَةَ وَنَفَرُنَا خُلُوفًا. قَالاَ لَهَا: انْطَلِقِي إِذًا، قَالَتْ: إِلَى أَيْنَ. قَالاَ: إِلَى رَسُولِ اللَّهِ –صلّى الله عليه وسلَّمَ– قَالَتْ: الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ، قَالاَ: هُوَ الَّذِي تَعْنِينَ فَانْطَلِقِي، فَجَاءَا بِهَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صلّى الله عليه وسلَّمَ وَحَدَّثَاهُ الْحَدِيثَ قَالَ: فَاسْتَنْزَلُوهَا عَنْ بَعِيرِهَا وَدَعَا النَّبِيُّ –صلّى الله عليه وسلَّمَ– بِإِنَاءٍ فَفَرَّغَ فِيهِ مِنْ أَفْوَاهِ الْمَزَادَتَيْنِ ، أَوِ السَّطِيحَتَيْنِ – وَأَوْكَأَ أَفْوَاهَهُمَا وَأَطْلَقَ الْعَزَالِيَ وَنُودِيَ فِي النَّاسِ اسْقُوا وَاسْتَقُوا فَسَقَى مَنْ سَقَىٰ (مَن شَاءَ) وَاسْتَقَى مَنْ شَاءَ ، وَكَانَ آخِرَ ذَاكَ أَنْ أَعْطَى الَّذِي أَصَابَتْهُ الْجَنَابَةُ إِنَاءً مِنْ مَاءٍ، قَالَ: اذْهَبْ فَأَفْرِغْهُ عَلَيْكَ وَهْيَ قَائِمَةٌ تَنْظُرُ إِلَى مَا يُفْعَلُ بِمَائِهَا وَايْمُ اللهِ لَقَدْ أُقْلِعَ عَنْهَا وَإِنَّهُ لَيُخَيَّلُ إِلَيْنَا أَنَّهَا أَشَدُّ مِلأَةً مِنْهَا حِينَ ابْتَدَأَ فِيهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ –صلّى الله عليه وسلَّمَ–: اجْمَعُوا لَهَا، فَجَمَعُوا لَهَا مِنْ بَيْنِ عَجْوَةٍ وَدَقِيقَةٍ وَسَوِيقَةٍ حَتَّى جَمَعُوا لَهَا طَعَامًا فَجَعَلُوهَا فِي ثَوْبٍ وَحَمَلُوهَا عَلَى بَعِيرِهَا وَوَضَعُوا الثَّوْبَ بَيْنَ يَدَيْهَا. قَالَ لَهَا: تَعْلَمِينَ مَا رَزِئْنَا مِنْ مَائِكِ شَيْئًا وَلَكِنَّ اللهَ هُوَ الَّذِي أَسْقَانَا. فَأَتَتْ أَهْلَهَا وَقَدِ احْتَبَسَتْ عَنْهُمْ قَالُوا مَا حَبَسَكِ يَا فُلاَنَةُ قَالَتْ: الْعَجَبُ لَقِيَنِي رَجُلاَنِ فَذَهَبَا بِي إِلَى هَذَا الَّذِي يُقَالُ لَهُ الصَّابِئُ فَفَعَلَ كَذَا وَكَذَا فَوَاللهِ إِنَّهُ لأَسْحَرُ النَّاسِ مِنْ بَيْنِ هَذِهِ وَهَذِهِ وَقَالَتْ بِإِصْبَعَيْهَا الْوُسْطَى

وَالسَّبَّابَةِ فَرَفَعَتْهُمَا إِلَى السَّمَاءِ - تَعْنِي السَّمَاءَ وَالأَرْضَ أَوْ إِنَّهُ لَرَسُولُ اللهِ حَقًّا. . . فَقَالَتْ يَوْمًا لِقَوْمِهَا: مَا أُرَى أَنَّ هَؤُلاَءِ الْقَوْمَ يَدْعُونَكُمْ عَمَدًا فَهَلْ لَكُمْ فِي الإِسْلاَمِ، فَأَطَاعُوهَا فَدَخَلُوا فِي الإِسْلاَمِ.(۱)

ترجمہ: لوگوں نے حضور سے پیاس کی شکایت کی۔ تو حضور وہیں پڑاؤ کے لیے ٹھہر گئے اور "فلاں" کو بلایا، ابورجاء ان کا نام لیتے تھے مگر عوف بھول گئے اور علی کو بھی بلایا اور فرمایا تم دونوں جاؤ اور پانی تلاش کرو۔

یہ دونوں چلے تو انھیں ایک عورت ملی جو پانی سے بھری ہوئی دو پکھالوں یا بڑے مشکیزوں کے درمیان اپنے اونٹ پر بیٹھی تھی۔ ان حضرات نے اس عورت سے پوچھا: پانی کہاں ہے؟ اس نے بتایا کہ میں پانی کے پاس کل اسی وقت تھی اور ہمارے مرد پیچھے رہ گئے۔ ان دونوں نے اس سے کہا، ایسا ہے تو چل، اس نے پوچھا: کہاں۔ دونوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں۔ اس نے کہا: وہی جنھیں صابی کہا جاتا ہے۔ ان دونوں نے کہا: ہاں وہی جنھیں تو سمجھتی ہے انھی کے پاس چل۔ یہ دونوں حضرات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسے لائے اور واقعہ بیان کیا۔

راوی کا بیان ہے، اسے اس کے اونٹ سے اتارا اور نبی کریم ﷺ نے برتن منگایا اور اس میں دونوں پکھالوں یا مشکیزوں کے دہانے سے کچھ پانی انڈیلا اور ان کے منہ باندھ دیے۔ اور اس کے نیچے کا تنگ منہ کھول دیا اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا کہ پانی خود بھی پیو اور جانوروں کو بھی پلاؤ۔ تو جس کو پینا تھا پیا اور جس نے چاہا جانوروں کو پلایا۔ اور سب کے آخر میں ایک برتن پانی اسے دیا جسے جنابت لاحق ہو گئی تھی اور فرمایا جاؤ اسے اپنے اوپر ڈال لو (نہالو)۔ اور وہ عورت کھڑی وہ سب دیکھتی رہی جو اس کے پانی کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔ اور خدا کی قسم جب ان مشکیزوں سے پانی لینا بند کیا گیا تو ہمیں ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت زیادہ بھرے ہیں بہ نسبت اس وقت کے جب ان سے پانی لینا شروع کیا گیا تھا۔

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۴۹، كتاب التَّيمُّم / بابُ الصعيدُ الطَّيِّبُ وَضُوءُ المسلم يكفيه مِنَ الماءِ، مجلس البركات، مبارك فور.

● -و ص: ۵۰۴، كتاب المناقب / بابُ عَلَامَاتِ النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

● -والصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۲۴۰، كتابُ الصّلاة / بابُ قضاء الصّلاة الفائتة، مجلس البركات، مبارك فور.

اس کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا: اس عورت کے لیے کچھ جمع کرو تو لوگوں نے اس کے لیے عجوہ، آٹا، ستو کھانے کے سامان اکٹھا کر دیا اور ایک کپڑے میں باندھ دیا اور اس عورت کو اس کے اونٹ پر سوار کر دیا اور کھانے کا کپڑا اس کے آگے رکھ دیا۔ اب حضور نے اس سے فرمایا: ہم نے تیرے پانی سے کچھ کم نہ کیا۔ ہاں اللہ ہی وہ ہے جس نے ہمیں پانی پلا دیا۔

اس کے بعد عورت اپنے گھر والوں کے پاس گئی چوں کہ اس کے پہنچنے میں تاخیر ہو گئی تھی تو گھر والوں نے پوچھا اے فلانہ تجھے کس چیز نے روکا۔ اس نے کہا تعجب انگیز بات ہے مجھے دو شخص ملے اور مجھے ان کی خدمت میں لے گئے جنھیں صابی کہا جاتا ہے۔ تو انھوں نے ایسا ایسا کیا۔ خدا کی قسم وہ شخص اس کے اور اس کے درمیان سب سے بڑا جادوگر ہے۔ اور اس نے اپنی بیچلی اور کلمے کی انگلیوں سے اشارہ کیا، ان دونوں کو آسمان کی طرف اٹھایا، اس کی مراد زمین اور آسمان تھی۔ یا وہ یقیناً اللہ کے برحق رسول ہیں۔ اس عورت نے ایک دن اپنی قوم سے کہا: میں سمجھتی ہوں کہ یہ لوگ تم کو بالقصد چھوڑ دیتے ہیں تو کیا اب تمھیں اسلام قبول کرنے کی رغبت ہے؟ قوم نے اس کی بات مان لی اور سب اسلام میں داخل ہو گئے۔

مسلم میں ففرّغَ کی جگہ فمَجَّ في العَزلَاوَ ین العُلْیَاوَ ین ہے۔ اور بیہقی وطبرانی میں ہے: فمضمض في الماء وأعاده في أفواه المزادتين. پانی میں کلی کر کے مشکیزوں کے منہ میں ڈال دیا اس کی برکت سے پانی سب نے پیا، جانوروں کو پلایا مگر کم نہ ہوا۔

اس حدیث میں صابی کا لفظ آیا ہے اس کے بارے میں امام بخاری بتا رہے ہیں کہ اس کے معنی "ایک دین سے نکل کر دوسرے دین میں داخل ہونے والے" کے ہیں۔ عرب کے جاہل حضور اقدس ﷺ کو "صابی" اس بنا پر کہتے تھے کہ حضور نے قریش کے مذہب کے بجائے دین ابراہیمی اختیار فرمایا تھا۔[۱]

اس حدیث میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ ان صحابیہ بی بی نے حالت کفر میں، حضور اقدس ﷺ کی شان اقدس میں کوئی گستاخی نہیں کی، بلکہ ادب کا لحاظ رکھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تو یہ کہا: "وہ جنھیں صابی کہا جاتا ہے۔" خود انھوں نے صابی نہیں کہا۔ اس کا فائدہ ان کو یہ ملا کہ ایمان

---

(۱) نزہۃ القاری، معمولی ترمیم کے ساتھ۔

نصیب ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کافر بھی اگر محبوبان بارگاہ کا ادب کرتا ہے تو اسے فائدہ پہنچتا ہے۔
یہ حدیث پانی میں سرور کائنات ﷺ کے تصرف اور معجزے کی واضح دلیل ہے۔

(۱۹) عَنْ جَابِرٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تعالی عَنْهُ- قال: عطِش الناسُ يوم الحُدَيبية و رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّمَ- بين يديه ركوةٌ فتوضّأ منها، ثم أقبل الناسُ نحوَه فقال رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّمَ-: مالكم؟ قالوا يا رسولَ الله! ليس عندنا ماء نتوضّأ به و لا نشرب إلّا ما في ركوتك، قال:
فَوَضَعَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلّمَ- يَدَهُ فِي الرَّكْوَةِ، فَجَعَلَ الْمَاءُ يَفُورُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِهِ كَأَمْثَالِ العُيُونِ. قَالَ: فَشَرِبْنَا وَتَوَضَّأْنَا.
فَقُلْتُ لِجَابِرٍ: كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ؟ قَالَ: لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا، كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً.(۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے (صلحِ حدیبیہ کے موقع پر) اپنا دست اقدس چھاگل (چمڑے کا پانی کا برتن) میں ڈالا تو انگشت ہائے مبارک کے درمیان سے چشموں کی طرح پانی جوش مارنے لگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم سب نے اس چشمہ سے پانی پیا اور وضو کیا، حضرت جابر سے دریافت کیا گیا کہ آپ حضرات کتنے تھے؟ فرمایا: اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو سب کو کفایت کرتا، ہم پندرہ سو تھے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام کے لیے بڑی مشکل گھڑی تھی کہ سب پیاسے تھے اور وہاں پانی کا کوئی انتظام نہ تھا، مگر اللہ کے محبوب ﷺ نے مختصر سے پانی میں اپنی انگشت ہائے مبارک رکھ کر اسے دریائے رحمت بنا دیا، جس سے پورا مجمع سیراب ہوا۔ اور پانی کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ حضرات ایک لاکھ بھی ہوتے تو سیراب ہو جاتے۔ اسی کی ترجمانی کی ہے ایک عاشقِ رسول نے ؎

انگلیاں ہیں فیض پر، ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ، واہ

یہ یقیناً بہت بڑی مشکل کشائی اور بہت بڑا تصرف ہے۔

---

(۱) صحیح البخاري، ج: ۲، ص: ۵۹۸، كتاب المغازي/ بابُ غزوة الحدَيبية، مجلس البركات، مبارك فور.

کھانے میں تصرف کی حدیث

(٢٠) عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ أَبُو طَلْحَةَ لِأُمِّ سُلَيْمٍ: لَقَدْ سَمِعْتُ صَوْتَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- ضَعِيفًا أَعْرِفُ فِيهِ الْجُوعَ، فَهَلْ عِنْدَكِ مِنْ شَيْءٍ قَالَتْ: نَعَمْ فَأَخْرَجَتْ أَقْرَاصًا مِنْ شَعِيرٍ ثُمَّ أَخْرَجَتْ خِمَارًا لَهَا فَلَفَّتِ الْخُبْزَ بِبَعْضِهِ ثُمَّ دَسَّتْهُ تَحْتَ يَدِي وَلَاثَتْنِي بِبَعْضِهِ ثُمَّ أَرْسَلَتْنِي إِلَى رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- قَالَ: فَذَهَبْتُ بِهِ فَوَجَدْتُ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ النَّاسُ، فَقُمْتُ عَلَيْهِمْ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ-: آرْسَلَكَ أَبُو طَلْحَةَ: فَقُلْتُ: نَعَمْ قَالَ: بِطَعَامٍ فَقُلْتُ: نَعَمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- لِمَنْ مَعَهُ: قُومُوا، فَانْطَلَقَ وَانْطَلَقْتُ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ حَتَّى جِئْتُ أَبَا طَلْحَةَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ: يَا أُمَّ سُلَيْمٍ قَدْ جَاءَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- بِالنَّاسِ وَلَيْسَ عِنْدَنَا مَا نُطْعِمُهُمْ فَقَالَتْ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَانْطَلَقَ أَبُو طَلْحَةَ حَتَّى لَقِيَ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- وَأَبُو طَلْحَةَ مَعَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ-: هَلُمِّي يَا أُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ، فَأَتَتْ بِذَلِكَ الْخُبْزِ فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- فَفُتَّ وَعَصَرَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ عُكَّةً فَأَدَمَتْهُ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ-: فِيهِ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ يَقُولَ.

ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا.
ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا.
ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَذِنَ لَهُمْ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا ثُمَّ خَرَجُوا.
ثُمَّ قَالَ: ائْذَنْ لِعَشَرَةٍ فَأَكَلَ الْقَوْمُ كُلُّهُمْ وَشَبِعُوا.
وَالْقَوْمُ سَبْعُونَ، أَوْ ثَمَانُونَ - رَجُلًا. (١)

---

(١) ❀ صحيح البخاري، ج:١،ص: ٥٠٥، كتاب المناقب/ باب علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ الصحيح لمسلم، ج:٢،ص:١٧٩، كتاب الأشربة/ باب جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاهُ بذلك واستحباب الاجتماع على الطّعام، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ جامع الترمذي، ج:٢، ص: ٢٠٣، ٢٠٤، أبواب المناقب/ باب ما جاء في آياتِ نبوة النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- وما قد خصّه الله به، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت اسحاق بن عبد اللہ بن ابو طلحہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت انس بن مالک سے یہ فرماتے سنا کہ حضرت ابو طلحہ نے (اپنی زوجہ، یعنی حضرت انس کی والدہ) ام سُلیم سے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز میں کمزوری محسوس کی ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضور بھوکے ہیں۔ تو کیا تمھارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے عرض کی، ہاں ہے۔ پھر انھوں نے جَو کی کچھ روٹیاں نکالیں اور ایک چادر کے ایک حصے میں اسے لپیٹ کر میرے ہاتھ کے نیچے رکھ دیا اور چادر کا دوسرا حصہ مجھے اڑھا کر رسول اللہ کی خدمت میں بھیجا۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ میں وہ کھانا لے کر گیا، رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب تھے تو میں انھیں کے پاس کھڑا ہو گیا، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تجھے ابو طلحہ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔ پوچھا: کھانا دے کر بھیجا ہے؟ میں نے کہا: ہاں۔

تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا: چلو (ابو طلحہ کے گھر) پھر حضور چل پڑے اور میں نے حضور سے پہلے جا کر حضرت ابو طلحہ کو خبر دی کہ حضور اپنے اصحاب کے ہمراہ تشریف لا رہے ہیں۔ تو حضرت ابو طلحہ نے اپنی زوجہ سے کہا: اے اُمِ سُلَیم! رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ غریب خانے پر تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے پاس ان کی ضیافت کے لیے کوئی چیز نہیں تو انھوں نے فرمایا اللہ و رسول ہی بہتر جانتے ہیں (کہ اس میں کیا مصلحت ہے)۔

پھر ابو طلحہ رسول اللہ ﷺ کے خیر مقدم کے لیے نکل پڑے اور آگے بڑھ کر سرکار سے ملاقات کی، پھر حضور کے ہمراہ اپنے گھر آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے (حضرت انس کی والدہ سے) فرمایا: اے اُمِ سُلیم! تیرے پاس جو کچھ کھانے کی چیز ہو لاؤ، تو انھوں نے وہی روٹیاں پیش کر دیں۔ پھر سرکار کے حکم سے ان روٹیوں کے ٹکڑے کیے گئے اور اُمِ سُلیم گھی لائیں جو سالن کی جگہ کام آیا۔ پھر اللہ عز و جل نے جو کچھ چاہا رسول اللہ ﷺ نے اس کھانے پر پڑھا، اور (ابو طلحہ سے) کہا کہ:

- دس آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت دو۔ انھوں نے اجازت دی تو دس آدمیوں نے آکر وہ کھانا کھایا اور آسودہ ہو گئے۔ یہ لوگ باہر گئے،
- تو سرکار نے فرمایا کہ دس آدمیوں کو اور گھر میں بلا لو تو دس آدمی اور آئے اور وہ بھی تناول فرما

کر شکم سیر ہو گئے۔ یہ لوگ باہر نکلے،

● تو حضور ﷺ نے فرمایا دس کو اور بلا لو، تو دس اور بلاے گئے یہ حضرات بھی اسی کھانے میں سے لے لے کر کھانے لگے یہاں تک کہ آسودہ ہو گئے۔ یہ لوگ باہر نکلے،

● تو حضور نے فرمایا دس اصحاب کو اور اندر آنے کی اجازت دو، انھیں اجازت ملی، وہ آئے اور کھانے لگے یہاں تک کہ آسودہ ہو گئے، اس طرح باری باری سارے لوگوں نے آکر کھانا تناول کیا اور سب کے سب آسودہ ہوتے گئے، یہ لوگ ستر یا اسّی مرد تھے۔

حضرت اُم سُلیم نے سرکار کے لیے جَو کی چند روٹیاں چھپا کر بھیجی تھیں تاکہ آپ اسے تناول فرمالیں اور قوت بحال ہو جائے مگر سرکار دوعالم ﷺ کی رحمت نے اپنے صحابہ کو چھوڑ کر تنہا کھانا پسند نہ فرمایا اور دعوت عام کر دی۔

چند روٹیوں کے ٹکڑے اور گھی پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ پڑھا، پھر باذن اللہ اس میں ایسی برکت ہوئی کہ اسّی کے قریب لوگوں نے اسے تناول فرمایا اور آسودہ ہو گئے۔

یہ بلا شبہہ عالم کون میں حضور نبی مجتبیٰ ﷺ کا تصرف و اعجاز ہے۔

پھل میں تصرف کی حدیث

(۲۱) حَدَّثَنِي جَابِرٌ - رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ - أَنَّ أَبَاهُ تُوُفِّيَ، وَعَلَيْهِ دَيْنٌ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ - صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَقُلْتُ: إِنَّ أَبِي تَرَكَ عَلَيْهِ دَيْنًا وَلَيْسَ عِنْدِي إِلاَّ مَا يُخْرِجُ نَخْلُهُ، وَلاَ يَبْلُغُ مَا يُخْرِجُ سِنِينَ مَا عَلَيْهِ فَانْطَلِقْ مَعِي لِكَيْ لاَ يُفْحِشَ عَلَيَّ الْغُرَمَاءُ فَمَشَى حَوْلَ بَيْدَرٍ مِنْ بَيَادِرِ التَّمْرِ فَدَعَا ثَمَّ آخَرَ ثُمَّ جَلَسَ عَلَيْهِ فَقَالَ: انْزِعُوهُ فَأَوْفَاهُمُ الَّذِي لَهُمْ وَبَقِيَ مِثْلُ مَا أَعْطَاهُمْ.[1]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ ان کے والد فوت ہو گئے اور ان کے ذمہ لوگوں کا قرض تھا تو میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے والد اپنے ذمے لوگوں کا

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۵۰۵، ۵۰۶، كتاب المناقب / باب علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

قرض چھوڑ کر فوت ہو گئے اور میرے پاس جو آمدنی ہے وہ بس کھجور کے باغ کی پیداوار ہے جو کئی سالوں میں بھی ان کے قرض کی مقدار تک نہیں پہنچ سکتی، تو حضور میرے ساتھ تشریف لے چلیں تاکہ قرض خواہ میرے ساتھ سخت کلامی نہ کریں،

حضور ﷺ (تشریف لے گئے اور) کھجور کے ایک ڈھیر کے ارد گرد چل کر دعا فرمائی، پھر دوسرے ڈھیر کے گرد چل کر دعا کی اور اس پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا، کھجور ناپ ناپ کر قرض خواہوں کو دو تو اس سے تمام قرض خواہوں کے قرض ادا ہو گئے اور مال قرض کی مقدار کھجور بچ بھی گئی۔

قرض اتنا زیادہ تھا کہ باغ کی کئی سال کی پیداوار بھی اس کی ادائگی کے لیے ناکافی تھی مگر رحمۃٌ لّلعالمین ﷺ نے ڈھیر پر تشریف فرما ہو کر آسمان سے برکتوں کے نزول کا رشتہ اس سے جوڑ دیا اب وہ خیر و برکت کا روز افزوں سمندر تھا جس سے کتنا بھی نکالو کوئی کمی نہ واقع ہو، بلکہ اور اضافہ ہوتا چلا جائے۔ سالہا سال کی پیداوار کی مقدار نکل جانے کے بعد بھی اتنا بچ رہا جو برسہا برس کی پیداوار سے حاصل ہوتا۔ یہ کھجوروں میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تصرف کی روشن دلیل ہے، آپ نے ڈھیروں کے چاروں طرف پہلے گردش فرمائی تاکہ برکت اس حصار کے اندر رہے، باہر فضاؤں میں بکھر نہ جائے۔

لکڑی کی بے قرار شاخ کو قرار عطا فرمانا

(۲۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا- كَانَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- يَخْطُبُ إِلَى جِذْعٍ فَلَمَّا اتَّخَذَ الْمِنْبَرَ تَحَوَّلَ إِلَيْهِ فَحَنَّ الْجِذْعُ فَأَتَاهُ فَمَسَحَ يَدَهُ عَلَيْهِ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کھجور کے ایک ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، جب منبر بن گیا تو سرکار ستون کو چھوڑ کر منبر پر (خطبہ دینے کے لیے) تشریف لے گئے اس کے باعث وہ ستون رونے لگا تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے پاس تشریف لائے اور اس پر اپنا دستِ شفقت پھیرا (تو وہ چپ ہو گیا)۔

(۲۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا- أَنَّ النَّبِيَّ -صلّى الله عليه

(۱) صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۵۰۶، كتاب المناقب/ باب علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

وسلَّمَ- كَانَ يَقُومُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَى شَجرَةٍ ، أَوْ نَخْلَةٍ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنَ الأَنْصَارِ، أَوْ رَجُلٌ - يَا رَسُولَ اللهِ أَلَا نَجْعَلُ لَكَ مِنْبَرًا، قَالَ: إِنْ شِئْتُمْ، فَجَعَلُوا لَهُ مِنْبَرًا فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ دُفِعَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ صِيَاحَ الصَّبِيِّ ثُمَّ نَزَلَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَضَمَّهُ إِلَيْهِ تَئِنُّ أَنِينَ الصَّبِيِّ الَّذِي يُسَكَّنُ قَالَ كَانَتْ تَبْكِي عَلَى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ عِنْدَهَا.(۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جمعہ کے دن کھجور کے ایک ستون سے (خطبہ کے وقت) ٹیک لگایا کرتے تھے، ایک انصاری خاتون یا مرد نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم آپ کے لیے منبر نہ بنادیں، حضور نے فرمایا: چاہو تو بنا سکتے ہو۔ تو انھوں نے آپ کے لیے منبر تیار کر دیا، جب جمعہ کا دن آیا، سرکار منبر پر تشریف لے گئے تو کھجور کا وہ ستون بچے کی طرح رونے لگا، یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر سے اترے اور اسے اپنے سینے سے یوں لگا لیا جیسے روتے ہوئے بچے کو چپ کرایا جاتا ہے۔

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ وہ اس وجہ سے رونے لگا کہ اپنے پاس ذکر سنا کرتا تھا۔

ہم اہل محبت اسے بھی سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تصرف مانتے ہیں کہ آپ نے کھجور کی شاخ پر ٹیک لگا کر اذن الٰہی سے اس میں زندگی کی روح پھونک دی، اسے انسانوں جیسا صاحبِ فہم وادراک بنا دیا، اور اس کے نہاں خانے میں اپنی محبت کی چاشنی ڈال دی یہی وجہ ہے کہ اسے فراق رسول کا احساس ہو گیا اور زبانِ رسالت سے ذکر الٰہی سننے کی لذت سے محرومی پر تڑپ اٹھا اور بچوں کی طرح رونے لگا

استنِ حنانہ از ہجرِ رسول　　بانگ می زد ہم چو اربابِ عقول

پھر جب محبوب رب العالمین نے اسے اپنے سینے سے چمٹا لیا تو اس کی تسکین ہوگئی اور روتے، روتے چپ ہو گیا جیسے روتے بچے سینے سے لگا لینے کے بعد آہستہ آہستہ چپ ہو جاتے ہیں۔

لکڑی کی روتی ہوئی شاخ کو سینے سے لگا کر تسکین وقرار عطا فرمانا یقیناً صاحبِ اختیار رسول کا تصرف واعجاز ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۵۰۶، كتاب المناقب/ باب علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

شیطانوں پر قدرت وتصرف کی دلیل

(۴۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلّم- إِنَّ عِفْرِيتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِيَقْطَعَ عَلَيَّ صَلاَتِي فَأَمْكَنَنِي اللهُ مِنْهُ فَأَخَذْتُهُ فَأَرَدْتُ أَنْ أَرْبُطَهُ عَلَى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتَّى تَنْظُرُوا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ دَعْوَةَ أَخِي سُلَيْمَانَ: "رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِي"(۱) فَرَدَدْتُهُ خَاسِئًا.(۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک سرکش جن نے رات اچانک مجھ پر حملہ کر دیا تاکہ نماز فاسد کر دے، تو اللہ نے مجھے اس پر قابو دیا اور میں نے اسے پکڑ لیا، پھر میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے کسی ستون سے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ اسے دیکھو، اتنے میں مجھے اپنے بھائی سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دعا یاد آئی: "اے رب مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہ ہو"۔ تو میں نے اسے ذلت وخواری کے ساتھ بھگا دیا۔

مسلم شریف کی حدیث میں: "إن الله أمكنني منه فَدعتُّهُ" ہے یعنی اللہ نے مجھے قدرت عطا فرمائی اور میں نے اس سرکش جن کا گلا سختی سے دبا دیا۔

سرکش جن نے اپنی بے پناہ قوت کے باوجود سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اچانک حملہ کیا وہ بھی اس وقت جب آپ نماز میں "کأنك تراہ"(۳) کی استغراقی کیفیت میں تھے مگر آپ نے اللہ کی دی ہوئی طاقت سے نہ صرف یہ کہ اس کا ناپاک حملہ ناکام کیا، بلکہ اس کو پکڑ کر سختی سے اس کا گلا بھی دبوچ دیا اور بعد میں اسے ذلت کے ساتھ بھاگنے پر بھی مجبور کر دیا۔

یہ شیطانوں پر آپ کی قدرت وتصرف کی دلیل ہے۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة ص: ۳۸، الآية: ۳۵.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۴۸۶، ۴۸۷، كتاب الأنبياء/ باب قولِ الله عز وجل: وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمٰنَ، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۲۰۵، كتاب المساجد ومواضِعِ الصلاة/ باب جواز لعن الشيطان في أثناء الصلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) صحيح البخاري، ج:۱، ص: ۱۲، كتاب الإيمان/ باب سؤالِ جبريل النبي عن الإيمان، مجلس البركات، مبارك فور.

خوشۂ جنت پر تصرف

(۲۵) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا- قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَصَلَّى قَالُوا : يَا رَسُولَ اللهِ رَأَيْنَاكَ تُنَاوِلُ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ، قَالَ:إِنِّي أُرِيتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَلَوْ أَخَذْتُهُ لأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سورج کو گہن لگا تو آپ نے ''نمازِ خسوف'' پڑھی، صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ، ہم نے دیکھا کہ آپ کچھ لے رہے ہیں، پھر دیکھا کہ پیچھے ہٹ گئے، تو حضور نے فرمایا کہ مجھے (اس جگہ) جنت کا مشاہدہ کرایا گیا تو میں نے جنت کے انگور کا ایک خوشہ ہاتھ میں لیا (پھر چھوڑ دیا) اور اگر میں اسے لے لیتا تو تم لوگ اسے رہتی دنیا تک کھاتے رہتے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا حضور سید کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دستِ تصرف واقتدار جنت تک دراز ہے۔

درختوں پر اختیار وتصرف

(۲۶) عَنْ عُبادة بن الوليد بن عُبادةَ بن الصّامت قَالَ: خرجتُ أنَا وَأبي نَطلبُ العلمَ . . . حتى أتينا جابرَ بن عبد الله في مسجدِهِ فقال . . . سِرْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- حَتَّى نَزَلْنَا وَادِيًا أَفْيَحَ فَذَهَبَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- يَقْضِي حَاجَتَهُ فَاتَّبَعْتُهُ بِإِدَاوَةٍ مِنْ مَاءٍ، فَنَظَرَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَلَمْ يَرَ شَيْئًا يَسْتَتِرُ بِهِ.

فَإِذَا شَجَرَتَانِ بِشَاطِئِ الْوَادِي فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- إِلَى إِحْدَاهُمَا فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا فَقَالَ: «انْقَادِى عَلَيَّ بِإِذْنِ اللَّهِ». فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَالْبَعِيرِ الْمَخْشُوشِ الَّذِي يُصَانِعُ قَائِدَهُ حَتَّى أَتَى الشَّجَرَةَ الأُخْرَى فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا فَقَالَ: « انْقَادِي عَلَيَّ بِإِذْنِ اللهِ ». فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَذَلِكَ حَتَّى

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱،ص: ۱۰۳، كتاب الأذان/ بابُ رفعِ البصر إلى الإمام في الصّلاة، مجلس البركات، مبارك فور.

إِذَا كَانَ بِالْمَنْصَفِ مِمَّا بَيْنَهُمَا لأَمَ بَيْنَهُمَا -يَعْنِي جَمَعَهُمَا- فَقَالَ «الْتَئِمَا عَلَيَّ بِإِذْنِ اللهِ». فَالْتَأَمَتَا.

قَالَ جَابِرٌ: فَخَرَجْتُ أُحْضِرُ مَخَافَةَ أَنْ يُحِسَّ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- بِقُرْبِي فَيَبْتَعِدَ - وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ: فَيَتَبَعَّدَ - فَجَلَسْتُ أُحَدِّثُ نَفْسِي فَحَانَتْ مِنِّي لَفْتَةٌ فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- مُقْبِلاً وَإِذَا الشَّجَرَتَانِ قَدِ افْتَرَقَتَا، فَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا عَلَى سَاقٍ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- وَقَفَ وَقْفَةً فَقَالَ بِرَأْسِهِ هَكَذَا - وَأَشَارَ أَبُو إِسْمَاعِيلَ بِرَأْسِهِ يَمِينًا وَشِمَالاً - ثُمَّ أَقْبَلَ فَلَمَّا انْتَهَى إِلَيَّ . . .

قَالَ: فَأَتَيْنَا الْعَسْكَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- «يَا جَابِرُ نَادِ بِوَضُوءٍ». فَقُلْتُ: أَلاَ ! وَضُوءَ ، أَلاَ ! وَضُوءَ ، أَلَا ! وَضُوءَ قَالَ: قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ: مَا وَجَدْتُ فِي الرَّكْبِ مِنْ قَطْرَةٍ.

وَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ يُبَرِّدُ لِرَسُولِ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- الْمَاءَ فِي أَشْجَابٍ لَهُ عَلَى حِمَارَةٍ مِنْ جَرِيدٍ قَالَ: فَقَالَ لِي: «انْطَلِقْ إِلَى فُلاَنِ بْنِ فُلاَنٍ الأَنْصَارِيِّ فَانْظُرْ هَلْ فِي أَشْجَابِهِ مِنْ شَيْءٍ». قَالَ: فَانْطَلَقْتُ إِلَيْهِ فَنَظَرْتُ فِيهَا، فَلَمْ أَجِدْ فِيهَا إِلاَّ قَطْرَةً فِي عَزْلاَءِ شَجْبٍ مِنْهَا لَوْ أَنِّي أُفْرِغُهُ لَشَرِبَهُ يَابِسُهُ. فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي لَمْ أَجِدْ فِيهَا إِلاَّ قَطْرَةً فِي عَزْلاَءِ شَجْبٍ مِنْهَا لَوْ أَنِّي أُفْرِغُهُ لَشَرِبَهُ يَابِسُهُ.

قَالَ: «اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهِ». فَأَتَيْتُهُ بِهِ فَأَخَذَهُ بِيَدِهِ فَجَعَلَ يَتَكَلَّمُ بِشَيْءٍ لاَ أَدْرِي مَا هُوَ وَيَغْمِزُهُ بِيَدَيْهِ ثُمَّ أَعْطَانِيهِ فَقَالَ: «يَا جَابِرُ نَادِ بِجَفْنَةٍ» . فَقُلْتُ: يَا جَفْنَةَ الرَّكْبِ. فَأُتِيتُ بِهَا تُحْمَلُ فَوَضَعْتُهَا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- بِيَدِهِ فِي الْجَفْنَةِ هَكَذَا فَبَسَطَهَا وَفَرَّقَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ وَضَعَهَا فِي قَعْرِ الْجَفْنَةِ وَقَالَ: «خُذْ يَا جَابِرُ فَصُبَّ عَلَيَّ وَقُلْ: بِاسْمِ اللَّهِ». فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ: بِاسْمِ اللَّهِ.

فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَتَفَوَّرُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِ رَسُولِ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّمَ- ثُمَّ

فَارَتِ الْجَفْنَةُ وَدَارَتْ حَتَّى امْتَلَأَتْ فَقَالَ: «يَا جَابِرُ نَادِ مَنْ كَانَ لَهُ حَاجَةٌ بِمَاءٍ». قَالَ: فَأَتَى النَّاسُ فَاسْتَقَوْا حَتَّى رَوُوْا قَالَ: فَقُلْتُ: هَلْ بَقِيَ أَحَدٌ لَهُ حَاجَةٌ فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّم- يَدَهُ مِنَ الْجَفْنَةِ وَهِيَ مَلْأَى.[1]

ترجمہ: عُبادہ بن ولید بن عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور میرے والد طلبِ علم کے لیے نکلے ... تو حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کی مسجد میں آئے، انھوں نے (ایک حدیث طویل بیان کرتے ہوئے یہ بھی) بتایا:

(الف) ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے، راستے میں ایک کشادہ وادی میں ٹھہرے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قضاے حاجت کے لیے تشریف لے گئے اور میں حضور کے پیچھے پانی کا برتن لے کر گیا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پردے کی جگہ ڈھونڈھی مگر کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس سے قضاے حاجت کے وقت پردہ کر سکیں، وادی کے کنارے دو درخت تھے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان میں سے ایک کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی ایک ڈالی پکڑ کر فرمایا:

"اللہ کے اذن سے میری اطاعت کرو"۔

تو وہ درخت مطیع ہو کر آپ کے ساتھ یوں چلنے لگا جیسے وہ اونٹ جس کی ناک میں نکیل ہو تابع ہو کر چلتا ہے اور شتربان اسے جدھر کھینچتا ہے، پھر سرکار علیہ التحیۃ والثناء دوسرے درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی بھی ایک ڈالی پکڑ کر فرمایا:

"اللہ کے اذن سے میری اطاعت کرو"

تو وہ بھی آپ کے ساتھ اسی طرح مطیع ہو کر چلنے لگا۔ یہاں تک کہ جب سرکار دونوں کے درمیان آدھے آدھ کی مسافت پر آ گئے تو دونوں کو یک جا کر کے فرمایا:

"اللہ کے اذن سے تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مل جاؤ"

تو دونوں مل گئے۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں تیز، تیز چلتے ہوئے اس خیال سے نکلا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے اپنے قریب محسوس کر کے دور چلے جائیں۔ پھر میں بیٹھ کر دل میں سوچنے لگا، کچھ دیر کے بعد سر اٹھایا تو دیکھا کہ

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۲، ص: ٤١٥، ٤١٦، ٤١٧، ٤١٨، ملتقطا، كتاب الزهد/ باب حديث جابر الطويل، مجلس البركات، مبارك فور.

رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں، اور وہ دونوں درخت الگ الگ ہو کر اپنے اپنے تنے پر کھڑے ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے ذرا سا ٹھہر کر (درختوں کو) سر سے دائیں، بائیں (جانے کا) اشارہ فرمایا۔ پھر سرکار میرے پاس تشریف لائے۔

(ب) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر ہم لوگ لشکر میں آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! پانی کے لیے اعلان کر دو (کہ حاضر کیا جائے) تو میں نے کہا: "آگاہ! پانی لاؤ، سنو! پانی لاؤ، سنو! پانی لاؤ۔"

حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے تو قافلے میں ایک قطرہ بھی پانی نہ ملا۔ ہاں! ایک انصاری صحابی ایک پرانا مشکیزہ درخت کی شاخ میں لٹکا کر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے پانی ٹھنڈا کرتے تھے۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے (ان کے بارے میں) مجھ سے فرمایا کہ فلاں بن فلاں انصاری کے پاس جاؤ اور دیکھو کہ اس کے مشکیزے میں کچھ پانی ہے۔

حضرت جابر کہتے ہیں کہ میں نے جا کر ان کے مشکیزے میں دیکھا تو اس میں بس ایک قطرہ پانی ملا، اگر میں اسے انڈیلتا تو گھڑے کے خشک حصے میں وہ جذب ہو جاتا، میں نے رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض حال کیا، تو حضور ﷺ نے فرمایا:

"جاؤ اور وہ مشک لے کر آؤ" میں نے وہ مشک حاضر کر دی، سرکار نے اسے اپنے دست بابرکت میں لیا اور اس سے کچھ کلام فرمانے اور دبانے لگے، میں نہیں جانتا کہ آپ نے اس سے کیا کلام فرمایا، پھر وہ مشک مجھے دے کر فرمایا، اے جابر! ٹب لانے کا اعلان کر دو تو میں نے یہ اعلان کر دیا۔ تو میرے پاس ایک ٹب اٹھا کر لا گیا، میں نے اسے سرکار کے سامنے رکھ دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے انگلیاں کشادہ کر کے دست اقدس کو ٹب کی گہرائی میں رکھ دیا اور فرمایا، اے جابر! یہ مشک پکڑو اور بسم اللہ پڑھ کر میرے ہاتھ پر پانی ڈالو تو میں نے بسم اللہ پڑھ کر حضور کے دست مبارک پر پانی ڈالا، میں نے دیکھا کہ پانی رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے جوش مار کر ابلنے لگا، پھر ٹب میں بھی پانی جوش مار کر گردش کرنے لگا، یہاں تک کہ بھر گیا، تب حضور ﷺ نے فرمایا: "اے جابر! اعلان کر دو کہ جسے پانی کی حاجت ہو آجائے" وہ فرماتے ہیں کہ لوگ آئے اور پانی پی پی کر سیراب ہو گئے، وہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے پکارا کہ کوئی اور بھی باقی ہے جسے پانی کی حاجت ہو۔ اس کے

بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست اقدس ٹب سے نکال لیا اور اس وقت بھی وہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔

اس حدیث میں حضور سید عالم ﷺ کے دو تصرفات و مُعجِزات کا ذکر ہے۔ **پہلا: تصرف** درختوں کی اطاعت کا اور **دوسرا: تصرف** پانی کی کثرت کا۔

انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہونے کے واقعات کثیر ہیں اور اس بارے میں کچھ احادیث گزشتہ سطور میں گزر چکی ہیں۔

عالم نباتات پر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تصرفات کے یہ نمونے ملاحظہ فرمائیے کہ:

☆ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باری باری دو درختوں کی ایک ایک ڈالی پکڑ کر اطاعت کا حکم دیا تو وہ آپ کے ساتھ مسخر ہو کر کھنچتے ہوئے چلے آئے۔

☆ آپ نے دونوں درختوں کو یک جا کر کے باہم مل جانے کا حکم دیا تو دونوں مل گئے۔

☆ اور جب تک سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں تشریف فرما رہے وہ دونوں باہم مل کر آپ کے لیے آڑ بنے رہے۔

☆ پھر وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہوئے۔

☆ اور اپنے اپنے تنے پر کھڑے ہو گئے۔

☆ اور اظہر یہ ہے کہ سرکار کے سرانور کا اشارہ پا کر وہ درخت اپنی اپنی جگہ پر جا کر کھڑے ہو گئے۔

تو یہ تیرہ تصرفات و معجزات ہوئے، انھی کی طرف اشارہ کیا ہے، امام ابو زکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اس ارشاد سے:

وفي هذا الحديث مُعجِزَاتٌ ظاهِراتٌ لرسول الله –صلّى الله تعالى عليه وسلّمَ–.[1]

اس حدیث میں یہ رسول اللہ ﷺ کے روشن معجزات ہیں۔

(۲۷) عن ابن عباس قال : جاء أعرابي إلىٰ رسول الله –صلى الله عليه و سلم– فقال: بم أعرف أنك نبي ؟ قال: إن دعوت هذا العذق من هذه النخلة تشهد أني

---

(۱) المنهاج شرح الصحيح لمسلم بن الحجّاج، ج:۲، ص:۴۱۸، باب حديث جابر الطويل، مجلس البركات، مبارك فور.

رسول الله ؟ فدعاه رسول الله -صلى الله عليه و سلم- فجعل ينزل من النخلة حتى سقط إلى النبي -صلى الله عليه و سلم- ثم قال: ارجع، فعاد فأسلم الأعرابي. قال أبو عيسىٰ: هذا حديث حسن غريب صحيح.(۱)

ترجمہ: حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں کیسے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: "اگر میں اس درخت خرما کے خوشے کو بلادوں تو تم شہادت دو گے کہ یقیناً اللہ کا رسول ہوں۔"

پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے بلایا، تو وہ درخت خرما سے اترنے لگا یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آگرا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا "واپس لوٹ جاؤ" تو وہ لوٹ گیا، یہ معجزہ دیکھ کر وہ اعرابی مسلمان ہوگیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن، غریب، صحیح ہے۔

اور غیر مقلدوں کے امام شیخ البانی نے بھی اس حدیث کو صحیح بتایا۔

فرمان رسالت سن کر درخت پر لگے خوشہ خرما کا خود سے ٹوٹ جانا، درخت سے اترنا اور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدموں میں حاضر ہونا، پھر واپسی کا حکم سن کر لوٹ جانا، درخت پر چڑھنا اور اپنی جگہ سیٹ ہوجانا بلا شبہہ عالم نباتات میں سرکار علیہ التحیۃ والثنا کے متعدّد تصرفات و معجزات ہیں۔

قرآن حکیم کی منقولہ آیات اور احادیث نبویہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر انبیاے کرام کو بِاِذن اللہ عالم میں تصرف کی قدرت حاصل ہے دشمن کو شکست دینا، اپنوں کو فتح عطا کرنا، مشکلات میں پھنسے لوگوں کی دستگیری کرنا، مادر زاد اندھوں کو بینائیِ چشم عطا کرنا، مریضوں کو شفا دینا، لوہے کو موم بنادینا، زمین کے خزانوں کی کنجیاں اپنے پاس رکھنا یہ سب کھلے تصرفات ہیں، جنھیں ہر صاحبِ عقل و فہم تسلیم کرتا ہے۔

مگر اس کے برخلاف جماعت وہابیہ کا موقف یہ ہے کہ اللہ کی عطا سے بھی انبیا کے لیے یہ تصرفات ماننا شرک ہے چناں چہ امام الوہابیہ مولوی اسماعیل دہلوی تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں:

"عالم میں ارادے سے تصرف کرنا، اور اپنا حکم جاری کرنا اور اپنی خواہش سے مارنا اور جلانا اور

---

(۱) جامع الترمذي، ج:۲،ص: ۲۰۳، أبواب المناقب/ باب ما جاء في أيات نبوة النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- وما قد خصّه الله به، مجلس البركات، مبارك فور.

روزی کی کشائش اور تنگی کرنی اور تندرست و بیمار کرنا، فتح و شکست دینی، اقبال و ادبار دینا، مرادیں پوری کرنا، حاجتیں برلانی، بلائیں ٹالنی، مشکل میں دستگیری کرنی، بُرے وقت میں پہنچنا یہ سب اللہ ہی کی شان ہے اور کسی انبیا، اولیا کی، پیر و شہید کی، بھوت، پری کی یہ شان نہیں۔ جو کوئی کسی کو ایسا تصرف ثابت کرے اور اس سے مرادیں مانگے اور اس توقع پر نذر و نیاز کرے اور اس کی منتیں مانے اور اس کو مصیبت کے وقت پکارے سو وہ مشرک ہو جاتا ہے، اور اس کو اِشرَاك فِي التصرف کہتے ہیں، یعنی اللہ کا سا تصرف ثابت کرنا محض شرک ہے۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت ان کو خود بہ خود ہے، خواہ یوں سمجھے کہ اللہ نے ان کو ایسی قدرت بخشی ہے ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔"[1]

تصرفات نبوت کے تعلق سے وہابی مذہب کے یہ عقائد اور پھر ہمارے پیش کردہ نصوصِ کتاب و سنت کو ایک بار پھر پڑھ کر موازنہ کیجیے تو عیاں ہو جائے گا کہ یہ مذہب کتاب و سنت کے نصوص کے خلاف ہے۔

---

(۱) تقویۃ الإیمان، ص: ۱۹، پہلا باب: "توحید اور شرک کے بیان میں"، راشد کمپنی، دیوبند۔

گیارہواں مسئلہ

شارعِ اسلام ﷺ کے

تشریعی اختیارات کے شواہد

احادیث نبویہ سے

تمام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حاکم محض اللہ ہے، قرآن حکیم میں ہے: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ﴾(۱) حکم نہیں مگر اللہ کا۔ تاہم اللہ۔ عَزَّوَجَلَّ۔ کے اذن وعطا سے شریعت کے احکام رسول اللہ ﷺ کو سپرد ہیں، آپ جس بات میں جو چاہیں حکم جاری فرمادیں وہ بھی شریعت ہے۔ کثیر احادیث نبویہ سے اس عقیدے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، لیکن امام الوہابیہ اس اعتقاد کو شرک قرار دیتے ہیں، ان کے الفاظ ہیں:

- فقط پیغمبری کا دعویٰ ہے اور پیغمبر کا اتنا ہی کام ہے کہ بُرے کام پر ڈرادیوے اور بھلے کام پر خوشخبری سنادیوے... انبیا واولیا کو جو اللہ نے سب لوگوں سے بڑا بنایا ہے سو اُن میں بڑائی یہی ہوتی ہے کہ اللہ کی راہ بتاتے ہیں اور بُرے، بھلے کاموں سے واقف ہیں سو لوگوں کو سکھلاتے ہیں۔(۲)
- کسی کی راہ و رسم کو ماننا اور اسی کے حکم کو اپنی سند سمجھنا، یہ بھی انھی باتوں میں سے ہے کہ خالص اللہ نے اپنی تعظیم کے واسطے ٹھہرائی ہیں۔ پھر جو کوئی یہ معاملہ کسی مخلوق سے کرے تو اس پر بھی

(۱) القرآن الحكيم، سورة يوسف: ۱۲، الأية: ٤٠.

(۲) تقوية الإيمان ص: ۲۱، الفصل الثاني في ردّ الإشراك في العلم، راشد كمپنى، ديو بند.

شرک ثابت ہوتا ہے... یا خود پیغمبر ہی کو یوں سمجھے کہ شرع انھیں کا حکم ہے، ان کا جو جی چاہتا تھا اپنی طرف سے کہہ دیتے تھے اور وہی بات ان کی امت پر لازم ہو جاتی تھی، سوایسی باتوں سے شرک ثابت ہوتا ہے۔ بلکہ اصل حاکم اللہ ہے اور پیغمبر خبر دینے والا ہے۔"(۱)

امام الوہابیہ کا یہ عقیدہ کہ

"پیغمبر کا اتنا ہی کام ہے کہ بُرے کام پر ڈرا دیوے اور بھلے کام پر خوش خبری سنا دیوے۔"

صاف صاف اعلان کر رہا ہے کہ وہ حضور جانِ نور ﷺ کے لیے عطاے الٰہی سے تشریعی اختیارات نہیں مانتے اور یہ ہرگز نہیں تسلیم کرتے کہ اللہ نے احکامِ شرع آپ کو تفویض کر دیے ہیں، اور آپ جس بات میں جو چاہیں حکم جاری کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دوسرے اقتباس میں حضور ﷺ کے لیے اس طرح کے اعتقاد کو شرک قرار دیا ہے حالاں کہ کتاب و سنت سے آپ کے لیے تشریعی اختیارات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، ہم سب سے پہلے اس بارے میں علما کی تصریحات، پھر کتاب و سنت سے اس کے دلائل و شواہد پیش کرتے ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

☆ زمانۂ قدیم سے عرف علماے کرام میں حضور اقدس ﷺ کو شارع کہتے ہیں، علامہ زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

قَدِ اشْتَهَرَ إطْلَاقُه عَلَيْهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ؛ لِأَنَّه شَرَعَ الدِّيْنَ وَ الْأَحْكَامَ.(۲)

ترجمہ: "سید عالم -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- کو شارع کہنا مشہور و معروف ہے اس لیے کہ حضور نے دین واحکام دین کی شریعت نکالی۔"

ائمۂ محققین تصریح فرماتے ہیں کہ احکام شریعت حضور سید عالم -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- کو سپرد ہیں:

- جو بات چاہیں واجب کر دیں۔
- جو چاہیں ناجائز فرما دیں۔

---

(۱) تقوية الإيمان ص: ۳۶، الفصل الثالث في ذكر ردّ الإشراك في التصرف، راشد كمپنی، ديو بند.

(۲) شرح الزرقاني على المواهب اللدنّية، ج:٤،ص:١٩٦، الفصل الأول في ذكر أسمائه الشريفة الـمُنْبِئَةُ على كمال صفاتِهِ المنيفة، دار الكتب العلمية.

● جس چیز یا جس شخص کو جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ کر دیں۔

☆ امام عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی - قدّس سره الربّاني - میزان الشریعۃ الکبریٰ، بابُ الوضو میں حضرت سیدی علی خوّاص - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - سے نقل فرماتے ہیں:

كَانَ الإِمَامُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - مِنْ أَكْثَرِ الْأَئِمَّةِ أَدبًا مَّعَ اللهِ تَعَالىٰ وَ لِذٰلِكَ لَمْ يَجْعَلِ النِّيَّةَ فَرضًا وَ سَمّٰى الْوِتْرَ وَاجِبًا لِكَوْنِهِمَا ثَبَتَا بِالسُّنَّةِ، لَا بِالْكِتَابِ. فَقَصَدَ بِذٰلِكَ تَمْيِيْزَ مَا فَرَضَهُ اللهُ تَعَالىٰ وَ تَمْيِيْزَ مَا أَوْجَبَهُ رَسُوْلُ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَإِنَّ مَا فَرَضَهُ اللهُ تَعَالىٰ أَشَدُّ مِمَّا فَرَضَه رسُولُ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - مِنْ ذَاتِ نَفْسِهٖ حِيْنَ خَيَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ أَنْ يُّوْجِبَ مَا شَاءَ أَوْ لَا يُوْجِبَ.[1]

ترجمہ: ”امام ابو حنیفہ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - ان اکابر ائمہ میں ہیں جن کا ادب اللہ - عَزَّوَجَلَّ - کے ساتھ بہ نسبت اور ائمہ کے زائد ہے اسی واسطے انھوں نے وضو میں نیت کو فرض نہ کیا اور وتر کا نام واجب رکھا کہ یہ دونوں سنت سے ثابت ہیں، نہ کہ قرآن عظیم سے۔ تو امام نے ان احکام سے یہ ارادہ کیا کہ اللہ کے فرض اور رسول اللہ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - کے فرض میں فرق و تمیز کر دیں اس لیے کہ خدا کا فرض کیا ہوا اُس سے زیادہ موکد ہے جسے رسول اللہ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - نے خود اپنی طرف سے فرض کر دیا جب کہ اللہ عزّوجل نے حضور کو اختیار دے دیا تھا کہ جس بات کو چاہیں واجب کر دیں، جسے نہ چاہیں نہ کریں۔“

☆ مزید فرمایا:

كَانَ الْحَقُّ تَعالىٰ جَعَلَ لَهٗ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنْ يَّشْرَعَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِهٖ مَا شَاءَ كَمَا فِيْ حَدِيْثِ تَحْرِيْمِ شَجَرِ مَكَّةَ فَإِنَّ عَمَّهُ الْعَبَّاسُ - رَضِيَ اللهُ عَنْهُ - لَمَّا قَالَ لَهٗ يَا رَسُوْلَ اللهِ: ”إِلَّا الإِذْخِر“ فَقَالَ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -: ”إِلَّا الإِذْخِر“ وَ لَوْ أَنَّ اللهَ تعالىٰ لَمْ يَجْعَلْ لَهٗ أَنْ يُّشَرِّعَ مِنْ قِبَلِ نَفْسِهٖ لَمْ يَتَجَرَّأْ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنْ يَّسْتَثْنِيَ شَيْئًا مِمَّا حَرَّمَهُ اللهُ تعالىٰ.[2]

ترجمہ: ”حق تعالیٰ نے نبی ﷺ کو یہ منصب عطا فرمایا کہ شریعت میں جو حکم چاہیں اپنی

---

(۱) ميزان الشريعة الكبرىٰ، ج:۱،ص:۱۳۶، باب الوضوء، المطبعة الكستيلة، مصر.

(۲) ميزان الشريعة الكبرىٰ، ج:۱، ص:۵۳، فصلٌ في بيان جملةٍ من الأمثلة المحسوسة ... إلخ، المطبعة الكستيلة، مصر.

طرف سے مقرر فرمادیں، جس طرح حرم مکہ کے نباتات کو حرام فرمانے کی حدیث میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے وہاں کی گھاس وغیرہ کاٹنے سے ممانعت فرمائی حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! ''اِذْخِرْ'' نامی گھاس کو اس حکم سے نکال دیجیے'' فرمایا: ''اچھا، نکال دی، اس کا کاٹنا جائز کر دیا'' اگر اللہ سبحانہٗ نے حضور کو یہ رتبہ نہ دیا ہوتا کہ اپنی طرف سے جو شریعت چاہیں مقرر فرمائیں تو حضور ہرگز یہ جرأت نہ فرماتے کہ جو چیز خدا نے حرام کی ہے اس میں سے کچھ کو مستثنیٰ فرما کر مباح کردیں۔''

☆ امام قسطلانی مواہب لدنیہ شریف میں فرماتے ہیں:

مِنْ خَصَائِصِهٖ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أَنَّه كَانَ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْأَحْكَامِ. (۱)

ترجمہ: ''سید عالم ﷺ کے خصائص کریمہ سے ہے کہ حضور شریعت کے عام احکام سے جسے چاہتے، جس حکم سے چاہتے مستثنیٰ فرمادیتے۔''

☆ علامہ زرقانی نے شرح میں بڑھایا (مِنَ الْأَحْكَامِ) وغیرھا۔(۲) جس کا حاصل یہ ہے کہ کچھ احکام ہی کی خصوصیت نہیں، حضور جس چیز سے چاہیں، جسے چاہیں خاص فرمادیں۔

☆ امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ شریف میں ایک باب وضع فرمایا:

بَابُ اِخْتِصَاصِهٖ ﷺ بِأَنَّهٗ يَخُصُّ مَنْ شَاءَ بِمَا شَاءَ مِنَ الْأَحْكَامِ. (۳)

'' اس بات کا بیان کہ خاص نبی ﷺ کو یہ منصب حاصل ہے کہ جسے چاہیں، جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔''

اِن عبارات سے یہ فوائد حاصل ہوئے:

الف- خدائے قدیر نے اپنے محبوب، حضور سید کائنات ﷺ کو شریعت میں قانون

---

(۱) المواهب اللدنّية بالمنح المحمدية، ج:۲،ص:۶۸۹، المقصد الرابع في المعجزات والخصائص/ الفصل الثاني خص به، المكتب الإسلامي.

(۲) شرح الزرقاني على المواهب اللدنية، ج:۷،ص:۳۴۶، المقصد الرابع/ الفصل الثاني، دارُ الكتب العلمية.

(۳) الخصائص الكبرىٰ، باب اختصاصه صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ بأنه يخص من شاء بما شاء.

سازی کا خصوصی اختیار عطا فرمایا ہے، لہٰذا آپ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جو چیز فرض نہ ہو وہ چاہیں تو کسی پر فرض فرمادیں۔

ب-اور چاہیں تو نہ فرض کریں۔

ج-اور چاہیں تو جو چیز حرام نہ ہو اسے حرام فرمادیں۔

د-اور چاہیں تو جو چیز خدا نے حرام کی اس میں سے کچھ مستثنیٰ فرمادیں۔

ہم یہاں ان تمام امور کے **شواہد وحیِ قرآنی اور احادیث نبویہ سے** پیش کرتے ہیں:

وحیِ قرآنی سے ثبوت:

حضور کے حکم سے کام فرض ہوجاتا ہے اگرچہ وہ بجائے خود فرض نہ ہو

ارشاد باری ہے:

مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ۝۳۶ (۱)

ترجمہ: ”نہیں پہنچتا کسی مسلمان مرد، نہ کسی مسلمان عورت کو کہ جب حکم کردیں اللہ و رسول کسی بات کا کہ انھیں کچھ اختیار رہے اپنے معاملہ کا۔ اور جو حکم نہ مانے اللہ و رسول کا تو وہ صریح گمراہی میں بہکا۔“

یہاں ائمۂ مفسرین فرماتے ہیں کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبلِ طلوعِ آفتابِ اسلام زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خرید کر آزاد فرمایا اور متبنّیٰ بنایا تھا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پھوپھی، اُمیمہ بنت عبد المطلب کی بیٹی تھیں سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کا پیام دیا، اول تو راضی ہوئیں اس گمان سے کہ حضور اپنے لیے خواستگاری فرماتے ہیں، جب معلوم ہوا کہ زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے طلب ہے، انکار کیا اور عرض کر بھیجا کہ یا رسول اللہ! میں حضور کی پھوپھی کی بیٹی ہوں، ایسے شخص کے ساتھ اپنا نکاح پسند نہیں کرتی۔ اور ان کے بھائی عبد اللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی بنا پر انکار کیا، اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔ اسے سن کر دونوں بہن، بھائی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تائب ہوئے اور نکاح ہوگیا۔

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الأحزاب: ۳۳، الآیۃ: ۳۶.

ظاہر ہے کہ کسی عورت پر اللہ عزّ وجلّ کی طرف سے فرض نہیں کہ فلاں سے نکاح پر خواہی نخواہی راضی ہو جائے خصوصًا جب کہ وہ اس کا کفو نہ ہو، خصوصًا جب کہ عورت کی شرافتِ خاندان کواکبِ ثُریّا سے بھی بلند و بالا ہو، بااین ہمہ اپنے حبیب ﷺ کا دیا ہوا پیام نہ ماننے پر رب العزۃ جلّ جلالہ نے بعینہٖ وہی الفاظ ارشاد فرمائے جو کسی فرضِ الٰہ کے ترک پر فرمائے جاتے اور رسول کے نام پاک کے ساتھ اپنا نام اقدس بھی شامل فرمایا یعنی رسول جو بات تمھیں فرمائیں وہ اگر ہمارا فرض نہ تھی تو اب ان کے فرمانے سے فرض قطعی ہو گئی، مسلمانوں کو اُسے نہ ماننے کا اصلاً اختیار نہ رہا، جو نہ مانے گا صریح گمراہ ہو جائے گا۔

دیکھو رسول کے حکم دینے سے کام فرض ہو جاتا ہے اگر چہ فی نفسہٖ خدا کا فرض نہ تھا، ایک مباح و جائز تھا۔

احادیث نبویہ سے ثبوت:

حضور چاہیں تو فرض نہ کریں

(۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَقَالَ: «أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجُّ، فَحُجُّوا»، فَقَالَ رَجُلٌ: أَ كُلَّ عَامٍ يَا رَسُولَ اللهِ؟ ـــ فَسَكَتَ حَتَّى قَالَهَا ثَلَاثًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-:

"لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ لَوَجَبَتْ، وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ."

ثُمَّ قَالَ: «ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوهُ». [1]

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم صحابہ کو خطبہ دیا تو فرمایا: "اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا، تو حج کرو" ایک صحابی نے عرض کی: "یا رسولَ اللہ، کیا ہر سال حج فرض ہے؟" تو حضور خاموش رہے، یہاں تک کہ انھوں نے تین بار یہی سوال کیا، تب رسول اللہ

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۱، ص: ۴۲۲، كتاب الحجّ / باب فرض الحج مرةً في العمر، مجلس البركات، مبارك فور.

ﷺ نے فرمایا:

"اگر میں فرمادیتا: ہاں! تو حج فرض ہو جاتا، اور تم لوگ ہر سال کر نہیں سکتے۔

اس حدیث سے یہ امر تو بہت واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ حضور سائل کے جواب میں "ہاں" فرما دیتے تو حج ہر سال فرض ہو جاتا لیکن آپ نے اپنی امت پر رحمت و شفقت کی وجہ سے "ہاں" کہنے کے بجائے سکوت اختیار فرمایا۔ تو معلوم ہوا کہ حضور سید عالم ﷺ نے یہ نہ چاہا کہ ہر سال حج فرض ہو، اس لیے "ہاں" نہ فرمایا، لہذا حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔

پھر ارشاد فرمایا:

میں جو باتیں بیان کرنا چھوڑ دوں ان کے بارے میں تم لوگ سوال کرنے سے احتراز کرو؛ کیوں کہ تم سے پہلے کے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنے انبیا سے سوالات اور اختلافات زیادہ کرتے تھے۔ لہذا میں جب کسی چیز کا حکم دوں تو تم لوگ اس پر اپنی استطاعت بھر عمل کرو، اور جب تمھیں کسی چیز سے روکوں تو اسے چھوڑ دو۔

اس مضمون کی دوسری احادیث کا خلاصہ اب آپ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاحظہ فرمائیں، آپ ارقام فرماتے ہیں:

(۲) امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا، وَ لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ.[۱]

ترجمہ: "ہر سال فرض نہیں اور میں ہاں کہہ دوں تو فرض ہو جائے۔"

رَوَاهُ أَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ ابنُ مَاجه. (احمد بن حنبل، ترمذی، ابن ماجہ)

(۳) انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَ لَوْ وَجَبَتْ لَمْ تَقُوْمُوْا بِها وَ لَوْ لَمْ تَقُوْمُوْا بِهَا عُذِّبْتُمْ.[۲]

ترجمہ: "اگر میں ہاں فرما دوں تو واجب ہو جائے اور اگر واجب ہو جائے تم بجا نہ لاؤ اور اگر بجا

---

(۱) ● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۱۱۳، مسند علی ابن أبي طالب، بيت الأفكار الدولية.
● جامع الترمذي، ج:۱، ص: ۱۰۰، أبواب الحج/ باب ما جاء كم فرض الحج، مجلس البركات
● جامع الترمذي، ج:۱، ص: ۱۳۱، أبواب التفسير/ باب ومن سورة المائدة، مجلس البركات
● سنن ابن ماجه، ص: ۳۱۵، كتاب المناسك/ باب فرض الحج، بيت الأفكار الدولية.
(۲) سنن ابن ماجه، ص: ۳۱۵، كتاب المناسك/ باب فرض الحج، بيت الأفكار الدولية.

نہ لاؤ تو عذاب کیے جاؤ۔" رَوَاهُ ابنُ مَاجه. (ابنِ ماجہ)

اور مضمون اخیر کہ "ذَرُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ، مجھے چھوڑے رہو" یہ بھی صحیح مسلم و سنن نسائی میں اسی حدیث ابی ہریرہ کے ساتھ ہے کہ فرمایا:

لَوْ قُلْتُ نَعَمْ لَوَجَبَتْ وَ لَمَا اسْتَطَعْتُمْ.[1]

ترجمہ: "اگر میں فرماتا ہاں تو ہر سال واجب ہو جاتا اور بے شک تم نہ کر سکتے۔"

حرمت کے حکم عام سے خارج کرنا:

میزان الشریعۃ الکبریٰ کی عبارت میں "اِذْخِرْ" نامی گھاس کا حرمت کے حکم عمومی سے استثنا ہے، یہ مضمون متعدّد احادیث صحیحہ میں ہے:

④ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صحیحین میں مروی ہے:

فَقَالَ العَبَّاسُ -رضي الله تعالى عنه-:إِلَّا الإِذْخِر لِصَاغَتِنَا وَ قُبُوْرِنَا، فَقَالَ: "إِلَّا الإِذْخِرْ".[2]

ترجمہ: "عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ! مگر اذخر کہ وہ ہمارے سُناروں اور قبروں کے کام آتی ہے، فرمایا مگر اذخر۔"

⑤ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیحین میں روایت ہے:

قَالَ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ : "إِلَّا الإِذْخِرَ يَا رَسُوْلَ اللهِ!فَإِنَّا نَجْعَلُهُ فِي بُيُوْتِنَا وَ قُبُوْرِنَا" فقال النَّبِيُّ -صلى الله تعالى عليه وسلم-: "إِلَّا الإِذْخِرَ."[3]

---

(۱) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ٤٣٢، كتاب الحج/ باب فرض الحج مرة في العمر، مجلس البركات.
● سنن النسائي، ص: ٢٨٣، كتاب مناسك الحج/ باب وجوب الحج، بيت الأفكار الدولية.
● سنن ابن ماجه، ص: ٢٠، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، بيت الأفكار الدولية.

(۲) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص: ٢٤٧، كتاب العمرة/ باب لا ينفر صيد الحرم، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ٤٣٨،٤٣٩، كتاب الحج/ باب تحريم مكة، مجلس البركات.

(۳) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص: ٢٢، كتاب العلم/ باب كتابةِ العلم، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ٤٣٩، كتاب الحج/ باب تحريم مكة، مجلس البركات.

ترجمہ: ”ایک مرد قریشی نے عرض کی مگر اذخر، یا رسول اللہ! کہ ہم اسے اپنے گھروں اور قبروں میں صرف کرتے ہیں نبی ﷺ نے فرمایا مگر اذخر۔“

(۶) صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سنن ابن ماجہ میں روایت ہے:

فَقَالَ الْعَبَّاسُ -رضی الله تعالیٰ عنه- إِلَّا الإِذْخِرَ، فَإِنَّهُ لِلْبُيُوْتِ وَ الْقُبُوْرِ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ -صلی الله تعالی علیه وسلم-: "إِلَّا الإِذْخِرَ."[۱]

ترجمہ: ”عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی مگر اذخر کہ وہ گھروں اور قبروں کے لیے ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مگر اذخر۔“

”اذخر“ ایک خوشبودار گھاس تھی جسے لوگ اپنی مختلف ضرورتوں میں استعمال کرتے تھے، جب سرکار دوعالم ﷺ نے مکۂ معظمہ کے نباتات کاٹنے کی ممانعت فرمائی تو یہ ممانعت اِذخر کو بھی عام تھی، پھر اپنے چچا حضرت عباس کی درخواست پر اذخر کاٹنے کی اجازت دے دی جو بلا شبہہ آپ کے تشریعی اختیار کی دلیل ہے۔

حضرت ابوبردہ کو قربانی کے ایک حکم سے الگ کر دیا:

(۷) عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ: ذَبَحَ أَبُو بُرْدَةَ قَبْلَ الصَّلاَةِ: فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ -صلی الله تعالی علیه وسلم- أَبْدِلْهَا، قَالَ: لَيْسَ عِنْدِي إِلاَّ جَذَعَةٌ- قَالَ شُعْبَةُ وَأَحْسِبُهُ قَالَ - هِيَ خَيْرٌ مِنْ مُسِنَّةٍ قَالَ: اجْعَلْهَا مَكَانَهَا وَلَنْ تَجْزِيَ عَنْ أَحَدٍ بَعْدَكَ.[۲]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ان کے ماموں) حضرت ابوبردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کرلی، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (نماز کے بعد) اس کے بدلے میں دوسرے جانور کی قربانی کرو، انھوں نے عرض کی: حضور! میرے پاس بس چھ ماہ کا بکری کا ایک بچہ ہے جو سال بھر کے جانور سے اچھا ہے۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اس کے بدلے میں اس کی قربانی کردو۔ اور تیرے بعد ہرگز اتنی عمر کے بچے کی قربانی کسی کی طرف سے کافی نہ ہوگی۔

---

(۱) ● صحیح البخاري، ج:۱، ص: ۲۴۷، کتاب العمرة/ باب لا ینفر صید الحرم، مجلس البرکات.
● الصحیح لمسلم، ج:۱، ص: ۴۳۸، ۴۳۹، کتاب الحج/ بابُ تحریم مکة، مجلس البرکات.

(۲) ● صحیح البخاري، ج:۱، ص: ۱۳۲، کتاب العیدین/ باب الخطبة بعد العید، مجلس البرکات.
● الصحیح لمسلم، ج:۲، ص: ۱۵۴، کتاب الأضاحي/ باب وقتها، مجلس البرکات.

صاحب شریعت جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے جانوروں میں چھوٹے جانور کی عمر ایک سال مقرر فرمائی ہے اس لیے قربانی کے باب میں عام قانونِ شریعت یہ ہے کہ ایک سال سے کم عمر کی بکری کی قربانی جائز نہیں، یہ حکم ساری امتِ مسلمہ کو عام ہے مگر یہاں سرکار علیہ الصلاۃ والسلام حضرت ابو بردہ کو صرف چھ ماہہ بکری کی قربانی کی اجازت عطا فرما رہے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟

اس کا سبب صرف یہ ہے کہ خداے قدوس نے آپ کو شریعتِ نبوی میں قانون سازی کا خصوصی اختیار دیا ہے۔ اور اسی اختیار کو استعمال کر کے آپ نے حضرت ابو بردہ کو قربانی کے حکم عام سے سے الگ فرما دیا ہے چناں چہ صاحبِ ارشاد الساری اس کا انکشاف ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

خصوصية له لا تكون بغيره إذ كان له -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلم- أن يخصَّ من شاءَ بما شاءَ من الأحكام.(۱)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کے کرم سے یہ خصوصیت حضرت ابو بردہ کو عطا ہوئی جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں اس لیے کہ نبی ﷺ کو اختیار تھا کہ جسے چاہیں اور جس حکم سے چاہیں الگ فرما دیں۔

حضرت عقبہ بن عامر کے لیے چھ ماہہ بکری کی قربانی جائز فرما دی:

(۸) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ: قَسَمَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- بَيْنَ أَصْحَابِهِ ضَحَايَا، فَصَارَتْ لِعُقْبَةَ جَذَعَةٌ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ صَارَتْ جَذَعَةٌ قَالَ: ضَحِّ بِهَا.(۲)

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر جُہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب میں قربانی کے جانور تقسیم کیے۔ ان کے حصہ میں بکری کا ایک چھ ماہہ بچہ آیا، تو انھوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ تو چھ ماہ کا بچہ ہے، سرکار نے فرمایا: اسی کی قربانی کر دو۔

سرکار کائنات ﷺ نے ان پر بھی وہی نوازشِ خسروانہ فرمائی کہ خاص ان کے حق میں چھ ماہہ بکری کی قربانی جائز کر دی جب کہ دوسروں کو اس کی اجازت نہیں، یہ ہے تشریع کا خصوصی اختیار کہ

---

(۱) إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۲۱۳، كتاب العيدين/ باب الخطبة بعد العيد، مطبعة الكبرى، بولاق مصر.

(۲) • صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۸۳۲، كتاب الأضاحي/ بابُ قسمةِ الأضاحي بين الناس، مجلس البركات، مبارك فور.

• الصحيح لمسلم، ج:۲، ص: ۱۵۵، كتابُ الأضاحي، بابُ سنّ الأضحية، مجلس البركات، مبارك فور.

حضور جس کو، جس حکم سے چاہیں مستثنیٰ فرمادیں۔اس کا ثبوت خود اسی حدیث کی ایک روایت سے بھی فراہم ہوتا ہے جس میں سرکار سے یہ الفاظ بھی منقول ہیں: ولا رخصة فيها لأحد بعدك.[1] تمھارے بعد اور کسی کے لیے اس میں رخصت نہیں۔

حضرت ام عطیہ کو نوحہ کی اجازت:

(۹) عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ (يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لاَ يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلاَ يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ[2]) قَالَتْ: كَانَ مِنْهُ النِّيَاحَةُ. قَالَتْ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، إِلاَّ آلَ فُلاَنٍ فَإِنَّهُمْ كَانُوا أَسْعَدُونِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلاَ بُدَّ لِي مِنْ أَنْ أُسْعِدَهُمْ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- « إِلاَّ آلَ فُلاَنٍ ».[3]

ترجمہ: حضرت اُمِّ عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "اے نبی جب آپ کے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ اللہ کا شریک کچھ نہ ٹھہرائیں گی"۔(اور کسی نیک بات میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گی۔)

وہ فرماتی ہیں، میں نے عرض کی، یارسول اللہ! آلِ فلاں کو اس حکم سے الگ کر دیجیے کیوں کہ انھوں نے زمانہ جاہلیت میں میری ایک میت پر میرے ساتھ نوحہ کیا تھا، تو میرے لیے ضروری ہے کہ میں بھی ان کے ساتھ ان کی میت پر نوحہ کروں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ، آل فلاں کو اس حکم سے الگ کر دیا۔

امام نووی فرماتے ہیں:

هذا محمول على الترخيص لأم عطية في آل فلان خاصة كما هو ظاهر ولا يحل النياحة لغيرها ولا لها في غير آل فلان كما هو صريح في الحديث وللشارع

---

(۱) السنن الكبرىٰ للبيهقى، ج:۹،ص: ۲۷۰، كتاب الضحايا/ باب يجزئ الجذع، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الممتحنة: ۶۰، الأية:۱۲.

(۳) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۳۰۴، كتاب الجنائز/ فصلٌ في نهيِ النساء عن النياحة، مجلس البركات، مبارك فور.

أن يخص من العموم ما شاء[1].

ترجمہ: یہ حدیث ام عطیہ کو خاص آل فلاں پر نوحہ کے سلسلے میں رخصت عطا کرتی ہے۔ ان کے سوا دوسری عورتوں کو نہیں، اور ان کو بھی آل فلاں کے علاوہ کے لیے نہیں، جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ اختیار ہے کہ حکم عام سے جو کچھ چاہیں خاص فرمادیں۔

ام سلمہ انصاریہ کو نوحہ کی خصوصی رخصت:

(۱۰) سمعتُ شهر بن حوشب قال: حدثَتْنا أم سلمة الأنصارية، قالت : قالت امرأة من النّسوة: ما هذا المعروف الذي لا ينبغي لنا أن نعصيك فيه ؟ قال: لا تنحن. قلت: يا رسول الله، إن بني فلان قد أسعدوني على عمّي ولا بد لي من قضائهن، فأبى عليَّ فأتيته مرارا فأذن لي في قضائهن، فلم أنح بعد على اخائهن ولا غيره حتى الساعة.

قال أبو عيسى: هذا حديث حسن. وفيه عن أم عطية رضي الله عنها، قال عبد بن حميد: أم سلمة الأنصارية هي أسماء بنت يزيد بن السكن.[2]

ترجمہ: ام سلمہ انصاریہ بیان کرتی ہیں کہ ایک خاتون نے بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ حضور وہ بھلی بات کیا ہے جس کی خلاف ورزی ہمارے لیے روا نہیں؟ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”نوحہ نہ کرو“ میں نے عرض کی، یارسول اللہ: بنوفلاں نے (زمانۂ جاہلیت میں) میرے ساتھ میرے چچا پر نوحہ کیا ہے۔ اور مجھے اس کا بدلہ چکانا ضروری ہے، آپ نے انکار فرمادیا، میں نے بار بار خدمت اقدس میں حاضر ہوکر یہی بات عرض کی، توآپ نے نوحہ کا بدلہ چکانے کی اجازت دے دی اس کے بعد میں نے آج تک کسی پر نوحہ نہ کیا۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسَن ہے اور اس باب میں ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی حدیث مروی ہے۔ عبد بن حمید فرماتے ہیں کہ یہ ام سلمہ انصاریہ اسما بنت یزید بن سکن ہیں۔

ایک اور خاتون کو نوحہ کی اجازت:

(۱۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُمَا- قَالَ: لَمَّا بَايَعَ النِّسَاءُ ” وَ لَا

---

(۱) المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي، ج:۱،ص:۳۰٤، كتاب الجنائز/ فصلٌ في نهيي النساء عن النياحة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) جامع الترمذي، ج:۲،ص: ١٦٤، أبواب التفسير/ سورة الممتحنة، مجلس البركات، مبارك فور.

تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ''[۱] قَالَتِ امْرَأَةٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَاكَ تَشْتَرِطُ عَلَيْنَا أَنْ لا نَتَبَرَّجَ، وَإِنَّ فُلَانَةَ قَدْ أَسْعَدَتْنِي، وَقَدْ مَاتَ أَخُوهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: اذْهَبِي فَأَسْعِدِيهَا، ثُمَّ تَعَالَيْ فَبَايِعِينِي.[۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام عورتوں سے اس شرط پر بیعت لے رہے تھے کہ وہ بے پردہ نہ رہیں جیسے ''اگلی جاہلیت'' کی بے پردگی۔[۳] تو ایک خاتون نے عرض کی یارسول اللہ آپ ہم پر شرط لگا رہے ہیں کہ بے پردہ نہ رہیں، حالاں کہ فلاں عورت نے میرے بھائی کی وفات پر میرے ساتھ نوحہ کیا تھا (اور عورتیں بے پردہ ہو کر ہی، نوحہ کرتی تھیں) تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جاؤ تم بھی اس کے ساتھ نوحہ کر لو، پھر آکر مجھ سے بیعت کر لینا۔ (تاکہ شرط بیعت کی خلاف ورزی نہ ہو)

اسلام میں نوحہ کی حرمت ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے، احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں اور آیت کریمہ: '' وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ '' کے عموم میں یہ بھی شامل ہے ان سب کے باوجود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو تین عورتوں کو نوحہ کی اجازت دے کر اسلام کے حکم عام سے انھیں خاص فرما دیا امام نووی فرماتے ہیں:

وللشارع أن يخص من العموم ما شاء.[٤]

ایک بیوہ کو تین دن سوگ کے بعد بناؤ سنگار کی اجازت:

(۱۲) عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ قَالَتْ: لَمَّا أُصِيبَ جَعْفَرٌ قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: تَسَلَّبِي ثَلَاثًا، ثُمَّ اصْنَعِي مَا شِئْتِ. قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ:

---

(١) القرآن الحكيم، سورة الأحزاب:٣٣،الأية: ٣٣.

(٢) سنن النسائي، ص: ٤٣٩، كتاب البيعة/ باب بيعة النساء، بيت الأفكار.

(۳) ''اگلی جاہلیت'' سے مراد قبل اسلام کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں عورتیں اتراتی نکلتی تھیں، اپنی زینت و محاسن کا اظہار کرتی تھیں کہ غیر مرد دیکھیں، لباس ایسے پہنتی تھیں جن سے جسم کے اعضا اچھی طرح نہ ڈھکیں۔ اور ''پچھلی جاہلیت'' سے اخیر زمانہ مراد ہے جس میں لوگوں کے افعال پہلوں کے مثل ہو جائیں گے۔

(٤) المنهاج شرح صحيح مسلم للنووي، ج:١،ص: ٣٠٤، كتاب الجنائز، حديث أم عطية، مجلس البركات.

وَأَطْعَمَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ بِخَيْبَرَ خَمْسِينَ وَسْقًا مِنْ تَمْرٍ فِي كُلِّ سَنَةٍ.(۱)

ترجمہ: اسما بنت عمیس فرماتی ہیں کہ جب (ان کے شوہر) حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا "تین دن سنگار سے بچو، پھر جو چاہو کرو"۔

محمد بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جعفر بن ابو طالب کو ہر سال پچاس وسق خیبر کی کھجوریں دیتے تھے۔

قرآن مقدس کے فرمان کے مطابق بیوہ پر چار مہینے دس دن سوگ فرض ہے۔ اور سوگ کے لیے ترکِ زینت لازم ہے مگر حضرت اسما بنت عمیس کو اس حکم عام سے خاص کر کے تین روز ترکِ زینت کے بعد بناؤ سنگار کی اجازت دے دی۔

ایک صحابی کے لیے مال کے بجائے قرآن سکھانے کو مہر مقرر کرنے کی اجازت:

(۱۳) عن أبي النعمان الأزدي، أن رجلا خطب امرأة، فقال النبيُّ -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-: "أصدِقها" قال: ما عندي شيء. قال أما تُحسن سورةً من القرآن فأصدقها السورة، ولا تكون لأحد بعدك مهرا."

ثم رأيته في كتاب أبي علي بن السكن ساقه بسنده إلى يعقوب بن إبراهيم الدورقي.(۲)

ترجمہ: ابو النعمان ازدی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت کو نکاح کا پیغام دیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو مہر دو۔ اس شخص نے عرض کی: میرے پاس کچھ بھی نہیں، حضور نے فرمایا: کیا تم قرآن حکیم کی کوئی سورت نہیں پڑھتے؟ تم مہر میں اسے سورت ہی سکھا دو، اور تیرے بعد یہ کسی کے لیے مہر نہ ہوگا۔ (کتاب ابی علی بن سکن)

مہر کے لیے مال متقوم ہونا چاہیے، ارشاد باری ہے:

---

(۱) الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، ج:٤، ص:٣٧، ذكر جعفر بن أبي طالب، مكتبة الخانجي، قاهره.

(۲) الإصابة في تمييز الصحابة، ج:٧، صفحة: ٤١٤، حرف النون/ أبو النعمان الأزدى، دارُ الجيل، بيروت.

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ.(۱)

ترجمہ: اور ان (محرمات) کے سوا جو بھی عورتیں ہیں تمہیں حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو۔

اور "قرآن سکھانا" مال نہیں پھر بھی نبی کریم ﷺ نے ایک صحابی کے حق میں قرآن سکھانے کو مہر مقرر کرنے کی اجازت دی تو یہ مہر کے حکم عام سے استثنا ہوا جو آپ کے تشریعی اختیار کی دلیل ہے۔

خزیمہ بن ثابت کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر کر دیا:

(١٤) عَنْ عُمَارَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ، أَنَّ عَمَّهُ حَدَّثَهُ وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: أَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- "ابْتَاعَ فَرَسًا مِنْ أَعْرَابِيٍّ فَاسْتَتْبَعَهُ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- لِيَقْضِيَهُ عَنْ فَرَسِهِ، فَأَسْرَعَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- الْمَشْيَ وَأَبْطَأَ الْأَعْرَابِيُّ، فَطَفِقَ رِجَالٌ يَعْتَرِضُونَ الْأَعْرَابِيَّ فَيُسَاوِمُونَهُ بِالْفَرَسِ لَا يَشْعُرُونَ أَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- ابْتَاعَهُ، فَنَادَى الْأَعْرَابِيُّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ: إِنْ كُنْتَ مُبْتَاعًا هَذَا الْفَرَسَ وَإِلَّا بِعْتُهُ.

فَقَامَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- حِينَ سَمِعَ نِدَاءَ الْأَعْرَابِيِّ، فَقَالَ: «أَوَلَيْسَ قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ؟» قَالَ الْأَعْرَابِيُّ: لَا وَاللَّهِ مَا بِعْتُكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: «بَلَى، قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ»، فَطَفِقَ الْأَعْرَابِيُّ يَقُولُ: هَلُمَّ شَهِيدًا.

فَقَالَ خُزَيْمَةُ: أَنَا أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَايَعْتَهُ، فَأَقْبَلَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- عَلَى خُزَيْمَةَ، فَقَالَ: «بِمَ تَشْهَدُ؟»، فَقَالَ: بِتَصْدِيقِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَجَعَلَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- شَهَادَةَ خُزَيْمَةَ شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ.(۲)

ترجمہ: عمارہ بن خُزیمہ سے روایت ہے کہ ان کے چچا -جو نبی کریم ﷺ کے اصحاب سے

(۱) القرآن الحكيم، سورة النساء: ٤، الأية: ٢٤.

(۲) ● سنن أبي داود، ص: ٣٩٩، كتاب الأقضية، باب إذا علم الحاكم صدق الشاهد الواحد يجوز له أن يحكم به، رقم الحديث: ٣٦٠٧.

● سنن النسائي، ص: ٤٨١، كتاب البيوع، باب التسهيل في ترك الإشهاد على البيع.

● شرح معاني الأثار، ج:٢، ص: ٢٨٢، كتاب القضاء والشهادات/ باب القضاء باليمين على الشاهد.

ہیں- نے یہ حدیث سنائی کہ نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا اور اسے اپنے ساتھ چلنے کو کہا تاکہ گھوڑے کا دام ادا کردیں، پھر رسول اللہ ﷺ تیز تیز چلنے لگے اور اعرابی آہستہ آہستہ۔ اتنے میں کچھ لوگوں نے اعرابی سے اس گھوڑے کا بھاو تاو شروع کردیا، انھیں یہ معلوم نہیں تھا کہ نبی کریم ﷺ نے اسے خرید لیا ہے۔ (اعرابی کی نیت بگڑ گئی اور) اس نے رسول اللہ ﷺ کو پکار کر کہا: اگر آپ اس گھوڑے کو خریدنا چاہتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ میں اسے بیچ دیتا ہوں" سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ سن کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں نے یہ گھوڑا تم سے خرید لیا ہے۔ اس نے انکار کرتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم میں نے اسے آپ کے ہاتھ نہیں بیچا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں میں نے اسے تم سے خرید لیا ہے۔ اعرابی کہنے لگا تو گواہ لائیے۔

یہ سن کر حضرت خُزیمہ بن ثابت نے کہا: أنا أشهد أنك قد بايعته. میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے یقیناً حضور کے ہاتھ بیچا ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے حضرت خزیمہ کی طرف رخ کر کے پوچھا کہ تم گواہی کیسے دے رہو (تم تو یہاں موجود نہیں تھے) انھوں نے عرض کیا، حضور اس لیے گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے بیع کی تصدیق فرمادی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے (خوش ہوکر) تنہا حضرت خزیمہ کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر کردیا۔

(۱۵) یہ حدیث حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اس طرح منقول ہے، اس کے الفاظ ہیں:

صدَّقتك بما جئتَ به وعلمت أنك لا تقول إلّا حقًّا فقال رسولُ الله -صلي الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-: من شهدله خزيمة أو شهد عليه فحسبهُ.[۱]

ترجمہ: میں نے حضور کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کی ہے اور مجھے یقیناً معلوم ہے کہ آپ سچ ہی فرماتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خزیمہ جس کے حق میں یا جس کے خلاف گواہی دیں وہ

---

(۱) ● مسند ابن أبي شيبة، ج:۱،ص:۳۷، مسند خزيمة بن ثابت ، رقم الحديث:۱۹، دار الوطن، الرياض.

● كتاب التاريخ الكبير للبخاري، ج:۱،ص:۸٦، ۸۷ مختصرا، القسم الأول من الجزء الأول، رقم الحديث: ۳۸، دار الكتب العلمية.

● المعجم الكبير للطبراني، ج:٤،ص: ۸۷، خزيمة بن ثابت الأنصاري ذوالشهادتين، مكتبة ابن تيمية، قاهره.

تنہا (ثبوت کے لیے) کافی ہے۔

(۱۶) یوں ہی یہ حدیث حضرت نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے، اس حدیث کے کلمات ہیں:

أنا أصدّقك علي خبر السّماء ألا أصدّقكَ علي الأعرابي، فجعل رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- شهادته بشهادة رجلين، فلم يكن في الإسلام رجل تجوز شهادته بشهادة رجلين غير خزيمة بن ثابت.[۱]

ترجمہ: حضور میں آسمان کی خبروں پر آپ کی تصدیق کرتا ہوں تو اس اعرابی کے مقابل آپ کی تصدیق نہ کروں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو دو مردوں کی شہادت کے برابر کر دیا۔ اس طرح سوائے خزیمہ بن ثابت کے اسلام میں کوئی شخص نہیں جس کی شہادت دو مردوں کی شہادت کے برابر ہو۔

قرآن حکیم نے شہادت سے کسی امر کے ثبوت کے لیے دو دین دار مردوں کی شہادت لازم قرار دی ہے، چناں چہ ارشاد باری ہے:

”وَ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ“[۲]۔

ترجمہ: اور اپنے دو عادل مردوں کو شاہد بناؤ۔

یہ حکم ہر مرد مسلم کو عام ہے مگر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حکم عام سے حضرت خزیمہ بن ثابت کو الگ کر کے تنہا ان کی شہادت کو ثبوت کے لیے کافی ٹھہرایا جو آپ کے تشریعی اختیار کی واضح دلیل ہے۔

ایک صحابی کو اپنے روزے کا کفارہ کھانے کی اجازت دی:

(۱۷) أَخْبَرَنِي حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ- قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلَّمَ- إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكْتُ قَالَ: مَا لَكَ، قَالَ: وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي وَأَنَا صَائِمٌ ،

فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ-: هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا، قَالَ : لَا، قَالَ:

(۱) بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث، ج:۱، ص:۹۳۰، ۹۳۱، باب فضلِ خزيمة بن ثابت، رقم الحديث: ۱۰۲۶.

(۲) القرآن الحكيم، سورة الطلاق:۶۵، الأية: ۲.

فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ : لاً فَقَالَ : فَهَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ: لَا، قَالَ:فَمَكَثَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذَلِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ -صلى الله عليه وسلم- بِعَرَقٍ فِيهَا تَمْرٌ - وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ- قَالَ: أَيْنَ السَّائِلُ فَقَالَ: أَنَا قَالَ: خُذْهَا فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ الرَّجُلُ : أَعَلَى أَفْقَرَ مِنِّي يَا رَسُولَ اللهِ ؟ فَوَاللهِ مَا بَيْنَ لابَتَيْهَا -يُرِيدُ الْحَرَّتَيْنِ - أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَضَحِكَ النَّبِيُّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- حَتَّى بَدَتْ أَنْيَابُهُ ثُمَّ قَالَ: أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ.[1]

ترجمہ: حمید بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ بارگاہ نبوت میں حاضر تھے، آپ کے پاس ایک صاحب آئے اور عرض کی، یا رسول اللہ، میں ہلاک ہو گیا۔ حضور نے پوچھا کیا بات ہے عرض کی، میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا:

- (اس کے کفارے میں) غلام آزاد کر سکتے ہو؟ عرض کیا نہیں۔
- دریافت کیا کہ مسلسل دو مہینے کے روزے رکھ سکتے ہو؟ عرض کیا: نہیں۔
- پوچھا: تو کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ عرض کیا نہیں۔

تھوڑی دیر بعد ایک ٹوکرا (۱۵ ر صاع / ۶۱ کلو ۴۱۰ گرام) کھجوریں پیش ہوئیں تو حضور نے پوچھا وہ سائل کہاں ہے؟ جواب دیا: میں حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا:

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۵۹، كتاب الصّوم/ باب إذا جامَعَ في رمضان، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۳٥٤، كتاب الصيام/ باب تحريم تغليظِ الجماع، مجلس البركات، مبارك فور.
● جامع الترمذي، ج:۱، ص:۹۰، أبواب الصوم/ باب ما جاء في كفارة.
● سنن أبي داود، ص:۲۷۱، كتاب الصوم/ باب كفارة من أتى أهله في رمضان، رقم الحديث: ۲۳۹۰.
● السنن الكبرى للنسائي، ج:۳، ص:۳۱۲، ۳۱۳، كتاب الصيام/ باب ما يجب على من جامع امرأته في شهر رمضان، رقم الحديث: ۳۱۰٤.
● سنن ابن ماجه، ص: ۱۸۳، كتاب الصيام/ باب ما جاء في كفارة مِن أفطر يوما من رمضان، رقم الحديث: ۱٦۷۱.

● یہ کھجوریں لے کر (فقرا میں) خیرات کردو۔

اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ، کیا اپنے سے زیادہ محتاج پر؟ اللہ کی قسم، مدینہ منورہ میں کوئی گھر میرے گھر سے زیادہ محتاج نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے، پھر فرمایا: جا اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

(۱۸) یہ حدیث حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا[۱]

(۱۹) اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما[۲]

(۲۰) اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

نے بھی روایت فرمائی ہے۔ الفاظ میں کچھ فرق کے ساتھ سب کا مفہوم ایک ہے، حضرت مولیٰ علی کی روایت میں یہ وضاحت بھی ہے:

قال: ''فأطعِم ستّين مسكينا، لكل مسكين مُداً'' قال : ما أجده. فأمر له رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- بخمسة عشر صاعا، قال: ''أطعِمه ستين مسكينا'' قال: والذي بعثك بالحقِّ ما بالمدينة أهل بيت أحوج منا، قال: انطلق فَكُلْهُ أنتَ وَعيالُكَ ، فقد كفّر الله عنك.[۳]

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا: تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے، ہر مسکین کو ایک مُد۔ اس شخص نے عرض کی، مجھے اس کی بھی استطاعت نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ساٹھ مسکینوں میں پندرہ صاع کھجوریں تقسیم کر دے، تو عرض کیا قسم ہے اس ذات واحد کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا مدینہ میں کوئی گھر ہم سے زیادہ محتاج نہیں ہے، تب سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''جا اسے (۱۵ر صاع کھجور) تو کھالے اور تیرے بچے بھی، اللہ تعالیٰ اسی کو تیری طرف سے کفارہ کر دے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

---

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱، ص:۳۵۵، کتابُ الصیام/ باب تغلیظ تحریمِ الجماع، مجلس البرکات.

(۲) المعجم الأوسط للطبراني، ج:۸، ص: ۱۳۱، ۱۳۲، رقم الحديث، رقم الحديث: ۸۱۸۲.

(۳) سنن الدار قطنی، ج:۳، ص: ۲۰۰، ۲۰۱، کتاب الصیام، باب ما اتی أهله فی رمضان، رقم الحديث: ۲۳۹۵، موسسة الرسالة

إنّ النّبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- أمر رجلا أفطر في رمضان أن يُعتِق رقبة أو يصوم شهرين أو يُطعم ستين مسكينا(۱)۔

ترجمہ: ایک شخص نے رمضان کا روزہ توڑ دیا، اسے نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ وہ (کفارہ میں) غلام آزاد کرے، یا دو مہینے کا مسلسل روزہ رکھے، یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ پہلی حدیث میں صدقہ کرنے کا لفظ اگرچہ مطلق ہے مگر اس سے مراد ساٹھ مسکینوں کو دینا یا کھلانا ہے جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ وضاحت ہوتی ہے۔

کفارہ یہ نہیں ہے کہ جو گناہ کا مرتکب ہو وہ صدقے کا مال خود کھالے، یا اپنے اہل وعیال کو کھلادے، بلکہ کفارہ یہ ہے کہ صدقے کا مال دوسرے مسکینوں کو کھلائے یا ان کو خیرات کرے اور ارشاد رسول: "فتصدق به" اور "يطعم ستين مسكينا"۔ کا یہی مطلب ہے لیکن سرور کائنات ﷺ نے یہاں اپنے تشریعی اختیار کا اظہار فرماتے ہوئے عام قانون کفارہ کے برعکس اپنے ایک مسکین صحابی کو یہ اجازت دے دی کہ وہ خود کھالیں اور ان کے اہل وعیال کھالیں یہی ان کے حق میں کفارہ گناہ ہو جائے گا۔

امام ابن شہاب زہری فرماتے ہیں:

إنما كان هذه رخصة له خاصة، ولو أن رجلا فعل ذلك اليوم لم يكن له بد من التكفير(۲)۔

یہ محض اس شخص کے لیے رخصت خصوصی تھی، آج کوئی ایسا جرم کرے تو اسے کفارہ دیے بغیر کوئی چارہ کار نہیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے کفارۂ گناہ کے عام قانون سے بری نہیں کیا ہے۔

جوان صحابی کو ایک خاتون کا دودھ پینے کی اجازت اور حرمتِ رضاعت کا ثبوت:

(۲۱) عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ: قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ لِعَائِشَةَ، إِنَّهُ يَدْخُلُ عَلَيْكِ الْغُلَامُ الأَيْفَعُ الَّذِى مَا أُحِبُّ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيَّ. قَالَ: فَقَالَتْ عَائِشَةُ: أَمَا لَكِ فِي

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱،ص:۳۵۵، کتاب الصیام، باب تغلیظ تحریم الجماع، مجلس البرکات.

(۲) سنن أبي داود، ص: ۲۷۱، كتابُ الصوم / باب كفارة من أتى أهله في رمضان، رقم الحديث: ۲۳۹۱.

رَسُولِ اللّٰهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ- أُسْوَةٌ قَالَتْ: إِنَّ امْرَأَةَ أَبِي حُذَيْفَةَ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ سَالِمًا يَدْخُلُ عَلَيَّ وَهُوَ رَجُلٌ وَفِي نَفْسِ أَبِي حُذَيْفَةَ مِنْهُ شَيْءٌ. فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- « أَرْضِعِيهِ حَتَّى يَدْخُلَ عَلَيْكِ».[1]

ترجمہ: زینب بنت ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام سلمہ نے ام المومنین، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ آپ کے پاس ایک نوجوان لڑکا آتا ہے جسے میں اپنے پاس آنا پسند نہیں کرتی، حضرت عائشہ نے فرمایا: کیا تمھارے لیے رسول اللہ کی سنت (بہتر) نمونہ نہیں ہے؟

انھوں نے (اس کی تشریح کرتے ہوئے) فرمایا: ابو حُذیفہ کی بیوی (سہلہ بنت سہیل بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے عرض کی، یا رسول اللہ: (ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام) سالم میرے پاس آتا جاتا ہے اور وہ مرد ہو چکا ہے اور میں اس کی وجہ سے حضرت ابو حُذیفہ کے دل میں ناگواری محسوس کرتی ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو دودھ پلا دو تا کہ وہ تمھارے پاس جا، آ سکے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جواب سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ اس حدیث کو عمومی دلیل قرار دیتی تھیں، اس لیے یہ اشارہ دیا کہ وہ نوجوان ان کا رضاعی بھائی ہے اور رضاعی بھائی اپنی بہن کے پاس آ سکتا ہے جیسا کہ نسبی بھائی آ سکتا ہے، حضرت مسروق کی روایت میں ان کا یہ توضیحی بیان بھی ہے:

فقلتُ: يا رسول الله، إنه أخي من الرضاعة.[2]

---

(۱) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۴۶۹، كتاب الرضاع/ فصل في رضاعة الكبير، مجلس البركات
● سنن النسائي، ص: ۳۵۰، كتاب النكاح/ باب رضاع الكبير.
● سنن ابن ماجه، ص: ۲۱۱، كتاب النكاح/ باب رضاع الكبير.
● مسند الإمام أحمد، ص:۱۸۹۴، مسند النساء/ حديث السيدة، عائشة، رقم الحديث: ۲۵۹۲۹.

(۲) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۶۹، كتاب الرضاع/ فصل في رضاع الكبير، مجلس البركات.
● سنن النسائي، ص: ۳۵۱، كتاب النكاح / باب رضاع الكبير.
● سنن ابن ماجه، ص: ۲۱۱، كتاب النكاح/ باب لا رضاع بعد فصال.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۱۹۸۲، مسند النساء / حديث أم سلمة زوج النبي - صلى الله تعالى عليه وسلم- رقم الحديث: ۲۷۱۹۶.

ترجمہ: یا رسول اللہ وہ میرا رضاعی بھائی ہے۔

مگر دوسری امہات المومنین سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کو خاص حضرت سالم کے لیے ایک استثنائی فرمان مانتی تھیں۔ اسی لیے حضرت ام سلمہ نے نکیر فرمائی اور آج سوائے کچھ غیر مقلدین کے ساری امت کا یہی موقف ہے۔

(۲۲) أَخْبَرَنِي أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَمْعَةَ أَنَّ أُمَّهُ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ أَنَّ أُمَّهَا أُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- كَانَتْ تَقُولُ: أَبَى سَائِرُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ -صلى الله عليه وسلَّمَ- أَنْ يُدْخِلْنَ عَلَيْهِنَّ أَحَدًا بِتِلْكَ الرَّضَاعَةِ وَقُلْنَ لِعَائِشَةَ: وَاللَّهِ مَا نَرَى هَذَا إِلاَّ رُخْصَةً أَرْخَصَهَا رَسُولُ اللَّهِ -صلى الله عليه وسلَّمَ- لِسَالِمٍ خَاصَّةً فَمَا هُوَ -بِداخل علينا- أَحَدٌ بِهَذِهِ الرَّضَاعَةِ وَلاَ رَائِينَا۔[1]

ترجمہ: ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن زمعہ نے بتایا کہ ان کی ماں زینب بنت ابو سلمہ نے بتایا کہ ان کی ماں ام سلمہ زوجہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (سالم جیسے جوان کی شیر نوشی کے پیش نظر) فرماتی تھیں کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام ازواجِ طاہرات نے اس طرح کی رضاعت کے رشتے سے کسی کو اپنے پاس آنے سے انکار فرمادیا، اور سب نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا:

اللہ کی قسم ہم لوگ اسے بس ایک رخصت سمجھتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خاص سالم کو عطا فرمائی تھی۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح کے رشتہ رضاعت کی وجہ سے نہ کسی کو ہمارے پاس لاتے - نہ کوئی ہمارے پاس آسکتا ہے، نہ ہمیں دیکھ سکتا ہے۔

(۲۳) عَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ ، عَنْ سَهْلَةَ ، امْرَأَةِ أَبِي حُذَيْفَةَ أَنَّهَا ذَكَرَتْ لِرَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- سَالِمًا مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ وَدُخُولَهُ عَلَيْهَا ، فَزَعَمَتْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- أَمَرَهَا أَنْ تُرْضِعَهُ فَأَرْضَعَتْهُ وَهُوَ رَجُلٌ بَعْدَمَا شَهِدَ بَدْرًا۔[2]

ترجمہ: عمرہ بنت عبد الرحمن سے روایت ہے کہ ابو حذیفہ کی بیوی سہلہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ حضرت ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم ان کے پاس آتے جاتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص: ۴۶۹، كتاب الرضاع/ فصلٌ في رضاعة الكبير، مجلس البركات.

(۲) ● الطبقات الكبرىٰ لابن سعد، ج:۳، ص:۸۲، ذكر سالم مولى أبي حذيفة.

● المستدرك على الصحيحين، ج:۴، ص:۶۱، كتاب معرفة الصحابة/ باب الرضاع في الكبير.

نے انھیں حکم دیا کہ وہ اسے دودھ پلادیں توانھوں نے سالم کو دودھ پلادیا حالاں کہ اس وقت وہ مرد تھے اور اس سے پہلے بدر میں شریک ہو چکے تھے۔

دودھ پلانے کی اجازت دو سے ڈھائی سال کی عمر تک کے بچے کے لیے ہے چناں چہ ارشاد باری ہے:

"وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ"(۱)

ترجمہ: مائیں اپنی اولاد کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ یہ (مدت) اس کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔(۲)

ترجمہ: اور شکم میں حمل رہنے اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس (۳۰) مہینے ہے۔

مگر حضور سید عالم ﷺ نے اس قانون رضاعت سے حضرت سالم کو الگ کر کے انھیں جوانی کی حالت میں ایک خاتون کا دودھ پینے اور پلانے کی اجازت دی۔ ساتھ ہی اس پر رضاعی رشتے کا حکم بھی جاری فرمادیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا اختیار عطا فرمایا ہے۔

دو صحابہ کو ریشمی قمیص پہننے کی اجازت:

(٢٤) حَدَّثنا قَتَادَةُ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ أَنْبَأَهُمْ: " أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- رَخَّصَ لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ فِي الْقُمُصِ الْحَرِيرِ فِي السَّفَرِ مِنْ حِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا، أَوْ وَجَعٍ كَانَ بِهِمَا ".(۳)

ترجمہ: قتادہ نے یہ حدیث بیان کی کہ انس بن مالک نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے

---

(١) القرآن الكريم، سورة البقرة: ٢، الآية: ٢٣٣.

(٢) القرآن الكريم، سورة الأحقاف: ٤٦، الآية: ١٥.

(٣) ● صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٨٦٨، كتاب اللباس/ باب ما يرخص للرّجال، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج: ٢، ص: ١٩٣، كتاب اللباس/ بابُ إباحة لبس الحرير للرجال.
● جامع الترمذي، ج: ١، ص: ٢٠٥، كتاب اللباس/ باب ما جاء في الرخصة في لبس الحرير.
● سنن أبي داؤد، ص: ٤٤٤، كتاب اللباس/ باب لبس الحرير بعذر.
● سنن ابن ماجه، ص: ٣٨٧، كتاب اللباس/ باب من رخص له في لبس الحرير.
● سنن النسائي، ص: ٥٣٨، كتاب الزينة/ باب الرخصة في لبس الحرير.

عبد الرحمن بن عوف اور زبیر بن عوام کے بدن میں خارش کی وجہ سے انھیں ریشمی قمیص پہننے کی اجازت دے دی۔

ریشم اس امت کے مردوں پر حرام ہے، مگر افضل المرسلین ﷺ نے اپنے دو صحابہ کو اس حکم سے بری فرمادیا۔

حیض وجنابت کی حالت میں چند اہل بیت کو مسجد میں جانے کی اجازت:

(۲۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ -رَضِيَ اللهُ عَنْهُ-: لَقَدْ أُعْطِيَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ ثَلَاثَ خِصَالٍ، لأَنْ تَكُونَ لِي خَصْلَةٌ مِنْهَا أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُعْطَى حُمْرَ النَّعَمِ.

قِيلَ: وَمَا هُنَّ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ؟ قَالَ: • تَزَوَّجُهُ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- • وَسُكْنَاهُ الْمَسْجِدَ مَعَ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- يَحِلُّ لَهُ فِيهِ مَا يَحِلُّ لَهُ، • وَالرَّايَةُ يَوْمَ خَيْبَرَ.

هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: علی کو تین فضائل ایسے عطا ہوئے کہ ان میں سے ایک فضیلت بھی میرے لیے ہوتی تو یہ مجھے سرخ اونٹوں کی عطا سے زیادہ پسندیدہ ہوتی۔ (سرخ اونٹ عربوں کے نزدیک بہت پسندیدہ مال تھے) عرض کیا گیا کہ امیر المومنین وہ تینوں باتیں کیا کیا ہیں؟ فرمایا:

- رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کے ساتھ ان کا نکاح۔
- مسجد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہائش کہ ان کے لیے مسجد میں وہ بات حلال تھی۔ جو رسول اللہ ﷺ کے لیے حلال تھی۔ (یعنی جنابت کی حالت میں رہنا جیسا کہ دوسری احادیث میں یہ بیان موجود ہے۔)
- اور فتح خیبر کا عَلَم پانا۔ (سب کی آرزو تھی کہ وہ عَلَم اسے ملے مگر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کو دیا۔)

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

(۱) المستدرك على الصحيحين، ج:۳،ص:۱۲۵، كتاب معرفة الصّحابة، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

(۲۶) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلّم- لِعَلِيٍّ «يَا عَلِيُّ لاَ يَحِلُّ لأَحَدٍ أَنْ يُجْنِبَ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرِي وَغَيْرُكَ». قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْمُنْذِرِ قُلْتُ لِضِرَارِ بْنِ صُرَدٍ: مَا مَعْنَى هَذَا الْحَدِيثِ، قَالَ: لاَ يَحِلُّ لأَحَدٍ يَسْتَطْرِقُهُ جُنُبًا غَيْرِي وَغَيْرُكَ.

قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، غَرِيبٌ لاَ نَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ وَقَدْ سَمِعَ مِنِّي مُحَمَّدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ هَذَا الْحَدِيثَ وَاسْتَغْرَبَهُ.[1]

ترجمہ: ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا: اے علی، میرے اور تمھارے سوا کسی کو حلال نہیں کہ اس مسجد میں جنابت کی حالت میں داخل ہو۔

امام ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن، غریب ہے، ہم یہ حدیث اسی سند سے جانتے ہیں امام محمد بن اسماعیل نے مجھ سے یہ حدیث سنی تو انھوں نے اسے غریب قرار دیا۔

(۲۷) عَنْ جَسْرَةَ، قَالَتْ: أَخْبَرَتْنِي أُمُّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- إِلَى الْمَسْجِدِ، فَنَادَى بِأَعْلَى صَوْتِهِ: أَلا إِنَّ هَذَا الْمَسْجِدَ لا يَحِلُّ لِجُنُبٍ، وَلا لِحَائِضٍ إِلا لِلنَّبِيِّ وَأَزْوَاجِهِ وَفَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ، وَعَلِيٍّ. أَلا بَيَّنْتُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا.[2]

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد کو نکلے تو بلند آواز سے پکار کر فرمایا:

سنو! یہ مسجد کسی جنبی اور حائض کے لیے حلال نہیں، مگر ● نبی ﷺ ● اور آپ کی ازواج مطہرات ● اور خاتون جنت حضرت فاطمہ زہرا ● اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے حلال ہے، سن لو! میں نے تم سے صاف صاف بیان کردیا کہ کہیں بھٹک نہ جاؤ۔

جنابت اور حیض کی حالت میں کسی بھی مرد و عورت کو مسجد میں جانا حرام ہے یہ اسلام کا عمومی

---

(۱) ● جامع الترمذي، ج:۲، ص:۲۱٤، أبواب المناقب/ باب مناقب علي بن أبي طالب.
● مسند أبي يعلى، ج:۲، ص:۳۱۱، من مسند أبي سعيد الخدري، دار المامون، للتراث.
● السنن الكبرى للبيهقي، ج:۷، ص: ٦٦، كتاب النكاح/ باب دخوله المسجد جنبا، مجلس دائرة المعارف حيدر آباد.

(۲) ● المعجم الكبير للطبراني، ج:۲۳، ص:۳۷۳، ۳۷٤، عن أم سلمة.
● السنن الكبرىٰ للبيهقي، ج:۷، ص: ٦٥، كتاب النكاح/ باب دخوله المسجد جنبا، مجلس دائرة المعارف.

قانون ہے جس کا اطلاق ہر شخص پر ہوتا ہے مگر حضور سید عالم ﷺ نے اپنے آپ کو اور کچھ اہل بیت کو اس قانون کے برخلاف مسجد میں حیض اور جنابت کی حالت میں جانے کی اجازت دی وہ حضرات یہ ہیں:

- ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن
- حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

سونے کے حکم عام سے، حضرت براء بن عازب کو رخصت:

عن البراء-رضى الله عنه-قال: أمرنا النبي-صلى الله تعالى عليه وسلم-بسبع ... ونهانا عن سبع: عن خاتم الذهب، أو قال: حلقة الذهب وعن لبس الحرير.[1]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا۔۔۔ اور سات چیزوں سے منع فرمایا۔ آپ نے سونے کی انگوٹھی، سونے کے حلقہ اور ریشم پہننے سے منع فرمایا۔

اسلام کا یہ قانون تمام مسلمان مردوں کو عام ہے ان میں سے کسی کو سونے کی انگوٹھی، یا حلقہ پہننا جائز نہیں۔ لیکن رسول مجتبیٰ ﷺ نے اس قانونِ عام سے اپنے ایک صحابی حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رخصت دے دی۔

(۲۹) حَدَّثَنَا أَبُو عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ، حَدَّثَنَا أَبُو رَجَاءٍ ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ: رَأَيْتُ عَلَى الْبَرَاءِ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ ، وَكَانَ النَّاسُ يَقُولُونَ لَهُ : لِمَ تَخَتَّمُ بِالذَّهَبِ وَقَدْ نَهَى عَنْهُ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَقَالَ الْبَرَاءُ : بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- وَبَيْنَ يَدَيْهِ غَنِيمَةٌ يَقْسِمُهَا ، سَبْيٌ وَخُرْثِيٌّ قَالَ : فَقَسَمَهَا حَتَّى بَقِيَ هَذَا الْخَاتَمُ ، فَرَفَعَ طَرْفَهُ فَنَظَرَ إِلَى أَصْحَابِهِ ثُمَّ خَفَّضَ ، ثُمَّ رَفَعَ طَرْفَهُ فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ ، ثُمَّ خَفَّضَ ، ثُمَّ رَفَعَ طَرْفَهُ فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ ، ثُمَّ قَالَ : أَيْ بَرَاءُ فَجِئْتُهُ حَتَّى قَعَدْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ ، فَأَخَذَ الْخَاتَمَ فَقَبَضَ عَلَى كُرْسُوعِي ثُمَّ قَالَ : خُذ، الْبَسْ مَا كَسَاكَ اللهُ وَرَسُولُهُ ، قَالَ :

---

(۱) • صحیح البخاري، ج:۲، ص: ۸۷۱، کتاب اللباس/ باب خواتم الذهب، مجلس البركات.
• الصحيح لمسلم، ج:۲، ص:۷۸، کتاب اللباس/ باب تحريم استعمال إناء الذهب، مجلس البركات.

وَكَانَ الْبَرَاءُ يَقُولُ : كَيْفَ تَأْمُرُونِي أَنْ أَضَعَ مَا قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- : الْبَسْ مَا كَسَاكَ اللهُ وَرَسُولُهُ ؟.[1]

ترجمہ: "محمد بن مالک نے کہا میں نے براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سونے کی انگوٹھی پہنے دیکھا، لوگ ان سے کہتے تھے: آپ سونے کی انگوٹھی کیوں پہنتے ہیں حالاں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی ہے؟

براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے، حضور کے سامنے اموالِ غنیمت غلام ومتاع حاضر تھے، حضور تقسیم فرما رہے تھے، سب بانٹ چکے، یہ انگوٹھی باقی رہی، حضور نے نظر مبارک اٹھا کر اپنے اصحاب کرام کو دیکھا، پھر نگاہ نیچی کرلی، پھر نظر اٹھا کر ملاحظہ فرمایا پھر نگاہ نیچی کرلی، پھر نظر اٹھا کر دیکھا اور مجھے بلایا: اے براء! میں حاضر ہو کر حضور کے سامنے بیٹھ گیا، سید اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انگوٹھی لے کر میری کلائی تھامی، پھر فرمایا: پہن لے جو کچھ تجھے اللہ ورسول پہناتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم"۔

براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے: تم لوگ کیوں کر مجھے کہتے ہو کہ میں وہ چیز اُتار ڈالوں جسے مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لے پہن لے جو کچھ اللہ ورسول نے پہنایا"- جلّ جلالہ، وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم-(ترجمہ از اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

(۳۰) مالک واحمد وبخاری ومسلم ونسائی وابن ماجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ.[2]

ترجمہ: "اگر مشقتِ امت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان پر فرض فرما دیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کریں۔"

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۱۳۵۷، مسند الكوفيين/ حديث البراء بن عازب، رقم الحديث:۱۸۸۳.

(۲) ● مؤطا إمام مالك، ج:۱، ص:۱۱۲، كتاب الصلاة/ باب ما جاء في السِّواك.
● مسند الإمام أحمد، ص: ٥٥٤، مسند المكرين، مسند أبي هريره.
● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۲۲، كتاب الحمد/ باب السِّواك يوم الجمعة، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۱۳۸، كتاب الطهارة/ باب السِّواك، مجلس البركات
● سنن النسائي، ص: ۱۹، كتاب الطهارة/ باب الرخصة في السواك بالعشي للصائم.
● سنن ابن ماجه، ص: ٤٧، كتاب الطهارة وسننها/ باب السواك.

علما فرماتے ہیں: یہ حدیث متواتر ہے۔ قالهٗ، في التيسير وغيره۔

- احمد ونسائی نے انھیں (حضرت ابو ہریرہ) سے بسند صحیح یوں روایت کی کہ سید عالم ﷺ نے فرمایا:

لَوْلاَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لأَمَرْتُهُمْ عِنْدَ كُلِّ صَلاَةٍ بِوُضُوءٍ وَ مَعَ كُلِّ وُضُوْءٍ بِسِواكٍ.[1]

ترجمہ: ”امت پر دشواری کا لحاظ نہ ہو تو میں ان پر فرض کر دوں کہ ہر نماز کے وقت وضو کریں اور ہر وضو کے ساتھ مسواک کریں۔“

یہ حدیث نقل کر کے اعلی حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے زبردست استدلال فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

امر کی قسمیں اور ان کا حکم

أقول: امر دو قسم ہے:

ایک حتمی: جس کا حاصل ایجاب اور اس کی مخالفت معصیت۔ جیسے ارشادِ باری ہے:

﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ﴾.[2]

ترجمہ: تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں۔

دوسرا ندبي: جس کا حاصل ترغیب اور اس کے ترک میں وسعت۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: أُمِرْتُ بِالسِّوَاكِ حتىّٰ خَشِيْتُ أَنْ يُّكْتَبَ عَلَيَّ.[3]

”مجھے مسواک کا حکم دیا گیا یہاں تک کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں مجھ پر فرض نہ کر دیا جائے۔

أَحْمَدُ عَنْ وَّاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ -رَضِيَ اللهُ تعالى عَنْهُ- بِسَنَدٍ حَسَنٍ.

امر ندبي تو یہاں قطعاً حاصل ہے تو ضرور نفی حتمی کی ہے۔

---

(۱) مسند الإمام أحمد، ص: ٥٦٥، مسند المكيين/ مسند أبي هريره.

(۲) القرآن الحكيم، سورة النور: ٢٤، الآية: ٦٣.

(۳) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ١١٣٣، مسند المكيين/ حديث واثلة بن الأسقع من الشاميين.

امر حتمی بھی دو قسم کا ہے: ظنی جس کا مفاد وجوب اور قطعی جس کا مقتضٰی فرضیت۔

ظنّیت (خواہ من جھة الروایة یا من جھة الدّلالة) ہمارے حق میں ہوتی ہے حضور سید عالم ﷺ کے علوم سب قطعی یقینی ہیں جن کے سراپردہ عزت کے گرد ظنون کو اصلاً بار نہیں تو قسم واجبِ اصطلاحی حضور کے حق میں متحقق نہیں، وہاں یا فرض ہے یا مندوب، نَصَّ عَلَيْهِ الْإِمَامُ الْمُحَقِّقُ حَيْثُ أُطْلِقَ فِي الْفَتْحِ.

اب واضح ہو گیا کہ ان ارشادات کریمہ کے قطعًا یہی معنی ہیں کہ میں چاہتا تو اپنی امت پر ہر نماز کے لیے تازہ وضو اور ہر وضو کے وقت مسواک کرنا فرض فرما دیتا مگر ان کی مشقت کے لحاظ سے میں نے فرض نہ کیے۔ اور اختیار احکام کے کیا معنی ہیں۔ وللہ الحمد.[1]

قرآن حکیم کی ایک آیتِ کریمہ اور اُنچاس احادیث نبویہ آپ کے پیش نظر ہیں، ان سے بہت واضح طور پر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ احکام تشریعی حضور سید عالم ﷺ کو اللہ عزّ و جلّ نے تفویض فرما دیے ہیں، مگر فرقۂ وہابیہ کے امام اسے شرک قرار دیتے ہیں۔

---

(۱) یہ عنوان امام اہل سنت، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالہ: "والأمنُ والعلی لِناعِتي المصطفیٰ بدافع البلا" سے معمولی تصرف کے ساتھ ماخوذ ہے۔ ۱۲ منہ.

بارہواں مسئلہ

مدینۂ منوّرہ کے حرم ہونے کے شواہد

احادیثِ نبویہ سے

مکۂ معظمہ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعہ حرم بنایا اور مدینۂ طیبہ کو مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حرم بنایا، اسی لیے مکۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ کو حَرَمین شریفین کہا جاتا ہے، یہ دونوں شہر امن و امان کے شہر ہیں، وہاں کے جانوروں کو بِدکانا، انھیں شکار کرنا، وہاں کے درخت کاٹنا، وہاں کی گھاس چھیلنا، وہاں کسی کا خون بہانا جائز نہیں۔ کچھ احکام میں دونوں حرم میں فرق بھی ہے مگر یہ مقام اس کی تفصیل کا نہیں۔

کثیر احادیث نبویہ۔ جو تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہیں۔ اس امر کی شاہد ہیں کہ حضور شارع اسلام، ناطق وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو حَرَم بنایا، لہٰذا حدودِ حرم کا احترام ضروری ہوگا، اس کے برخلاف فرقۂ وہابیہ کے امام نے بہت سخت بات لکھ دی، ان کے الفاظ پڑھیے:

"بعضے کام تعظیم کے اللہ نے اپنے لیے خاص کیے ہیں کہ ان کو عبادت کہتے ہیں جیسے ... اس کے گھر کی طرف دور، دور سے قصد کر کے سفر کرنا، ... اور اس کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھاس نہ اکھاڑنا، مواشی نہ چگانا یہ سب کام اللہ نے اپنی عبادت کے لیے اپنے بندوں کو بتائے ہیں ... پھر جو کسی پیر و پیغمبر کو یا بھوت و پری کو سجدہ کرے ... یا ایسے مکانوں میں دور دور سے قصد کر کے جاوے ... وہاں کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرے ... تو اس پر شرک

ثابت ہوجاتا ہے اس کو اِشراك في العبادة کہتے ہیں، یعنی اللہ کی سی تعظیم کسی کی کرنی۔ پھر خواہ یوں سمجھے کہ یہ آپ ہی اس تعظیم کے لائق ہیں، یا یوں سمجھے کہ ان کی اس طرح کی تعظیم کرنے سے اللہ خوش ہوتا ہے... ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے۔"(۱)

پیرو پیغمبر کو بہ نیّتِ عبادت سجدہ کرنا ضرور شرک ہے، لیکن تعظیماً پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کے گرد وپیش کے جنگل کا ادب کرنا، وہاں کا شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، گھاس نہ اکھاڑنا ہرگز شرک نہیں کہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے شہر مقدس کو حرم بناکر خود اس کے ادب واحترام کا حکم جاری فرمادیا ہے۔ احادیث نبویہ میں اس کے کثیر شواہد موجود ہیں، ہم یہاں چند پیش کرتے ہیں۔(۲)

دلائلِ اہلِ سنت

مدینہ منورہ کے حرم ہونے کے شواہد، احادیث طیبہ سے:

① عن أنس بن مالك أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- قال: اللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ، وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا.(۳)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عرض کیا: "الٰہی! بے شک ابراہیم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے مکہ معظمہ کو حرم کردیا اور میں مدینہ طیبہ کی دونوں پتھریلی زمینوں کے درمیان جو کچھ ہے اسے حرم بناتا ہوں۔"

② عن عبد الله بن زيد بن عاصم أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه

(۱) تقوية الإيمان ص:۱۰، پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں، راشد کمپنی دیوبند

(۲) یہ شواہد ہمیں امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب: "الأمن والعلی" میں یک جا مل گئے، ہم نے وہیں سے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے، البتہ سند میں اصل راویِ حدیث "صحابیِ رسول" کے ذکر اور خاص طریقے پر حوالوں کی تخریج کا اضافہ کیا ہے۔ ۱۲ منہ

(۳) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۴۷۷، كتاب الأنبياء/ باب يزفون النسلان في المشي، مجلس البركات.
● صحيح البخاري، ج:۲، ص:۵۸۲، كتاب المغازي/ غزوة أحد، مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۱، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۸۸۳، ۸۸۴، مسند المكثرين/ مسند أنس بن مالك، رقم الحديث:۱۲۵۳۸.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

وسلم- قال: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَدَعَا لأَهْلِهَا وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ كَمَا حَرَّمَ إِبْرَاهِيمُ مَكَّةَ وَإِنِّي دَعَوْتُ فِي صَاعِهَا وَمُدِّهَا بِمِثْلَيْ مَا دَعَا بِهِ إِبْرَاهِيمُ لأَهْلِ مَكَّةَ.[1]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن زید بن عاصم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بے شک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکۂ معظمہ کو حرم بنادیا اور اس کے ساکنوں کے لیے دعا فرمائی، اور بے شک میں نے مدینہ طیبہ کو حرم کردیا جس طرح انھوں نے مکے کو حرم کیا۔ اور میں نے اس کے پیمانوں میں اس سے دونی برکت کی دعا کی جو دعا انھوں نے اہل مکہ کے لیے کی تھی۔"

③ أخبرني عامر بن سعد بن أبي وقّاص، عن أبيه أن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- قال: إِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لاَبَتَيِ الْمَدِينَةِ أَنْ يُقْطَعَ عِضَاهُهَا أَوْ يُقْتَلَ صَيْدُهَا.[2]

ترجمہ: سعد بن ابی وقاص اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"بے شک میں حرم بناتا ہوں دو سنگلاخ مدینہ کے درمیان کو کہ اس کی ببولیں نہ کاٹی جائیں اور اس کا شکار نہ مارا جائے۔"

④ عن رافع بن خديج قال: قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-:
إِنَّ إِبْرَاهِيمَ -عليه الصلاة والسلام- حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي أُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا.[3]

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۸۶، كتاب البيوع/ باب بركة صاع النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- مجلس البركات.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۰، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۱۱۷، أول مسند المدنيين/ حديث عبد الله بن زيد، رقم الحديث:۱۶۵۶.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

(۲) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۰، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۱۶۳، ۱۶۴، مسند العشرة/ مسند أبي إسحاق سعد بن أبي وقاص، رقم الحديث:۱۵۷۳.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

(۳) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۰، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الحج/ باب فضل المدينة.

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک ابراہیم نے مکہ معظمہ کو حرم کردیا اور میں مدینہ کے دونوں سنگلاخ کے درمیان کو حرم کرتا ہوں"

⑤ عن أبي سعيد . . . قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: اللّٰهُمّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجعَلَهَا حَرَمًا وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَأْزِمَيْهَا أَنْ لاَ يُهَرَاقَ فِيهَا دَمٌ وَلاَ يُحْمَلَ فِيهَا سِلاَحٌ لِقِتَالٍ وَلاَ يُخْبَطَ فِيهَا شَجَرَةٌ إِلاَّ لِعَلْفٍ.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "الٰہی! بے شک ابراہیم نے مکہ معظمہ کو حرام کرکے حرم بنادیا اور بے شک میں نے مدینہ کے دونوں کناروں میں جو کچھ ہے اسے حرم بناکر حرام کردیا کہ اس میں کوئی خون نہ گرایا جائے، نہ لڑائی کے لیے اسلحہ باندھیں، نہ کسی پیڑ کے پتے جھاڑیں مگر جانور کو چارہ دینے کے لیے۔"

⑥ عن أبي قتادة أن رسول الله-صلى الله تعالى عليه وسلم-... قال .... اللّٰهُمّ إِنِّي قَدْ حَرَّمْتُ مَا بَيْنَ لاَبَتَيْهَا كَمَا حَرَّمْتَ عَلَى لِسَانِ إِبْرَاهِيمَ الْحَرَمَ.

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "الٰہی بے شک میں نے تمام مدینہ کو حرم کردیا جس طرح تو نے زبانِ ابراہیم پر حرم محترم کو حرم بنایا۔"

هو وَ أحمد و الرُّوْيَانِي عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رضي الله تعالى عنه.(۲)

⑦ عن جابر قال: قال النبّي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ بيت الله وَ أَمَّنَه وَ إِنِّيْ حَرَّمْتُ الْمَدِينَةَ بَيْنَ لاَبَتَيْهَا لاَ يُقْطَعُ عِضَاهَا وَلَا يُصَادُ صَيْدُهَا.(۳)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:٤٤٣، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:١٦٧، ١٦٤، مسند الأنصار / حديث أبي قتادة الأنصارى، رقم الحديث: ٢٣٠٠٧.

(۳) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:٤٤٠، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:٣١٠، كتاب الصيد/ صيد المدينة.

ابراہیم نے بیت اللہ کو حرم بنادیا اورامن والا کردیا اور میں نے مدینہ طیبہ کو حرم کیاکہ اس کے خار دار درخت بھی نہ کاٹے جائیں اور اس کے جانور شکار نہ کیے جائیں۔"

⑧ عن ابن المسيّب، أنّ أبا هريرة قال: حَرَّمَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- مَا بَيْنَ لاَبَتَي الْمَدِينَةِ. وَجَعَلَ اثْنَيْ عَشَرَ مِيلاً حَوْلَ الْمَدِينَةِ حِمًى. (١)

ترجمہ: سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایاکہ "تمام مدینہ طیبہ کو رسول اللہ ﷺ نے حرم کردیا اور اس کے آس پاس بارہ، بارہ میل تک سبزہ و درخت کو لوگوں کے تصرف سے اپنی حمایت میں لے لیا۔"

⑨ عن رافع بن خديج -رضي الله تعالى عنه- أنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- حَرَّمَ مَا بَيْنَ لاَبَتَي الْمَدِينَةِ. (٢)

ترجمہ: حضرت رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ "بے شک رسول اللہ ﷺ نے تمام مدینہ طیبہ کو حرم بنادیا۔"

⑩ حَدَّثَنا عاصِمٌ، قال: قُلْتُ لأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَحَرَّمَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- الْمَدِينَةَ؟ قَالَ نَعَمْ.- الحديث زَادَ أَبُو جَعْفَرَ فِي رِوايَةٍ: لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا- وَ لِمُسْلِمٍ في أخرىٰ: نَعَمْ، هِيَ حَرَامٌ لَا يُخْتَلَى خَلاها فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَعلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَ الملائكةِ و النَّاسِ أَجْمَعِيْنَ. (٣)

ترجمہ: حضرت عاصم بیان کرتے ہیں کہ "میں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، کیا مدینہ کو رسول اللہ ﷺ نے حرم بنادیا؟ فرمایا: ہاں، اس کا پیڑ نہ کاٹا جائے، اس کی گھاس نہ چھیلی جائے، جو ایسا کرے اس

---

(١) ● صحيح البخاري، ج:١، ص:٢٥١، فضائل المدينة/ باب حرم المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● الصحيح لمسلم، ج:١، ص:٤٤٢، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:٧٣٥، مسند المكثرين/ مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ١٠٣٢٢.
● مصنف عبد الرزّاق، ج:٩، ص:٢٩٠، كتاب حرمة المدينة، رقم الحديث: ١٧١٤٥.

(٢) ● الصحيح لمسلم، ج:١، ص:٤٤٠، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● شرح معاني الآثار، ج:٢، ص:٣١٠، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

(٣) ● الصحيح لمسلم، ج:١، ص:٤٤١، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● شرح معاني الآثار، ج:٢، ص:٣١٢، كتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

پر لعنت ہے اللہ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی۔‘‘

⑪ عن سليمان بن أبي عبد الله قال: رأيتُ سعد بن أبي وقّاص ... فقال ... إنَّ رَسُوْلَ الله –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– حَرَّمَ هٰذا الْحَرَمَ.[1]

ترجمہ: حضرت سعد بن ابو وقّاص کا بیان ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے اس حرم محترم کو حرم بنایا۔

⑫ عن شُرَحبيل، قال: أتانا زيدُ بنُ ثابت –رضى الله تعالى عنه– ونحنُ ننصب فخاخاً لنا بالمدينة فرمى بها، وقال: أَ لَمْ تَعْلَمُوا أنَّ رسولَ الله –صلى الله عليه و سلم– حَرَّمَ صَيْدَهَا.[2]

ترجمہ: حضرت شُرحبیل کہتے ہیں کہ ہم مدینہ طیبہ میں جال لگا رہے تھے، زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے، جال پھینک دیا اور فرمایا: تمھیں خبر نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کا شکار حرام قرار دیا ہے۔

ابو بکر بن ابی شیبہ نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث یوں روایت کی:

إنّ النَّبِيَّ –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– حَرَّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا.[3]

”بے شک نبی –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– نے پورے مدینۂ منورہ کو حرم کر دیا۔“

⑬ عن أبي سعيد الخدري أنَّ رَسُوْلَ الله –صلى الله تعالىٰ عليه وسلم– حَرَّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيِ الْمَدِيْنَةِ أَنْ يُّعْضَدَ شَجَرُهَا أَوْ يُخْبَطَ.[4]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ”بے شک رسول اللہ ﷺ نے تمام مدینے کو حرم بنا دیا ہے کہ اس کے پیڑ نہ کاٹے جائیں، نہ پتے جھاڑیں۔“

ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف فرماتے ہیں میں نے ایک چڑیا پکڑی تھی، اسے لیے ہوئے باہر گیا، میرے والد ماجد حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے، شدت سے میرا کان مل کر چڑیا کو

---

(١) سنن أبي داود، ص: ٢٣٢، كتاب المناسك/ بابٌ في تحريم المدينة، رقم الحديث: ٢٠٣٧.

(٢) شرح معاني الآثار، ج:٢، ص:٣١١، كتاب الصيد/ صيد المدينة.

(٣) مُصنّف ابن أبي شيبة، ج:١٢، ص: ٣٩٠، باب حرمة المدينة، الفاروق الحديثية، قاهرة.

(٤) شرح معاني الآثار، ج:٢، ص:٣١١، كتاب الصيد/ صيد المدينة.

چھوڑ دیا اور فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینے کا شکار حرام فرمادیا ہے۔"

⑭ عن صالح بن إبراهيم، عن أبيه، قال: اصطدتُ طيراً بالقنبلة، فخرجتُ به في يدي، فلقيني أبي عبد الرحمن بنُ عوف فقال: مَا هذا؟ فقلتُ: طيرٌ، اصطدتُه بالقنبلة، فحرَّك أذني عركاً شديداً، ثمّ أرسله من يديّ، ثمّ قال: حَرَّمَ رَسُوْلُ اللهِ - صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم - صَيْدَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا.[1]

یہ ۱۴/ حدیثیں ہیں، جن میں شروع کی حدیثوں میں خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہم نے مدینہ طیبہ کو حرم کردیا" اور بعد والی حدیثوں میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا کہ "حضور کے حرم کردینے سے مدینہ طیبہ حرم ہوگیا"، حالاں کہ یہ صفت خاص اللہ عزوجل کی ہے۔

اور حق یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے جنگل کا حرم ہونا نہ فقط انھی چودہ احادیث سے ثابت ہے بلکہ ان کے سوا اور بہت احادیث کثیرہ وارد ہیں۔ مثلاً:

⑮ عن أنس بن مالك، عن النبي -صلّی اللہ تعالیٰ علیه وسلَّمَ-: الْمَدِينَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا إِلَى كَذَا، لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا.[2]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "مدینہ یہاں سے یہاں تک حرم ہے اس کا پیڑ نہ کاٹا جائے۔"

⑯ عن أبي هريرة، عن النّبي -صلّی اللہ تعالی علیه وسلَّمَ- قال: المَدِيْنَةُ حَرَمٌ. الحديث.[3]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "مدینہ حرم ہے"

---

(۱) شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الصيد/ صيد المدينة.

(۲) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۵۱، فضائل المدينة/ باب حرمة المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.

● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۱، كتاب الحج/ باب فضل المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.

● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۹۵۱، مسند المكثرين/ مسند أنس بن مالك، رقم الحديث: ۱۳۵۷۴.

● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۲، كتاب الصيد والذبائح/ باب صيد المدينة.

(۳) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۲، كتاب الحج/ بابُ فضلِ المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.

هُمَا (أي البخاري ومسلم) وَ الطَّحَاوِيُّ وَ ابنُ جَرِيْرٍ وَّ اللفظُ لمسلم.

⑰ عن علي ... عن النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إلى كذا - وَ لِمُسْلِمٍ وَ الطَّحَاوِي مَا بَيْنَ عَيْرٍ إلى ثَوْرٍ - الحديث - زَادَ أَحْمَدُ وَ أَبُوْ دَاوُد فِي رِوَايَةٍ: لَا يُخْتَلَىٰ خَلَاهَا وَ لَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا.(۱)

ترجمہ: حضرت علی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "مدینہ کوہ عیر سے جبل ثور تک حرم ہے۔

احمد اور ابوداود نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیا کہ
اس کی گھاس نہ کاٹی جائے اور اس کا شکار نہ بھڑکایا جائے۔"

⑱ عن سهل بن حنيفة قال: هوى رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلّم- بيده إلى المدينة فقال: إِنَّهَا حَرَمٌ اٰمِنٌ.

ترجمہ: سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دستِ مبارک سے مدینہ طیبہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: "بے شک یہ امن والی حرم ہے۔"

هُوَ (أي مسلم) وأَحْمَدُ وَ الطَّحَاوِيُّ وَ أَبُوْ عَوَانَةَ.(۲)

⑲ حدثنا شهرٌ، قال ابنُ عباس: قال رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلم-: لِكُلِّ نَبِيٍّ حَرَمٌ وَ حَرَمِي الْمَدِيْنَةُ.(۳)

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۵۱، فضائل المدينة/ بابُ حرمةِ المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۲، كتاب الحج/ بابُ فضلِ المدينة، مجلس البركات، مبارك فور.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۹۱، مسند الخلفاء الراشدين/ مسند على بن أبي طالب، رقم الحديث: ۶۱۵.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۰، كتاب الصّيد والذبائح/ باب صيد المدينة.
● سنن أبي داود، ص: ۲۳۲، كتاب المناسك/ باب في تحريم المدينة، رقم الحديث: ۲۰۳۴.

(۲) ● الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۴۴۳، كتاب الحج/ بابُ فضلِ المدينة، مجلس البركات.
● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص:۱۱۳۰، مسند المكيين/ حديث سهل بن حنيف، رقم الحديث: ۱۶۰۷۲.
● شرح معاني الآثار، ج:۲، ص:۳۱۱، كتاب الصّيد/ باب صيد المدينة.

(۳) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۲۶۳، مسند آل العبّاس/ مسند عبد الله بن عبّاس، رقم الحديث: ۲۹۲۲.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کے لیے ایک حرم ہوتی ہے اور میری حرم مدینہ ہے۔''

⑳ عن جابر، انَّ النَّبِيَ -صلی الله تعالیٰ علیه وسلم- حَرَّمَ كُلَّ دَافَّةٍ أَقْبَلَتْ عَلَى الْمَدِيْنَةِ مِنَ الْعِضَةِ. الحديث۔[1]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے ہر گروہ مردم کو کہ حاضرِ مدینہ ہو اس کے خاردار درخت ممنوع فرمادیئے۔

㉑ عن أبي أيوب الأنصاري -رضي الله تعالى عنه- أنه وجد غِلمانا قد ألجؤوا ثعلباً إلى زاوية، فطردهم، قال مالِكٌ: لا أعلم إلّا أنه قال: أ في حرم رسول الله – صلى الله تعالى عليه وسلم- يُصنَعُ هذا؟[2]

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ لڑکوں نے ایک روباہ کو گھیر کر ایک گوشے میں کر دیا تھا، ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکوں کو بھگا دیا۔

امام مالک فرماتے ہیں اور مجھے اپنے یقین سے یہی یاد ہے کہ فرمایا:

''کیا رسول اللہ ﷺ کی حرم میں ایسا کیا جاتا ہے؟''

㉒ ابنُ مسعود - يَبْعَثُ اللهُ عَزَّ وَ جَلَّ مِنْ هٰذِهِ الْبَقِيْعَةِ وَ مِنْ هٰذَا الْحَرَمِ سَبْعِيْنَ أَلْفًا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ يَشْفَعُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فِي سَبْعِيْنَ أَلْفًا وُجُوْهُهُمْ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ.[3]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ روز قیامت اس بقیع اور اس حرم سے ستر ہزار شخص ایسے اٹھائے گا کہ بے حساب جنت میں جائیں گے اور ان میں ہر ایک ستر ہزار کی شفاعت کرے گا، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوں گے۔''

---

(۱) مصنّف عبد الرزّاق، ج: ۹، ص: ۲۶۱، کتاب الأشربة/ باب حرمة المدينة رقم الحديث: ۱۷۱۴۷.

(۲) شرح معاني الآثار، ج: ۲، ص: ۳۱۱، کتاب الصيد/ باب صيد المدينة.

(۳) الفردوس بمأثور الخطاب، ج: ۵، ص: ۲۶۰، باب الياء، دار الكتب العلمية.

الغرض اس باب میں احادیثِ کثیرہ وارد ہیں جن سے روز روشن کی طرح یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ حضور سیّد عالم ﷺ نے مدینہ منورہ کو حَرَم بنایا اور اس کے گرد و پیش کے جنگل کا وہی ادب مقرر فرمایا جو مکہ معظمہ کے جنگل کا ہے۔

مگر امام الطائفہ اسے شرک قرار دیتے ہیں، الفاظ یہ ہیں:

"گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرنا یعنی وہاں شکار نہ کرنا، درخت نہ کاٹنا، یہ کام اللہ نے اپنی عبادت کے لیے بتائے ہیں، پھر جو کوئی کسی پیر، پیغمبر یا بھوت و پری کے مکانوں کے گرد و پیش کے جنگل کا ادب کرے تو اس پر شرک ثابت ہے۔"

یہ فرمان احادیثِ نبویہ، بالخصوص احادیثِ صحیحین سے کھلا انحراف ہے، خدائے پاک اس سے ہمیں محفوظ رکھے۔ آمین

تیرہواں مسئلہ

"اللہ چاہے پھر اللہ کے رسول" کہنا جائز ہے

احادیث نبویہ سے روشن ثبوت

بندہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو کرتا ہے اور نہیں کرنا چاہتا تو نہیں کرتا، مثلاً وہ سفر کرنا چاہتا ہے تو سفر کرتا ہے اور نہیں کرنا چاہتا تو نہیں کرتا، یا چاہے تو کھانا کھاتا اور پانی پیتا ہے اور نہ چاہے تو نہیں کھاتا، نہیں پیتا۔ یہ بات روزمرہ کے مشاہدات سے ہے جو سب جانتے، مانتے ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادر مطلق نے انسان کو "چاہنے" اور "نہ چاہنے" کی قوت بخشی ہے۔ ہاں بغیر اللہ تعالیٰ کی عطا کے بندے کے پاس ذاتی طور پر اپنی کوئی چاہت و مشیت نہیں اور خود اللہ تعالیٰ کی مشیت ذاتی ہے کہ یہ وصف خاص اس قادر مطلق کو اپنی ذات سے بغیر کسی کی عطا کے حاصل ہے۔

خدائے قدیر و توانا کی عطا سے بندے کی چاہت بھی یک گونہ اثر رکھتی ہے اس لیے یہ کہنا جائز ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ چاہے، پھر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم"

ہاں یہ نہیں کہنا چاہیے:

"اللہ چاہے اور اللہ کے رسول۔ جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم"

درس گاہِ نبوی سے براہ راست فیض پانے والے نفوس قدسیہ کے سینوں میں عقیدۂ توحید جس قدر راسخ اور پختہ تھا آج اس کی مثال نہیں مل سکتی پھر بھی وہ حضرات اپنی بول چال میں کہا کرتے تھے:

"ما شاءَ اللهُ وما شاءَ محمد۔ یا۔ ما شاءَ اللهُ وما شِئْتَ" جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد (ﷺ)- یا- جو چاہے اللہ اور جو چاہیں آپ، یارسول اللہ۔ تو حضور سید عالم ﷺ نے اسے شرک سے نہیں شمار فرمایا، بلکہ ابتداءً منع بھی نہیں فرمایا، جب کچھ یہود ونصاریٰ نے اسے "شرک" قرار دیا تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد میں اپنے اصحاب کو اس کی جگہ "مَا شاءَ اللهُ ثم مَا شَاءَ محمد-یا- ثُمّ مَا شِئْتَ" کہنے کی ہدایت فرمائی جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہود ونصاریٰ کی طرح کبھی کسی مریضِ قلب کو شرک کا وہم ہو سکتا تھا، یا کوئی اسے شرک کہہ کر مذہب اسلام اور صحابہ کرام کی مقدس ہستیوں کو مطعون کر سکتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہم اہل حق- اہل سنت وجماعت- "ما شاءَ اللهُ ثُمَّ مَا شَاءَ رسولُ الله" کہنے کی اجازت دیتے ہیں اور سرور کائنات ﷺ کی ہدایت کو اپناتے ہیں۔

اس کے برخلاف عہد حدیث کے امامِ اہلِ حدیث اسے "شرك في العادة" قرار دیتے ہیں، آں موصوف اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں لکھتے ہیں:

"الفصل الخامس في ردِّ الإشراك في العادات۔ فصل پانچویں اِشراک فی العادات کی بُرائی کے بیان میں"[(۱)] پھر اس کے تحت یہ خامہ فرسائی کرتے ہیں:

"أخرج في شرح السُّنّة عن حُذيفة عن النّبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- قال: لا تقولوا ما شاء الله وما شاء محمدٌ، وقولوا: ما شاء الله وحدهٗ"۔

مشکات کے "بابُ الاسامی" میں لکھا ہے کہ شرح السنۃ میں ذکر کیا کہ نقل کیا حُذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ پیغمبر خدا نے فرمایا کہ یوں نہ بولا کرو: "جو چاہے اللہ اور محمد"۔ اور بولا کرو جو چاہے اللہ فقط۔

ف یعنی جو اللہ کی شان ہے اور اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی مخلوق کو نہ ملا دے خواہ کتنا ہی بڑا ہو اور کیسا ہی مقرب، مثلاً یوں نہ بولے کہ "اللہ ورسول چاہے گا تو فلانا کام ہو جاوے گا" کہ سارا کاروبار جہاں کا اللہ ہی کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔"[(۲)]

صاحب تقویۃ الایمان نے جو ضابطہ بیان کیا ہے اس کی ایک مثال "اللہ ورسول کے چاہنے" کی دی ہے۔ اور اسے "شرک فی العادات" سے شمار کیا ہے۔

---

(۱) تقوية الإيمان، ص: ٤٠، الفصل الخامس في ردّ الإشراك في العادات، راشد کمپنی، دیو بند.

(۲) تقوية الإيمان، ص: ٥٠، الفصل الخامس في ردّ الإشراك في العادات، راشد کمپنی، دیو بند.

حالاں کہ حضور سید عالم -ﷺ- نے حدیث مذکور میں اسے قطعاً شرک نہ فرمایا، شرک تو دہلوی صاحب کی شریعتِ جدیدہ نے بتایا ہے، ناظرین اس حدیث کو بار بار پڑھیں۔

تاکہ آپ کو اچھی طرح یہ اذعان ویقین حاصل ہو جائے کہ حدیث نبوی میں کہیں شرک کی بات اشارۃً یا کنایۃً بھی نہیں کہی گئی ہے، بلکہ اس کے بر خلاف حدیث نبوی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم: "ما شاءَ اللهُ و ما شاءَ مُحمّد ﷺ" کہا کرتے تھے یعنی: جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد ﷺ" تو یہ اس کلمے کے شرک نہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔ بات بس اتنی سی ہے کہ یہ کلمہ ایک حیثیت سے بارگاہِ الٰہی کے ادب کے شایانِ شان نہ تھا اس لیے سرکار نے فرمایا کہ یوں نہ کہا کرو، بلکہ صرف "ماشاءَاللہ" کہا کرو۔

اگر وہ کلمہ بولنا شرک تھا تو کیا صحابہ کرام شرک کی بولی بولتے رہتے تھے اور کیا وہ حضرات معاذ اللہ مشرک تھے؟

خدا کی پناہ، اگر ایسا ہوتا تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام ان حضرات سے سب سے پہلے توبہ و تجدید ایمان کراتے، پھر کوئی ادب سکھاتے۔

امام الوہابیہ کا حدیث متّصل کو چھوڑ کر حدیث منقطع سے استدلال

علاوہ ازیں یہ حدیث منقطع ہے خود صاحب مِشکاۃ نے اسے منقطع بتایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی سند حضور سید کائنات ﷺ تک متّصل نہیں ہے، درمیان میں کہیں سے سلسلۂ سند ٹوٹا ہوا ہے اس لیے اطمینان کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ حضور سید الانبیا ﷺ کی زبان پاک سے نکلی ہوئی بات ہے پھر تو اس سے عدم جواز پر بھی استدلال بجا نہ تھا، تو ایسی حدیث سے شرک پر استدلال کرنا کتنی بڑی زیادتی ہے۔ ایک تو یہ حدیث منقطع اور ناقابل استدلال ہے۔ دوسرے استدلال بھی کیا تو شرک جیسے سب سے بدترین گناہ کے اثبات کے لیے جو ناقابل عفو کبیرہ ہے۔

صاحب مشکات نے پہلے یہ حدیث ذکر کی ہے "نہ کہو: جو چاہے اللہ اور چاہے فلاں۔ بلکہ یوں کہو کہ: جو چاہے اللہ پھر چاہے فلاں" جس سے ثابت ہوتا ہے کہ "اور چاہے فلاں" کی جگہ "پھر چاہے فلاں" کہا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اس کے بعد: "وفي روايةٍ منقطعا"[1] لکھ کر حضرت حُذیفہ

(۱) مشکاۃ المصابیح، ص: ۴۰۸، کتابُ الآداب/ باب الأسامي، مجلس البرکات.

والی یہ حدیث نقل کی ہے:

حدیث متّصل پیش نظر ہے پھر بھی اسے چھوڑ کر حدیث منقطع سے استدلال کیا جارہا ہے وہ بھی مشرک بنانے کے لیے، اسے سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ یہ شرحِ حدیث کے نام پر انصاف و دیانت کا خون کیا گیا ہے۔

دلائلِ اہلِ سنت

"اللہ چاہے پھر اللہ کے رسول" کے جواز کی احادیث:

اب ہم حضور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کچھ احادیث شریفہ پیش کرتے ہیں جن سے یہ امر بخوبی عیاں ہو جائے گا کہ اپنے امور کو اللہ تعالی، پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مشیت کے حوالہ کرنا جائز ہے۔

(۱) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ ، أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَأَى فِي النَّوْمِ أَنَّهُ لَقِيَ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ ، فَقَالَ : نِعْمَ الْقَوْمُ أَنْتُمْ لَوْلاَ أَنَّكُمْ تُشْرِكُونَ، تَقُولُونَ: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ.

وَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ - فَقَالَ : أَمَا وَاللّٰهِ، إِنْ كُنْتُ لأَعْرِفُهَا لَكُمْ ، قُولُوا : مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ. (۱)

ترجمہ: حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان نے خواب میں دیکھا کہ اس کی ملاقات کسی کتابی سے ہوگئی تو اس نے کہا کہ تم لوگ کیا ہی اچھی قوم ہو اگر تم لوگ شرک نہ کرتے، تم لوگ کہتے ہو "جو چاہے، اللہ عزّ و جلّ اور جو چاہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اس کا ذکر اس مسلمان نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا، تو حضور نے فرمایا: سنو! اللہ کی قسم مجھے معلوم تھا کہ تم لوگ یہ بات کہتے ہو، اب یوں کہا کرو: "مَا شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ." جو اللہ چاہے، پھر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چاہیں۔

(۲) حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الشَّوَارِبِ ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ ، عَنْ رِبْعِيِّ بْنِ حِرَاشٍ، عَنِ الطُّفَيْلِ بْنِ سَخْبَرَةَ ، أَخِي عَائِشَةَ لأُمِّهَا ، عَنِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰه تعالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- بِنَحْوِهِ. (۲)

---

(۱) سنن ابن ماجه، ص:۲۲۹، كتاب الكفارات/ بابُ النّهي أن يقال "ما شاء اللهُ وشئتُ".

(۲) سنن ابن ماجه، ص:۲۲۹، كتاب الكفارات/ بابُ النّهي أن يقال "ما شاء اللهُ وشئتُ".

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ کے ماں شریک بھائی طفیل بن سخبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث حُذیفہ کے ہم معنی حدیث روایت کی۔

(۳) عَنْ قُتَيْلَةَ بِنْتِ صَيْفِيٍّ ، امْرَأَةٍ مِنْ جُهَيْنَةَ قَالَتْ : إِنَّ حَبْرًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ: إِنَّكُمْ تُشْرِكُونَ، تَقُولُونَ ''مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ'' وَتَقُولُونَ ''وَالْكَعْبَةِ''، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- : قُولُوا: مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شِئْتَ. وَقُولُوا: وَرَبِّ الْكَعْبَةِ.(۱) هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. قال الإمام الذّهبي في التلخيص : صحيح.

ترجمہ: قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون قُتَیلہ بنت صیفی کا بیان ہے کہ ایک یہودی عالم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا کہ آپ لوگ شرک کرتے ہیں، آپ لوگ کہتے ہیں ''جو چاہے اللہ اور جو چاہوں میں'' -یا جو چاہیں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- اور آپ لوگ کہتے ہیں ''کعبہ کی قسم'' تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: تم لوگ یوں کہو'' ما شاءَ اللّٰہُ ثم شئتَ'' جو چاہے اللہ تعالیٰ پھر جو چاہیں رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم -اور قسم میں ''وَرب الکعبة'' کہا کرو، یعنی رب کعبہ کی قسم۔

امام ذہبی نے کہا: یہ حدیث صحیح ہے۔

(٤) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الأَكْوَعِ ، أَنَّ عَامِرَ بْنَ الطُّفَيْلِ لَمْ يَدْخُلِ الْمَدِينَةَ إِلاَّ بِأَمَانٍ مِنْ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَلَمَّا جَاءَ النَّبِيَّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ لَهُ النَّبِيُّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: يَا عَامِرُ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ. قَالَ: نَعَمْ عَلَى أَنَّ لِي الْوَبَرَ وَلَكَ الْمَدَرَ. قَالَ: هٰذَا لاَ يَكُونُ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ. ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: يَا عَامِرُ ، اذْهَبْ حَتَّى نَنْظُرَ فِي أَمْرِكَ إِلَى غَدٍ.

فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- إِلَى الأَنْصَارِ فَقَالَ : مَاذَا تَرَوْنَ ؟ إِنِّي قَدْ دَعَوْتُ هٰذَا الرَّجُلَ فَأَبَى أَنْ يُسْلِمَ إِلاَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ الْوَبَرُ وَلِي الْمَدَرُ فَقَالُوا :

''مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شِئْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ''

مَا أَخَذُوا مِنَّا عِقَالاً إِلاَّ أَخَذْنَا مِنْهُمْ عِقَالَيْنِ فَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ.

---

(۱) المستدرك على الصحيحين، ج:٤،ص: ٢٩٧.

تلخيصُ الإمام الذّهبي المطبوع مع المستدرك، ج:٤،ص: ٢٩٧، كتاب الأيمان والنذور / باب تسبيح ديك رجلاه في الأرض وعنقه تحت العرش.

فَرَجَعَ عَامِرٌ إِلَى النَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- فَقَالَ لَهُ: أَسْلِمْ تَسْلَمْ. يَا عَامِرُ قَالَ : لَيْسَ إِلاَّ ذٰلِكَ ، فَأَبَى إِلاَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ الْوَبَرُ وَلِلنَّبِيِّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- الْمَدَرُ ، فَأَبَى النَّبِيُّ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-. (۱)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ عامر بن طفیل رسول اللہ -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- سے امان لے کر مدینہ منورہ آیا، جب وہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نے فرمایا: ”اے عامر! اسلام قبول کرلو، محفوظ رہوگے“ تو اس نے کہا:

”ٹھیک ہے، مگر شرط یہ ہے کہ دیہی علاقوں پر میری حکومت ہو، اور شہروں پر آپ کی“ تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ مجھے منظور نہیں، ”أَسْلِمْ تَسْلَمْ“ اسلام قبول کرلو، محفوظ ہوجاؤ گے۔

پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عامر! ابھی تم چلے جاؤ، ہم تمھارے بارے میں کل تک غور کریں گے۔ پھر سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار کو بلا کر فرمایا: تمھاری کیا رائے ہے، میں نے اس شخص کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا مگر یہ کہ دیہات پر حکومت اس کی ہو اور شہر پر میری۔ تو انصار نے عرض کیا:

”مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شِئْتَ“۔

”جو اللہ تعالیٰ چاہے پھر یا رسول اللہ آپ چاہیں“۔

وہ لوگ ہماری ایک رسی بھی لے لیں گے تو ہم ان سے دو رسیاں چھین لیں گے، آگے اللہ ورسول کو خوب معلوم ہے کہ کیا مناسب ہے۔

پھر عامر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو حضور نے فرمایا: اے عامر اسلام قبول کرلو محفوظ ہوجاؤ گے، اس کے سوا کوئی اور راہ نہیں ہے، تو اس نے انکار کر دیا اور قبول اسلام کے لیے اپنی وہی شرط پیش کر دی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے نامنظور فرمادیا۔

ان احادیث سے یہ امر بہت واضح ہو کر سامنے آگیا:

- مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ -(جو چاہے اللہ، پھر چاہیں محمد)
- مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شِئْتُ -(جو چاہے اللہ، پھر چاہوں میں)

(۱) المستدرك على الصحيحين، ج:٤،ص: ٨٣، ٨٤، كتاب معرفة الصحابة / ذكر فضيلة أخرى للأوس والخزرج لم يقدر ذكرها من فضائل الأنصار.

- مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شِئْتَ ۔(جو چاہے اللہ، پھر چاہیں آپ)
- مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شِئْتَ يَا رَسُولَ اللهِ۔(جو چاہے اللہ، پھر چاہیں آپ، یارسول اللہ ﷺ)

کہنا جائز ہے اور اس کی اجازت خود ہادی اسلام، سید المرسلین ﷺ نے دی ہے، اور بھی متعدّد احادیث میں اس کی صراحت ہے، اس کی ایک مضبوط دلیل "حدیث ابرص واقرع واعمٰی" بھی ہے جو صحیح البخاری میں اس طرح ہے:

حدیث ابرص واقرع واعمٰی

(۵) حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ، أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- يَقُولُ: إِنَّ ثَلَاثَةً فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ -أَبْرَصَ •وَأَقْرَعَ • وَأَعْمَى - بَدَا لِلّٰهِ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا:

فَأَتَى **الْأَبْرَصَ** فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ : لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ ؛ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ وَأُعْطِيَ لَوناً حَسناً . فَقَالَ : فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيكَ ؟ قَالَ : الإِبلُ، أَوْ قَالَ : البَقَرُ -شكَّ الرَّاوِي - فَأُعطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ ، فَقَالَ : بَارِكَ اللهُ لَكَ فِيهَا .

فَأَتَى **الْأَقْرَعَ**، فَقَالَ: أَيُّ شَيءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: شَعْرٌ حَسَنٌ، وَيَذْهَبُ عَنِّي هَذَا الَّذِي قَذِرَنِي النَّاسُ؛ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ وأُعْطِيَ شَعراً حَسَناً . قَالَ : فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: البَقَرُ، فَأُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلاً، وَقَالَ: بَارَكَ اللهُ لَكَ فِيهَا.

فَأَتَى **الْأَعْمَى**، فَقَالَ : أَيُّ شَيءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ ؟ قَالَ : أَنْ يَرُدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرُ النَّاسَ؛ فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللهُ إِلَيْهِ بَصَرهُ. قَالَ: فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ ؟ قَالَ : الغَنَمُ ، فَأُعْطِيَ شَاةً والداً ، فَأَنْتَجَ هذَانِ، وَوَلَّدَ هَذَا ، فَكَانَ لِهَذَا وَادٍ مِنَ الإِبلِ ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ البَقَرِ ، وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ الغَنَمِ .

ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى **الْأَبْرَصَ** فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ ، فَقَالَ : رَجلٌ مِسْكِينٌ قَدِ انقَطَعَتْ بِيَ الحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِيَ اليَومَ إِلاَّ بِاللهِ ثُمَّ بِكَ، أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّونَ الحَسَنَ، والجِلْدَ الحَسَنَ، وَالمَالَ، بَعِيراً أَتَبَلَّغُ بِهِ فِي سَفَرِي، فَقَالَ : الحُقُوقُ كَثِيرَةٌ . فَقَالَ : كَأَنِّي اعرِفُكَ ، أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فقيراً فأعطَاكَ اللهُ !؟ فَقَالَ : إِنَّمَا وَرِثْتُ هَذَا المَالَ كَابِراً عَنْ كَابِرٍ ، فَقَالَ : إِنْ كُنْتَ كَاذِباً فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلَى مَا كُنْتَ .

وَأَتَى الأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ ، فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذا ، وَرَدَّ عَلَيهِ مِثْلَ مَا رَدَّ هٰذا، فَقَالَ : إنْ كُنْتَ كَاذِباً فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلَى مَا كُنْتَ .

وَأَتَى الأَعْمَى فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ ، فقَالَ : رَجُلٌ مِسْكِينٌ وابنُ سَبيلٍ انْقَطَعتْ بِيَ الحِبَالُ فِي سَفَرِي، فَلا بَلاغَ لِيَ اليَومَ إلاَّ بِاللهِ ثُمَّ بِكَ ، أَسأَلُكَ بالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرِكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي ؟ فَقَالَ : قَدْ كُنْتُ أعمَى فَرَدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللهِ ما أَجْهَدُكَ اليَومَ بِشَيءٍ أَخَذْتَهُ لله -عزّوجلّ- وفِي روايةٍ لِلبخاري:لَا أحمد اليومَ. فَقَالَ: أَمْسِكْ مالَكَ فإنَّمَا ابْتُلِيتُمْ . فَقَدْ رضي اللهُ عنك ، وَسَخِطَ عَلَى صَاحِبَيكَ. مُتَّفَقٌ عَلَيهِ .(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

قوم بنو اسرائیل میں تین شخص تھے ● اَبرص (سفید داغ والا) ● گنجا ● اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لیناچاہا (تاکہ وہ لوگوں کے لیے درسِ عبرت بنیں) تو ان کے پاس اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا۔

● وہ فرشتہ ''سفید داغ والے'' کے پاس آیا اور اس سے دریافت کیا کہ تجھے کیا چیز پسند ہے؟ اس نے کہا: اچھا رنگ، اچھی کھال اور مجھ سے وہ عیب دور ہو جائے جس کے باعث لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۔ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو وہ سفید داغ ختم ہو گیا، پھر اسے اچھا رنگ اور اچھی کھال عطا کر دی گئی۔

---

(۱) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص: ٤٩٢، كتابُ أحاديث الأنبياء/ بابُ حديث أبرص واقرع وأعمى، مجلس البركات.

● الصحيح لمسلم، ج:۲، ص: ٤٠٨، كتاب الزهد/ فصل في حديث الأبرص والأقرع والأعمى.

● رياض الصالحين من كلام سيد المرسلين، ص: ۳۰، ۳۱، بابُ المراقبة، مجلس البركات، واللفظ له.

و''النَّاقةُ العُشَرَاءُ'' بضم العين وفتح الشين وبالمد: هي الحامِل. قوله: ''أَنْتَجَ'' وفي رواية: '' فَنَتَجَ '' معناه: تولَّى نِتاجها، والناتج لِلناقةِ كالقابِلةِ للمرأةِ. وقوله: '' وَلَّدَ هَذَا'' هُوَ بتشديد اللام: أي تولى ولادتها، وَهُوَ بمعنى أنتج في الناقة ، فالمولّد ، والناتج ، والقابلة بمعنى ؛ لكن هَذَا لِلحيوان وذاك لِغيرِهِ . وقوله: ''انْقَطَعَتْ بي الحِبَالُ '' هُوَ بالحاءِ المهملةِ والباءِ الموحدة : أي الأسباب. وقوله: ''لا أَجْهَدُكَ '' معناه: لا أشقُّ عليك في ردِّ شيء تأخذه أَوْ تطلبه مِن مالي. وفي رواية البخاري:''لا أَحمَدُكَ '' بالحاءِ المهملة والميمِ ومعناه: لا أحمدك بترك شيء تحتاج إِلَيْه إھ-رياض الصالحين، ص: ۳۱، ۳۲، مجلس البركات. ۱۲ منه .

فرشتے نے پوچھا: تجھے مال کون سا پسند ہے؟ اس نے کہا: اونٹ یا گاے۔ راوی کو شک ہے کہ حضور نے کیا فرمایا: البتہ سفید داغ والے اور گنجے میں سے ایک نے اونٹ کہا اور دوسرے نے گاے۔ اسے دس مہینے کی حاملہ اونٹنی دی گئی اور فرشتے نے اس میں برکت کی دعا کی۔

● پھر وہ فرشتہ "گنجے" کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کیا چیز زیادہ محبوب و پسند ہے؟ اس نے کہا: اچھے بال، اور مجھ سے یہ عیب دور ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھے ناگوار رکھتے ہیں۔ تو فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے اچھے بال عطا کر دیے گئے۔

فرشتے نے پوچھا کہ تجھے کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ گنجے نے کہا گاے تو اسے فرشتے نے ایک حاملہ گاے دے دی اور دعا کی کہ اللہ تجھے اس گاے میں برکت دے۔

● پھر وہ فرشتہ "اندھے" کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تجھے کیا چیز زیادہ محبوب و پسندیدہ ہے؟ اس نے کہا: یہ کہ اللہ تعالی میری نگاہ واپس کر دے تاکہ میں لوگوں کو دیکھوں۔

فرشتے نے پوچھا اور تجھے مال کون سا زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا: بکری۔ تو فرشتے نے اسے حاملہ بکری دے دی۔

پھر اونٹنی، گاے اور بکری کے خوب بچے ہوئے، یہاں تک کہ ایک جنگل ایک کے اونٹوں سے بھر گیا اور ایک جنگل دوسرے کی گایوں سے اور ایک جنگل تیسرے کی بکریوں سے۔

نرالے انداز کا امتحان:

(الف) اس کے بعد وہ فرشتہ "سفید داغ والے" کے پاس اس کی صورت اور حالت میں آیا اور فریاد کی کہ "میں مسکین آدمی ہوں، سفر میں میرے تمام اسباب اور وسائل ختم ہو چکے ہیں، **منزلِ مقصود تک پہنچنے کی کوئی صورت نہیں سوائے اللہ کی مدد کے، پھر تیری مدد کے**۔ میں تجھ سے اس ذات کے وسیلے سے سوال کرتا ہوں جس نے تجھے اچھا رنگ، اچھی کھال اور مال (اونٹ) عطا کیے تاکہ میں منزل مقصود تک پہنچ سکوں۔

تو اس نے جواب دیا کہ حقوق بہت ہیں۔ فرشتے نے کہا: لگتا ہے کہ میں تجھے پہچانتا ہوں، کیا تجھے سفید داغ کا مرض نہ تھا جس کے باعث لوگ تجھ سے گھن کرتے تھے (تو اللہ نے تجھے شفا دی) کیا تو محتاج نہ تھا تو اللہ تعالی نے تجھے عطا کیا، اس نے کہا میں تو کئی پشتوں سے اس مال کا وارث و مالک ہوں۔

فرشتے نے کہا:

”اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھے پہلے جیسا کر دے۔“

(ب) وہ فرشتہ گنجے کے پاس اس کے بھیس میں آیا اور اس سے وہی ساری باتیں کیں جو سفید داغ والے سے کی تھیں اور گنجے نے فرشتے کو وہی سارے جوابات دیے جو سفید داغ والے نے دیے تھے، تو فرشتے نے اس کے حق میں بھی وہی محرومی کی دعا کر دی کہ:

”اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے اسی حال میں کر دے جیسا پہلے تھا۔“

(ج) اب وہ فرشتہ اندھے کے پاس اس کی صورت میں آیا اور التجا کی کہ میں مسکین آدمی ہوں اور مسافر ہوں، سفر میں تمام اسباب و ذرائع ختم ہو چکے ہیں، **اب پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں مگر یہ کہ اللہ مدد فرمائے پھر تم مدد کرو۔** میں تجھ سے اُس ذات کے واسطے سے۔ جس نے تجھے نگاہ عطا فرمائی۔ ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تا کہ منزل مقصود تک میرا سفر تمام ہو سکے۔

اس نے کہا: ہاں، میں واقعی اندھا تھا، تو اللہ نے مجھے آنکھیں عطا فرمائیں اور فقیر و محتاج تھا، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے غنی کر دیا، تم جو کچھ چاہو لے لو، آج تم اللہ کے نام پر جو کچھ بھی لو گے میں تمھیں اس سے نہیں روکوں گا، اور نہ ہی کوئی حاجت کی چیز نہ لینے پر تمھاری ستائش کروں گا۔

فرشتے نے کہا تم، اپنا مال اپنے پاس رکھو۔ قصہ یہ ہے کہ تم تینوں کا امتحان تھا تو اللہ تم سے راضی ہے اور سفید داغ والے اور گنجے سے ناراض۔

اس حدیث جلیل سے کئی افادات حاصل ہوئے:

(الف) یہ کہنا جائز ہے کہ منزل تک پہنچنے یا حاجت پوری ہونے کی کوئی صورت نہیں سوائے اللہ کی مدد کے، پھر تیری مدد کے۔

(ب) حاجت کے وقت غیرُ اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے اور یہ آیتِ کریمہ: ”وإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“[۱] کے منافی نہیں۔

فرشتے معصوم ہوتے ہیں، ان سے گناہ کا صدور ممکن نہیں، پھر بھی اس فرشتے نے تین تین بار الگ الگ اشخاص سے اپنی لاچاری ظاہر کرتے ہوئے مدد مانگی ”فَلَا بَلَاغَ إِلَّا بِاللهِ ، ثُمَّ بِكَ“، ساتھ

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الفاتحۃ: ۱، الآیۃ: ۵.
ترجمہ: اور ہم تجھی سے مدد مانگیں۔

ہی ایک سے اونٹ کا، دوسرے سے گائے کا اور تیسرے سے بکری کا سوال کیا۔

(ج) اللہ عزوجل کی طرف سے مدد اس کی مشیت کے ساتھ ہی ہوگی، ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ کسی کی مدد فرمائے اور اس کی مشیت نہ ہو۔ یوں ہی بندہ بعطائے الٰہی کسی کی مدد کرے اور اس کی مشیت نہ ہو، تو اس سے ثابت ہوا کہ جب "لَا بَلَاغَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، ثُمَّ بِكَ" کہنا جائز ہے تو "مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" کہنا بھی جائز ہے کہ مدد مشیت سے جدا ہو کر نہیں پائی جاتی۔

اور شروع کی چار حدیثیں، تو شہادت دے رہی ہیں کہ مصطفی جان رحمت ﷺ نے خود اپنی زبان پاک سے یہ اجازت دے دی کہ تم لوگ " مَا شَاءَ اللّٰهُ ، ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ" کہا کرو۔ جن میں سے دو حدیثیں "سننِ ابن ماجہ" کی ہیں جو صحاحِ ستّہ سے ہے۔

امام اہلِ حدیث نے شرح السُّنّہ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ **ایک** تو منقطع وضعیف ہے۔

دوسرے اس میں وَشَاءَ محمد یا ثمّ شاء محمد کے شرک ہونے کا دور دور تک کوئی اشارہ بھی نہیں ہے، یہ ہے حدیث پر امام اہل حدیث کا عمل اور یہ ہے صحیحین کا قبول۔ اب حق و باطل کا فیصلہ خود منصف ناظرین کو کرنا چاہیے۔

چودہواں مسئلہ

مسلمانوں کو مشرک قرار دینے کی شناعت

احادیث نبویہ کی روشنی میں

مسلمانانِ اہل سنت و جماعت جو دل سے کلمۂ شہادت کی تصدیق کرتے، زبان سے اس کا اقرار کرتے اور حمایتِ سنت ورڈِ بدعت فرماتے ہیں اور حق یہ ہے کہ ان کے لیل ونہار حدیث نبوی:

"يَشْهَدُوْا أَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَ يُؤْمِنُوْا بِيْ وَ بِمَا جِئْتُ بِهٖ."[1]

کی واضح تفسیر اور "اتّبِعُوا السَّوادَ الأعْظَم"[2] کی نمایاں تصویر ہیں، فرقۂ وہابیہ بڑی بے باکی کے ساتھ انھیں کافر و مشرک قرار دیتا ہے، کبھی وہ ایسی ہوا چلاتا ہے کہ عامۂ امتِ مسلمہ مشرک قرار پاتی ہے اور روز مرّہ کی زندگی میں بات بات پر شرک کے فتوے جاری کرتا ہے، جنھیں ان مہربانوں سے سابقہ پڑا ہے وہ ان کے اس طرح کے خصائل سے بخوبی آگاہ ہیں اور ہم عن قریب ان کی مذہبی کتابوں سے کچھ شواہد بھی پیش کریں گے۔

---

(۱) الصحیح لمسلم ج: ۱، ص: ۳۷، کتاب الإیمان، مجلس البرکات.

(۲) ❀ المستدرك للحاكم، ج:۱،ص: ۱۱۵، كتاب العلم/ باب لا يجمع الله هذهِ الأمة على الضّلالة أبدا.

❀ ومشكاة المصابيح، ص: ۳۰، كتاب الإيمان/ باب الاعتصام بالكتاب والسنة، مجلس البركات.

قال صاحب المشكاة: "رواه ابن ماجه من حديث أنس" لكن لم أجده في سننهٖ بهذا اللفظ وهو أخرجه بلفظ "فعليكم بالسّواد الأعظم". ۱۲ منه

سب سے پہلے ہم یہاں کچھ احادیث نبویہ سے اپنے مسلمان بھائیوں کو شاد کام کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ اپنی ایمانی نگاہوں سے مشاہدہ کرلیں کہ انھیں مشرک کہنے والے احادیث مبارکہ پر عمل کر رہے ہیں، یا ان سے منحرف ہیں۔

- یہ حضرات کبھی عامۂ مسلمین کو مشرک بتاتے ہیں۔ اور
- کبھی انفرادی طور پر مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

اس مناسبت سے ہم یہاں دو انواع کی حدیثیں نقل کرتے ہیں:

پہلی نوع کی حدیث کا مفاد یہ ہوگا کہ پوری امت مسلمہ کبھی مشرک نہیں ہوگی۔

اور **دوسری نوع** کی احادیث کا مفاد یہ ہوگا کہ کسی مسلمان کو کافر یا مشرک کہنا خود کافر یا مشرک ہونا ہے کیوں کہ کوئی مسلمان کسی کے کافر یا مشرک کہہ دینے سے کافر یا مشرک نہیں ہوتا، جیسے حلال مطعومات یا مشروبات، وغیرہ کسی کے حرام کہہ دینے سے حرام نہیں ہوجاتے۔

اس بحث سے ہمارا مقصود حضرات وہابیہ کی اصلاح بھی ہے کہ شاید کسی وہابی کے دل میں ان احادیث سے خوفِ خدا پیدا ہو اور وہ مسلمانوں کو مشرک بنانے سے توبہ و رجوع کرلے۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَ مَا تَوْفِیْقِي إِلَّا بِاللهِ.

نوعِ اول کی حدیث

پوری امت مسلمہ کبھی مشرک نہیں ہوگی

① عَنْ عُقبَةَ بْنِ عَامِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ -صلی الله تعالی علیه وسلّم- خَرَجَ يَوْمًا ... فقال: ... وَ إِنِّي وَ اللهِ، مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِي وَ لٰكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا.[1]

(۱) ❀ صحیح البخاري، ج:۱، ص: ۱۷۹، کتاب الجنائز/ باب الصّلاة علی الشهید، مجلس البرکات.
❀ الصحیح لمسلم ج: ۲، ص: ۲۵۰، کتاب الفضائل / باب إثباتِ حوضِ نبیّنا صلی الله تعالیٰ علیه وسلم و صفاتِهٖ، مجلس البرکات.

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک روز باہر نکلے ... تو فرمایا... اللہ کی قسم، یقیناً مجھے تم پر یہ اندیشہ نہیں کہ تم لوگ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ زمین کے خزانوں کو دوسروں سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش کرو گے۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ "سارے مسلمان مشرک ہو جائیں" اس کا کوئی اندیشہ نہیں، ہاں گاہے گاہے بعض اس کا شکار ہو سکتے ہیں، چناں چہ عمدۃ القاری، فتح الباری اور ارشاد الساری وغیرہ میں اس حدیث کی یہی تشریح کی گئی ہے کلمات سب کے یہ ہیں:

معناهُ: علىٰ مجموعكم؛ لأنّ ذٰلك قَدْ وقَعَ مِنَ البعضِ، و العياذ باللّٰه تعالىٰ.[1]

ترجمہ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ: میں تم سب لوگوں کے مشرک ہو جانے کا خوف نہیں کرتا، کیوں کہ بعض لوگ تو مشرک ہوئے ہیں، اللہ کی پناہ۔

امام ابوزکریا نووی شرح صحیح مسلم میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فإنّ معناهُ: ... أنّها لا ترتدّ جملةً و قد عصمها اللّٰه تعالىٰ مِن ذٰلك.[2]

ترجمہ: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ امت مجموعی طور پر مرتد نہیں ہوگی جب کہ اللہ تعالیٰ نے امت کو اس سے معصوم فرما دیا ہے۔

اس کے برخلاف فرقۂ وہابیہ اپنے سوا تمام مسلمانوں کو مشرک قرار دیتا ہے، ان کا عقیدہ ہے کہ تقلید شرک اور مقلدین مشرک ہیں جیسا کہ تقلید کی بحث میں ہے، حالاں

---

(۱) ❀ عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج: ۸، ص: ۲۲۷، كتابُ الجنائز/ باب الصّلاة على الشهيد، دار الكتب العلمية، بيروت.

❀ فتح الباري بشرح صحيح البخاري، ج: ۳، ص: ۱۶۹، كتاب الجنائز/ باب الصّلاة على الشهيد، المطبعة الكبرى الأميرية، بولاق، مصر.

❀ إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ٤٤٠، كتاب الجنائز/ باب الصّلاة على الشهيد، المطبعة الكبرىٰ الأميرية، بولاق، مصر.

(۲) المنهاج في شرح الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۲۵۰، كتاب الفضائل/ بابُ إثباتِ حوضِ نبيّنا صلى اللّٰه تعالى عليه وسلَّمَ و صفاتِهٖ، مجلس البركات.

کہ تقلید کا ثبوت عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ سے ہے اور بارہ سو سال سے زیادہ ہوئے اہلِ اسلام — جن میں بڑے بڑے محبوبانِ خدا، عاشقانِ رسول، کاملانِ امت، اولیا، صُلحا، علما، ائمہ، اور دیگر مومنین ہیں۔ تقلید کرتے آرہے ہیں اور عرصۂ دراز سے **سَوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت چار مذاہبِ تقلید۔ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی۔ میں منحصر ہو چکے ہیں**، جیسا کہ علامہ سیّدی احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں:

مَنْ شَذّ عن جمهور أهل الفقه و العلم والسّواد الأعظم فقد شذّ في ما يُدخِلُه في النّار، فعَلَيْكُمْ مَعَاشِرَ المؤمنين باتّباع الفرقة النّاجية المسمّاة بـ "أهل السُّنّة والجماعة" فإنّ نصرةَ الله تعالىٰ و حفظه و توفيقه في موافقتِهم، و خذلانه و سخطه في مخالَفتِهم.

وهٰذه الطائفةُ النّاجيةُ قد اجتمعت اليوم في مذاهب أربعةٍ و هُمُ الحنفيون و المالكيون والشّافعيّون و الحنبليّون ــــ رحمهمُ الله تعالىٰ ــــ و مَن كان خارجًا عن هٰذه الأربعة في هٰذا الزّمان فهو مِن أهل البدعة والنّار.[1]

ترجمہ: جو شخص جمہور فقہا و علما اور سوادِ اعظم سے الگ ہوا، وہ ایسے عقیدے کے ساتھ الگ ہوا جو اسے جہنم میں داخل کرے گا، تو اے مومنوں کے گروہ! تم پر فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت و جماعت کی پیروی لازم ہے؛ کیوں کہ اللہ کی مدد، اس کی حفاظت اور اس کی توفیق اہلِ سنت کی موافقت میں ہے، اور اس کی مدد سے محرومی اور اس کی ناراضی اہلِ سنت کی مخالفت میں ہے۔

اور یہ نجات والا گروہ اب چار مذاہب- حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی- میں مجتمع ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت فرمائے۔ اس زمانے میں جو ان چاروں مذاہب سے باہر ہے وہ بدعتی و جہنمی ہے۔

اس عبارت سے یہ عیاں ہے کہ سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت چار مذاہب:

❀ حنفی، ❀ مالکی، ❀ شافعی، ❀ حنبلی

میں منحصر ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ تمام اہلِ سنت و جماعت مقلد ہیں اور یہ سب انھی چاروں

---

(۱) حاشية العلّامة الطحطاوي على الدّر المختار، ج: ٤، ص: ١٥٣، كتابُ الذبائح، دارُ المعرفة، بيروت.

میں سے کسی ایک امام معین کی تقلید کرتے ہیں، تو یہ سب وہابی مذہب میں معاذاللہ مشرک ہوئے۔

فرقۂ وہابیہ کے معتمد و مستند حضرت مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی اپنے رسالہ "الإنصاف" میں لکھتے ہیں:

بَعْدَ المائتَیْنِ ظَهَرَ فِیْهِم التَّمَذْهُبُ للمجتهدین بأعیانِهم، و قَلَّ مَنْ کَانَ لَا یَعْتَمِدُ علیٰ مذهبِ مجتهدٍ بِعَیْنِهٖ.[1]

ترجمہ: دو صدی بعد تقلید شخصی ظاہر و عام ہوئی اور ایسے افراد کم یاب ہو گئے جو کسی ایک امام معین کے مذہب پر اعتماد نہ کرتے ہوں۔

تو اس لحاظ سے بارہ سو سال کے ائمہ، فقہا، علما، اولیا، صُلحا، عامۂ مومنین غیر مقلدوں کے مذہب میں مشرک ہوئے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"میں یہاں صرف ان **ائمہ دین و علمائے مستندین کے چند اَسما شمار کرتا ہوں** جو خاص اپنے ارشادات و تصریحات کی رو سے مذہب غیر مقلدین پر کافر و مشرک ٹھہرے، والعیاذ باللہ ربّ العالمین۔ ان میں سے ہیں:

(۱) امام ابو بکر احمد بن اسحاق جوزجانی تلمیذ التلمیذ امام محمد

(۲) امام ابن السمعانی (أبو سعد عبد الکریم بن أبي بکر محمد، السمعاني المروزي الشافعي، متوفی: ٥٦٢ھ)

(۳) امام کیاہراسی (أبو الحسن علي بن محمد علي الطبري المعروف بالکیاهراسي، متوفی: ٥٠٤ھ)

(۴) امام اجل امام الحرمین (أبو المعالی الجویني المقلب بـ إمام الحرمین عبد الملك بن عبد الله بن یوسف متوفی: ٤١٩ھ)

(۵) امام محمد محمد محمد غزالی (أبو حامد محمد بن محمد بن محمد بن أحمد الغزالي، متوفی: ٥٠٥ھ)

---

(۱) الإنصاف في بیانِ سببِ الاختلاف، ص: ١٩، بابُ حکایةِ حالِ النّاس قبلَ المائةِ الرّابِعةِ، مکتبة ایشیق، استانبول.

(۶) امام برہان الدین صاحب ہدایہ

(۷) امام طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری، صاحبِ خلاصہ

(۸) امام کمال الدین محمد بن الہمام (صاحب فتح القدیر)

(۹) امام علی خوّاص (۱۰) امام عبد الوہاب شعرانی

(۱۱) امام شیخ الاسلام زکریا انصاری

(۱۲) امام ابن حجر مکی

(۱۳) علامہ ابن کمال باشا، صاحبِ ایضاح و اصلاح

(۱۴) علامہ علی بن سلطان محمد قاری مکی

(۱۵) علامہ شمس الدین محمد، شارحِ نقایہ

(۱۶) علامہ زین الدین مصری، صاحبِ بحر

(۱۷) علامہ عمر بن نجیم مصری، صاحبِ نہر

(۱۸) علامہ محمد بن عبد اللہ غزی تمرتاشی، صاحبِ تنویر الابصار

(۱۹) علامہ خیر الدین رملی، صاحب فتاوی خیریہ

(۲۰) علامہ سیدی احمد حموی، صاحبِ غمز

(۲۱) علامہ محمد بن علی دمشقی، صاحبِ دُرّ و خزائن

(۲۲) علامہ عبد الباقی زرقانی، شارحِ مواہب

(۲۳) علامہ برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر بن محمد بن حسین حسینی، صاحبِ جواہر اخلاطی

(۲۴) علامہ شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی

(۲۵) علامہ احمد شریف مصری طحطاوی

(۲۶) علامہ آفندی امین الدین محمد شامی

(۲۷) صاحبِ مُنیہ[1] (امام محمد بن محمد الرشید کاشغری، متوفی: ۷۰۵ھ)

(۲۸) صاحب سراجیہ (الفتاوی السراجیہ – علامہ سراج الدین اوشی)

---

(۱) **مُنية** – پورا نام "مُنية المصلي" ہے، فقہ حنفی کی کتب معتمدہ سے ہے۔ ۱۲ منہ

(۲۹) صاحب جواہر (جواہر الفقہ - شیخ الاِسلام عمر نظام الدین، متوفی بعد ۶۰۰ھ)

(۳۰) صاحب مصفّیٰ (ابوالبرکات امام حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی، م: ۷۱۰ھ)

(۳۱) صاحب ادب المقال

(۳۲) صاحب تتار خانیہ (امام عالم بن علائی حنفی، متوفی: ۶۸۶ھ)

(۳۳) صاحب مجمع (الانھر) (مولانا عبدالرحمن بن الشیخ محمد بن سلیمان، ج: ۱۰۷۸)

(۳۴) صاحبِ کشف (علامہ عبدالعزیز بخاری، م: ۷۳۰ھ)

(۳۵) مؤلفان عالمگیریہ، کہ باقرارِ مؤلف امداد المسلمین پانچ سو علما تھے۔ یہاں تک کہ...

(۳۶) جناب شیخ مجدد الفِ ثانی (شیخ احمد سرہندی)

(۳۷) شاہ ولی اللہ صاحب (محدث دہلوی)

(۳۸) شاہ عبدالعزیز صاحب (محدث دہلوی)

(۳۹) قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حتی کہ خود

(۴۰) میاں نذیر حسین دہلوی اور ان کے اتباع و مقلدین، مگر یوں کہ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا۔ (۱)

(ترجمہ: تو اللہ کا حکم ان کے پاس آیا جہاں سے ان کا گمان بھی نہ تھا۔) والحمد للہ رب العٰلمین! ان میں وہ بھی ہیں جن سے خود امام العصر و دیگر متکلّمینِ طائفہ نے استناد کیا، اور ان کے اقوالِ باہرہ و کلماتِ قاہرہ کو - جو اصولِ طائفہ کے صریح بیخ کُن تھے چھپالیا۔

ان حضرات کا اپنے مباحثہ میں تقلیدِ شخصی کے وجوب و عدمِ وجوب کی بحث چھیڑ دینا نِرا فریب ہے کہ اہلِ تعیین و اصحابِ تخییر دونوں فریق جوازِ تعیین و (تقلید شخصی میں) عدم حرج کو تسلیم کیے ہوئے ہیں، جن کے نزدیک سرے سے تقلید شرک و کفر ہے اُن کے مسلک سے اسے کیا تعلّق"۔ (۲)

● ہندوستان میں فرقۂ وہابیہ کے بانی تقویۃ الایمان میں ایک حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

"پھر اللہ آپ ہی ایک ایسی باو بھیجے گا کہ سب اچھے بندے کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الحشر: ۵۹، الأیۃ: ۲.

(۲) الفتاوی الرضویۃ، جلد: ۳، ص: ۳۰۷، باب الإمامۃ / رسالہ: النّھي الأکید عن الصّلاۃ وراء عِدَی التقلید، سنی دار الاشاعت، مبارك فور.

ایمان ہو گا مر جاویں گے اور وہی لوگ رہ جاویں گے کہ جن میں کچھ بھلائی نہیں ... اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر زمانہ میں قدیم شرک بھی رائج ہو جائے گا سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا۔"(۱)

یہاں امام الوہابیہ نے صاف صاف لکھ دیا" سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا" یعنی وہ ہوا چل چکی جس سے تمام ایمان والے مر گئے اور قدیم شرک (یعنی بت پرستی) بھی رائج ہو گیا، تو پھر دنیا میں نہ اسلام رہا، نہ کوئی مسلم۔

● علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے بھی رد المختار، کتاب الجہاد میں ان کا یہی عقیدہ لکھا، چناں چہ فرماتے ہیں:

لكنّهم اعتقدوا أنّهم هُمُ المسلمون، وأنّ مَنْ خَالَفَ اعتقَادَهم مشركون.(۲)

ترجمہ: ان کا عقیدہ ہے کہ بس وہی مسلمان ہیں، اور جو ان کے مذہب پر نہیں وہ مشرک ہیں۔

الغرض یہ ایک امر واقعہ ہے کہ یہ دنیا میں صرف اپنے فرقے کو مسلمان جانتے ہیں اور اپنے سوا دنیا کے بے شمار مسلمانوں کو مشرک قرار دیتے ہیں حالاں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے بڑے واضح الفاظ میں ارشاد فرمادیا تھا:

إنِّي وَ اللهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِي.

"اللہ کی قسم یقیناً مجھے یہ اندیشہ نہیں کہ تم لوگ میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے" اس طرح کے خطابات میں گو اولین مخاطب اصحاب رسول ہوتے ہیں مگر مراد قیامت تک کے سارے مسلمان ہوتے ہیں تو یہ وہابیہ کا صحیح البخاری کی اس حدیث پاک سے انحراف ہے۔

نوعِ دوم کی احادیث

مسلمان کو کافر کہنے والے پر کفر پلٹ جاتا ہے

صحیح مسلم شریف میں ہے:

(۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَة ، أنّ رسولَ الله –صلى الله تعالى عليه وسلم– قال: إذا قال الرجلُ: هَلَكَ النّاسُ، فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ.

---

(۱) تقوية الإيمان ص: ۳۸، الفصل الرابع في ذكر ردّ الإشراك في العبادة، راشد كمپنى، ديو بند.

(۲) ردالمحتار، ج:٦، ص:٤١٣، كتاب الجهاد/ باب البُغاة، دار الكتب العلمية، بيروت.

اور مسند احمد بن حنبل کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: إِذَا سَمِعْتُمْ رَجُلاً يَقُولُ : قَدْ هَلَكَ النَّاسُ ، فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ.[1]

ترجمہ: حضرات ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص یہ کہے -یا- جب تم کسی شخص سے یہ کہتے سنو کہ "لوگ ہلاک ہو گئے" تو وہ ان سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا ہے۔

شرک بجائے خود بڑی ہلاکت ہے اور اپنے سوا تمام اہل اسلام کو مشرک بنانا یہ کہنے کے مرادف ہے کہ "لوگ ہلاک ہو گئے" تو ارشاد رسالت کے مطابق سب سے زیادہ ہلاکت کا شکار اور شرک کی نجاست سے آلودہ وہی ہے۔

(۳) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلى الله عليه وسلم-: «أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لأَخِيهِ "كَافِرٌ". فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا، إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ، وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ».[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن دینار کا بیان ہے کہ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو "کافر" کہے تو دونوں میں سے ایک یقیناً کافر ہو گا، جسے کہا: اگر وہ واقعی کافر تھا تو یہ حکم بجا ہے، ورنہ یہ کلمہ اسی کہنے والے پر پلٹے گا۔

(۴) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ -رضى الله تعالى عنه- أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلى الله

(١) الصحيح لمسلم، ج: ٢، ص: ٣٢٩، كتاب البر والصِّلة والأدب/ بابُ النّهي عن قول "هلك النّاس"، مجلس البركات.

❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ٧١٨، مسند أبي هريرة، رقم الحديث: ١٠٠٠٦، بيت الأفكار الدولية.

(٢) الصحيح لمسلم، ج: ١، ص: ٥٧، كتاب الإيمان/ باب بيانِ حالِ إيمان من قال لأخيه المسلم "يا كافر"، مجلس البركات.

❀ صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٩٠١، كتاب الأدب/ بابٌ من أكفَرَ أخاه بغير تأويلٍ فهو كما قال، مجلس البركات.

عليه وسلم- قَالَ: «إِذَا قَالَ الرَّجُلُ لأَخِيهِ: "يَا كَافِرُ" فَقَدْ بَاءَ بِهِ أَحَدُهُمَا».[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی کلمہ گو کو "اے کافر" کہے تو دونوں میں سے ایک پر یہ حکم ضرور جاری ہوگا۔

⑤ عَنْ أَبِي ذَرٍّ -رضي الله تعالى عنه- أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ -صلى الله تعالى عليه وسلم- يَقُولُ: «لاَ يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلاً بِالْفُسُوقِ، وَلاَ يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ، إِلاَّ ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ».[2]

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتے سنا کہ: جو بھی شخص کسی مرد مسلم کو فاسق یا کافر کہتا ہے اور وہ در حقیقت فاسق یا کافر نہ ہو تو وہ کلمہ اسی پر پلٹ آتا ہے (کہ وہ فاسق یا کافر ہو جاتا ہے۔)

⑥ عَنْ أَبِي ذَرٍّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ -صلى الله تعالى عليه وسلم- يَقُولُ: ... «وَمَنْ دَعَا رَجُلاً بِالْكُفْرِ، -أو- قَالَ: عَدُوُّ اللهِ، وَلَيْسَ كَذَلِكَ إِلاَّ حَارَ عَلَيْهِ».[3]

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے سنا کہ: جس نے کسی مرد مسلم کو "کافر" یا "اللہ کا دشمن" کہا اور وہ ایسا نہ ہو تو یہ کہنا اسی پر پلٹ آئے گا۔

⑦ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: مَا أَكْفَرَ رَجُلٌ رَجُلًا قَطُّ إِلاَّ بَاءَ أَحَدُهُمَا بِهَا، إِنْ كَانَ كَافِرًا وَإِلاَّ كَفَرَ بِتَكْفِيرِهِ.[4]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی کسی کو کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے کوئی ایک کافر ہو ہی جاتا ہے۔ جسے کافر کہا ہے اگر وہ کافر ہو تو خیر،

---

(١) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٩٠١، كتاب الأدب/ بابٌ من أكْفَرَ أخاه بغير تأويل فهو كما قال، مجلس البركات.

(٢) صحيح البخاري، ج: ٢، ص: ٨٩٣، كتاب الأدب / باب ما يُنهى عن السِّبابِ واللعن، مجلس البركات.

(٣) الصحيح لمسلم ج: ١، ص: ٥٧، كتاب الإيمان/ باب ما تقدّم، مجلس البركات.

(٤) صحيح ابن حبان ج: ١، ص: ٤٨٣، كتاب الإيمان/ باب صفات المومنين، فصلٌ ذكر البيان بأنّ من أكفر إنسانا، فهو كافرٌ لا محالة، مؤسّسة الرسالة.

ورنہ (مسلمان کو) کافر کہنے کی وجہ سے یہ خود کافر ہو جاتا ہے۔

ان احادیث نبویہ کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مسلمان کو کافر، یا فاسق، یا اللہ کا دشمن اعتقاد کر کے اسے کافر، یا فاسق، یا اللہ کا دشمن کہے اور وہ واقع میں ایسا نہ ہو تو یہ کہنے والا خود کافر، یا فاسق، یا اللہ کا دشمن ہو جائے گا۔

کفر پلٹنے کی تشریحِ نفیس

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی **تشریح نفیس** فرما کر اس کے مفہوم کو دل میں اتارنے کی سعیِ حسن فرمائی ہے وہ تشریح آپ بھی ملاحظہ فرمائیں، آپ رقم طراز ہیں:

"وجہ اس پلٹنے کی جس طرح اربابِ قلوب نے افادہ فرمائی یہ ہے کہ مسلمان کا حال مثل آئینہ کے ہے، جب اس نے اسے کافر، یا مشرک یا فاسق کہا اور وہ ان عیوب سے پاک تھا تو حقیقۃً یہ اوصافِ ذمیمہ اسی کہنے والے میں تھے جن کا عکس اُس آئینۂ الٰہی میں نظر آیا اور یہ اپنی سفاہت سے اُس کریہ، بدنما شکل کو آئینۂ تاباں کی صورت سمجھا، حالاں کہ دامنِ آئینہ اُس لَوث وغبار سے صاف منزّہ ہے۔

...عُلما فرماتے ہیں جب اس نے اپنے اعتقاد میں اسے کافر سمجھا اور وہ کافر نہیں بلکہ مسلمان ہے تو اس نے دینِ اسلام کو کفر ٹھہرایا اور جو ایسا کہے وہ کافر ہے۔...

توضیح اس دلیل کی یہ ہے کہ کافر نہیں، مگر وہ جس کا دین کفر ہے۔ اور کوئی آدمی دین سے خالی نہیں، نہ ایک شخص کے ایک وقت میں دو دین ہو سکیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا۝ (۱)

نیز ارشاد باری ہے: مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ (۲)

اب یہ شخص جو مثلاً زید مومن کو کافر کہتا ہے اس کے یہ معنیٰ کہ اس کا دین کفر ہے اور زید واقع میں بے شک ایک دین سے متّصف ہے جس کے ساتھ دوسرا دین ہو نہیں سکتا، تو لَا جَرم یہ خاص اُسی دین کو کفر بتا رہا ہے جس سے زید اِتّصاف رکھتا ہے اور وہ دین نہیں، مگر اِسلام، تو بالضرورۃ اس نے دین اسلام کو کفر ٹھہرایا، اور جو دین اسلام کو کفر قرار دے قطعاً کافر۔" (۳)

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ الدھر: ۷۶، الأیۃ: ۳، (ترجمہ: حق مانتا یعنی مومن یا ناشکری کرتا یعنی کافر)۔

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ السجدۃ: ۳۳، الأیۃ: ٤، (ترجمہ: اللہ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہ رکھے (کہ ایک میں اللہ کا خوف ہو، دوسرے میں کسی اور کا)۔

(۳) الفتاوی الرضویۃ ج: ۳، ص: ۳۰۹، باب الإمامۃ / رسالہ: النھي الأکید عن الصّلاۃ وراء عِدی التقلید، سنی دار الإشاعت، مبارک فور۔

ان احادیث سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ سارے مسلمان کبھی کافر یا مشرک نہ ہوں گے، نہ ہی کسی کے کافر یا مشرک کہہ دینے سے کسی مسلمان کے ایمان واسلام پر کوئی حرف آئے گا، بلکہ مسلمانوں کو کافر ومشرک کہنے والے خود ہی اپنے اعتقادِ فاسد کی بنا پر کفر وشرک کی دَلدَل میں پھنس جائیں گے۔

یہ حضرات اہل سنت و جماعت کو جن عقائد کی بنیاد پر مشرک یا کافر گردانتے ہیں وہ سارے عقائد کتاب اللہ و سنت رسول اللہ و اجماع امت سے ثابت ہیں جیسے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے قادر مطلق کی اطلاع سے غیبی علوم کا عقیدہ، آپ کی تعظیم و توقیر کے فرض ہونے کا عقیدہ، آپ کے آخر الانبیا ہونے کا عقیدہ، آپ کے وسیلے سے بارگاہِ الٰہی میں دعا و طلب مغفرت کا عقیدہ، آپ کی شفاعت کا عقیدہ، باذنِ اللہ تصرفات انبیا علیہم السلام کا عقیدہ، استخارہ کے جواز کا عقیدہ، اور ائمۂ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقلید عرفی بلفظ دیگر ان کے اتباع کا عقیدہ۔

گزشتہ صفحات میں ہم یہ عقائد کتاب و سنت سے ثابت کر چکے، بلکہ بیش تر عقائد کے بارے میں یہ بھی واضح کر چکے کہ یہ متفق علیہ و اجماعی ہیں اور روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایسے عقائد صرف اسلامی عقائد ہیں، یہ کبھی کفر نہیں ہو سکتے۔

وضاحت:

یہاں یہ امر واضح رہے کہ اگر کسی فرد یا فرقے کا عقیدہ کتاب و سنت و اجماعِ امت سے متصادم ہو تو اس کی تکفیر کی جائے گی جس پر بہت سے نصوص دلالت کرتے ہیں جیسے:

- لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط(۱) حیلے، بہانے نہ بناؤ، تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو چکے۔
- كَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ.(۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کچھ عرب کافر ہو گئے۔
- وَاللهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَ الزَّكَاةِ.(۳) اللہ کی قسم میں اُن سب سے جہاد کروں گا جو نماز اور زکات کے درمیان فرق کریں (کہ نماز کو تو فرض مانیں اور زکات کی فرضیت کا انکار کر دیں)

یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ نے غلام احمد قادیانی کی تکفیر کی کہ اس نے کتاب و سنت و اجماع کے برخلاف نبی ہونے کا دعوی کیا، یوں ہی اگر کوئی ایسا عقیدہ ظاہر کرے جو نہ کتاب اللہ میں ہو، نہ سنتِ

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة التوبة:۹، الآية: ٦٦.
(۲) صحيح البخاري ج: ۱، ص: ۱۸۸، كتاب الزكاة/ بابُ وجوبِ الزكاة. مجلس البركات.
(۳) صحيح البخاري ج: ۱، ص: ۱۸۸، كتاب الزكاة/ باب وجوب الزكاة. مجلس البركات.

رسول اللہ میں، نہ اس پر اجماعِ امت ہو، نہ سلفِ صالحین سے منقول ہو۔ غرض یہ کہ "بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا أَنْتُمْ وَ لَا اٰبَاءُكُمْ کا مصداق اور " يُؤْمِنُوْا بِي وَ بِمَا جِئْتُ بِهٖ[۱]" کا منافی ہو تو وہ " لَا تَعْتَذِرُوْا" جیسے نصوص کے مخاطبین میں ضرور شامل ہوگا۔

لیکن جس جماعت یا فرد کے عقائد ایسے نہ ہوں، بلکہ وہ کتاب و سنت کے نصوص پر مبنی ہوں جیسے عقائد اہلِ سنت و جماعت تو ان کے کلمے کا احترام فرض ہوگا۔

⑧ عن ابن عمر، قال: قال رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-: كفّوا عن أهل لآ إلٰهَ إلّا الله، لا تكفّروهم بذنب.[۲]

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لآ إلٰه إلّا الله کہنے والوں سے زبان روکو، اور کسی گناہ کی وجہ سے ان کی تکفیر نہ کرو۔

محدث جلیل، امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ النّهي الأكيد میں اس حدیث کے بارے میں لکھا:

أخرجه الطبراني في الكبير بسندٍ حسنٍ۔

ترجمہ: امام طبرانی نے معجم کبیر میں "سند حسن" سے اس کی تخریج فرمائی۔

⑨ عن عائذ بن عمرو المزني، عن النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- أنّه قال: قال النبي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: الإسلامُ يعلو، ولا يعلىٰ.[۳]

ترجمہ: حضرت عائذ بن عمرو مُزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اسلام غالب ہے، مغلوب نہیں۔

عمدۃ القاری میں ہے:

الدّار قطني أَخرَجَه في كتاب النكاح في سننه بسند صحيح على شرط

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۳۷، كتاب الإيمان، مجلس البركات.

(۲) المعجم الكبير للطبراني ج: ۱۲، ص: ۲۷۲، حديث عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما، ملتقى أهل الأثر، قاهره.

(۳) ❀ سنن الدار قطني، ج: ٤، ص: ۳۷۱، كتاب النكاح/ باب المهر، مؤسّسة الرسالة، بيروت.

❀ صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۱۸۰، كتاب الجنائز/ باب إذا أسلم الصّبي، مجلس البركات.

الحاکم.(۱)

ترجمہ: دار قطنی نے اپنی سنن میں یہ حدیث حاکم کی شرط پر سند صحیح کے ساتھ تخریج کی۔

یہ احادیث مزید تذکیر ونصیحت کے لیے ہیں، خدا کرے کہ "وہابی اہل حدیث" رسول اللہ ﷺ کی اس نصیحت کو قبول کرلیں اور مسلمانوں کو کافر ومشرک بنانے سے باز آئیں۔

آپ ان حدیثوں کو غور سے پڑھیں اور سمجھیں، پھر امام الوہابیہ کے فرمان دیکھیں کہ بات بات پر انھوں نے مسلمانوں کو کس طرح مشرک بنایا ہے، مثلاً:

- عبد النبی، غلام محی الدین، غلام معین الدین نام رکھنا۔(۲)
- اللہ کی عطا سے رسول اللہ ﷺ کو غیب سے آگاہ ماننا۔
- اللہ کی عطا سے رسول اللہ ﷺ کو صاحب تصرف ماننا۔
- اللہ کی عطا سے رسول اللہ ﷺ کو حاضر وناظر ماننا۔
- اللہ کے اذن سے رسول اللہ ﷺ کو شفیع سمجھنا۔
- رسول اللہ ﷺ کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا۔

اور اس طرح کے بہت سے امور جن کا ثبوت کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے ہے سب شرک ہیں اور ایسا عقیدہ رکھنے والے مشرک۔

یہ بے جا احکام وعقائد کثیر احادیث کریمہ بالخصوص احادیث صحیحین سے انحراف ہے۔

---

(۱) عمدة القاري، ج: ۸، ص: ۲٤٤، كتاب الجنائز/ بابُ إذا أسْلَمَ الصَّبِيُّ.

(۲) تقوية الإيمان، ص: ۵، پہلا باب توحید وشرک کے بیان میں، راشد کمپنی، دیوبند۔

پندرہواں مسئلہ

تقلیدِ عرفی کا وجوب
کتاب وسنت کی روشنی میں

نو پیدا فروعی مسائل میں اجتہادِ مطلق کے منصب پر فائز فقہائے دین کی تقلید و اتباع پر عامۂ امت کا اجماع ہے اور یہ تقلید نہ صرف جائز بلکہ واجب قرار دی گئی ہے، امتِ مسلمہ کا یہی مذہب ہے۔

اس کے برخلاف وہابی اسے شرک قرار دیتے ہیں اور اس کے ثبوت میں وہ آیات پیش کرتے ہیں جو مشرکین کی اندھی تقلید کے باب میں نازل ہوئی ہیں، مشرکین نے امورِ شرک وکفر میں اپنے آباو اَجداد کے اعتقاد و عمل کا سہارا لے کر عقل و خرد کے برخلاف ان کی اندھی تقلید کی جو بلا شبہہ شرک ہے۔

لیکن امت مسلمہ مرحومہ کتاب وسنت کی ہدایت پر نو پید فروعی مسائل میں فقہائے مجتہدین کی تقلید کرتی ہے۔ تو یہ تقلید فی الواقع کتاب وسنت کا اتباع ہے۔ (۱)

---

(۱) یہاں سے واضح ہوا کہ مشرکین کی اندھی تقلید اور مومنین کی تقلیدِ عرفی میں بڑا فرق ہے۔ **(الف)** مشرکین امور کفر و شرک میں اپنے باپ، داداؤں کی تقلید کرتے ہیں اور مومنین فروعی امور میں اپنے فقہائے مجتہدین کی تقلید کرتے ہیں۔ **(ب)** امور کفر و شرک مردود ہیں، کبھی یہ معاف نہ ہوں گے جب کہ فروعی امور کے احکام کتاب وسنت سے ماخوذ و مستنبط ہیں اور استنباط باعث اجر و ثواب ہے جیسا کہ احادیث نبویہ میں اس کی بشارت ہے۔ **(ج)** امور کفر و شرک میں تقلید مذموم بلکہ کفر و شرک ہے اور فروعی امور میں اہل علم کی طرف رجوع کا حکم خود قرآن نے دیا ہے جو تقلید عرفی کی اصل ہے۔

الغرض بحث ہے فروعی امور میں کتاب وسنت سے ماخوذ و مستنبط احکام میں ماہرین کتاب وسنت کی پیروی و تقلید کی، تو اس کے عدم جواز پر امور کفر و شرک میں مشرکین کی اندھی تقلید سے استدلال بڑی زیادتی ہے، اس طرح کا استدلال حضرات وہابیہ کی ہی شان ہے۔ ۱۲ منہ

ہم سب سے پہلے تقلید کی لغوی و شرعی تشریح پیش کرتے ہیں، اس کے بعد اس سلسلے میں کتاب و سنت کی ہدایات اصل مصادر سے پیش کریں گے۔

تقلید کا لُغوی اور شرعی مفہوم:

لغت میں: تقلید کے معنی ہیں: "گلے میں قلادہ ڈالنا، ہار پہنانا"۔

آدمی جس کی پیروی کرتا ہے اس کے گلے میں گویا امامت و عظمت کا ہار ڈال دیتا ہے، یا خود اپنے گلے میں اس کے قول و فعل کے اتباع کا قلادہ ڈال لیتا ہے۔

عرفِ ناس میں تقلید یہ ہے کہ جو شخص کسی فن کا ماہر اور اسپیشلسٹ ہو اس کی بات کو اس کی دلیل پر آگہی کے بغیر صرف اس بنا پر تسلیم کر لیا جائے کہ اس کے ساتھ یہ حسنِ ظن و حسنِ اعتقاد ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے دلائلِ فن کی مضبوط بنیادوں اور نیک نیتی پر قائم ہونے کی وجہ سے صحیح اور راجح ہوتا ہے۔

● کتابُ التعریفات میں ہے:

التقليد: عبارةٌ عن اتّباع الإنسان غيرَهُ فيما يقول أو يفعل، معتقداً للحقّيّة من غير نظر وتأمل في الدّليل، كأنّ هذا المتبع جعل قولَ الغيرِ أو فعله قلادةً في عُنُقه.[۱]

ترجمہ: تقلید: یہ ہے کہ انسان دوسرے کے قول یا فعل کی پیروی اس کی دلیل میں غور و فکر کیے بغیر حق اعتقاد کر کے کرے۔

گویا اتباع کرنے والے نے دوسرے کے قول یا فعل کو اپنے گلے کا قلادہ وہار بنا لیا۔

● مسلم الثبوت اور فواتح الرحموت میں ہے:

(التقليد: العملُ بقولِ الغيرِ مِن غيرِ حُجّةٍ) . . . والمرادُ بـ"الحجّة" حُجّةٌ مِن الحُجَجِ الأربع، وإلّا فقولُ المجتهد دليلُهُ وَحُجِيّتُه كأخذ العاميّ من المجتهد.[۲]

ترجمہ: تقلید: نام ہے دوسرے کے قول پر بلا دلیل عمل کا۔ دلیل سے مراد کتابُ اللہ، سنت

---

(۱) كتابُ التعريفات للإمام علي بن محمد بن علي الجرجاني (م: ۸۱٦ھ)، ص:۵۸، رقم اللفظ: ٤١١، دار الكتاب العربي، بيروت.

(۲) فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج:۲، ص: ٤٤٤، خاتمة: الاجتهاد / فصل التقليد، دارُ إحياء التراث العربي.

رسول اللہ، اجماع امت ہے، ورنہ مجتہد کا قول اس کی دلیل ہے (جس کی طرف رجوع کا کتاب وسنت میں حکم ہے۔)

● قمر الاقمار، بحث تقلید اور شرح المنار میں ہے:

التقليد: اتباع الرجل غيره فيما سمعه بقول أو في فعله على زعم أنه محقِّق بلا نظر في الدليل فكأنّ المقلِّد جعل قول الغير و فعله قلادة في عنقه.[1]

ترجمہ: تقلید یہ ہے کہ آدمی دوسرے کے قول یا فعل کا اتباع اس حسنِ ظن پر کرے کہ وہ محقق ہے اور اس کی دلیل پر اس کی نظر نہ ہو گویا مقلد نے دوسرے کے قول یا فعل کو اپنے گلے کا قلادہ بنالیا۔

کارگاہِ حیات میں تقلید کی مثالیں:

جیسے ماہر طبیب یا اسپیشلسٹ ڈاکٹر غور وخوض اور تحقیق کے بعد جب مرض کی تشخیص اور اس کے لیے نسخہ تجویز کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہر طبقے کا انسان یہی حسنِ ظن رکھتا ہے کہ اس کی تشخیص وتجویز صحیح ہے اور اس سے کوئی دلیل طلب کیے بغیر اس کے مطابق علاج شروع کر دیتا ہے، اور شفایاب ہو جاتا ہے، بلکہ ایک عام آدمی کا اس سے اس کی تشخیص و تجویز پر دلیل مانگنا حماقت تصور کیا جاتا ہے۔ اور اس سے بھی بڑی حماقت یہ ہوگی کہ کوئی انگریزی دواؤں کے نام اور کام پڑھ کر خود سے ہی اپنے اور دوسروں کے پیچیدہ امراض کا علاج شروع کر دے۔ بلکہ یہ قانوناً جرم بھی ہے۔

یا جیسے کسی ماہر حساب داں کا تحقیق کے ساتھ تیار کیا ہوا حساب یا کسی ماہرِ لسان کا اپنی زبان کے الفاظ کی تشریح، یا کسی ماہرِ صرف ونحو کی کسی جملے یا صیغے کی ترکیب وتعلیل پر اسی حسن ظن کی بنیاد پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ یہ تقلید زندگی کے ہر شعبے اور انسانوں کے ہر طبقے میں پائی جاتی ہے، جس کا انکار محض مکابرہ اور ہٹ دھرمی ہے۔ خود دینیات کے باب میں بھی کثیر امور میں تقلید کا رواج عمومی طور پر پایا جاتا ہے۔ حتی کہ علم حدیث میں خود آج کل کے مدعیان حدیث بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

محدثین کرام اور ائمۂ ناقدینِ حدیث نے اپنی تحقیق کی بنا پر احادیث نبویہ کے مختلف مدارج۔

---

(۱) ❀ قمر الأقمار حاشية نور الأنوار، ص: ٢٢٠، مبحث أفعال النبي، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ حاشية الحسامي، ص: ٩٤، باب متابَعة أصحابِ رسول الله –صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ– مجلس البركات، مبارك فور.

مقبول، صحیح، متابع، شاہد، محکم، مختلف الحدیث، ناسخ، منسوخ، معلّق، مرسَل، معضَل، منقطع، مدلّس، مضطرب، مصحف، محرف، وغیرہ مقرر کیے، جنھیں سب بے چون و چراں تسلیم کرتے ہیں۔ پھر ان مدارج کے مطابق ائمۂ حدیث، احادیثِ شریفہ پر صحیح، حَسَن، ضعیف، معروف، منکر وغیرہا کا حکم بھی صادر فرماتے ہیں۔ اور امت ان کی تحقیق اور حکم پر اعتماد کرکے ان کے بیان کردہ مدارجِ حدیث کے مطابق عمل کرتی ہے، کیوں کہ ان کے ساتھ یہ حسن ظن رکھتی ہے کہ انھوں نے پوری تحقیق کے بعد ہی ایسا کیا ہے، اور آج کے عمل بِالحدیث کے نام نہاد دعوے دار بھی کتاب و سنت سے اس کی دلیل طلب کیے بغیر اسے تسلیم کرتے ہیں، یہ سب تقلید ہی تو ہے۔

رجالِ حدیث پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں اور ان میں رُواۃ کے تعلق سے جو کچھ بھی جرح و قدح کی گئی ہے اور اصول حدیث کی کتابوں میں ثقہ اور ضعیف راویوں کی معرفت کے لیے جو مراتبِ جرح و تعدیل نیز احکامِ جرح و تعدیل بیان کیے گئے ہیں سب ان کو بے دلیل تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی بلا شبہہ تقلید ہی ہے۔

تقلید کی قسمیں اور ہر ایک کی شرعی حیثیت

تقلید دو طرح کی ہو سکتی ہے۔

(۱) حقیقی (۲) عرفی

تقلید حقیقی: یہ ہے کہ کسی انسان کے قول کی پیروی صرف اس بنا پر کی جائے کہ یہ اس کا قول ہے۔ اور اس کے پس پشت حقیقت میں کوئی دلیل شرعی نہ ہو جیسے افعالِ کفر و شرک میں پہلے کے کفار و مشرکین کی پیروی، یہ کھلے طور پر بے دلیل ہے، بلکہ اس کے بطلان پر کتاب و سنت کے دلائل قائم ہیں۔ عرف عام میں اس کا نام "اندھی تقلید" ہے کیوں کہ جیسے اندھا اندھے کے پیچھے چلتا ہے اور دونوں میں سے کسی کے پاس نورِ دلیل نہیں ہوتا اسی طرح تقلید حقیقی میں بھی کسی کے پاس نورِ دلیل نہیں ہوتا۔ وہابیوں نے تقلید کے شرک ہونے پر کتاب و سنت سے جو نصوص پیش کیے ہیں وہ سب اسی تقلیدِ حقیقی سے متعلق ہیں، اور انھوں نے یہ سارے نصوص اپنے ائمہ وہابیہ کی پیروی میں اہل حق پر چسپاں کیے ہیں۔ تو یہ بھی تقلیدِ حقیقی ہے۔ خواہ وہ اپنے بطلان کی شناعت کے لحاظ سے صرف حرام ہو یا کفر و ارتداد بھی۔

تقلیدِ عرفی: یہ ہے کہ ماہر کتاب و سنت۔ جسے مجتہد مطلق اور مجتہد فی الشرع بھی کہا جاتا ہے۔ کی پیروی فقہی، فروعی امور میں اس بنا پر کی جائے کہ کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ میں اس کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ہم عن قریب اس بارے میں کتاب و سنت کے کچھ نصوص اِن شاء اللہ تعالیٰ پیش کریں گے تو اس طرح حقیقت میں یہ کتاب و سنت کی پیروی ہوگی اور اس پر تقلید کا اطلاق ایک ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے محض عرفاً ہوگا، بہ لفظ دیگر یہ فی الواقع اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے ارشادات و احکام کی اطاعت و اتباع ہے جسے ہمارے عرف میں مجازاً تقلید کہا جاتا ہے، اس کو حرام یا شرک کہنا کتاب و سنت کے مقابل ایک نیا فرمان جاری کرنا ہے، جو وہابیہ ہی کی شان ہے۔

تقلید کن امور میں کی جاتی ہے اور کن امور میں نہیں:

امورِ دینیہ کئی طرح کے ہیں:

(۱) وہ امور جن کا تعلق اصولِ دین و عقائد اسلام سے ہے، یہ قرآن و حدیث کے نصوص صریحہ اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہوتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ ایک ہے، سمیع و بصیر، علیم و خبیر، سبّوح و قدّوس، ازلی و ابدی ہے، قرآن مقدس اللہ کا کلام ہے، اور محمد ﷺ اللہ کے سب سے افضل رسول اور آخری نبی ہیں۔

(۲) وہ احکام و شرائع جو کتاب و سنت کے صریح نصوص سے ثابت ہوں، اور اجتہاد و قیاس پر ان کی بنیاد نہ ہو، جیسے نماز پنج گانہ و جمعہ و روزۂ رمضان و زکات و حج کی فرضیت۔ نماز میں قیام، قراءت، اور رکوع و سجود کی فرضیت، وغیرہ اور قتلِ ناحق و غصب، و کذب و غیبت و خیانت و حسد و ظلم و عقوقِ والدین کی حرمت، وغیرہ۔

(۳) وہ احکام جو اجماع امت یا اجماع اہلِ سنت سے ثابت ہوں کہ اجماع کی طرف رجوع عرفاً تقلید نہیں ہے، بلکہ یہ فی الواقع کتاب و سنت کی طرف رجوع ہے۔ کیوں کہ اجماع کی حجّیت کتاب و سنت سے ثابت ہے اور خود اجماع بھی عموماً کتاب اللہ کی کسی آیت یا رسول اللہ کی کسی حدیث کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔

(۴) وہ احکام جو کتاب و سنت کے نصوص سے اجتہاد و استنباط کے ذریعہ نکالے جائیں جیسے چوتھائی سر کے مسح کی فرضیت، وضو کے لیے ہاتھوں کو کہنیوں اور پاوں کو ٹخنوں کے ساتھ دھونا، طلاق

والی عورت کی عدت تین حیض ہونا، کھجور، گیہوں، جَو، نمک، سونا، چاندی چھ چیزوں کے سوا دوسرے اموال کی خرید و فروخت میں سود کا تحقق، سفر میں جمع بینَ الصَّلاتین اور اس طرح کے کثیر مسائل جن کے احکام صراحت کے ساتھ کتاب و سنت میں نہیں پائے جاتے اور اب تو زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ایسے بے شمار مسائل پیدا ہو چکے ہیں۔

تقلید صرف آخری نوع کے مسائل میں کی جاتی ہے، باقی امور دائرۂ تقلید سے باہر ہیں، ظاہر ہے کہ ہر شخص، بلکہ ہر عالم کتاب و سنت کے بحر معانی کی گہرائیوں میں پہنچ کر احکام شرعیہ کو تلاش کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا، پھر تلاش و جستجو میں ہر کوئی سیپ اور موتی میں امتیاز نہیں کر سکتا، اس لیے آخری نوع کے احکام و شرائع میں فقہاے مجتہدین کی تقلید لازمی و ضروری ہوئی۔ اب ہم اس کے دلائل کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے مختصراً پیش کرتے ہیں۔

دلائلِ اہلِ سنت

کتاب اللہ سے تقلید عرفی کے وجوب کے دلائل:

کتاب اللہ کی آیات سے تقلید عرفی (۱) کا وجوب کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً:

پہلی دلیل:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (۲)

ترجمہ: اور مسلمانوں سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔

---

(۱) **تقلید عُرفی:** جو بظاہر مجتہد مطلق مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ کی اور واقع میں کتاب و سنت کی پیروی ہو اور صرف ظاہر کے پیش نظر، نیز براہ راست اور بواسطہ اتباع کتاب و سنت میں امتیاز کے لیے عام بول چال میں اسے مجازاً تقلید کہا جائے۔ ۱۲ منہ

(۲) القرآن الحکیم، سورة التوبة: ۹، الأیة: ۱۲۲.

اس آیت کریمہ سے چند امور ثابت ہوتے ہیں:

(أ) اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں پر فقہ سیکھنا فرض فرمایا۔

(ب) اور عام مسلمانوں کو اس سے معاف فرمایا، مگر انھیں بالکل آزاد بھی نہ رکھا کہ یہ سب کے سب مکلف ہیں، اور ان پر احکام شرعیہ کا امتثال فرض ہے۔

(ج) اس لیے فقہا پر لازم فرمایا کہ وہ عام مسلمانوں کو ڈرائیں اور فقہی احکام بتائیں اور عام مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ وہ فقہا کی بات پر عمل کریں اور یہی تقلید ہے۔

امام احمد رضا قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"جب اَحکامِ الٰہیہ ہر عام و عامی پر ہیں، آزاد کوئی نہ چھوڑا گیا اور فقہ سیکھنے کو صاف فرمادیا کہ سب سے نہیں ہوسکتا، ہر گروہ سے بعض اشخاص سیکھیں اور اپنی قوم کو احکام بتائیں کہ وہ مخالف حکم سے بچیں، تو صاف صاف عام لوگوں کو ان فقیہوں کی بات پر چلنے کا حکم ہوا اور اسی کا نام آج کے عرف میں تقلید ہے، جس کی فرضیت قرآن کریم کے نص قطعی سے ثابت ہوئی۔"(۱)

اس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے احکام ہیں، جن کا علم ابتداءً بغیر تصریحِ شارع یا اجتہادِ مجتہد کے حاصل نہیں ہوتا، اور آدمی حلال و حرام اور جائز و واجب دین کے جتنے احکام اس پر ہیں سب کا عالم نہیں، نصوصِ شریعت کے معانی کا سب کو احاطہ نہیں، منصوص سے مسکوت کا حکم نکالنے پر سب کو قدرت نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں کو نہ علم ہے، نہ بصیرت، نہ اجتہاد کی قدرت، کیا وہ شترِ بے مہار بنا کر چھوڑ دیے گئے ہیں؟

ایسا ہرگز نہیں۔ تو پھر ان کے لیے احکام الٰہی جاننے کی کیا سبیل ہے؟ کیا خود دیکھیں حالاں کہ وہ نگاہ نہیں رکھتے یا یہ کہ ہدایت و ارشاد والے علما کی طرف رجوع کریں، امورِ دین میں ان پر اعتماد کریں، جو وہ فرمائیں مطیع ہوکر اس پر کاربند رہیں، یہی حق ہے اور اسی کا نام تقلید ہے۔

قرآن کریم کی درج بالا آیت کریمہ میں اسی پر برانگیختہ کیا گیا ہے۔(۲)

---

(۱) حاشیۃ أطائب الصَّیِّب علی أرض الطیب" مِن رسائل الفتاوی الرضویۃ، ج: ۱۱، ص: ۳۱۸، رضا اکادیمی، مومبائی۔

(۲) "أطائب الصَّیِّب علی أرض الطیِّب" من رسائِل الفتاوی الرضویۃ، ج: ۱۱، ص: ۳۱۸، ۳۱۹، رضا اکادیمی۔

دوسری دلیل:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

② فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ (۱)

ترجمہ: تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمھیں علم نہ ہو۔

③ عَنْ "جابرٍ قال: . . . فَلمّا قَدِمْنَا عَلَى النَّبي -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- . . . فقال: ألّا سألُوا إذ لم يعلموا فإنّما شفاءُ العيّ السؤال. (۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیوں نہ پوچھا جب معلوم نہیں تھا کہ مرضِ جہل کی شفا تو بس سوال ہی ہے۔

④ عن عطاء ابن أبي رباح أنه سمع عبدَ الله ابنِ عباس قال: أصاب رجلاً جرحٌ في عهد رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- ثم احتلم فأمر بالاغتسال، فاغتسل فمات فبلغ ذلك رسولَ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- فقالَ قتلوه، -قتلهم الله- ألم يكن شفاء العي السؤال. (۳)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص عہدِ رسالت میں زخمی ہو گیا، پھر اسے احتلام ہوا تو اسے غسل کرنے کا حکم دیا گیا، اس نے غسل کیا اور فوت ہو گیا، یہ خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو فرمایا: اسے غسل کا حکم دینے والوں نے ہلاک کر دیا، اللہ انھیں ہلاک کرے، کیا مرض جہل کی شفا دریافت کرنا نہ تھا۔ (٤)

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة النحل: ١٦، الآية: ٤٣

❀ القرآن الحكيم، سورة الأنبياء: ٢١، الآية: ٧

(۲) سنن أبي داؤد، ص: ٦٢، كتاب الطهارة/ بابٌ في المجروح يَتَيَمَّمُ، بيت الأفكار الدولية.

(۳) ● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ٢٧٢، مسند آل العباس/ مسند عبد الله بن عباس، رقم الحديث: ٣٠٥٧.

● سنن أبي داؤد، ص: ٦٢، كتاب الطهارة/ بابٌ في المجروح يتيمم، رقم الحديث: ٣٣٧.

● سنن ابن ماجه، ص: ، كتاب الطهارة/ باب في المجروح تصيبُه الجنابة فيخاف على نفسه إن اغتسل، رقم الحديث: ٥٧٢.

(٤) "قَتَلَهُمُ اللهُ، اللہ انھیں ہلاک کرے" یہ حکم تشدیداً ہے، تاکہ امت ایسے مسئلے بتانے سے احتراز کرے جو اسے معلوم نہ ہو کہ اس کا انجام بخیر نہیں۔ ۱۲ منہ

ان نصوص میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جو بات تمھیں معلوم نہ ہو وہ علما سے پوچھ لو تاکہ اس کے مطابق عمل کرو اور علما سے مسئلہ پوچھ کر اس کے مطابق عمل کرنا عرفاً تقلید کہلاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''ہر مسلمان بالبداہت (کھلے طور پر) جانتا ہے کہ اللہ عزوجل کے لیے اس پر کچھ فرض ہیں، کچھ حرام۔ کچھ حدیں ہیں، کچھ احکام۔ اور ان میں جو جاہل ہے وہ اپنے وجدان سے جانتا ہے کہ جاہل ہے، اور یہ کہ جب تک بتایا نہ جائے خود جان لینے سے عاجز ہے، اور خوب جانتا ہے کہ بے عمل کیے چھٹکارا نہیں اور بے علم، عمل کا یارا نہیں اور بے سیکھے علم نہ آئے گا، تو بداہۃً اس کے ذہن میں خود آجائے گا کہ اس پر ایسے سے پوچھنا لازم ہے جو مسئلہ بتا کر ہدایت فرمائے اور بے شک یہ زمانۂ صحابۂ کرام سے لے کر آج تک برابر فرضیت نماز و دیگر فرائض کی طرح متواتر ہے۔ بلکہ وہ ہر انسان کی جِبلی (فطری) بات ہے۔ خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ لہٰذا ہر گروہ کے عوام کو دیکھیے گا کہ اپنے یہاں کے اہل علم و دانش کے پاس آتے اور جنھیں اپنا طبیب سمجھتے ان سے مرض جہل کی دوا پوچھتے ہیں، اس لیے کہ وہ یقیناً اپنے دل سے جان رہے ہیں کہ ہم اسی طور پر اپنے فرض سے عہدہ برآ ہوں گے اور بلا شبہہ یہ تقلید ہی سے ہے، نہ کہ اجتہاد سے۔''(۱)

غرض یہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور انسانوں کے تواتر سب سے ثابت ہوتا ہے کہ جو بات معلوم نہ ہو، اسے اہل علم سے معلوم کر کے عمل کیا جائے اور یہی عرفِ مسلمین میں تقلید ہے جو در اصل کتاب و سنت کی اطاعت ہے۔

تیسری دلیل:

⑤ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ(۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اپنے اُولُو الأمر کا۔

---

(۱) أطائب الصيِّب على أرض الطيِّب مِن رسائل الفتاوى الرضوية، ج: ۱۱، ص: ۳۱۹، رضا اکادیمی۔

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ النساء: ٤، الآية: ٥٩

اس آیت کریمہ میں اُولُو الأمْر سے مراد فقہاے مجتہدین ہیں، جیسا کہ سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

قال علي بن أبي طلحة عن ابن عباس: "وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ" يعني أهل الفقه والدين. و كذا قال مجاهد و عطاء و الحسن البصري و أبو العالية "وَ أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ" يعني العلماء. والظاهرُ - والله أعلم- أنها عامّة في كل أولي الأمر من الأمراء، والعلماء كما تقدّم.[1]

ترجمہ: علی بن ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ "أولو الأمر" سے مراد فقہا و ائمۂ دین ہیں، یوں ہی مجاہد، عطاء، حسن بصری اور ابو العالیہ سے منقول ہے کہ "اولو الامر" سے مراد علما ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کلمہ تمام اصحابِ امر- حُکّام و علما- کو عام ہے جیسا کہ بیان ہو چکا۔

سُنن دارمی "بابُ الاقتداء بالعلماء" میں بھی اولو الامر سے مراد "اہل فقہ" کو ہی بتایا گیا ہے۔ اُمَرا کی اطاعت امورِ شرعیہ میں ماتحتوں پر واجب ہے۔ اور خود اُمَرا پر فقہا کی اطاعت واجب ہے۔ تو فقہا ان کے لیے بھی اولو الامر ہوئے۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباس کے لیے یہ دعا فرمائی: کہ اے اللہ! ان کو دین کا فقیہ بنا، اور تفسیر قرآن کا علم عطا فرما۔

● عن ابن عباس قال: كانَ رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- في بيت ميمونة، فوضعتُ لَهُ وَضوء من الليلِ، فقالت له ميمونةُ: وَضَعَ لَكَ هذا عبدُ الله بن عباس، فقال: اللّٰهُمّ فقّهه في الدين و علّمه التأويل.[2]

---

(۱) تفسير ابن كثير، ج: ۱، ص: ۵۱۸، دار المعرفة، بيروت.

(۲) ● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ج:۵ ص: ۲۱۵، رقم الحديث: ۳۱۰۲، مسندُ عبد الله بن عباس، مؤسسة الرسالة، بيروت. ● أيضاً، ج: ٤، ص: ۲۲۵، رقم: ۲۳۹۷، مؤسّسة الرسالة/ ● وأيضاً ص:۲۲۶، مسند آل العباس/ مسند عبد الله بن عباس، رقم الحديث: ۲۳۹۷، بيت الأفكار.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے، میں نے حضور کے وضو کے لیے پانی رکھا تو حضرت میمونہ نے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا کہ یہ پانی عبد اللہ بن عباس نے رکھا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (خوش ہوکر) یہ دعا فرمائی: "اے اللہ ابن عباس کو دین کا فقیہ اور تفسیر قرآن کا عالم بنا"۔

● عن ابن عباس قال: ضمّني رسولُ الله —صلى الله تعالى عليه وسلم— وقال: اَللّٰهُمّ علّمهُ الكتاب.[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے سینے سے لگا کر یہ دعا فرمائی: "اَللّٰهُم عَلِّمْهُ الْكِتَاب." اے اللہ! اسے کتاب (قرآن مقدس) کا علم عطا فرما۔

● عن ابن عباس، أن النّبي —صلى الله تعالى عليه وسلم— قال: ... "اَللّٰهُم فقِّهْهُ في الدِّين." [2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کے حق میں یہ دعا فرمائی: اے اللہ اسے دین کا فقیہ بنا۔

تو آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہوا کہ ایمان والوں پر اللہ کی اطاعت بھی واجب ہے اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فقہا کی اطاعت بھی واجب ہے۔ اللہ عزّ و جل اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کا وجوب تو ظاہر ہے۔ اور فقہاے مجتہدین کی اطاعت ایسے امور میں واجب ہے جن کے احکام کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے صراحتًا ثابت نہیں، بلکہ انھیں فقہاے دین نے کتاب و سنت کے نصوص سے اجتہاد کر کے نکالا ہے، اسی کو ہم اہل حق اپنی بول چال میں تقلید کہتے ہیں، تاکہ براہ راست اور بواسطۂ مجتہد اتباع کتاب و سنت میں آسانی کے ساتھ امتیاز ہو سکے۔ مطلق سر کا مسح فرض ماننا کتاب اللہ کا اتباع براہِ راست ہے اور چوتھائی سر کا مسح فرض ماننا یہ کتاب اللہ کا اتباع بواسطۂ مجتہد ہے اور یہ تقلید محض عرفًا ہے، کیوں کہ اللہ عزوجل کے حکم سے ان کی اطاعت کی جاتی ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۷، كتاب العلم/ باب قول النبي —صلى الله تعالى عليه وسلم—: اللّٰهم علِّمه الكتاب، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲٦، كتاب الوضوء/ بابُ وضعِ الماء عند الخلاء، مجلس البركات، مبارك فور.

چوتھی دلیل:

اللہ عزّوجل ارشاد فرماتا ہے:

⑥ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (۱)

ترجمہ: اور اگر اس میں رسول اور اپنے اولو الامر کی طرف رجوع کرتے تو ضرور وہ لوگ اس کی حقیقت جان لیتے جو ان میں سے استنباط کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ علم دو طرح کا ہے، **ایک** وہ جو بہ نصِ قرآن حاصل ہو، **دوسرا** وہ جو قرآن و حدیث سے استنباط کے ذریعہ حاصل ہو۔

ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ دینی امور میں ہر شخص کو دخل دینا جائز نہیں، بلکہ جو اہل ہو اسی کو استنباط کرنا چاہیے اور جو اس کا اہل نہ ہو اسے اہل کی طرف رجوع کرنا چاہیے قرآن پاک اسی کا حکم دیتا ہے۔

یہ اور اس نوع کی دوسری آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ ہر شخص نصوصِ قرآن و سنت سے احکام اخذ کرنے کا اہل نہیں اسی لیے اس پر فقیہ مجتہد کی اطاعت اور اس کی طرف رجوع لازم ہے۔

یہی وہ دلائل ہیں جن کی بنیاد پر ائمۂ مذاہبِ اربعہ کی تقلید کی جاتی ہے، اور یہ فی الواقع ان آیات قرآنیہ پر عمل اور اللہ عزّوجل کی اطاعت ہے۔

احادیث رسول اللہ سے تقلید عرفی کے وجوب کا ثبوت

احادیث نبویہ اور آثارِ صحابہ سے بھی تقلید کا جواز ثابت ہوتا ہے، دو احادیث، آیات سے استدلال کے ضمن میں گزر چکی ہیں، ساتھ ہی چار آیات بھی۔ اب چند احادیث مزید ذکر کرتے ہیں:

پانچویں دلیل:

⑦ عن ناسٍ من أصحاب معاذ من أهل حمص عن معاذ بن جبل أنّ رسول الله –صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ– لـمَّـا بعثه إلى اليمن ● قال: كيف تقضي إذا عرض لك قضاء؟ قال: أقضي بكتاب الله ● قال: فإن لم تجد في كتاب الله، قال: فبسُنَّـة رسول الله –صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ– ● قال: فإن لم تجد في سُنَّـة رسول الله –صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ– ● قال: أجتهد رأيي و لا آلو ● قال: فضرب رسولُ الله علىٰ صدره و قال: الحمد لله الذي وفّق رسولَ رسولِ الله لما يرضىٰ به رسول الله.

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ النساء: ٤، الآیۃ: ۸۳.

رواه الترمذي و أبو داود و الدارمي.(۱)

ترجمہ: حمص کے رہنے والے حضرت معاذ بن جبل کے کچھ اصحاب سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان فرمایا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انھیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ● دریافت کیا کہ تمھارے سامنے جب کوئی مقدمہ آئے گا تو فیصلہ کیسے کروگے؟ عرض کی: کتاب اللہ سے۔ ● سرکار نے پوچھا: کتاب اللہ میں حکم نہ ملے تو؟ عرض کی سنت رسول اللہ سے۔
● سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر سنت رسول اللہ میں بھی تمھیں حکم نہ ملے تو کیا کروگے؟
عرض کی: اپنی طاقت بھر کوشش کر کے اپنی رائے سے کتاب وسنت سے اجتہاد کروں گا۔
وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ جواب سن کر ان کے سینے پر ضرب لگائی اور فرمایا:
''تمام تعریف اللہ کے لیے جس نے رسول اللہ کے مبعوث کو آپ کے پسندیدہ طریقے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ حدیث صحیح، مشہور، قابل حجت ہے۔(۲)

---

(۱) مشكاة المصابيح، ص: ٣٢٤، باب العمل في القضاء و الخوف منه/ الفصلُ الثاني، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ جامع الترمذي، ج: ١، ص: ١٥٩، أبواب الأحكام عن رسول الله -صلّى الله تعالى عليه وسلّمَ-، باب ما جاء في القاضي كيف يقضي، مجلس البركات، مبارك فور.
❀ سنن أبي داود، ص: ٣٩٧، كتاب الأقضية/ باب اجتهاد الرائ في القضاء، بيت الأفكار.
❀ سنن الدارمي، ج: ١، ص: ٢٦٧، كتابُ الفتيا وما فيه من الشدّة، دار المغني للنشر والتوزيع.
❀ السُنن الكبرى للإمام البيهقي، ج: ١، ص: ١١٤، كتاب اٰداب القاضي/ بابُ ما يقضي به القاضي و يُفتي، مجلس دائرة المعارف، حيدر اٰباد.

(۲) اس حدیث کی صحت میں کلام ہے مگر راجح صحت ہے جیسا کہ امام ابن عبد البر مالکی اور خطیب بغدادی کی یہ تصریحات شاہد ہیں:
امام ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی ''شرحِ ترمذی'' میں لکھتے ہیں:
(حديثُ معاذ في القياس) رواه أبو عيسىٰ عن شعبة، عن محمد بن عُبيد الله أبي عون الثقفي، عن الحارث بن عمر بن أخي المغيرة بن شعبة، عن أناس من أهل حمص، عن معاذ: وقال: ليس إسناده بمتصل.
(الإسناد) اختلف الناس في هذا الحديث: **فمنهم** من قال: إنه لا يصح، **ومنهم** من قال: هو صحيح و**الدِّين** (أي الحقُّ - ن) القول بصحّته، فإنه حديث مشهور يرو يه شعبة بن الحجاج، رواه عنه جماعة من الرفقاء والأئمة. منهم يحيى بن سعيد و عبد الله بن المبارك وأبو داود الطيالسي. والحارثُ ابن عمرو الهذلي: الذي يروي عنه وإن لم يعرف إلا بهذا الحديث فكفى برواية شعبة عنه و بكونه ابن أخ لِلمُغِيْرَةِ بن شعبة في التعديل له والتعريف به- وغاية حظه في مرتبته أن يكون من الأفراد ولا يقدح ذلك فيه ولا (يقدح أن يكون) أحد من أصحاب معاذ مجهولا

اس حدیث میں حضور سید عالم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نوپیدا مسائل میں اپنی رائے سے اجتہاد کی اجازت دی ہے اور ظاہر ہے کہ ان کے اجتہاد پر اہل یمن کا عمل و اتباع تقلید ہے، پھر یہ تقلید دراصل تقلید شخصی بھی ہے تو اس حدیث سے مطلق تقلید کا جواز بھی ثابت ہوا اور خاص تقلید شخصی کا جواز بھی۔

چھٹی دلیل:

⑧ مالك، عن ثور بن زيد الديلمي، أنَّ عمرَ بن الخطاب استشار في الخمر يشربها الرجل ، فقال عليُّ بنُ أبي طالب: نرىٰ أن تجلده ثمانين، فإنه إذا شرب سكر و إذا سكر هذىٰ، و إذا هذىٰ افترى - أو كما قال- فجلد عمر في

ويجوز أن يكون في الخبر إسقاط الأسماء عن جماعة ولا يدخله ذلك في حيز الجهالة، إنما يدخل في المجهولات إذا كان واحدا فيقال: حدثني رجلٌ حدثني إنسان ولا يكون الرجل للرجل صاحبا حتى يكون له به اختصاص فكيف وقد زيد تعريفا بهم أن أضيفوا إلى بلد وقد خرّج البخاري الذي شرط الصحة في حديث عروة البارقي سمعتُ "الحيّ" يتحدّثون عن عروة ولم يكن ذلك الحديث في جملة المجهولات. وقالَ مالك في القسامة: أخبرني "رجال من كُبراء قومه" وفي الصحيح عن الزهري حدَّثني "رجال" عن أبي هريرة من صلّى على جنازة فله قيراط.

(الأصول) في مسائل (الأولى) لو اتفق على صحة هذا الحديث لم يكن ذلك أصلا في التعلق عند علمائنا الأصوليين في إثبات الاجتهاد لأن خبر الواحد على أصلهم لا تعلق به فيه ولكن أقول إنه ينضاف على أصلهم إلى غيره **فيكون مجموعها من باب التواتر المعنوي** كشجاعة أبي بكر الصديق وجُوده بماله على الدين وفي مصالح المسلمين. (عارضة الأحوذي بشرح صحيح الترمذي، ج:٦،ص: ٧٢، ٧٣، ٧٤، أبواب الأحكام/ باب ما جاء في القاضي كيف يقضي، دار الكتب العلمية، بيروت . ● أيضاً : ج:٣، ص: ٣٠١، ٣٠٢، دار الفكر، بيروت)

خطیب بغدادی اس حدیث کی متعدد روایات اپنی کتاب "الفقيه والمتفقه" میں نقل کر کے لکھتے ہیں:

فإن اعترض المخالف بأن قال: لا يصح هذا الخبر، لأنه يروى عن أناس من أهل حمص لم يسمّوا فهم مجاهيل، فالجواب: أن قولَ الحارث بن عمرو (عن أناس من أهل حمص من أصحاب معاذ)؛ يدل على شهرة الحديث، وكثرة رُواته، وقد عرف فضل معاذ وزهده، والظاهر من حال أصحابه الدين والثقة والزهدُ و الصلاحُ، وقد قيلَ: إن عبادة بن نسي رواه عن عبد الرحمن بن غنم، عن معاذ ، وهذا إسناد متصل، ورجاله معروفون بالثقة، على أنّ أهل العلم قد تقبّلوه واحتجوا به، فوقفنا بذلك على صحته عندهم.(كتاب الفقيه والمتفقه، ج:١،ص: ٤٧٢، باب القول في الاحتجاج لصحيح القياس ولزوم العمل به ، دار ابن العربي للنشر والتوزيع، المملكة العربية.)

الخمر ثمانين.[1]

ترجمہ: امام مالک نے ثور بن زید دیلمی سے روایت کی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خمر کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت علی نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ اسے ۸۰/ کوڑے مارے جائیں، کیوں کہ جب پیے گا نشہ ہوگا اور جب نشہ ہوگا بیہودہ بکے گا اور افترا کرے گا، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۸۰/ کوڑے لگوائے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اجتہاد کو حاضرین صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے تسلیم کیا تو یہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید ہوئی پھر خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ایک شرعی منشور کی حیثیت سے نافذ کیا جو بلا انکار نکیر قبول کیا گیا تو اس پر صحابۂ کرام کا اجماع بھی ہوا۔

ساتویں دلیل:

⑨ عن عِكرمة: أنّ أهل المدينة سألوا ابنَ عباس عن امرأةٍ طافت ثمّ حاضت. قال لهم: تنفر. قالوا: لانأخذ بقولك و ندعُ قول زيد، قال: إذا قَدِمْتم المدينة فاسئلوا، فقدموا المدينة فكان في من سألوا أم سُلَيم فذكرت حديث صفية.[2]

ترجمہ: عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ اہل مدینہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ سوال کیا کہ جس عورت نے طواف زیارت کر لیا ہو پھر اس کو حیض آجائے۔ (تو کیا وہ طواف وداع کیے بغیر جاسکتی ہے؟) حضرت ابن عباس نے فرمایا: جاسکتی ہے۔

اہل مدینہ نے کہا: ہم آپ کے قول کی وجہ سے حضرت زید بن ثابت کے قول کو ترک نہیں کریں گے۔ (حضرت زید کہتے تھے کہ وہ طواف وداع کیے بغیر نہیں جاسکتی)۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا: جب تم مدینہ جاؤ تو اس مسئلہ کی تحقیق کر لینا۔ جب وہ مدینہ گئے تو اس مسئلے کی تحقیق کی اور حضرت ام سُلیم سے بھی پوچھا انھوں نے حضرت صفیہ کی یہ حدیث بیان کی۔ (کہ ایسی صورت میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت صَفیہ کو طوافِ وداع کیے بغیر جانے کی

---

(۱) الموطا للإمام مالك، ص: ٤٧١، كتاب الأشربة/ باب الحد في شرب الخمر، المكتبة العصرية، بيروت.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۲۳۷، كتاب المناسك/ باب إذا حاضتِ المرأة بعد ما أفاضت، مجلس البركات، مبارك فور.

اجازت دی تھی)۔

جب اہل مدینہ کو حضرت صفیہ کی حدیث مل گئی تو انھوں نے حضرت ابن عباس کے پاس جاکر حق کا اعتراف کر لیا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

فرجعوا إلى ابن عباس فقالوا: وجدنا الحديث كما حدثتنا.[1]

ترجمہ: پھر اہل مدینہ حضرت ابن عباس کے پاس گئے اور کہا جس طرح آپ نے ہم کو حدیث سنائی تھی ہمیں اسی طرح حدیث مل گئی۔ وہ حدیث یوں ہے:

⑩ عن عائشة أن صفيّة بنت حُييّ زوج النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- حاضت، فذكر ذلك لرسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ- فقال: أحَابِستُنا هي، قالوا: إنّها قد أفاضت، قال: فلا إذن.[2]

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ زوجہ نبی اکرم حضرت صفیہ بنت حُیی کو (موسم حج میں) حیض آگیا، اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ کیا صفیہ ہمیں (سفر سے) روک دے گی؟ حاضرین نے عرض کیا: حضور! یہ طواف زیارت کر چکی ہیں۔ تو سرکار نے فرمایا کہ: تب تو سفر میں کوئی بات نہیں۔

اس حدیث سے عیاں ہوتا ہے کہ اہل مدینہ حدیث رسول پر اطلاع سے پہلے تک حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ -جو فقہاے صحابہ سے تھے- کے قول پر عمل کرتے تھے اور فقیہ مجتہد کے اجتہاد پر عمل ہمارے عرف میں "تقلید" سے عبارت ہے۔

حدیث پر اطلاع سے پہلے تک " اجتہاد پر عمل" سے چارہ نہ تھا اس لیے ان حضرات نے تقلید کی اور جب حدیث رسول مل گئی تو اسے اختیار کر لیا کہ حدیث صحیح ملنے کے بعد خود مجتہد کا مذہب وہی حدیث ہو جاتی ہے۔[3]

---

(۱) فتح الباري شرح صحيح البخاري، ج: ۳، ص: ۵۸۸، كتاب الحج، دار الفكر، بيروت.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۱، ص: ۲۳۷، كتاب المناسك/ باب إذا حاضت المرأة بعد ما أفاضت، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) اس مسئلے کی کامل تحقیق امام اہل سنت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "الفضل الموهبي في معنى "إذا صحّ الحديثُ فهوَ مذهبي" میں ہے۔ یہ کتاب فتاویٰ رضویہ، جلد ۲۱ (مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی) میں شامل اشاعت ہے۔ منہ

آٹھویں دلیل:

(۱۱) حدثنا أبو قيس، قال: سمعت هُزَيلَ بن شُرَحْبِيْلَ، يقول: سُئِل أبو موسى عن اِبنَةٍ وابنَةِ ابن وأخت-فقال: للابنة النِّصف و للأخت النصف- وائتِ ابنَ مسعود فسيُتابِعُني، فَسَئِل ابنُ مسعود وأُخبر بقول أبي موسى.
فقال: لقد ضللتُ إذن وما أنا من المهتدين-أقضي فيها بما قضى النّبي - صلى الله تعالى عليه وسلم-: للابنة النصف، ولابنة الابن السُّدس (تكملةَ لثُلُثَين)، وما بقي فللأخت.
فأتينا أبا موسىٰ، فأخبرناه بقول ابن مسعود، فقال: ”لا تسئلوني مادام هذا الحِبر فيكم.“[۱]

ترجمہ: ہُزیل بن شُرحِبیل کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا کہ بیٹی، پوتی اور بہن کا حصہ کیا ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ بیٹی اور بہن دونوں کے لیے نصف نصف ہے۔ (آپ نے پوتی کو محروم کر دیا) اور تم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں جاؤ، وہ بھی میری موافقت کریں گے۔ تو حضرت عبد اللہ بن مسعود کی خدمت میں بھی وہ سوال پیش ہوا اور ساتھ ہی حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب بھی بتا دیا گیا۔

یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ میں نے ان کی موافقت کی تو گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت یاب نہ رہوں گا، میں اس قضیہ کے بارے میں وہ فیصلہ کرتا ہوں جو نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

بیٹی کے لیے باپ کے ترکے سے نصف ہے اور پوتی کے لیے چھٹا حصہ، تاکہ بیٹیوں کا دو تہائی مکمل ہو جائے، بقیہ ترکہ بہن کا ہے۔

پھر ہم لوگ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس آئے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود کا جواب انھیں بتایا تو انھوں نے فرمایا کہ **”جب تک یہ فقیہِ متبحر تمھارے درمیان موجود ہے تم لوگ مجھ سے مسئلہ نہ دریافت کرو۔“**

مسند احمد بن حنبل کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص: ۹۹۷، كتاب الفرائض/ باب ميراث ابنةِ ابن مع اِبنَةٍ، مجلس البركات، مبارك فور.

فقال أبو موسىٰ: لا تسئلوني عن شيء ما دام هذا الحِبر بين أظهركم.[1]

ترجمہ: جب تک یہ فقیہ ماہر تمھارے درمیان موجود ہے مجھ سے کسی بھی چیز کے بارے میں مت دریافت کرنا۔

اور مسند ابوداؤد طیالسی کے الفاظ یہ ہیں:

فقال: لا تسألونا عن شيء ما دام هذا الحبر فيكم.[2]

ترجمہ: ہم صحابہ سے تم لوگ کسی چیز کے بارے میں دریافت نہ کرنا جب تک یہ عالم متبحر تمھارے درمیان موجود ہے۔

نویں دلیل:

⑫ عن يحي بن سعيد، أنِ رجلاً سأل أبا موسى الأشعري، فقال: إني مصصتُ من امرأتي من ثديها لبنا، فذهب في بطني، فقال: أبو موسىٰ: لا أراها إلا قد حرمت عليك.

فقال عبد الله بن مسعود: انظر، مَاذَا تفتي به الرجل؟ فقال أبو موسى: فما تقول أنت؟ فقال عبد الله بن مسعود: لا رضاعة إلّا ما كان في الحولين.

فقال أبو موسى: لا تسألوني عن شيء ما كان هذا الحبر بين أظهركم.[3]

ترجمہ: یحیٰ بن سعید سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا کہ میں نے اپنی بیوی کی پستان سے دودھ چوس لیا اور وہ میرے شکم میں چلا گیا ہے؟

تو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا کہ میری رائے تو یہی ہے کہ وہ تجھ پر حرام ہوگئی۔

---

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۳۷۰، مسند المكثرين/ مسند عبد الله بن مسعود، بيت الأفكار الدولية، الرياض.

(۲) مسند أبي داود الطيالسي (المتوفى: ۲۰۴هـ) ج:۱، ص: ۲۹۲/ ما أسند عبد الله بن مسعود -رضي الله تعالى عنه- دار هجر.

(۳) ● الموطأ للإمام مالك بن أنس (المتوفى: ۱۷۹هـ) برواية يحيىٰ، ج:۲، ص: ۱۲۵، ۱۲۶، كتاب الرضاع/ باب ما جاء في الرضاعة بعد الكبر، دارُ الغرب الإسلامي.

● والسُّنن الكبرىٰ للبيهقي، ج:۷، ص: ۴۶۲، كتابُ الرضاع / باب ما جاء في تحديد ذلك بالحولين، دائرة المعارف العثمانية، حيدرآباد.

اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم غور کر لو کہ اس آدمی کو کیا فتویٰ دے رہے ہو؟

تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے پوچھا کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ تو حضرت عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا کہ رضاعت صرف دو سال تک ہے۔(یعنی حرمت کا ثبوت صرف دو سال کی عمر تک رضاعت سے ہوتا ہے۔نظام)

تو حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا کہ جب تک یہ حبر الامت تمھارے درمیان تشریف فرما ہیں مجھ سے کسی قضیہ کا حکم مت پوچھنا۔

امام طبرانی کی معجم کبیر میں یہ الفاظ منقول ہیں:

لا تسئلوني عن شيء ما دَام هذا الحبر بين ظهرانيكم.[1]

معجم کبیر کی دوسری روایت میں ہے:

لا تسئلونَا عن شيء ما قام هذا الحبر بيْن أظهرِنا من أصحاب رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-.[2]

ترجمہ: جب تک یہ فقیہ جلیل الشان یا یہ صحابیِ رسول ہمارے، تمھارے درمیان قیام فرما ہیں مجھ سے یا ہم اصحاب رسول سے کسی بھی چیز کے بارے میں سوال مت کرو۔

دسویں دلیل:

⑬ عن قتادة، عن زرارة، أنّ سعد بن هشام بن عامر... أتى ابنَ عباس، فسئله عن وتر رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ-.

فقال ابنُ عباس: ألا أدلُّك على أعْلمِ أهل الأرض بوتر رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-؟ قال: مَن؟ قال: عائشة، فأْتِها، فسلها، ثم ائتني، فأخبِرني بردِّها عليك، فانطَلقْتُ إليها، ... قال: فانطلقتُ إلى ابن عباس، فحدّثته بحديثها فقال: صدقت. -الحديث-.[3]

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، ج:۹، ص: ۹۲/ عبد الله بن مسعود الهذلي، قاهرة.

(۲) المعجم الكبير للطبراني، ج:۹، ص: ۹۲/ عبد الله بن مسعود الهذلي، قاهرة.

(۳) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۲۵۵، ۲۵۶، باب صلاة الليل، مجلس البركات.

ترجمہ: قتادہ، زرارہ سے روایت کرتے ہیں کہ سعد بن ہشام بن عامر حضرت ابن عباس کے پاس آئے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں اس ہستی کا پتہ نہ بتاؤں جو رسول اللہ ﷺ کے وتر کے بارے میں روے زمین کی سب سے بڑی عالم ہے؟

انھوں نے پوچھا کہ یہ کون سی ہستی ہے؟ فرمایا: ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ تم ان کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ سوال پیش کرو، اور وہ جو جواب ارشاد فرمائیں مجھے بھی آکر بتاؤ... سعد بن ہشام کہتے ہیں کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا... اور انھوں نے جواب میں جو حدیث سنائی اسے ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوکر بتایا، توانھوں نے حضرت عائشہ کی تصدیق کی۔

گیارھویں دلیل:

⑭ عن قيس بن أبي حازم، قال: جاء رجلٌ إلىٰ معاوية فسئَله عن مسئلة، فقال: سل عنها عليَّ بن أبي طالب، فهو أعلمُ، فقال: يا أمير المومنين جوابك فيها أحبُّ إليَّ من جوابِ عليّ.

فقال: بئسَ ماقلتَ ولؤم ما جئت، لقد كرهتَ رجلا كان رسولُ الله – صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ– يعزه بالعلم عزّا، ولقد قال له رسول الله –صلى الله تعالى عليه وسلَّمَ–: أنت منّي بمنزلة هارون من موسى غير أنه لا نبي بعدي.

وكان عمر إذا أشكل عليه شيء يأخذ منه.(۱)

ترجمہ: قیس بن ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر کوئی مسئلہ دریافت کیا توانھوں نے فرمایا: تم اس کے بارے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کرو کہ وہ زیادہ علم والے ہیں، تو اس شخص نے کہا اے امیر المومنین! آپ کا جواب میری نگاہ میں حضرت علی کے جواب سے زیادہ محبوب ہے۔

تو حضرت امیر معاویہ نے فرمایا کہ تم نے بہت بری بات کہی اور قابلِ ملامت خیال ظاہر کیا، تم نے ایسے عظیم انسان سے ناگواری ظاہر کی ہے جس کے علم کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ اس کی عزت فرماتے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا"تم کو مجھ سے وہ نسبت ہے جو حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

---

(۱) كتاب فضائل الصحابة للإمام أحمد بن حنبل، ص: ٦٧٥.

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے، اِلّا یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں" اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ میں جب کوئی مسئلہ مشتبہ ہو جاتا تو حضرت علی سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے۔

ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کتاب و سنت اور فقہ واجتہاد کے بہت بڑے عالم تھے اس لیے حضرت ابو موسیٰ اشعری نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے اور حضرت امیر معاویہ نے حضرت علی سے رجوع کا حکم دیا اور رجوع کا یہ حکم میری نگاہ میں وجوبی ولازمی تھا کیوں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو جب اپنے جواب کی غلطی کا احساس ہوا تب انھوں نے فرمایا تھا: "لا تسئلوني ما دام هذا الحبر فيكم." [1]

اپنے جواب کی غلطی کا احساس ہونے پر فقیہ متبحر کی طرف رجوع کا حکم وجوبی ہی ہونا چاہیے جیسا کہ آیت کریمہ: "فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" [2] کا یہی تقاضا ہے۔

اور حضرت امیر معاویہ کو حکم شرعی کا صحیح جزم واتقان ہوتا تو حضرت علی کی طرف رجوع کا حکم نہ دیتے آخر وہ تمام مسائل بارگاہ مرتضوی میں تو نہیں بھیجتے تھے اس لیے یہ بھی وجوب کا ہی متقاضی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وتر کے بارے میں علم تھا اسی لیے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جواب سن کر انھوں نے "صَدقتْ" فرمایا یعنی انھوں نے سچ مسئلہ بیان فرمایا، مگر چوں کہ وہ اعلم تھیں اس لیے انھوں نے ان کی طرف رجوع کا حکم دیا تو وہ حکم استحبابی ہوا۔

الغرض ● حضرت ابو موسی اشعری ● اور حضرت امیر معاویہ ● اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان احادیث میں اعلم کی طرف رجوع کا حکم دے کر در اصل تقلید شخصی کا حکم دیا ہے۔ اب جہاں رجوع کا حکم وجوبی ہوگا وہاں تقلید شخصی واجب ہوگی اور جہاں استحبابی ہوگا وہاں تقلید شخصی مستحب ہوگی۔ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد اقدس "عليكم بسُنّتي و سنَّة الخلفاء الراشدين." [3]

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۹۹۷، كتاب الفرائض / باب ميراث ابنة ابن مع ابنة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) القرآن الحكيم، سورة النحل: ۱۶، الآية: ۴۳.

(۳) ● ترجمہ: تم پر لازم ہے میری سنت کی پیروی اور خلفاے راشدین کی سنت کی پیروی۔

● سنن ابن ماجه، ص:۱۷، المقدمة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان.

کا حکم وجوبی، لازمی اسی لیے صادر فرمایا ہے کہ آپ اَعلمُ الخلائق ہیں لہذا آپ کی سنت کی پیروی کی جائے اور آپ کے بعد آپ کے خلفاے راشدین - حضرت سیدنا ابو بکر صدیق، حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم، حضرت سیدنا عثمان غنی اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم - ساری امت میں سب سے زیادہ اعلم ہیں اور یہ حضرات اپنی ترتیب خلافت کے لحاظ سے اپنے اپنے عہد خلافت میں اَعلمُ الاصحاب تھے اس لیے ان کے فرمان خصوصی اور طریقہ مرضیہ کی پیروی اتباع سنت بھی ہے اور غیر مجتہد صحابہ کے حق میں تقلید بھی، جو بلا شبہہ تقلید شخصی سے ہی عبارت ہے۔

تقلید عرفی کی بنیاد دلیل شرعی پر ہوتی ہے جب کہ تقلید حقیقی بے دلیل، اندھی تقلید ہوتی ہے:

کفار و مشرکین امور کفر و شرک میں اپنے آبا و اَجداد کی اندھی تقلید کرتے ہیں ان کے پاس اس کے لیے شرع کی کوئی روشنی نہیں ہوتی، اس کے بر خلاف اہل اسلام فقہی فروعی امور میں اپنے مجتہد کی تقلید دلیلِ شرعی کی بنیاد پر کرتے ہیں جس کے انوار سے حق روشن و تاباں نظر آتا ہے، اس کی تشریح مختصراً یہ ہے کہ

دلائل شرعیہ دو طرح کے ہیں:

اجمالیہ　،　تفصیلیہ

تفصیلی دلائل سے مراد جزئی دلائل ہوتے ہیں۔ ان میں ایک ایک حکم پر الگ الگ دلالت ہوتی ہے، جیسے چوتھائی سر کے مسح کے وجوب کی دلیل حدیثِ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔

اور اجمالی دلائل سے مراد کلی دلائل ہوتے ہیں۔ یہ دلائل تنہا تنہا کثیر احکام پر ایک ساتھ دلالت کرتے ہیں۔ جیسے:

- "اَطِیْعُوا اللّٰہَ" حکم مانو اللہ کا۔
- وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔ حکم مانو رسول کا اور اولوا الامر یعنی فقہا کا۔
- فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اہل علم سے پوچھو۔
- یہ دلائل کُلّی ہیں جن کا تعلق کثیر احکام سے ہوتا ہے۔ تفصیلیہ کا علم مجتہد کو ہوتا ہے اور وہی ان کے جاننے کا مکلف ہے، اور دلائلِ اجمالیہ کا علم مقلد کو بھی ہوتا ہے اور انھی دلائلِ اجمالیہ کی بنیاد پر

وہ اپنے امام مجتہد کی تقلید کرتا ہے۔

یہاں سے یہ امر بھی عیاں ہو گیا کہ تقلید کی تعریف میں ”عمل بغیر دلیل“ کے لفظ سے فقہا کی مراد ”دلیل تفصیلی“ ہوتی ہے یعنی مجتہد کی دلیل جزئی، تفصیلی کے علم کے بغیر وہ اس کے قول پر عمل کرے۔ یہ ہرگز مراد نہیں کہ اس کے پاس قطعاً کوئی دلیل نہیں، نہ تفصیلی، نہ اجمالی۔ کیوں کہ دلیل اجمالی، بلکہ دلائل اجمالیہ کا علم اسے قطعاً ہوتا ہے، جن کے چند نمونے اوپر مذکور ہوئے۔

فتاوی رضویہ کے ایک اقتباس سے تنویر و توضیح:

ہم یہاں اس حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے فتاوی رضویہ ”رسالہ اجلی الاعلام“ کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس کا تعلق مسلم الثبوت ”بحثِ تقلید“ کی ایک عبارت کی شرح سے ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدّس سرّہ رقم طراز ہیں:

● (التقليدُ) الحقيقي هو (العملُ بقول الغير من غير حُجّةٍ) أصلا (كأخذ العامي) مِن مِثله و هذا بالإجماع ، إذ ليس قول العامي حجة أصلًا، لا لنفسهٖ و لا لغيرهٖ (و) كذا أخذ (المجتهد من مثله) علىٰ مذهبِ الجمهور من عدم جواز تقليد المجتهد مجتهدًا آخر.

و ذلك لأنه لما كان قادرًا على الأخذ عن الأصل فالحجّةُ في حقّهٖ هو الأصل و عدولُه عنه إلى ظنِّ مثلهٖ عدولٌ إلى ما ليس حجة في حقّهٖ فيكون تقليدًا حقيقيًا، فالضمير في ”مثلهٖ“ إلىٰ كلٍ من العامي والمجتهد، لا إلى المجتهد خاصةً.

● و إذا عرفت أن التقليدَ الحقيقيَّ يعتمد انتفاء الحجّة رأسًا (فالرجوعُ إلى النّبي -صلى الله تعالى عليه وسلم- أو إلى الإجماع) و إن لم نعرف دليلَ ما قاله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أو قاله أهلُ الإجماع تفصيلًا (ليس منه) أي من التقليد الحقيقي لوجود الحجّة الشرعيّة ، و لو إجمالًا (و كذا) رجوع (العامي) من ليس مجتهدًا (إلى المفتي) و هو المجتهد (و) رجوع (القاضي إلى) الشّهود (العدول) و أخذهما بقولهم ليس من التقليد في شيء، لا نفس الرجوع و لا العمل بعده (لإيجاب النّص) ذلك الرجوعَ والعملَ (عليهما) فيكون العملُ بحجّة و لو إجمالية كما عرفت. هذا هو حقيقة التقليد.

(و لكن العرف) مضى (على أن العامي مقلد للمجتهد) فجعل عمله بقوله من دون معرفة دليله التفصيلي تقليدًا لهٗ و إن كان إنّما يرجع إليه لأنّه مأمور شرعًا

بالرجوع إليه، و الأخذ بقوله فكان عن حجّة لا بغيرها، و هذا اصطلاح خاص بهذه الصورة فالعمل بقول النبي -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم- و بقول أهل الإجماع لا يسمّيه العُرف أيضًا تقليدًا.[1]

ترجمہ: "تقلید حقیقی" یہ ہے کہ غیر کے قول پر کسی بھی طرح کی دلیل کے بغیر عمل کیا جائے، جیسے کوئی عامی اپنے جیسے عامی کی تقلید کرے، یہ تو بالاجماع تقلید حقیقی ہے، کیوں کہ عامی کا قول اس کے لیے، یا کسی کے لیے بھی بالکل حجت نہیں، یوں ہی مجتہد کا اپنے جیسے کسی مجتہد کے قول کو اختیار کرنا بھی مذہب جمہور پر تقلید حقیقی ہے، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مجتہد کو دوسرے مجتہد کی تقلید جائز نہیں، کیوں کہ جب وہ اصل کتاب و سنت سے اخذ احکام پر قادر ہے تو اس کے حق میں حجت وہی اصل ہے اور اسے چھوڑ کر اپنے ہی جیسے دوسرے کے ظن کی طرف رجوع اس کے لیے حجت نہیں، اس لیے یہ تقلید حقیقی ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ مسلم الثبوت کے قول "مثلہٖ" میں ضمیر "ہٖ" کا مرجع عامی بھی ہے اور مجتہد بھی، خاص مجتہد ہی اس کا مرجع نہیں ہے۔

اور جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ تقلید حقیقی میں مقلد کے پاس بالکل کسی بھی طرح کی دلیل نہیں ہوتی اور وہ بے دلیل ہی اعتماد کرکے کسی کا پیرو بن جاتا ہے۔ تو واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ اور اہل اجماع کی طرف رجوع تقلید حقیقی نہیں، کیوں کہ یہاں حجتِ شرعیہ (قولِ رسول و قولِ اجماع) اجمالی طور پر موجود ہے گو کہ ہمیں قولِ رسول اور قولِ اہلِ اجماع کی دلیل جزئی نہیں معلوم ہے۔

یوں ہی عامی غیر مجتہد کا فقیہِ مجتہد کی طرف رجوع اور قاضیِ شریعت کا عادل گواہوں کی طرف رجوع اور ان کا مفتی اور گواہوں کے قول پر عمل تقلید نہیں ہے، نہ تو رجوع تقلید ہے اور نہ ہی اس کے بعد کے عمل کا اس سے کوئی علاقہ ہے، کیوں کہ نصِ شارع نے یہ رجوع، پھر عمل ان پر واجب فرما دیا ہے، تو یہ عمل دلیل شرعی پر ہوا، گو کہ یہ دلیل جزئی نہیں، اجمالی ہے، یہ ہے تقلید کی حقیقت (یعنی دلیل شرعی کلی پر عمل) لیکن عرفاً اسے تقلید اور عامی کو مجتہد کا مقلد کہا جاتا ہے، کیوں کہ اسے مجتہد کی دلیلِ جزئی تفصیلی کا عرفان نہیں حاصل ہوتا، حالاں کہ وہ مجتہد کی طرف رجوع اس لیے کرتا ہے کہ شریعت نے اسے اس کی طرف رجوع اور اس کے قول پر عمل کا حکم دیا ہے، تو یہ عمل و رجوع دلیل کی بنا پر ہے، بلا

---

(۱) الفتاوى الرضوية، ج: ۱، ص: ۳۸۴، كتاب الطهارة/ باب المياه/ رساله: "أجلى الإعلام أن الفتوى مطلقاً على قول الإمام" رضا اكاديمي.

دلیل نہیں اور یہ اصطلاح اسی صورت کے ساتھ خاص ہے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد اور اہلِ اجماع کے قول پر عمل کو عرفِ شرع میں تقلید نہیں کہا جاتا۔

اس اقتباس سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گیا کہ مقلد کتاب و سنت کے دلائلِ اجمالیہ، کُلّیہ کی روشنی میں اپنے امام مجتہد کی تقلید کرتا ہے، جو محض عرفاً تقلید ہے، اور شرعاً وہ تقلید نہیں بلکہ کتاب و سنت کا اتباع اور اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔

ہاں اگر عام آدمی اپنے جیسے عام آدمی کی تقلید کرے جیسے غیر مقلد عوام اپنے مولویوں کی تقلید کرتے ہیں تو یہ تقلید حقیقی ہے اور یہی حرام ہے کیوں کہ یہ مولوی مجتہد نہیں ہوتے، بلکہ اجتہاد کے مقام سے بہت دور ہوتے ہیں، اس لیے وہ بھی عامی ہوئے گو وہ اپنے منھ سے کچھ بھی دعویٰ کریں۔

واضح ہو کہ تقلیدِ حقیقی امورِ حرام میں حرام اور امور شرک میں شرک ہے اور اسی کو ہم "اندھی تقلید" سے موسوم کرتے ہیں کیوں کہ یہاں مقلد کے پاس دلیل شرعی و عقلی کی روشنی نہیں ہوتی بلکہ خالص جہل کی تاریکی ہوتی ہے۔

اس تشریح کے بعد یہ امر بخوبی عیاں ہو جاتا ہے کہ "تقلید عُرفی" در اصل اجتہادی امور میں کتاب و سنت کی اطاعت ہے اور اسے شرک یا حرام کہنا کتاب و سنت سے کھلا ہوا انحراف ہے جو حضراتِ وہابیہ کے ہی شایانِ شان ہے۔

تقلید اور مقلدین کے بارے میں وہابیہ کا موقف:

اب ذرا تقلید اور مقلدین کے بارے میں وہابیہ کا موقف ملاحظہ فرمایئے، ان کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی لکھتے ہیں:

"باقی رہی "تقلید وقتِ لاعلمی" سو یہ چار قسم ہے....

قسم ثالث: حرام و بدعت ہے، اور وہ تقلید ہے بطور تعیین کے، بزعم وجوب کے، برخلاف قسم ثانی کے۔

قسم رابع: شرک ہے۔ اور وہ ایسی تقلید ہے کہ وقت لاعلمی کے مقلد نے ایک مجتہد کا اتباع کیا، پھر اس کو حدیث صحیح، غیر منسوخ، غیر معارض، مخالف مذہب اس مجتہد کے مثلاً معلوم ہوئی تو اب وہ مقلد بدستاویز ان عذرات کے جن سے سابقاً بخوبی جواب دیا گیا ہے، یا تو حدیث کو قبول ہی نہیں کرتا، اور

یا اس میں بدون سبب کے تاویل و تحریف کر کے اس حدیث کو، طرف قول امام کے لے جاتا ہے۔
غرض کہ وہ مقلّد، مذہب اپنے امام کا نہیں چھوڑتا۔

سوا ان قسموں سے قسم اول اور ثانی تو محتاج اثبات کی نہیں، کیوں کہ ان دونوں کو فریقین تسلیم کرتے ہیں، لیکن قسم ثالث اور رابع بے شک معرکہ آرا اور محطِّ انظار ہے۔

تقلید کے شرک ہونے پر وہابی دلیل:

قسم رابع کو اس مقام پر مدلل کیا جاتا ہے۔

تو واضح ہو جائے کہ شرک ہونے پر ایسی تقلید کے، آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی بہت سی دال ہیں، اور بہت علما نے ان آیات اور احادیث سے شرک ہونا ایسی تقلید کا ثابت کیا ہے۔ پس نقل کر دینا اقاویل ان علما کا جن میں وہ آیات اور احادیث موجود ہیں مستغنی ہے، آیات کے ذکر کرنے سے علاحدہ،

تو سنو کہ تفسیر نیشاپوری میں، ضمن اس آیت: (اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.)(۱) کے مذکور ہے کہ یہ مراد نہیں کہ "یہود و نصاریٰ نے اپنے علما اور درویشوں کو خدا ٹھہرایا تھا، بلکہ مراد یہ ہے کہ اطاعت انھوں نے اپنے علما اور درویشوں کی، بر خلاف حکم، خدائے تعالیٰ اور رسول کے، کی تھی۔"(۲)

وہابی دلیل کا محاسبہ متعدّد جہات سے:

شیخ الکل نے تقلید کی چار قسمیں کر کے پہلی اور دوسری قسم کی اجازت دی ہے، حالاں کہ ہم اسے تقلید نہیں، تقلید سے آزادی سمجھتے ہیں۔ اس لیے اس سے یہ دھوکا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ تقلید کو جائز قرار دیتے ہیں۔

ہم لوگ تقلید شخصی کے قائل ہیں اس کو یہ حرام و بدعت قرار دیتے ہیں اور ہم - الحمد للہ - گزشتہ صفحات میں دلائل کتاب و سنت سے اس کا جواز اور وجوب ثابت کر چکے ہیں۔

یہ تقلید کی چوتھی قسم کو شرک کہتے ہیں، اور وجہ بتاتے ہیں کہ:

"مقلد نے لاعلمی کے وقت مجتہد کا اتباع کیا، پھر اس کو حدیث صحیح، غیر منسوخ، غیر معارض اس مجتہد

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ التوبۃ:۹، الآیۃ: ۳۱.
ترجمہ: یہود و نصاریٰ نے اپنے اَحبار اور راہبوں کو **اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا۔**

(۲) معیار الحق في تنقید تنویر الحق، ص:۸۰، ۸۱، أقسام التقلید، جامعۃ تعلیم القرآن والحدیث، سیالکوٹ.

کے مذہب کے خلاف معلوم ہوئی تاہم وہ مقلد اس حدیث کو قبول نہ کرے، یا بلا وجہ کی تاویل و تحریف کر کے اس حدیث کو اپنے امام کے قول کی طرف لے جائے مگر اپنے امام کا مذہب نہ چھوڑے تو یہ تقلید شرک ہے۔"

ہم مقلدین ایسی تقلید سے بیزار ہیں، آج امت کا سوادِ اعظم تقلید شخصی کا قائل ہے اور ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کا مقلّد ہے مگر شیخ الکل نے جس تقلید کا ذکر کیا ہے اس کا کوئی قائل نہیں۔ ہم پہلے بیان کر آئے کہ تقلید کس طرح کے مسائل میں کی جاتی ہے اور کس طرح کے مسائل میں نہیں کی جاتی، ایک بار پھر وہ مسائل ذہن نشین فرمالیں:

(۱) وہ مسائل اصولِ دین و عقائد اسلام سے نہ ہوں۔

(۲) نہ ہی ایسے احکام و شرائع سے ہوں جو کتاب و سنت کے صریح نصوص سے ثابت ہوں۔

(۳) نہ ہی وہ اجماعِ امت یا اجماعِ اہل سنت سے ثابت ہوں کہ اجماع کی طرف رجوع فی الواقع کتاب و سنت کی طرف ہی رجوع ہے۔

(۴) رہ گئے وہ مسائل جو کتاب و سنت کے نصوص سے اجتہاد و استنباط کے ذریعہ نکالے گئے ہوں انھی میں امام معین کی تقلید کی جاتی ہے کیوں کہ اب عام طور سے عوام و خواص اجتہاد و استنباط سے عاجز ہیں، کسی مسئلے میں کوئی حدیث صحیح، غیر معارض، غیر منسوخ معلوم ہو تو اس کے لیے نہ اجتہاد کی حاجت ہے، نہ تقلید کی اجازت۔

(الف)"إذا صحَّ الحديث فهوَ مذهبي" کا اعلان اور عمل:

ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ واضح فرمان پہلے ہی جاری کر دیا ہے:

"إذَا صَحّ الحَدِيْثُ فَهُوَ مذْهبِي."

"جب حدیث صحیح ہو (یعنی فقہی اصول کے مطابق حدیثِ صحیح مل جائے) تو وہی میرا مذہب ہے۔"

اور اسی کے مطابق ان کے مقلدین عمل پیرا ہیں۔

☆ ہم حنفی المذہب ہیں، تاہم متعدّد مسائل میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے بجائے امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زُفر رحمہم اللہ علیہم کے مذہب پر عمل کرتے ہیں، بلکہ وقتِ ضرورت امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ علیہم کا مذہب بھی اختیار کرتے ہیں۔ اس کے شواہد • ہدایہ • شروحِ ہدایہ • فتاوی قاضی خاں • بحر الرائق • بدائعُ الصنائع • در مختار • رد المحتار • فتاوی رضویہ • رسالہ: الظّفر لقولِ زُفَر • "مجلس شرعی کے فیصلے" جلد اول • وجلد دوم • "جدید مسائل پر علما کی رائیں اور فیصلے، جلد اول • دوم • سوم

• چہارم • پنجم • فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول • وغیرہ کتب معتمدہ میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

ہمارے یہاں فقہا کا ایک طبقہ ہے "اصحابِ ترجیح"[1] ان کا کام ہی یہ ہے کہ اپنے ائمہ مذہب کے دلائل کی قوت وضعف کا پوری باریک بینی سے جائزہ لیں اور جس قول کی دلیل باقوت ہو اسے راجح اور جس قول کی دلیل ضعیف ہو اُسے مرجوح قرار دیں، پھر عموماً ان کے فیصلے پر عمل اور فتوی جاری ہوتا ہے۔ فقہ حنفی میں اس کے نظائر بے شمار ہیں۔

(ب) شرعی دلائل کی روشنی میں ائمہ کی تقلید واطاعت:

مذاہب اربعہ کے ماننے والے علما وفقہا کبھی آنکھ بند کر کے اپنے امام کی تقلید نہیں کرتے، بلکہ وہ طاقت بھر اپنے اپنے اماموں کے قول کی دلیل کتاب وسنت سے تلاش کرتے ہیں، پھر باہم علمی مباحثے کرتے ہیں اور تمام دلائل کے درمیان موازنہ کر کے محاکمہ بھی فرماتے ہیں، پھر جسے جس دلیل کی قوت اور معارض سے اس کی حفاظت یا راجح وغیر منسوخ ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے اسے اختیار کرتا ہے اور اس طرز عمل سے یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس نے اپنے امام کی اندھی تقلید نہیں کی ہے، بلکہ دلائلِ کتاب وسنت کے اجالے میں عُرفاً تقلید کی اور حقیقت میں خدا ورسول کی اطاعت کی ہے۔ اس کے شواہد

- شرح معانی الآثار للامام الطحاوی
- احکام القرآن للامام الجصاص الرازی
- وأحكام القرآن للامام القرطبی
- مؤطا امام محمد • ونصب الرایہ للامام الزیلعی
- فتح القدیر شرح ہدایہ
- عمدۃ القاری • وفتح الباری شروح صحیح البخاری
- شرح مسلم للامام النووی
- حاجز البحرین للامام احمد رضا القادری
- الحواشی الجلیہ علی شرح صحیح مسلم
- فتح المنان للشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی • وغیرہ

میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اور اس کتاب کا تیسرا باب "فروعی مسائل" تو اسی حقیقت کی تفہیم کے لیے ہے، ہر صاحب نظر کھلی آنکھوں سے محسوسات کی طرح اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

(ج) اپنے ائمہ کے بعض اقوال پر شذوذ کا حکم اور اس کے خلاف فتوی وعمل:

یہی وجہ ہے کہ یہ علما وفقہا اپنے ائمہ کے بعض اقوال کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ شاذ ہے، امام

---

(۱) (في طبقات الفقهاء) الخامسة طبقة أصحاب الترجيح من المقلدين كأبي الحسن القدوري وصاحب الهداية، وأمثالها وشأنهم تفضيل بعض الروايات على بعض كقولهم هذا أولى وهذا أصح رواية وهذا أرفق للناس. (مقدمة رد المحتار على الدر المختار في شرح تنوير الأبصار، ج:١، ص:٥٧)

اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ قبور مسلمین پر بیٹھنا جائز، خلاف اولیٰ ہے، کچھ حنفی فقہا نے اس کی حمایت بھی کی جیسا کہ محدث شہیر مولانا احمد علی سہارن پوری مرحوم نے حاشیہ صحیح بخاری [1] میں طحاوی اور عینی وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

لیکن امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "إذَا صَحّ الحَدِيْثُ فَهُوَ مذْهبِي." پر عمل کرتے ہوئے قبور مسلمین پر بیٹھنے اور چلنے پھرنے کو حرام قرار دیا اور اس موضوع پر آپ نے ایک رسالہ بھی تصنیف فرمایا ہے جس میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی احادیث، پھر نصوصِ مذہبی سے استناد کیا ہے۔

امام ابو زکریا نووی شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تصانیف میں متعدّد مقامات پر امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا (ائمہ اربعہ میں سے) کسی دوسرے امام کے مذہب کو ترجیح دیا ہے، مثلاً ایک مقام پر فرماتے ہیں: "وأقوى المذاهب هنا مذهبُ مالك رحمه الله تعالى".

راقم الحروف نے اپنے حواشی شرح صحیح مسلم [2] کے ابتدائیہ میں "ترجمة الإمام أبي زكريا" کے تحت اس کے کچھ اور بھی شواہد پیش کیے ہیں۔

(د) دلائل میں شدید کش مکش کی صورت میں تحرّی قلب پر عمل:

یہ فقہی مذاہب

- دلائل میں تعارض
- یا قوت وضعف
- یا عموم وخصوص
- یا مشترک ومؤوّل
- یا اطلاق وتقیید
- یا نسخ وعدم نسخ
- یا اختلافِ قول وفعلِ رسول جیسے ناگزیر اسباب کی بنیاد پر وجود میں آئے
- یا پھر اس وجہ سے کہ کسی مجتہد تک دلیلِ شارع پہنچی اور کسی تک نہیں پہنچی
- کسی کو ناسخ کا علم ہوا اور کسی کو نہیں ہوا
- یا اختلافِ اسباب وعلل کی وجہ سے

---

(۱) الحواشي النافعة للمحدث الشهير أحمد علي السهارنفوري على صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۸۲، كتاب الجنائز / باب الجريد على القبر، مجلس البركات.

(۲) الحواشى الجليّة في تأييد مذهب الحنيفة علي المنهاج في شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ج:۱، ص:۱۵، مجلس البركات، مبارك فور.

● یا کلماتِ شارع میں کثرتِ عِلل کے احتمال کی وجہ سے۔

● ایک وجہ، اجتہاد میں اصابت وخطا بھی ہے۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے اسباب ووجوہ کبھی مجتہد کے نزدیک ایسی کش مکش پیدا کر دیتے ہیں کہ تحرّیِ قلب کے سوا کوئی اور راہ نظر نہیں آتی اِلّا یہ کہ توفیق ایزدی شاملِ حال ہو جائے۔

پھر یہی دشواری فقہاے مقلدین کو بھی پیش آتی ہے تو جس کی تحرّیِ قلب جس امام کے اجتہاد کے صواب یا قوی وراجح ہونے پر ہو جائے وہ اسی کے مذہب کو اختیار کیے رہتا ہے جیسے چار لوگوں پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور تحرِّیِ صواب کے بعد ان کا قلب الگ الگ جہتوں کے جہت قبلہ ہونے پر جم جائے تو ہر ایک پر اپنی جہتِ تحرّی پر نماز پڑھنا فرض ہے۔ اور یہ کہنا بیجا ہے کہ ان میں سے تین نے حکم قرآنی کی خلاف ورزی کی اور اپنی رائے کو شریعت بنالیا، یا معاذ اللہ شرک کیا، پھر ائمہ اربعہ کے مقلدین پر یہ حکم لگانا کیوں کر بیجا ہوگا۔

تو اس مقام پر آیت کریمہ: "اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ"(۱) [یہود ونصاریٰ نے اپنے اَحبار اور راہبوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا] سے استدلال نہایت بیجا ہے کیوں کہ یہود ونصاریٰ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کے احکام کے بر خلاف اپنے اَحبار اور راہبوں کے احکام پر عمل کرتے تھے یعنی اللہ ورسول نے جو چیز حلال فرمادی اسے حرام ٹھہراتے تھے اور جس چیز کو اللہ ورسول نے حرام فرمایا اسے حلال قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ "مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" کا لفظ اس کا شاہد ہے اور مفسرین کرام نے اس کی صراحت بھی فرمائی ہے۔(۲)

---

(۱) القرآن الحکیم، سورة التوبة:۹، الاية:۳۱۔

(۲) چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

● "اتخاذهم أربابا": أنهم أطاعوهم في الأمر بالمعاصي وتحليلِ ما حَرَّمَ اللّٰهُ وتحريمِ ما حَلَّله . . . (الحديثُ النبوي) عدیّ بن حاتم رضی اللہ تعالی عنه : انتهيتُ إلى رسول الله -صلّى الله عليه وسلّمَ- وفي عُنُقي صَليبٌ مِن ذهبٍ،

فقال: "أ لَيْسُوا يُحَرِّمون مَا أحلَّ الله فتُحرِّمونَه ، ويُحِلّون مَا حَرَّمَه فَتُحِلّونَه"؟ قلتُ : بَلیٰ، قال : فتلك عبادتهم. (الكشاف عن حقائق غوامض التنزيل وعيون الأقاويل فى وجوه التأويل، ج:۲، ص:۲۵۲، تحت الآية: اتَّخَذُوا أَحْبارَهُمْ وَرُهْبانَهُمْ أَرْباباً مِنْ دُونِ اللّٰهِ ، دار إحياء التراث العربي ، بيروت، لبنان)

ترجمہ: "یہود ونصاریٰ کا اپنے علما اور پادریوں کو رب بنانے" کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاصی کا اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال اور حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرانے کا حکم دیتے تو یہود ونصاریٰ ان کی اطاعت وفرماں برداری کرتے۔

(حدیث نبوی) حضرت عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت میرے گلے میں

جب کہ ہم مسلمان اور ہمارے مجتہدین کرام اس سے بیزار ہیں، جو حکم کتاب وسنت کے نص مُفسَّر یا محکم غیر مؤوّل، غیر منسوخ کے خلاف ہو گا وہ مردود ہے:

⑮ قال (القاسمُ بنُ محمّد): أخبرتني عائشةُ: أنَّ رسولَ اللهِ -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- قالَ: مَنْ عَمِلَ عملاً ليس عليه أمرنا فهو ردّ.[1]

ترجمہ: اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ہمارے حکم کے خلاف کوئی عمل کیا وہ مردود ہے۔

(۵) ائمۂ مجتہدین کتاب وسنت میں مضمر احکام کے کاشف ہوتے ہیں:

ہمارے ائمہ مجتہدین اپنے اجتہاد کے ذریعہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے احکام کے کاشف ومظہر ہیں، یہ اللہ ورسول کی اطاعت کے لیے اجتہاد یا استنباط فرماتے ہیں، یہ نفوس قدسیہ کبھی حکم الٰہی وحکم رسالت کے برخلاف کوئی حکم صادر نہیں کرسکتے، یہ حضرات آیت کریمہ: "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا"[2]، "کُنْتُمْ

سونے کی صلیب تھی، تو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا یہ احبار اور راہب اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام نہیں کرتے تو تم لوگ بھی حرام مانتے ہو اور کیا یہ لوگ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال نہیں کرتے تو تم لوگ بھی حلال کر لیتے ہو۔

تو انھوں نے عرض کیا: کیوں نہیں، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہی ان کی عبادت ہے۔

● وأخرج أبو الشيخ والبيهقي في شُعَب الإيمان عن حُذَيفةَ رضي الله تعالي عنه {اتخذُوا أحْبارهم ورُهبانهم} قال: أما إنهم لم يكونوا يعبدونهم ولكنَّهم أطاعوهم في مَعصِيَةِ اللهِ.

(الدر المنثور في التفسير بالمأثور، ج:٤، ص:١٧٤، تحت الآية: اتخذوا أحبارهم، ورُهبانهم، دار الفكر، بيروت)

ترجمہ: حضرت ابو الشیخ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت حُذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ (اتخذُوا أحْبارهم ورُهبانهم) کی تفسیر میں حضرت حُذیفہ نے فرمایا: وہ اپنے پادریوں کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ اللہ کی معصیت میں ان کا اتباع کرتے تھے۔

● {اتخذوا} أي أهلُ الكتاب {أحبارَهم} علماءَهم {ورُهبانَهم} نُسَّاكهم {أَرْبَابًا} آلهةً {مِن دُونِ اللهِ} حيث أطاعوهم في تحليلِ ما حرَّم الله وتحريمِ ما أحلّ الله.

(مدارك التنزيل وحقائق التأويل المسمى تفسير النسفي، ج:٢، ص: ١٣٤، تحت الآية المذكور، أبناء مولوي محمد بن غلام رسول، مومبائي)

ترجمہ: اہل کتاب نے اپنے علما اور اپنے درویشوں کو معبود بنا لیا اللہ کے علاوہ، کیوں کہ انھوں نے اللہ کی حرام کردہ اشیا کو حلال کرنے اور حلال کردہ اشیا کو حرام کرنے میں اپنے علما اور درویشوں کی اطاعت کی۔

● ایسا ہی تفسیر جلالین، ص:١٥٨ میں بھی ہے جس میں مفسرین کرام نے قول راجح کو اختیار کرنے کا التزام کیا ہے۔ ۱۲ منہ

(١) ● الصحيح لمسلم، ج:٢، ص: ٧٧، كتابُ الأقضية / باب نقض الأحكام الباطنة وردّ محدَثاتِ الأمور، مجلس البركات

● صحيح البخاري تعليقًا، ج:٢، ص:١٠٩٢، كتاب الاعتصام/ بابُ قولِه: "وكذلك جعلناكُم أُمَّةً وّسطاً"، مجلس البركات.

(٢) القرآن الحكيم، سورة الفاطر: ٣٥، الآية:٢٨۔

خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"[۱] کے سچے مظہر اور "اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنبِيَاء"[۲] کے بہتر مصداق ہوتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ بتقاضاے بشری اجتہاد کی راہ میں کہیں ان کا قدم کچھ پھسل جائے، مگر ان کی نیت نیک ہوتی ہے اس لیے وہ اپنے اجتہاد پر ثواب کے حقدار ہوتے ہیں خود سید کائنات ﷺ نے اس کی شہادت دی ہے۔

⑯ عن عمرو بن العاص، أنّه سمع رسولَ الله -صلّى الله عليه وسلّمَ- يقول: إذا حكم الحاكمُ فاجتهدَ، فأصابَ له أجران. وإذا حكمَ فاجتهد ثم أخْطَأَ فله أجر.[۳]

ترجمہ: حضرت عَمرو بن عاص بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے فرماتے سنا جب حاکم (قاضی) کوئی فیصلہ کرنا چاہے اور اجتہاد کرے اور درست اجتہاد کرے تو اس کے لیے دو اجر ہیں۔ اور جب حاکم فیصلہ کرنا چاہے اور اجتہاد کرے اور خطا ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔

غور فرمایئے، اللہ کے محبوب، سیدُ الانبیا ﷺ اپنی امت کے فقہاے مجتہدین کی ستائش فرما رہے ہیں اور انھیں ان کے فعلِ خیر پر اجر و ثواب کی بشارت دے رہے ہیں، مگر جماعتِ غیر مقلدین کے شیخ الکل انھیں یہود و نصاریٰ کے اَحبار اور راہبوں کے مساوی قرار دے رہے ہیں، کہاں وہ اَحبار و راہبین، جو اللہ و رسول کے فرمان کے خلاف حکم صادر کرتے تھے اور کہاں یہ اللہ والے، پاک باز نفوس جو کتاب و سنت کے فرمان کے آگے ہر گھڑی سر تسلیم خم کیے رہتے اور "إذا صحّ الحديثُ فهو مذهبي." کا اعلان کرتے تھے۔

افسوس! کیا یہی ہے معیارِ حق؟

یہ حضرات خیرِ امت کے فقہاے مجتہدین ہیں جو کتاب و سنت سے اجتہاد فرماتے ہیں جیسا کہ ان کے مذہب کی کتابیں شاہد عدل ہیں۔

اور الحمد للہ ہم مقلدین ایسے مقدس اماموں کے اجتہادی مسائل کو اختیار کرتے ہیں۔ اور فقہاے مرجّحین کی تنقیح کو پیشِ نظر رکھ کر جس قول کے صواب ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اَحبار و رُہبان پر ائمہ ہُدیٰ کا اور یہود و نصاریٰ پر خیرِ امت کا قیاس باطل و مردود ہے، احادیثِ نبویہ میں اس کی مذمت وارد ہے۔

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة آل عمران:۳، الآية:۱۱۰-

(۲) جامع الترمذي، ج:۲، ص:۹۳، أبواب العلم / باب ما جاء في فضل الفقهِ على العِبادةِ، مجلس البركات.

(۳) صحيح البخاري، ج:۲، ص:۱۰۹۲، كتاب الاعتصام/ باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، مجلس البركات، مبارك فور.

(و) صحیحین کے بہت سے رجال مقلّد ہیں:

صحاح سِتّہ بالخصوص صحیحین کے بہت سے رجالِ حدیث ائمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقلدین ہیں، تو کیا یہاں بھی آپ کا "معیارِ حق" یہی رہے گا۔ ہم چند حنفی اور شافعی مقلدین کا تذکرہ کرتے ہیں:

(۱) مَکّی بن إبراهيم البلخي رحمه الله تعالى[1]

یہ امام احمد و بخاری و مسلم و ابو داود و ترمذی و نسائی و ابن ماجہ کے راوی ہیں[2]، صحیح البخاری کی گیارہ (۱۱) ثُلاثیات ان سے مروی ہیں۔[3]

(۲) إمام أبو عاصم النبيل الضحّاك بن مخلد رحمه الله تعالى[4]

آپ سے صحیح البخاری کی چھ (۶) ثلاثیات مروی ہیں۔[5]

---

(۱) مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة للكردري، ۷۷۷، ۷۷۸.
قال: هو المكّي بن إبراهيم البلخي، دَخَل الكوفةَ سَنَةَ أربعين ومائة، فلزِمَهُ وسَمع منه الحديث والفقه، وكان يحبُّهُ و يتعصَّبُ بمذهبه، أكثر عنه الرّواية.

(۲) تهذيب الكمال في أسماء الرجال، ج:۸، ص:۴۸۶، رقم الترجمة: ۶۱۷۰، موسّسة الرسالة.

(۳) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۱، كتاب العلم / باب إثم من كذب على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم.
● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۷۱، كتاب الصلاة / باب قدر كم ينبغي أن يكون بين المصلي والسترة.
● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۷۲، كتاب الصّلاة / باب الصلاة إلى الاسطوانة.
● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۷۹، كتاب مواقيت الصلاة / باب وقت المغرب.
● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۶۸، كتاب الصوم / باب صيام يوم عاشوراء.
● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۳۰۵، كتاب الإجارة / باب إن أحال دين الميت على رجل جاز.
● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۴۱۵، كتاب الجهاد / باب البيعة في الحرب على أن لا يفروا.
● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۴۲۷، كتاب الجهاد / باب من رأى العدّو فنادى بأعلىٰ صوته يا صباحاه.
● صحيح البخاري، ج:۲، ص:۶۰۵، كتاب المغازي / باب غزوة خيبر.
● صحيح البخاري، ج:۲، ص:۸۲۶، كتاب التفسير / باب آنية المجوس والميتة.
● صحيح البخاري، ج:۲، ص:۱۰۱۷، ۱۰۱۸، كتاب الديات / باب إذا قتل نفسه خطأ فلا دية له.

(۴) الجواهر المضية فى طبقات الحنفية، ج:۲، ص:۲۷۲-۲۷۵، رقم الترجمة: ۶۶۵.

(۵) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۲۵۷، كتاب الصوم / باب إذا نوى بالنهار صوما.
● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۳۰۵، كتاب الكفالة / باب من تكفّل عن ميت دينا فليس له أن يرجع.
● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۳۳۶، كتاب المظالم والقصاص / باب هل تكسر الدّنان التي فيها الخمر.
● صحيح البخاري، ج:۲، ص:۶۱۲، كتاب المغازي / باب بعث النبي أسامة بن زيد إلى الحرقات.
● صحيح البخاري، ج: ۲، ص:۸۳۵، كتاب الأضاحي / باب ما يؤكل من لحوم الأضاحي وما يتزود منها.
● صحيح البخاري، ج:۲، ص:۱۰۷۰، كتاب الأحكام / باب مَن بايع مرّتين.

(۳) محمد بن عبد الله الأنصاري البصري [۱] رحمه الله تعالى
آپ سے صحیح البخاری کی تین (۳) ثلاثیات مروی ہیں۔ [۲]

(٤) عبد الله بن المبارك [۳] رحمه الله تعالى

(٥) فضل بن موسىٰ الرازى [۴] رحمه الله تعالى

(٦) وكيع بن الجرّاح [۵] رحمه الله تعالى

(٧) يحيىٰ بن سعيد القطّان [۶] رحمه الله تعالى

---

(۱) الجواهر المضية في طبقات الحنفية، ج:۳، ص:۱۹۹-۲۰۳، رقم الترجمة: ۱۳۵۰.

(۲) ● صحيح البخاري، ج:۱، ص:۳۷۲، كتاب الصلح/ باب الصلح في الدية.

● صحيح البخاري، ج:۲، ص:٦٤٦، كتاب التفسير / باب " يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝".

● صحيح البخاري، ج:۲، ص:۱۰۱۷، كتاب الديات/ باب السنّ بالسنّ.

(۳) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:۲۰۷.

وبه إلى محمد بن مقاتل قال: سمعت ابن المبارك، يقول: وقد سئل متىٰ يحلّ للرجل أن يفتي أو يلي القضاء قال: إذا كان بصيرا بالحديث والرأى عارفًا بقول أبي حنيفة، حافظاً له. وهذا محمول على إحدى الروايتين عن أصحابنا وقبل استقرارِ المذهب، أما بعد التقرر فلا حاجة إلى هذا لأنه لا يمكنه إلّا التقليد.

☆ عقود الجمان في مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، باب: ۱۰، ص: ۱۷۱.

عن عبد الله بن المبارك قال: قول أبي حنيفة عندنا كالأمر عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ إذا لم نجد أثراً.

(٤) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٥٥.

وبه عن الفضل بن موسى الرازى وكان أحفظ لأحاديث الرسول وسمع من الإمام الكثير وكان يحث الناس على اتباعه.

(٥) ● مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:۱۰۱٦.

عن يحيي بن معين قال: ما رأيت مثل وكيع - و يفتي بقول الإمام وكان يسمع منه شيئا كثيرا -

● وتذكرة الحفاظ، ص:۳۰۷، ج:۱، وقال: يفتي بقول أبي حنيفة.

(٦) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:۱۰۱٦.

عن يحيي بن معين، قال: ... وكان يحيي بن سعيد القطّان يفتي بقوله أيضاً.

☆ سير أعلام النبلاء، ج:۳، ص:٤۱٦٦.

وكان في الفروع على مذهب أبي حنيفة فيما بلغنا إذا لم يجد النصّ.

(۸) شُعیب بن إسحاق[1] رحمه الله تعالى

(۹) عبد الغفار بن داؤد[2] رحمه الله تعالى

(۱۰) محمد بن عبد الله بن المثنیّٰ[3] رحمه الله تعالى

(۱۱) مُعلّیٰ بن منصور الرازی[4] رحمه الله تعالى

(۱۲) لیث بن سعد[5] رحمه الله تعالى

(۱۳) حُسین بن حفص[6] رحمه الله تعالى

(۱٤) إبراهيم بن يوسف بن ميمون البلخی[7] رحمه الله تعالى

(۱۵) بِشر بن وليد الكندی الحنفی[8] رحمه الله تعالى

(۱٦) زُهَير بن مُعاوِية[9] رحمه الله تعالى

(۱۷) شريك بن عبد الله[10] رحمه الله تعالى

(۱۸) أحمد بن يسار الشافعي[11] رحمه الله تعالى

---

(۱) تاريخ الإسلام للذهبي، ج:۱۲، ص:۱۸۵ – وكان يذهب في فروع الفقه مذهب أبي حنيفة.
☆ تهذيب التهذيب، ج:۲، ص:۱۷۱ – روى عن أبيه وأبي حنيفة وتَمَذْهَبَ له.

(۲) تاريخ الإسلام للذهبی، ج:۱٦، ص:۲۲٦ – قال ابن يونس: كان ثقة، ثبتا، فقيها على مذهب أبي حنيفة.

(۳) تهذيب التهذيب ج:۳، ص:٦۱۵ – إنه فقيه عفيف ولكنَّه يَاتَمُّ بقَوْلِ أبي حنيفة.

(٤) الجواهر المضية في طبقات الحنفية، ج:۳، ص:٤۹۲، ٤۹۳، رقم الترجمة: ۱٦۸۰، وكان حنفي المذهب.

(۵) ● الجواهر المضية في طبقات الحنفية، ج:۲، ص:۷۲۰، رقم الترجمة: ۱۱۳۱، إن الليث حنفي المذهب.
● إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري فی تيسير الحديث، باب إطعام الطعام من الإسلام (حدثنا الليث
... الإمام الجليل المشهور الحنفی المذهب فيما قاله ابن خلكان.
وقال الإمام أحمد رضا في الفتاوی الرضوية، ج:۱، ص:٦۲۵.
الليث بن سعد كان حنفيا.

(٦) الجواهر المضية في طبقات الحنفية، ج:۲، ص:۱۰۸، رقم الترجمة: ٤۹۹، وهو الذی نقل فقه أبي حنيفة إلی أصفهان وأفتیٰ لمذهبه.

(۷) سير أعلام النبلاء، ج:۱، ص:۷۱۸ – كان من الأئمة الحنفية.

(۸) سير أعلام النبلاء، ج:۱، ص:۱۲۱۱ – الإمام العلامة المحدث، الصادق، قاضی العراق، أبو الوليد الكندی الحنفی.

(۹) الجواهر المضية فی طبقات الحنفية، ج:۲، ص: ۲۱۱–۲۱۲، رقم الترجمة: ٦۰۰.

(۱۰) الجواهر المضية فی طبقات الحنفية، ج:۲، ص: ۲٤۸، ۲٤۹، رقم الترجمة: ٦٤۲.

(۱۱) سير أعلام النبلاء، ج:۱، ص:۷۹۰ – قد عدّ فی الفقهاء الشافعية.

(۱۹) حسن محمد صباح الشافعي[۱] رحمه الله تعالى

(۲۰) علي بن معبد[۲] رحمه الله تعالى

(۲۱) علي بن مسهر الكوفي[۳] رحمه الله تعالى

(۲۲) قاسم بن معن الكوفى[۴] رحمه الله تعالى

(۲۳) حبان بن على العنزي الكُوفي رحمه الله تعالى

(۲٤) مندل بن على العنزي الكوفي[۵] رحمه الله تعالى

(۲۵) عبد الرزاق بن الهمام[۶] رحمه الله تعالى

(۲٦) يحييٰ بن معين[۷] رحمه الله تعالى

---

(۱) تهذيب التهذيب، ج:۱،ص:٤۱۳ —وكان يذهب مذهب أهل العراق، فَتَـرَكَهٗ وتفقّه للشافعي.

(۲) تهذيب التهذيب، ج:۳،ص:۱۹۳ —وكان يذهب مذهب أبي حنيفة.

(۳) ● الجواهر المضية في طبقات الحنفية، ج:۲،ص:٦۱۳، ٦۱٤، رقم الترجمة: ۱۰۱٤.

● مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:۱۰۳۳.

لزم الإمام وتفقّه عليه وسمع منه الكثير– وبهٖ عن يحيى بن نصير، قال: قال عليٌّ: خرج الإمام من الدنيا وهو عليّ غضبان لأنى كنت أجالس الإمام بالغدوات وسفيان بالعشيات فكان يقول لي: ما قال الشيخ، فأخبره بمسائل، وكان يقول لي الإمام: لم تأتى رجلا يأخذ منك شعلتك ولا يحمدك.

(٤) مناقب الإمام الأعظم للكردري، ص:۱۰۳۳.

القاسم بن معن بن عبد الرحمٰن بن عبد الله بن مسعود الكوفي، الفقيه صحب الإمام وتفقّه عليه وروى عنه، ولي القضاء بالكوفة بعد شريك، كان إماما فى الفقه، بحرا فى العربية مقدما فيه.

(۵) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:۱۰۳۱، ۱۰۳۲.

ومنهم حبان ومندل ابنا علي العنزي الكوفي . . . وقدم مندل في بغداد أيام المهدي، سمع الرأى من الإمام وتفقه عليه، وكان الإمام يقر بهما و يتلطف بِهِـما، وذكر السمعاني عن جعفر بن عون، أنهما كانا من الزم الناس مجلس الإمام.

(٦) مناقب الإمام الأعظم للكردري، ص:۱۰٤٦.

إمام صنعاء أكثر عن الإمام الرواية.

(۷) مناقب الإمام الأعظم للكردري، ص:٦۳۸.

و به عن يحيى بن معين قال: القراءة عندي قراءةُ حمزة والرأيُ رأيُ الإمام، على هذا أدركتُ الناس.

(۲۷) المغيرة[۱] رحمه الله تعالى

(۲۸) محمد بن طلحة بن مصرف[۲] رحمه الله تعالى

(۲۹) يحيىٰ بن آدم[۳] رحمه الله تعالى

(۳۰) يزيد بن هارون[۴] رحمه الله تعالى

(۳۱) حسن بن عرفة العبدي[۵] رحمه الله تعالى

(۳۲) خلف بن أيوب[۶] رحمه الله تعالى

یہ مقلّد راویانِ حدیث کی ایک مختصر فہرست بطور نمونہ پیش کی گئی ہے، تفصیل کے لیے رجالِ

---

(۱) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٤٢.

وبه عن جرير بن عبد الحميد قال: أفتى المغيرة فتوى، فنوزع فيها، فقال: بلغنى أن الفتى الخزاز الذى يكون فى دار عمرو بن حريث يقول بمثله، يعنى الإمام قال جرير فى غير هذه الرواية عن المغيرة إنهم إذا سألوا عن شيء وأجابه قال: هذا قول أبي حنيفة.

(۲) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٤٥.

وبه عن أبي تميلة يحيى بن واضح، قال: تجارينا فى ذكره مع محمد بن طلحة بن مصرف فقال ابن طلحة: يا أبا تميلة إذا وجدت عنه قولا فعليك به فإنك لا تجد عنه قولا إلا نضيحا.

(۳) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٤٨.

وبه عن على بن المدينى كان يحيى بن آدم عالما بالناس وبأقاويلهم، كثير الفقه والحديث وكان يميل إلى أبي حنيفة ميلا شديدا.

(٤) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٥٢.

روى عنه مع كبر سنه وفضله وسَألَهُ عن مسائل وكان مائلا إليه روى عنه إبراهيم بن عبد العزيز أنه سئل متى يفتى الرجل؟ قال إذا كان مثل أبي حنيفة، ثم قال: لا غنى عن النظر فى كتبه وعلمه وبه يتفقّه الرجل.

(٥) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٥٧.

وبه عن الحسن بن عرفة العبدى إنه قال: لا نكذب الله فى أنفسنا، امامنا فى الفقه هو، وفى الحديث الثورى، فإذا اتفقا فلا أبالي بمن خالفهما.

(٦) مناقب الإمام الأعظم للكردرى، ص:٦٦٤.

وبه عن عبد الله بن الأزهر سُئل خلف بن أيوب عن مسئلة فقال: قال أبو حنيفة وأبو يوسف فيه كذا. فقيل له: ما تقول فيه أنت؟ قال: أقول لك عن جبلَى حديدٍ وأنت تقول فيه ما تقول؟

سير أعلام النبلاء، ج:٢، ص:١٦٢٥،- خلف بن أيوب الإمام المحدثُ الفقيه مفتى المشرق، إن سعيد العامرى، البلخى، الحنفى، الزاهد، عالم أهل بلخ تَفَقَّهَ على القاضى أبي يوسف رحمه الله تعالى.

حدیث کی کتابیں، خاص کر طبقات الحنفیۃ اور طبقات الشافعیہ وغیرہا کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

اگر تقلید شرک ہے تو بے شمار احادیث صحیحہ سے ہاتھ دھونا پڑے گا، کیا وہابی حضرات اس کی بھی جرأت کریں گے۔

وہابی بھی تقلید کرتے ہیں:

اور حق یہ ہے کہ خود غیر مقلدین بھی ائمۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقلید کرتے اور ان کے مذہب کے مطابق فتاوی جاری کرتے ہیں، جیساکہ "فتاوی نذیریہ" وغیرہ کے مطالعہ سے عیاں ہے۔

پھر ان کے عوام اپنے مذہب کے متون مثل کنز الحقائق، عَرف الجادي، نزُلُ الابرار، وغیرہ پڑھ کر، یا کسی غیر مقلد عالم سے پوچھ کر یا سنی سنائی باتوں پر عمل کرتے ہیں، ان کی تقلیدِ بے دلیل میں کیا کلام۔ کیا ان سب پر مشرک ہونے کا وہی فرمان جاری ہوگا، کروروں، اربوں، بلکہ بے شمار مقلدین کو مشرک قرار دینے سے پہلے ذرا ایک بار تو اپنے مقلدین کا جائزہ لے لیتے، نیز حدیث نبوی "الإسلامُ يعلو ولا يُعلىٰ"[1] کا مفہوم ذرا ٹھنڈے دل سے سمجھنے کی کوشش کرتے۔ وما علينا إلا البلاغ.

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۱۸۰، كتاب الجنائز / باب إذا أسلم الصّبي، مجلس البركات.

سولھواں مسئلہ

اِجماعِ امت

کتاب وسنت کی روشنی میں

اللہ عزّوجلّ نے امت محمدیہ ﷺ کو یہ اعزاز بخشا ہے کہ جس حکم پر اس کا اجماع واتفاق ہو جائے وہ خطا سے پاک اور حجت ہوتا ہے۔ اور اس سے انحراف فرمانِ نبوت سے انحراف کی طرح گناہ ہے۔ جیساکہ کتابُ اللہ وسنتِ رسول اللہ اس کے شاہد ہیں، ہم یہاں اس کے ثبوت میں پانچ دلائل ذکر کرتے ہیں۔

دلائلِ اہل سنت

پہلی دلیل، مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ اختیار کرنے پر جہنم کی وعید:

❶ اللہ عزّوجلّ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ (۱)

اور جو رسول کا خلاف کرے اس کے بعد کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے

(۱) القرآن الحکیم، سورة النساء: ٤، الأیة: ١١٥.

جدا راہ چلے، ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

اس آیت کریمہ میں:

(۱) رسول کی مخالفت کرنے

(۲) اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلنے

دونوں کا ایک ہی حکم بیان کیا ہے کہ "ہم اس کو جہنم میں داخل کریں گے" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی راہ پر چلنا واجب ہے، جیسا کہ رسول کریم ﷺ کی راہ پر چلنا واجب ہے اور "اجماع" بلاشبہہ مسلمانوں کی راہ ہے۔ ایسی راہ جس پر سبھی چلتے ہیں؛ اس لیے اس کا اتباع واجب ہوا۔ اور ثابت ہوا کہ اجماعِ امت حجت ہے۔

دوسری دلیل، سابقہ امتوں پر امت محمدیہ کی شہادت حجتِ لازمہ ہے:

❷ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا[1]

ترجمہ: اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں سب امتوں میں افضل کیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمھارے نگہبان و گواہ۔

اس آیت کریمہ میں سابقہ امتوں پر امتِ محمدیہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے اور ان کے قول و شہادت کو ان پر حجتِ لازمہ قرار دیا گیا ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان کا قول خطا سے پاک ہے، اور یہی ان کے اجماع کے خطا سے معصوم ہونے کی دلیل ہے۔

تیسری دلیل، احادیث متواترہ کی شہادت کہ امت کا اجماع خطا سے محفوظ ہے:

حضور سید عالم ﷺ کے ارشادات کریمہ اس مفہوم پر تواتر کے ساتھ دلالت کرتے ہیں، کہ امت کا اجماع خطا سے محفوظ ہے اور اس کا اتباع واجب ہے۔

چناں چہ مسلم الثبوت کی شرح فواتح الرحموت میں حدیث: لا تجتمع أمّتي على ضلالةٍ

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، الآیۃ: ۱۴۳

کے تحت ہے:

"فإنّه متواترُ المعنى" فإنّه قد ورد بألفاظ مختلفة يفيد كلُّها العِصْمَةَ وبلغت رُوَاةُ تلك الألفاظ حَدَّ التواتر.[1]"

ترجمہ: حدیث "میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی" معنی کے لحاظ سے متواتر ہے کیوں کہ یہ مختلف الفاظ سے وارد ہے۔ اور اس کے سارے ہی الفاظ امت کے خطا سے معصوم ہونے کا افادہ کرتے ہیں، ساتھ ہی ان الفاظ کے رُواۃ حدِ تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں۔

امام محقق ابن امیر الحاج[2] اور امام قاضی بیضاوی[3] اور امام جمال الدین اسنوی رحمہم اللہ تعالیٰ[4] نے بھی یہی صراحت کی ہے، یہ تمام حضرات اس مضمون کی احادیث کو معنیً متواتر قرار دیتے ہیں۔

کشف الاسرار شرح اصول بزدوی میں بھی یہی انکشاف کیا گیا ہے، کلمات یہ ہیں:

إنّ الروايات تظاهرت عن الرسول -صلّى الله عليه وسلّمَ- بِعصمة هذه الأمّة عن الخطأ بألفاظ مختلفة على لسان الثقات من الصحابة كعُمر وابنه وابن مسعود وأبي سعيد الخدري وأنس بنِ مالك وأبي هريرة وحُذيفة بن اليمان وغيرهم مع اتفاق المعنىٰ كقوله عليه السلام "لا تجتمع أمّتي على الخطأ" ... إلىٰ غيرها من الأحاديث التّي لا تحصىٰ كثرة ولم تزل كانت ظاهرة مشهورة بين الصّحابة والتابعين إلى زماننا هذا.[5]

ترجمہ: اس امت کے خطا سے معصوم ہونے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایات کثیر ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد: "لا تجتمِعُ أمتي على الخطأ" (میری امت

---

(١) فواتح الرحموت، ج: ٢، ص: ٢٧٢، الأصل الثالث: الإجماع، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

(٢) التقرير و التحبير على التحرير، ج: ٣، ص: ٨٥، الباب الرابع: الإجماع، دار الكتب العلمية، بيروت

(٣) منهاج الوصول إلى علم الأصول على هامش التقرير ج: ٢، ص: ١٦٣، الكتاب الثالث في الإجماع، دار الكتب العلمية، بيروت

(٤) نهاية السؤل في شرح منهاج الوصول على هامش التقرير ج: ٢، ص: ١٦٦، الكتاب الثالث في الإجماع، دار الكتب العلمية، بيروت

(٥) كشف الأسرار على أصول فخر الإسلام البزدوي ج: ٣، ص: ٢٥٨، الصدف پبليشر، كراتشي

گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) اور یہ روایات ثقہ صحابۂ کرام۔ جیسے ● عُمر ● ابن عمر ● ابن مسعود ● ابوسعید خدری ● انس بن مالک ● ابوہُریرہ ● اور حُذیفۃُ بن الیمان وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک ہی مفہوم کے مختلف الفاظ سے منقول ہیں۔ امت کے خطا پر جمع نہ ہونے کے سلسلے میں احادیث بے شمار ہیں اور یہ صحابۂ کرام و تابعین عظام کے زمانے سے ہمارے زمانے تک مشہور ہیں۔

یہی صراحت حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱) نے بھی کی ہے۔

ہم یہاں اس طرح کی احادیث وروایات کا ایک انتخاب قدرے بسط کے ساتھ پیش کرتے ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ امت کا اجماع ضلالت وگمراہی پر نہیں ہوسکتا۔ اور جس امر پر امت کا اجماع منعقد ہو وہ خطا سے پاک و حجت ہے۔

یہ احادیث اپنے مضامین کے لحاظ سے کئی انواع کی ہیں، ہم جملہ احادیث کا احاطہ نہیں کرسکتے تا ہم جو احادیث پیش نظر ہیں ان کا انتخاب **پانچ انواع** کے ذیل میں نذر قارئین کرتے ہیں:

نوعِ اول کی احادیث:

اس نوع کی احادیث وروایات میں یہ صراحت ہے کہ امت کا اجماع گمراہی پر نہ ہوگا، اللہ عزّ و جل نے اسے گمرہی سے محفوظ و مامون کردیا ہے۔ کلماتِ احادیث یہ ہیں:

① عن أبي مالك يعني الأشعري ، قال: قال رسولُ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- : "إن الله أجاركم من ثلاث خلال:

- أنْ لا يدعُو عليكم نبيُّكم فتهلِكوا جميعًا،
- وأن لا يُظْهِرَ أهلَ الباطل علىٰ أهل الحقّ،
- و أن لا تجتمعوا علىٰ ضلالة."(۲)

ترجمہ: حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین باتوں سے تمھیں پناہ عطا فرمائی:

---

(۱) المستصفىٰ مِن علم الأصول ج: ۱، ص: ۱۷۳ ، الباب الأول من مبحث الإجماع ، دارُ إحياء التراث العربي.

(۲) سنن أبي داؤد، ج: ۳، ص: ۱۳۰، كتاب باب الفتن والملاحم ، حديث: ۴۲۵۳، دارُ المعرفة، بيروت، لبنان.

پہلی بات یہ کہ تمھارے نبی تمھاری تباہی و بربادی کی دعا نہ فرمائیں کہ تم سب نیست و نابود کر دیے جاؤ۔

دوسری بات یہ کہ اللہ عزّ وجلّ اہلِ باطل کو اہلِ حق پر غلبہ نہیں دے گا۔

تیسری بات یہ کہ تمھارا اجماع کسی گمراہی پر نہ ہو گا۔

④ عن أبي بصرة الغفاري ، صاحب رسول الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ-، أنّ رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ- قال: سألتُ ربي عزّ و جلّ أربعًا، فأعطاني ثلاثا و منعني واحدة،

- سألتُ الله عزّ وجلّ أن لَّا يُجْمِعَ أُمَّتي على ضلالة فأعطانيها،
- وسألتُ الله عزّ وجلّ أن لا يُهلكهم بالسّنين، كما أهلك الأمم قبلهم، فأعطانيها،
- و سألت الله عزّ و جلّ أن لا يُلبِسهم شِيَعًا، و يُذِيقَ بعضهم بأسَ بعضٍ، فمنعنيها.[1]

ترجمہ: صحابیِ رسول اللہ حضرت ابوبصرہ غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے رب عزّ وجلّ سے چار باتوں کا سوال کیا تو اس نے مجھے تین باتیں عطا فرمائیں اور ایک سے منع فرما دیا۔

- میں نے اللہ عزّ وجلّ سے سوال کیا کہ میری امت کا اجماع گمراہی پر نہ ہو، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عطا فرما دیا۔
- اور میں نے اللہ عزّ وجلّ سے سوال کیا کہ وہ میری امت کو قحط سالی سے ہلاک نہ فرمائے جیسا کہ پہلے کی امتوں کو ہلاک فرمایا تو اس نے یہ دعا بھی قبول فرمالی۔
- اور میں نے اللہ عزّ وجلّ سے سوال کیا کہ میری امت مختلف فرقوں میں تقسیم نہ ہو اور ایک دوسرے کو ایذا نہ پہنچائیں تو اسے قبول نہیں فرمایا۔[2]

---

(١) مسند الإمام أحمد بن حنبل ، ص: ٢٠٢٩، حديث: ٢٧٧٦٦، بيت الأفكار الدولية.

(٢) "امت کی مختلف فرقوں میں تقسیم" کا فیصلہ مُبرَم و ناقابلِ تبدیل تھا، اور آخر کار امت تہتّر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو گئی جن میں ایک فرقہ "اہلِ سنت وجماعت" جنتی، باقی سب جہنمی ہیں جیسا کہ احادیثِ نبوی میں وارد ہے، یہ احادیث آگے آ رہی ہیں۔ ۱۲ منہ

③ حَدَّثَنِي أَبُو خَلَفٍ الأَعْمَى، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّمَ-، يَقُولُ: ''إِنَّ أُمَّتِي لاَ تَجْتَمِعُ عَلَى ضَلَالَةٍ، فَإِذَا رَأَيْتُمُ اخْتِلاَفًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الأَعْظَمِ.''(۱)

ترجمہ: ابوخلف اعمیٰ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت انس بن مالک سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنا، آپ فرماتے ہیں کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی، لہٰذا جب تم اختلاف دیکھو تو سوادِ اعظم کی پیروی اپنے اوپر لازم کرلو۔

④ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ -صلّى الله تعالى عليه وسلّم- قَالَ: «إِنَّ اللهَ لاَ يَجْمَعُ أُمَّتِي -أَوْ قَالَ: أُمَّةَ مُحَمَّدٍ -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلّم- عَلَى الضَّلاَلَةِ وَيَدُ اللهِ على الْجَمَاعَةِ وَمَنْ شَذَّ، شَذَّ إِلَى النَّارِ».(۲)

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ میری امت کو-یا فرمایا- اُمّتِ محمد -صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم- کو گمراہی پر نہیں جمع فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت جماعت پر ہے اور جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

⑤ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلّم- «يَدُ الله مَعَ الْجَمَاعَةِ».(۳)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اللہ کا دستِ رحمت جماعت کے ساتھ ہے۔

⑥ عن عبد الله بن دينار، عن ابن عمر قال : قال رسولُ الله -صلّى الله عليه و آلِه و سلَّمَ- : "لا يجمع الله هذه الأمةَ على الضَّلالة أبدا" و قال :

---

(۱) سنن ابن ماجه، ج: ۲، ص: ۱۳۰۳، كتاب الفتن / باب السّواد الأعظم، دارالكتب العلمية، بيروت، لبنان.

(۲) جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۳۹، كتاب الفتن/ بابُ لزوم الجماعة، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.

(۳) جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۳۹، كتاب الفتن / بابُ لزوم الجماعة، مجلس البركات ، الجامعة الأشرفية، مبارك فور

"يد الله على الجماعة، فاتّبعوا السّواد الأعظم، فإنه من شذَّ، شذّ في النار".[1]

ترجمہ: عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ عزّوجلّ اس امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔

اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کا دستِ قدرت جماعت پر ہے تو سوادِ اعظم کی پیروی کرو، جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

اس حدیث کو امام حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سات طُرق سے روایت کرنے کے بعد یہ انکشاف فرمایا:

فقدِ استقرَّ الخلاف في إسناد هذا الحديث على "المعتمر بن سليمان" و هو أحدُ أركان الحديث من سبعة أوجهٍ لا يسعنا أن نحكم أن كلّها محمولة على الخطأ بحكم الصواب ... و لكنَّا نقول: إنَّ المعتمر بن سليمان أحدُ أئمة الحديث و قد رُوي عنه هذا الحديث بأسانيد يصحّ بمثلها الحديث، فلا بدَّ من أن يكون له أصلٌ بأحد هذه الأسانيد.

ثم وجدنا للحديث شواهدَ من غير حديث المعتمر لا أدّعي صِحّتها و لا أحكم بتوهينها، بل يلزمني ذكرها لإجماع أهل السُّنة على هذه القاعدة من قواعد الإسلام.[2]

ترجمہ: اس حدیث کی اسناد میں اختلاف "معتمر بن سلیمان" پر ٹھہر جاتا ہے اور وہ اس حدیث کے سات طُرق کے ارکان میں سے ایک ہیں، ہمیں یہ روا نہیں کہ ہم یہ حکم صادر کر دیں کہ یہ تمام طُرق درست ہونے کے بجائے خطا پر محمول ہیں۔

ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ "معتمر بن سلیمان" ائمۂ حدیث میں سے ایک ہیں اور ان سے یہ حدیث جس طرح کی اسانید سے مروی ہے ویسی اسانید سے مروی احادیث صحیح ہوتی ہیں۔ تو ضرور ہے کہ ان اسانید میں سے کسی سند کے ساتھ اس کی کوئی اصل ہو۔

---

(۱) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص: ۱۱۵، كتاب العلم/ باب لا يجمع الله هذه الأمّة على الضلالة أبدًا، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۶، كتاب العلم، باب من شَذَّ شُذَّ في النار.

پھر ہم اس حدیث کے لیے حدیث معتمر کے سوا کچھ شواہد بھی پاتے ہیں جن کے صحیح ہونے کا دعویٰ ہم کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں، بلکہ مجھ پر ان شواہد کا ذکر لازم ہے کیوں کہ دلائل اسلام-کتاب وسنت واجماع-میں سے اس دلیل (اجماع) پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

⑦ حدّثنا موسى بن هارون، حدّثنا العباس بنُ عبد العظيم، حدثنا عبد الرزاق، حدثنا إبراهيم بن ميمون العدني ـ و كان يسمى "قريش اليمن" و كان من العابدين المجتهدين ـ قال: قلتُ لأبي جعفر: و اللهِ لقد حدّثني ابن طاؤس عن أبيه قال: سمعتُ ابن عباس يقول: قال رسول الله -صلّى الله عليه و سلَّمَ-: لا يجمع الله أمّتي على ضلالة أبدا و يد الله على الجماعة.

(قال) الحاكم: فإبراهيم بن ميمون العدني هذا قد عَدَّلَه عبدُ الرزاق، وأثنىٰ عليه، و عبد الرزاق إمام أهل اليمن و تعديلُه حجَّةٌ و قد روي هذا الحديث عن أنس بن مالك.[1]

ترجمہ: امام حاکم صاحب مستدرک فرماتے ہیں کہ موسیٰ بن ہارون نے ہم سے حدیث بیان کی، وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے عباس بن عبد العظیم نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہم سے عبد الرزاق نے حدیث بیان کی، وہ کہتے ہیں ہم سے ابراہیم بن میمون عدنی نے حدیث بیان کی، اور انھیں "قریش یمن" سے بھی موسوم کرتے ہیں، یہ عابدین مجتہدین سے تھے۔

وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو جعفر سے کہا کہ اللہ کی قسم مجھ سے ابن طاؤس نے حدیث بیان کی وہ کہتے ہیں کہ ان سے ان کے والد طاؤس نے روایت کی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **اللہ تعالیٰ کبھی میری امت کا اجماع ضلالت پر نہیں فرمائے گا، اور اللہ کا دستِ کرم جماعت پر ہے۔**

امام حاکم فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن میمون عدنی کو امام عبد الرزاق نے عادل بتایا ہے اور ان کی ثنا کی ہے، اور امام عبد الرزاق امامِ اہل یمن ہیں اور ان کی تعدیل حجت ہے اور یہ حدیث حضرت انس بن مالک سے بھی مروی ہے۔

(۱) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱٦، كتاب العلم/ بابُ مَن شذّ، شذّ في النار، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

إبراهيمُ عَدَّلَهُ عبدُ الرزّاق وَ وَثَّقه ابنُ معين.اهـ.(١)

امام عبد الرزاق نے ابراہیم کی تعدیل اور امام ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔

⑧ عن أنس بن مالك: عن النّبي -صلى الله عليه و آله و سلم-: أنه سأل ربَّهُ أربعا:

- سأل ربَّهُ أن لا يموت جوعا، فأعطىٰ ذلك،
- وسأل ربه أن لا يجتمعوا على ضلالة، فأعطىٰ ذلك.إلخ.(٢)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب کریم سے چار باتوں کا سوال کیا:

- آپ نے سوال کیا کہ بھوک کے سبب موت نہ آئے، تو اللہ عزوجل نے اسے عطا فرمادیا۔
- دوسری چیز یہ کہ آپ کی امت گمراہی پر اجماع نہ کرے تو یہ بھی عطا فرمادیا۔

نوع دوم کی احادیث:

اس نوع کی حدیثوں میں یہ صراحت ہے کہ جماعتِ مسلمین کی موافقت و اتباع لازم ہے اور ان سے علاحدگی و مخالفت اسلام کی روش سے علاحدگی و مخالفت ہے، الفاظِ احادیث یہ ہیں:

⑨ عن خالد بن وهبان عن أبي ذر، قال: قال رسولُ الله -صلّى الله عليه و سلَّمَ-: مَن فارقَ الجماعة قِيْدَ شِبْرٍ فقد خلع رِبْقَةَ الإسلام من عُنقه.(٣)

ترجمہ: خالد بن وہبان سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو جماعت سے بالشت بھر جدا ہوا اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ الگ کر دیا۔

⑩ عن عبد الله بن دينار، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: خَطَبَنَا عُمَرُ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ: يَا

---

(١) التلخيص للذهبي على هامش المستدرك ج: ١، ص: ١١٧، كتاب العلم، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(٢) المستدرك للحاكم، ج: ١، ص: ١١٧، ١١٦، كتاب العلم / بابٌ من شذّ، شذّ في النار، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(٣) المستدرك للحاكم، ج: ١، ص: ١١٧، كتاب العلم/ بابٌ من فارقَ الجماعة، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قُمْتُ فِيكُمْ كَمَقَامِ رَسُولِ اللهِ –صلّى الله عليه وسلَّمَ– فِينَا، فَقَالَ:
«أُوصِيكُمْ بِأَصْحَابِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَفْشُو الْكَذِبُ حَتَّى يَحْلِفَ الرَّجُلُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ وَيَشْهَدَ الشَّاهِدُ وَلاَ يُسْتَشْهَدُ.
أَلَا لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ إِلاَّ كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ، عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَهُوَ مِنَ الاِثْنَيْنِ أَبْعَدُ. مَنْ أَرَادَ بُحْبُوحَةَ الْجَنَّةِ فَلْيَلْزَمِ الْجَمَاعَةَ. مَنْ سَرَّتْهُ حَسَنَتُهُ وَسَاءَتْهُ سَيِّئَتُهُ فَذَلِكُمُ الْمُؤْمِنُ».
هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ، صَحِيحٌ، غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الْوَجْهِ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام جابیہ(۲) میں ہمیں خطبہ دیا، آپ نے فرمایا:
اے لوگو! میرا قیام تمھارے درمیان اسی طور پر ہے جس طور پر ہمارے درمیان اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قیام فرماتے تھے۔(۳) آپ نے فرمایا کہ میں تمھیں اپنے اصحاب، پھر تابعین، پھر تبع تابعین کے اِتّباع واِطاعت کی تاکید کرتا ہوں، اس کے بعد جھوٹ عام ہو جائے گا یہاں تک کہ آدمی

---

(۱) ● جامع الترمذي، ج: ۲، ص: ۳۹، كتاب الفتن/ باب لزوم الجماعة، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.
● والمستدرك للحاكم، ج:۱،ص: ۱۱٤، كتاب العلم/ باب خطبة عمر –رضي الله تعالى عنه– بالجاهلية، مكتب المطبوعات الإسلاميه، بيروت، لبنان
(۲) دمشق کے قریب ایک بستی کا نام۔ قاموس ۱۲ منہ
(۳) اس سے مراد اپنے اس منصبِ شریف کا اظہار ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے "خلیفۂ راشد" اور "قائم مقام" ہیں، آپ کا فرمان بھی شریعت ہے اور آپ کی سنت کی پیروی بھی واجب ہے جیسا کہ ارشادِ رسالت ہے: عليكم بسُنّتي و سنّةِ الخلفاء الرّاشدين.
ترجمہ: تم لوگوں پر میری اور میرے خلفاے راشدین کی سنت کی پیروی لازم ہے۔
(● جامع الترمذي، ج:۲،ص:۹۲، كتاب العلم/ باب ما جاء في الأخذ بالسنة وإجتناب البدع ● سنن ابن ماجه، ص: ۲۲، كتاب المقدمة/ باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، رقم الحديث: ٤۲، ٤۳ ● مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۱۲۳٤ ● مسند الشاميين،حديث العرباض بن سارية، رقم الحديث: ۱۷۲۷۲ تا ۱۷۲۷۵ ● سنن الكبرى للبيهقي، ج:۱۰، ص: ۱۱٤، كتاب آداب القاضي / باب ما يقضي به القاضي و يفتي به المفتي ● المستدرك على الصحيحين، ج:۱،ص: ۹۵ تا ۹۷.)

قسم کھائے گا جب کہ اس سے قسم کا مطالبہ نہ ہوگا، اور شاہد گواہی دے گا حالاں کہ اس سے شہادت کے لیے نہ کہا جائے گا۔

آگاہ رہو کہ کوئی مرد کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ خلوت نہیں کرتا مگر ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ **تم پر جماعت کا ساتھ لازم ہے، اور تم جدا ہونے سے بچو،** کیوں کہ شیطان ایک کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے دور ہو جاتا ہے۔ تم میں سے **جو کوئی اونچے درجے کی جنت کی خواہش رکھتا ہے وہ جماعت کی پیروی لازم کر لے۔** جو شخص اپنی نیکی سے خوش ہو اور بدی سے غمگین، وہ مومن کامل ہے۔ یہ حدیث اس طریق سے حَسَن، صحیح، غریب ہے۔

مشکاۃ المصابیح، باب مناقب الصحابہ/فصل ثانی ص: ۵۵۴، میں یہ حدیث ابتدائی الفاظ میں فرق کے ساتھ منقول ہے، اس کے تحت مِرقاۃ المفاتیح اور لمعاتُ التنقیح میں ہے:

إسنادُه صحيحٌ، و رِجالُه رِجالُ صحيحٍ، إلّا إبراهيم بن الحسن الخثعمي فإنه لم يخرّج له الشّيخان، وهو ثقة، ثبتٌ. ذكرَه الجزري. فالحديثُ بكماله إمّا صحيح أو حَسَنٌ. اهـ.[1]

ترجمہ: اس حدیث کی اسناد صحیح ہے اور اس کے رِجال، صحیح کے رِجال ہیں، سوائے ابراہیم بن حسن خثعمی کے کہ شیخین -امام بخاری و امام مسلم- نے ان سے حدیث کی تخریج نہیں کی مگر وہ ثقہ و عادل ہیں۔ امام جزری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ صراحت فرمائی۔ تو یہ پوری حدیث یا تو صحیح ہے یا حَسَن۔

اس حدیث کو امام اب عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی مستدرک میں اپنی سند سے تخریج کیا ہے اور ساتھ میں اس کے دو شاہد بھی ذکر کیے ہیں اور اسے شرط شیخین پر صحیح قرار دیا ہے، ان کے الفاظ یہ ہیں:

هذا حديثٌ صحيح على شرط الشَّيخين، فإنّي لا أعلم خلافًا بين أصحاب عبد الله بن المبارك في إقامة هذا الإسناد عنه، و لم يخرِّجاه (و له شاهدان) عن محمد بن سوقة قد يُستشهد بمثلهما في مثل هذه المواضع ... و قد رويناه بإسناد صحيح عن سعد بن أبي وقّاص عن عمر رضي الله عنهما.[2]

---

(١) ● مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج: ١١، ص: ١٥٩، كتاب المناقب/ الفصل الثاني، دار الكتب العلمية، بيروت،
● وحاشية المشكاة عن لمعات التنقيح، ص: ٥٥٤.

(٢) المستدرك للحاكم، ج: ١، ص: ١١٤، كتاب العلم/ باب خطبة عمر -رضي الله تعالى عنه- بالجابية، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

ترجمہ: یہ حدیث حضرات شیخین [امام بخاری و امام مسلم] کی شرط پر صحیح ہے کیوں کہ میں حضرت عبد اللہ بن مبارک سے اس اِسناد کے درست ہونے میں ان کے اصحاب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں جانتا، البتہ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

اور محمد بن سُوقہ کی روایت سے اس حدیث کے دو شاہد بھی ہیں اس طرح کے مقامات پر ایسی حدیثوں سے استشہاد کیا جاتا ہے اور ہم نے یہ حدیث اسنادِ صحیح سے سعد بن ابی وقاص کے حوالے سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی حدیث ابن عمر کے بارے میں اپنی تحقیق یہی بیان فرمائی: "علی شرطِهما" یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے۔ اور حدیث سعد بن وقّاص کے تعلق سے فرمایا: و هذا صحیح، یہ حدیث صحیح ہے۔[۱]

⑪ حدّثني أبوإدريس الخولاني أنه سمع حُذيفة بنَ اليمان يقول: كان الناس يسألون رسولَ الله -صلّى الله تعالىٰ عليه و آلہٖ وسلَّمَ- عن الخير و كنتُ أسأله عن الشر مخافة أن يدركني، فقلت: يا رسول الله، إنّا كنّا في جاهلية و شرّ، فجاء الله بهذا الخير، فهل بعد هذا الخير مِن شر؟ قال: نعم ... قلت: فما تأمرني إن أدركتُ ذلك؟ قال:

"تلزَم جماعة المسلمين و إمامهم"، قلت: فإن لم يكن لهم إمام ولا جماعة ؟ قال: فاعتزل تلك الفِرَق كلها، و لو أن تعَضّ بأصل شَجَرة حتّى يُدرِكك الموتُ و أنت كذلك".[۲]

ترجمہ: ابو ادریس خولانی کا بیان ہے کہ انھوں نے حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرماتے سنا کہ لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے "خیر" کے بارے میں دریافت کرتے اور میں حضور سے "شر" کے بارے میں دریافت کرتا کہ مجھے یہ اندیشہ دامن گیر تھا کہ کہیں کوئی شر مجھے درپیش نہ ہو جائے۔

---

(١) التلخيص للإمام الذهبي على هامش المستدرك ج: ١، ص: ١١٤، كتاب العلم.

(٢) صحيح البخاري ج: ١، ص: ٥٠٩، كتاب المناقب/ بابُ علامات النبوة في الإسلام، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ صحيح البخاري ج: ٢، ص: ١٠٤٩، كتاب الفتن / بابٌ كيف الأمر إذا لم تكن جماعة.

❀ الصحيح لمسلم ج: ٢، ص: ١٢٧، كتاب الإمارة/ بابُ وجوبِ ملازمة جماعة المسلمين إلخ.

میں نے عرض کی یا رسولَ اللہ! ہم لوگ زمانۂ جاہلیت و زمانۂ شر میں تھے پھر اللہ تعالیٰ [آپ کا] یہ زمانۂ خیر لایا، کیا اس خیر کے بعد بھی "شر" کا دور آئے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔
میں نے پوچھا تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں اگر وہ "شر" کا زمانہ میرے عہد میں آجائے، تو آپ نے فرمایا کہ **جماعتِ مسلمین اور ان کے امام کے ساتھ برابر جڑے رہنا**۔ میں نے پوچھا: حضور! اگر مسلمانوں کا کوئی امام نہ ہو، کوئی جماعت نہ ہو تو؟ آپ نے فرمایا کہ ان سارے فرقوں سے الگ رہو، اگرچہ تمھیں درخت کی جڑ چبانی پڑے، یہاں تک کہ اسی حال میں تمھیں موت آجائے۔

امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "المستدرک" میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد یہ انکشاف فرماتے ہیں:

هٰذا حديثٌ مُخرَّجٌ في الصَّحيحين هكذا، و قد خَرّجاه أيضًا مختصرًا من حديث الزهري عن أبي إدريس الخولاني و إنّما خرّجتُه في كتاب العلم؛ لأنّي لم أجد للشيخين حديثًا يدل على أن الإجماع حجة غير هذا وقد خرَّجت في هذه المواضع من أحاديث هذا الباب ما لم يخرِّجاه.[1]

ترجمہ: صحیح بخاری و صحیح مسلم میں اس حدیث کی تخریج اسی طور پر ہے اور شیخین نے اس کی تخریج مختصراً بھی ابو ادریس خولانی سے کی ہے اور میں نے اس کی تخریج کتاب العلم میں اس لیے کی کہ میں نے اس کے سوا شیخین کی کوئی حدیث نہیں پائی جو اجماع کے حجت ہونے پر دلالت کرے اور میں نے اس مقام پر کچھ اور بھی احادیث تخریج کی ہیں جن کو شیخین نے تخریج نہیں کیا۔

(۱۲) عن خالد بن وهبان عن أبي ذر قال: قال رسولُ الله -صلّى الله تعالى عليه و آله و سلَّمَ-: مَن خالفَ جَماعة المسلمين شِبْرًا فقد خلع رَبْقَة الإسلام من عنقه.[2]

ترجمہ: خالد بن وہبان حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں، کہ انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **جو جماعت مسلمین سے ایک بالشت بھی مخالفت کرے اس**

---

(۱) المستدرك للحاكم، كتاب العلم/ باب الأمر بلزوم جماعة المسلمين و إمامهم، ج:۱، ص: ۱۱۳، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۷، كتاب العلم/ باب من فارق الجماعة قِيد شبر فقد خلعَ ربقة الإسلام من عنقه، مجلس دائرة المعارف.

نے اپنی گردن سے اسلام کا قلادہ اتار پھینکا۔

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کے ایک راوی خالد کے متعلق یہ وضاحت فرمائی:

خالد بن وهبان لم يجرح رواياته و هو تابعي معروف إلّا أنّ الشّيخَين لم يخرّجاه وقد روي هذا المتن عن عبد الله بن عمر بإسنادٍ صحيحٍ على شرطهما.[1]

ترجمہ: خالد بن وہبان اپنی روایات میں مجروح نہیں، یہ معروف تابعی ہیں مگر یہ کہ شیخین۔ امام بخاری و امام مسلم۔ نے ان کی حدیث تخریج نہیں کی، البتہ یہ متن حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے شرط شیخین پر اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہے۔

⑬ حدَّثني الحارث الأشعري قال: قال رسول الله -صلى الله عليه و آله و سلم-: آمركم بخمس كلمات أمَرَني الله بهن:

● الجماعة و● السمع و● الطاعة و● الهجرة و● الجهاد في سبيل الله فمَن خَرج من الجَماعة قيد شِبر فقد خلع ربقةَ الإسلام من رأسه إلا أن يرجع.[2]

ترجمہ: حارث اشعری نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں پانچ ایسی باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے:

● جماعت کی پیروی ● حاکم کی بات سننا ● اس کی اطاعت کرنا ● ہجرت ● اور اللہ کے راستے میں جہاد۔

توجو جماعت سے ایک بالشت کی مقدار باہر ہوا اس نے اپنے سر سے اسلام کا پٹہ نکال دیا مگر یہ کہ دوبارہ جماعت میں شامل ہو جائے۔

امام حاکم نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا:

---

(۱) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۷، كتاب العلم/ باب مَن فارق الجماعة قِيد شبر فقد خلعَ ربقة الإسلام من عنقه، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۷، ۱۱۸، كتاب العلم/ باب مَن فارق الجماعة قِيد شِبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

هذا حديث صحيح على ما أصلناه في الصحابة إذا لم نجد لهم إلا راويا واحدا فإن الحارث الأشعري صحابي معروف سمعت أبا العباس محمد بن يعقوب يقول: سمعتُ الدوري يقول: سمعتُ يحيى بن معين يقول: الحارث الأشعري له صحبة. (و لهذه اللفظة من الحديث شاهد) عن رسول الله صلى الله تعالى عليه و آله وسلَّمَ.[1]

ترجمہ: یہ حدیث ہمارے اس اصول کے مطابق صحیح ہے کہ جب ہم صحابۂ کرام میں کسی کے لیے صرف ایک ہی راوی پائیں تو وہ حدیث صحیح ہوتی ہے اور حارث اشعری معروف صحابی ہیں۔

میں نے ابوالعباس محمد بن یعقوب سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دوری سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ حارث اشعری کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت حاصل ہے۔[2] اور حدیث کے اس لفظ کا رسول اللہ ﷺ سے ایک شاہد بھی ہے۔

⑭ عن ابن عمر قال : سمعتُ رسولَ الله صلى الله تعالى عليه وآلهٖ و سلَّمَ يقول : مَن فارق أُمّةً فلا حجّة له .[3]

ترجمہ: حضرت ابن عمر سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو امت (جماعتِ مسلمین) سے الگ ہوا؛ اس کے لیے کوئی حجت نہیں۔

⑮ قد اتفق الشيخان على إخراج حديث غيلان بن جرير عن زياد بن رياح عن أبي هريرة أنّ رسول الله –صلى الله عليه و آلهٖ وسلَّمَ– قال : مَن

---

(۱) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص:۱۱۸، كتاب العلم/ باب مَن فارق الجماعة قِيد شبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) الحارث بن الحارث الأشعري، الشامي، صحابيٌّ، يكنى أبا مالك تفرد بالرواية عنه أبو سلام، وفي الصحابة أبو مالك الأشعري، اثنان غير هذا.

تقریب میں ہے کہ حارث بن حارث اشعری شامی صحابی ہیں، ان کی کنیت ابومالک ہے، ابوسلام ان سے روایت میں متفرد ہیں اور صحابہ میں ابومالک اشعری نام کے دو حضرات ہیں جو ان کے سوا ہیں۔ (تقریبُ التہذیب، ص:۸۵، رقم الترجمہ:۱۰۱۴، موسسۃ الرسالہ۔)

(۳) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص:۱۱۸، كتاب العلم / باب مَن فارق الجماعة شبرا دخل النار، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

فارق الجماعة فمات، مات موتةً جاهليةً.[1]

ترجمہ: شیخین غیلان بن جریر بروایت زیاد بن ریاح بروایت ابوہریرہ اس حدیث کی تخریج پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو جماعت سے جدا ہو کر فوت ہوا، اس کی موت جاہلیت جیسی موت ہوئی۔

⑯ عن ربعي بن حراش قال : أتيتُ حُذيفةَ بن اليمان ليالي سار الناس إلى عثمان فقال : سمعتُ رسولَ الله -صلى الله تعالىٰ عليه و سلَّمَ- يقول : مَن فارق الجماعة و استذلَّ الإمارة لقي الله و لا حجة له.

تابعه أبو عاصم عن كثير.[2]

ترجمہ: رِبعی بن حراش کا بیان ہے کہ جن دنوں فسادیوں نے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا میں حضرت حُذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو وہ فرمانے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے سنا:

"جس نے جماعت سے علاحدگی اختیار کی اور قیادت اسلامی کو ذلیل کیا وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے لیے کوئی دلیل نہ ہوگی۔"

ابوعاصم نے بروایت کثیر بن ابوکثیر حضرت ربعی بن حراش کی متابعت کی۔

هذا حديثٌ صحيح فإن كثير بن أبي كثير كوفي سكن البصرة، رَوىٰ عنه يحيى بن سعيد القطان و عيسى بنُ يونس و لم يذكر بِجرح.[3]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے، اس لیے کہ اس حدیث کے راوی کثیر بن ابوکثیر کوفی ہیں وہ بصرہ میں رہے، ان سے یحییٰ بن سعید قطّان اور عیسیٰ بن یونس نے حدیث روایت کی اور کسی جرح کا ذکر نہ کیا۔

⑰ عن فضالة بن عبيد : عن رسول الله -صلى الله عليه و اٰلِهٖ وسلَّمَ- :

(۱) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص: ۱۱۸، ۱۱۹، كتاب العلم/ باب مَن فارق الجماعة شبراً، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۹، كتاب العلم/ باب من فارق الجماعة شبرا دخل النار، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۳) المستدرك للحاكم، ج: ۱، ص: ۱۱۹، كتاب العلم/ باب من فارق الجماعة شبرا دخل النار، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

أنهُ قال : ثلاثة لا تسأل عنهم : ● رجل فارق الجماعة و عصى إمامه فمات عاصيا. ● و أمة أو عبد أبَق من سيِّدهٖ فمات. ● وامرأة غاب عنها زوجُها و قد كفاها مؤنة الدنيا فتبرَّجت بعده. فلا تسأل عنهم.[۱]

ترجمہ: فضالہ بن عبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین لوگوں کے بارے میں سوال مت کرنا۔

- جو شخص جماعت سے جدا ہوا، اپنے امام کی نافرمانی کی اور نافرمان ہی فوت ہوگیا۔
- باندی یا غلام جو اپنے آقا سے بھاگ جائے اور اسی حال میں فوت ہو۔
- جس عورت کا شوہر غائب ہوگیا، اور اس نے اس کے لیے بقدر کفایت نفقہ کا انتظام کردیا پھر بھی وہ غیروں کے سامنے آراستہ ہوکر نکلے۔

ان تینوں کے بارے میں مجھ سے مت پوچھنا۔

هذا حديث صحيحٌ على شرط الشَّيخَين فقدِ احتجّا بجميع رُواته و لم يخرِّجاه و لا أعرف له علة.[۲]

ترجمہ: یہ حدیث شرط شیخین پر صحیح ہے کہ دونوں حضرات نے اس حدیث کے سارے رُواۃ کو حجت مانا ہے، ہاں ان سے حدیث کی تخریج نہیں کی، اور میں اس کی کوئی علت نہیں جانتا۔

⑱ عن أبي هُريرة قال: قال رسول الله -صلّى الله عليه و آلهٖ و سلَّمَ-: الصلاة المكتوبة إلى الصلاة المكتوبة التي بعدها كفَّارة لما بينهما. و الجمعة إلى الجمعة و الشهر إلى الشهر يعني من شهر رمضان إلى شهر رمضان كفَّارة لما بينهما. ثم قال بعد ذلك : إلّا من ثلاث، فعرفت أن ذلك من أمر حدث فقال : إلّا من الإشراك بالله ونكثِ الصفقة و تركِ السنةِ قلتُ : يا رسولَ الله، أما الإشراكُ بالله فقد عرفناه، فما نكثُ الصفقة وتركُ السنة ؟ قال : أما نكث الصّفقة أن تبايع رجلا

---

(۱) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص: ۱۱۹، كتاب العلم/ باب من فارق الجماعة و استذل الإمارة لقي الله و لا حجة له عند الله، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(۲) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص: ۱۲۰، كتاب العلم/ باب من فارق الجماعة و استذل الإمارة لقي الله و لا حجة له عند الله، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

بيمينك ثم تُخلِف إليه فتقابله بسيفك، و أما تركُ السُّنة فالخروج من الجماعة.[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فرض نماز سے دوسری فرض نماز کے درمیان جو گناہ ہوئے ان کا کفارہ وہ نمازیں ہیں۔ اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان کے درمیان جو گناہ ہوئے ان کا کفارہ رمضان کے روزے ہیں۔

ہاں یہ معافی تین مجرمین کے سوا کے لیے ہے:

● جو شرک باللہ کرے۔ ● عہد کو توڑ دے۔ ● سنت کو چھوڑ دے۔

میں نے عرض کی: یا رسولَ الله! "شرك بِالله" تو ہم جانتے ہیں، عہد کو توڑنے اور سنت کو چھوڑنے سے کیا مراد ہے؟

تو آپ نے فرمایا: "عہد توڑنا" یہ ہے کہ تم کسی حاکم سے بیعت کرو پھر عہد شکنی کر کے تلوار لے کر اس کے مقابلے میں آجاؤ۔ اور "سُنّت چھوڑنے" سے مراد "جماعتِ مسلمین" سے خروج ہے۔

هذا حديث صحيح على شرط مسلم فقدِ احتجَّ بعبد الله بن السائب بن أبي السائب الأنصاري و لا أعرف له علة.[2]

ترجمہ: یہ حدیث امام مسلم کی شرط پر صحیح ہے کہ انھوں نے اس حدیث کے راوی عبد اللہ بن سائب بن ابو السائب انصاری کو حجت مانا ہے اور میں ان میں کوئی علت نہیں جانتا۔

(۱۹) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: افْتَرَقَتِ الْيَهُودُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، وَافْتَرَقَتِ النَّصَارَىٰ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، فَإِحْدَى وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَفْتَرِقَنَّ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، فَوَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَنْ هُمْ؟ قَالَ: "هُمُ الْجَمَاعَةُ."[3]

---

(١) المستدرك للحاكم، ج: ١، ص: ١١٩، ١٢٠، كتاب العلم/ باب الصّلاة المكتوبة إلى الصّلاة المكتوبة و الجمعة إلى الجمعة والشهر إلى الشهر كفّارة لما بينهما، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

(٢) المصدر السابق.

(٣) السُّنّة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ٧٥، باب افتراقِ الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

ترجمہ: عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہود اکہتّر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے، ان میں سے ایک گروہ جنتی ہے اور ستّر فرقے جہنمی۔ اور نصاری بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے، جن میں اکہتّر فرقے جہنمی ہیں اور ایک جنتی۔
اور قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میری امت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، جن میں سے ایک جنتی ہے اور بہتر جہنمی۔
عرض کی گئی: یا رسول اللہ، یہ جنتی گروہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ "جماعت" ہے۔

(۲۰) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: إِنَّ أُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلاَّ وَاحِدَةً، وَهِيَ الْجَمَاعَةُ.[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، بے شک میری امت بہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، ان میں سوائے ایک کے سارے فرقے جہنمی ہوں گے اور وہ ایک ناجی فرقہ "جماعت" ہے۔

(۲۱) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: إِنَّ هَذِهِ الأُمَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلاَّ وَاحِدَةً، وَهِيَ الْجَمَاعَةُ.[2]

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک یہ امت اکہتّر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی ان میں سوائے ایک فرقے کے جو جماعت ہے سارے فرقے جہنمی ہوں گے۔

(۲۲) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: افْتَرَقَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً -أَوْ قَالَ:- اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَتَزِيدُ هَذِهِ الأُمَّةُ فِرْقَةً وَاحِدَةً، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلاَّ السَّوَادَ الأَعْظَمَ. فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ: يَا أَبَا أُمَامَةَ! مِنْ رَأْيِكَ أَوْ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلّى الله عليه وسلَّمَ؟ قَالَ: إِنِّي إِذًا لَجَرِيءٌ بَلْ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلّى الله عليه وسلَّمَ

(١) السُّنّة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ٧٦، بابُ افتراقِ الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.
(٢) السّنّة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ٧٦، بابُ افتراقِ الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

غَيْرَ مَرَّةٍ، وَلاَ مَرَّتَيْنِ، وَلاَ ثَلاثَةٍ.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بیان کیا کہ بنو اسرائیل اکہتر(۷۱) یا فرمایا بہتر(۷۲) فرقوں میں تقسیم ہو گئے اور اس امت میں ایک فرقہ اور زیادہ ہو گا، ان میں "سَوادِ اعظم" کے سوا سارے فرقے جہنمی ہیں۔

ایک شخص نے پوچھا: اے ابواُمامہ، یہ بات آپ اپنی رائے سے کہہ رہے ہیں، یا آپ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے سنا ہے؟

تو انھوں نے فرمایا کہ اپنی رائے سے کہوں تو یہ جرأت ہوگی، میں نے تو اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے بارہا سنا ہے۔

(۴۳) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-: مَا كَانَ اللهُ لِيَجْمَعَ هَذِهِ الأُمَّةَ عَلَى الضَّلالَةِ أَبَدًا، وَيَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ هكَذَا، فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الأَعْظَمِ، فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کبھی اس امت کا اجماع ضلالت پر نہیں کرائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا دست رحمت **جماعت** پر ہے تو تم پر "سوادِ اعظم" کی پیروی لازم ہے کیوں کہ جو سوادِ اعظم سے الگ ہو گا وہ جہنمی ہو گا۔

(۴۴) عَنْ أُسَامَةَ بْنِ شَرِيكٍ عَنِ النَّبِيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ- قَالَ: يَدُ اللهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ.(۳)

ترجمہ: حضرت اُسامہ بن شریک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا دست رحمت **جماعت** پر ہے۔

(۴۵) عَنْ كَعْبِ بْنِ عَاصِمٍ الأَشْعَرِيِّ، سَمِعَ النَّبِيَّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-

---

(۱) السُّنّة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۷۸، بابُ افتراقِ الأمّة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

(۲) السُّنة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۸٦، بابُ افتراق الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

(۳) السُّنة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۸۷، بابُ افتراق الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

يَقُولُ: إِنَّ اللهَ تَعَالىٰ قَدْ أَجَارَ أُمَّتِي مِنْ أَنْ تَجْتَمِعَ عَلَى ضَلالَةٍ.[1]

ترجمہ: حضرت کعب بن عاصم اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس بات سے حفاظت عطا کر دی ہے کہ وہ گمرہی پر مجتمع ہو۔

(۲۶) عن يسير بن عَمْرو قال، سمعتُ أبا مسعود يقول: عليكم بالجَماعة، فإنَّ الله لا يجمع أُمَّةَ محمد -صلّى الله عليه وسلَّمَ- على ضلالة.[2]

ترجمہ: حضرت یسیر بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرماتے سنا کہ تم پر جماعت کی پیروی لازم ہے اس لیے کہ اللہ عزّ وجلّ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔

ان احادیث میں ”جَماعة“ کو جنتی گروہ بتایا گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جَماعتِ مسلمین کا عقیدہ ومذہب حق ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جَماعت پر ”اللہ عزّ وجلّ کا دستِ رحمت“ ہے اور ظاہر ہے کہ جس پر اللہ عزّ وجلّ کا دستِ رحمت ہو وہ حق وہدایت ہی ہوگا، کبھی ضلالت وگمراہی نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی احادیث میں واضح الفاظ میں یہ رہنمائی بھی فرمادی گئی ہے کہ جماعت کو لازم پکڑو کہ اللہ امتِ محمدیہ کو کبھی گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا، اور یہی وجہ ہے کہ بہت سی احادیث میں جماعت سے علاحدگی اختیار کرنے والے کو جہنمی بتایا گیا۔

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ اجماعِ مسلمین حق ہے، حجت ہے اور اس کی مخالفت گمراہی اور جہنم میں جانے کا ذریعہ۔

نوعِ سوم، مومنین شُہداءُ اللہ ہیں:

اس نوع کی احادیث میں مومنین کو ”شُهدَاءُ الله“ کہا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ وہ جس بات کی شہادت دیں گے وہ عنداللہ واجب ہوجائے گی۔ کلماتِ حدیث یہ ہیں:

(۲۷) عن أنس -رضي الله عنه قال-: مُرّ على النَّبيِّ -صلّى الله عليه وسلَّمَ-

(۱) السُّنة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۸۸، بابُ افتراق الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

(۲) السُّنّة لأبي بكر ابن أبي عاصم، الجزء الأول، ص: ۸۹، بابُ افتراقِ الأمة أكثر من سبعين فرقة، دار الصميعي للنشر والتوزيع.

بجنازة، فأثنوا عليها خيرا، فقال: وجبت. ثم مُرّ بأخرىٰ، فأثنوا عليها شرًّا -أو قال:- غير ذلك، فقال: وجبت. فقيل: يا رسول الله، قلت لهذا وجبت، ولهذا وجبت؟ قال: شهادة القوم، المؤمنون شُهداءُ الله في الأرض.[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو حاضرین نے اس کی تعریف کی، حضور نے فرمایا: "واجب ہوگئی"

پھر آپ کے پاس سے دوسرا جنازہ گزرا تو حاضرین نے اس کی برائی بیان کی، آپ نے فرمایا کہ "واجب ہوگئی"۔

عرض کی گئی: یارسولَ اللہ! آپ نے اس کے لیے بھی کہا "واجب ہوگئی" اور اُس کے لیے بھی فرمایا کہ "واجب ہوگئی" (یہ تو قابل تشریح ہے)۔

تو آپ نے فرمایا کہ "مسلمانوں کی شہادت واجب ہوگئی" مومنین زمین میں اللہ کے شُہدا (گواہ) ہیں۔

﴿۲۸﴾ عن أبي بكر بن أبي زهيرٍ الثقفي عن أبيه قال: سمعتُ النبي -صلى الله عليه و آلهٖ وسلم- بالنُّباء أو بالنباوة يقول: يوشِكَ أن تعرفوا أهلَ الجنة من أهل النّار، أو قال: خِيارَكم من شِرارِكم قيل: يا رسولَ الله بماذا؟ قال: بالثناء الحسن و الثناءِ السيئِ أنتم شهداءُ بعضِكم على بعض.[2]

ترجمہ: ابو بکر بن ابو زہیر ثقفی سے روایت ہے کہ ان کے والد ابو زہیر ثقفی نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مقام "نُباء" یا "نَباوہ"[3] میں سنا آپ ارشاد فرمارہے تھے کہ قریب ہے تم اہل

---

(۱) صحيح البخاري، ج:۱، ص:۳۶۰، كتاب الشهادات/ باب تعديل كم يجوز، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور

❀ الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۳۰۸، كتاب الجنائز/ بابٌ في قبول شفاعة الأربعين.

(۲) المستدرك للحاكم، ج:۱، ص: ۱۲۰، كتاب العلم/ باب أنتم شُهداءُ بعضكم على بعض، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

(۳) ● النُّبَاء: بالضم والمد: موضع بالطائف، عن نصر (معجم البلدان، ج:۵،ص: ۲۵۵، باب النون والباء وما يليها.)

● النبَاوَة: بالفتح، وبعد الألف واو مفتوحة، قال ابن الأعرابي: النبوَة: الارتفاع، والنَبْوَة: الجَفْوَة. . . وكل مرتفع من الأرض. نباوة موضعٌ بالطائف، وفي الحديث: خطب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوما بالنباوة ومن الطائف. (معجم البلدان، ج:۵، ص: ۲۵۷، باب النون والباء وما يليها، دار....

جنت اور اہلِ جہنم کو پہچان لو گے، یا فرمایا: اپنے اچھوں اور بُروں کو پہچان لو گے۔
عرض کی گئی: یارسولَ اللہ! یہ پہچان کیسے ہوگی؟ تو فرمایا کہ ذکرِ حَسَن اور ذکرِ بد کی وجہ سے۔ (مسلمان جس میت کا ذکرِ حَسَن کریں گے وہ اچھا اور جنتی ہوگا، اور جس میت کا ذکرِ بد کریں گے وہ بُرا اور جہنمی ہوگا) تم میں کے بعض، بعض پر گواہ ہوں گے۔

هذا حديث صحيح الإسناد و قال البخاري : أبو زهير الثقفي سمع النبي -صلّى الله عليه و سلَّمَ- و اسمه معاذ. فأما أبو بكر بن أبي زهير فمن كبار التابعين وإسناد الحديث صحيح ولم يخرِّجاه.[1]

ترجمہ: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ابوزُہیر ثقفی نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حدیث سنی ہے، ان کا نام مُعاذ ہے، اور ابوبکر بن زہیر کبارِ تابعین سے ہیں، حدیث کی اسناد صحیح ہے البتہ شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔

نوعِ چہارم، اہل السُّنۃ اور محدثین کی جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی:

اس نوع کی احادیث میں علما و محدثین کے گروہ کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ غالب رہیں گے۔ یہاں اس نوع کی صرف ایک حدیث نقل کی جاتی ہے:

(۲۹) عن المغيرة بن شعبة، عن النبي -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ-، قال: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين، حتى يأتيَهم أمرُ الله، وهم ظاهرون.[2]

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا یہاں تک کہ ان کے پاس اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ غالب رہیں گے۔

یہ حدیث حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا حضرت امیر معاویہ[3] حضرت ثوبان اور

---

(۱) المصدر السابق.
(۲) صحيح البخاري ج:۲، ص: ۱۰۸۷، كتاب الاعتصام بالسُّنة/ باب قولِ النّبي -صلى الله تعالى عليه وسلم-: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحقّ، مجلس البركات، الجامعة الأشرفية، مبارك فور.
(۳) صحيح البخاري ، ج:۱، ص: ۴۳۹، كتاب الجهاد/ باب قول الله: "فَإِنَّ لِلهِ خُمُسَه" ، مجلس البركات، مبارك فور

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم[(۱)] سے بھی مروی ہے۔

اس حدیث میں "گروہِ امت" سے مراد "علما و محدثین کا گروہ" ہے بلفظ دیگر اہل سنت و جماعت کا گروہ ہے۔ چناں چہ امام ابوزکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وأمّا هذه الطّائفة فقال البخاري: هُم أهلُ العلم. وقال أحمدُ بن حنبل: إن لم يكونوا أهل الحديث فلا أدري مَن هُم. قال القاضي عياض: إنّما أراد أحمدُ " أهلَ السنة و الجماعة" و من يعتقد مذهبَ أهل الحديث قلت: و يحتمل أنّ هذه الطائفة ... ومنهم فقهاء ومنهم محدّثون و منهم زُهّاد. اهـ[(۲)]

ترجمہ: امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: یہ گروہ اہل علم کا گروہ ہے اور امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اگر وہ گروہ محدثین کا نہ ہو تو میں نہیں سمجھتا کہ پھر وہ کون لوگ ہیں۔ امام قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ "محدثین" سے امام احمد بن حنبل کی مراد "اہلِ سنت و جماعت" نیز وہ سب لوگ ہیں جو محدثین کے عقیدے پر ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ یہ گروہ کئی انواع کا ہو سکتا ہے، فقہا، محدثین، زاہدین۔

یہ انواع جتنے بھی ہوں وہ سب اہلِ سنت و جماعت سے ہی ہیں اور سب حق پر ہیں۔

ان احادیث میں اہل السنۃ اور محدثین کی جماعت کے حق پر قائم رہنے کی شہادت بہت ہی واضح الفاظ میں دی گئی ہے جو ان کے اجماع کے حجت ہونے کی واضح دلیل ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و فيه دليل لكون الإجماع حجةً وهو أصحُّ ما يُستدلُّ به من الحديث.

ترجمہ: یہ حدیث اجماع کے حجت ہونے کی دلیل ہے اور یہ دلائلِ اجماع میں سب سے زیادہ صحیح دلیل ہے۔[(۳)]

ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی شہادت عند اللہ مقبول ہے تو ان کی شہادت حجت ہوئی، لہٰذا ان کا اجماع بھی حجت ہوگا کہ یہ اجماع اس بات کی شہادت ہے کہ حکم شریعت

---

(۱) الصحيح لمسلم ج: ۳، ص: ۱۴۳، كتاب الإمارة/ باب قوله صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّمَ: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) المنهاج شرح الصحيح لمسلم ج: ۲، ص: ۱۴۳، كتاب الإمارة، مجلس البركات، مبارك فور.

(۳) المنهاج شرح الصحيح لمسلم، ج: ۲، ص: ۱۴۳، كتاب الإمارة، مجلس البركات، مبارك فور.

تمام اہل سنت کے نزدیک یہ ہے۔

امام حافظ ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اجماع کے حجت ہونے پر نو احادیث کی تخریج کی ہے ان میں سے کچھ احادیث کے شواہد و مُتابعات بھی ذکر فرمائے ہیں، پھر اخیر میں ان احادیث کی صحت کا فیصلہ بھی سنایا ہے، چناں چہ ارقام فرماتے ہیں:

فقد ذكرنا تسعة أحاديث بأسانيد صحيحة يستدلّ بها على الحجة بالإجماع، واستقصيتُ فيه تحرِّيا لمذاهب الأئمّة المتقدّمين رضى الله تعالىٰ عنهم.[1]

ترجمہ: ہم نے اسانیدِ صحیحہ سے نو حدیثیں ذکر کیں جن سے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ اور اس بارے میں میں نے تلاش و جستجو کر کے ائمہ متقدمین کے مذاہب کا احاطہ کر لیا ہے۔

ہم نے اس مبحث میں یہ جملہ احادیث شامل کر لی ہیں۔

نوعِ پنجم، مسلمان جو کام اچھا سمجھیں، اچھا • اور جو کام بُرا سمجھیں بُرا ہے:

اس نوع کا مضمون یہ ہے کہ مسلمان جو کام اچھا سمجھیں وہ اچھا اور جو کام بُرا سمجھیں وہ بُرا ہے، یہ ایک ہی حدیث ہے جو موقوف ہے اور سند کے لحاظ سے صحیح، حسَن ہے، اس کی ایک روایت مرفوعًا بھی ہے۔

(۳۰) عن عبد الله ، قال: مَا رَأى المسلمون حَسَنًا فهو عند الله حَسَنٌ، و مَا رآه المسلمون سَيِّئًا فهو عند الله سَيِّءٌ وقد رأى الصحابةُ جَميعا أن يستخلفوا أبا بكر -رضي الله تعالىٰ عنه-. هذا حديثٌ صحيح الإسناد ولم يخرِّجاه، وله شاهد أصح إلا أنَّ فيه إرسالًا.[2]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مسلمان جو چیز اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک

---

(۱) المستدرك للحاكم ج:۱، ص:۱۲۰، كتاب العلم/ أنتم شهداء بعضكم إلخ، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

(۲) ❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل ص: ۳۰۹، مسند المكثرين/ مسندُ عبد الله بن مسعود، رقم الحديث: ۳۶۰۰، بيت الأفكار الدولية.

❀ المستدرك على الصحيحين للحاكم، ج:۳، ص:۷۸، ۷۹، كتاب معرفة الصحابة/ يتجلى الله لعباده عامة ولأبي بكر خاصة، مجلس دائرة المعارف، حيدرآباد.

❀ المعجم الكبير للطبراني، ج:۹، ص:۱۱۸، ما أسند عبد الله بن مسعود، رقم الحديث: ۸۵۸۳، القاهرة.

بھی اچھی ہے اور مسلمان جسے بُری سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے اور تمام صحابہ نے یہ (اچھا) سمجھا کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنالیں (تو اللہ ضرور ان کے خلیفہ ہونے پر راضی ہے)

یہ حدیث صحیح الاِسناد ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ اس حدیث کا ایک شاہد بھی ہے جو اس سے صحیح تر ہے مگر وہ مرسَل ہے۔

حلیۃ الاولیا کے الفاظ یہ ہیں:

فَما رَآہُ المومنون حَسَنًا فهو (عند الله) حَسَن و ما رآہُ المؤمنون قبيحًا فهو عند الله قبيح.[1]

ترجمہ: جس کام کو اہلِ ایمان حَسَن جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی حَسَن ہے اور جس کام کو اہلِ ایمان قبیح جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہے۔

اس حدیث میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ:

"مسلمان جو چیز اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔"

اس سے کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ "جماعتِ مسلمین" کا یہ استحسان خطا سے پاک ہے کیوں کہ اللہ عزّ و جلّ کے نزدیک وہی چیز اچھی ہوگی جو خطا سے پاک ہو۔ اور جو چیز عند اللہ خطا سے پاک اور اچھی ہو وہ حجت ہوگی۔

چوتھی دلیل، اجماعِ علما اور اجماعِ اہلِ حرَمین امام بخاری کے نزدیک حجت ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اجماع کی حجیت کے قائل ہیں جیسا کہ بخاری شریف کے اس "ترجمۃ الباب" سے عیاں ہوتا ہے۔

بابُ ما ذكر النَّبيُّ -صلّى الله تعالى عليه و سلَّمَ- و حَضَّ علىٰ اتّفَاقِ أهلِ العلمِ و مَا أجمع عليه الحرمان، مكّةُ وَ المدينةُ.[2]

ترجمہ: ان امور کا بیان جن کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا اور اہلِ علم کے اتفاق اور حرمین

---

(۱) حِلية الأولياء، ص: ۳۷۵، ج: ۱، ذكر الطفاوى الدوسى، دار الفكر، بيروت.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۸۹، كتاب الاعتصام بالكتاب والسُّنّةِ، مجلس البركات، مبارك فور.

شریفین - مکۂ معظمہ و مدینۂ منورہ - کے اجماع کی رغبت دلائی۔
عنوان باب سے کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ اہل علم کے اتفاق اور حرمین طیبین زادھما اللہ تعالی شرفا و تکریما کے اجماع کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔
امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہاں اجماع کی دو صورتوں کو بیان فرمایا ہے:

- ایک عصر کے فقہاے مجتہدین کا کسی امرِ دین پر اتفاق ــــ اصلِ اجماع یہی ہے۔
- حرمین شریفین کے فقہا کا اتفاق ــــ یہ اجماعِ اضافی ہے جو حرمین طیبین کے فضائلِ کثیرہ کی بنا پر امام بخاری کے نزدیک حجت ہے۔

چناں چہ امام بدر الدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:
(على اتّفاق أهل العلم) ... و إذا اتّفق أهلُ عصر من أهل العلم على قولٍ حتّى ينقرضوا ولم يتقدّم فيه اختلاف فهو إجماع.
(قوله: ما أجمعَ عليه الحرمان) ... أراد أنّ ما اجتمع عليه أهلُ الحرمين من الصّحابة و لم يخالف صاحبٌ مِن غيرهما فهو إجماع، كذا قيّده ابنُ التين. اھ[1]
ترجمہ: ”اتفاقِ اہل علم“ کی صورت یہ ہے کہ ایک عصر کے اہلِ علم کا کسی قول پر اتفاق ہو پھر وہ فوت ہو جائیں اور پہلے سے اس کے بارے میں کوئی اختلاف نہ ہو تو وہ **اجماع** ہے۔
اور ”اجماعِ اہلِ حرمین“ سے مراد یہ ہے کہ کسی قول پر حرمین شریفین کے صحابۂ کرام کا اتفاق ہو اور غیر حرمین کے کسی صحابی کا اختلاف نہ ہو تو وہ **اجماع** ہے۔
علامہ ابن التین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ قید ذکر فرمائی۔
اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چوبیس حدیثیں تخریج فرمائی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کے متبرک مقامات اور سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی نماز کی جگہ اور ریاضُ الجنّہ وغیرہ کا تذکرہ ہے ان میں کچھ امور اجماعی بھی ہیں جن کی نشان دہی امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح الباری جلد ۱۷ میں احادیثِ باب کی شرح میں فرمائی ہے۔ مثلاً اس باب کی نویں حدیث ہے:

---

(۱) عمدة القاري بشرح صحيح البخاري ج: ۲۵، ص: ۸۱، كتابُ الاعتصام بالكتاب و السّنة... ما أجمع عليه الحرمان، دار الكتب العلمية، بيروت.

عن أنس بن مالك: أنّ رسول الله -صلى الله تعالیٰ عليه وسلم- قال: "اللّٰهم بارِك لَهُمْ فِي مِكْيالِهِم، و بَارِك لهم في صَاعِهم و مُدِّهِم" يعنى أهل المدينة.[۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ، اہل مدینہ کے پیمانے میں برکت دے اور ان کے صاع اور مُد میں برکت دے۔

اس حدیث کی شرح میں امام ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و مناسَبةُ هذا الحديث للترجمة أنّ قدر الصّاع ممّا اجتمع عليه أهل الحرمين بعد العهد النبوي و استمرّ، فلمّا زاد بنو أُميّة في الصّاع لم يتركوا اعتبار الصّاع النبوي فيما ورد فيه التقديرُ بالصّاع مِن زكاةِ الفطر و غيرها، بل استمرّوا على اعتباره في ذلك و إنِ استعملوا الصّاع الزائد في شيء غير ما وقع فيه التقدير بالصّاع كما نبّه عليه مالكٌ و رجع إليه أبو يوسف في القصّة المشهورة.[۲]

ترجمہ: عنوانِ باب سے اس حدیث کی مناسبت یہ ہے کہ عہد نبوی کے بعد اہلِ حرمین نے "نبوی صاع" کی مقدار پر اجماع کر لیا اور بعد میں بھی وہ اجماع برقرار رہا، پھر جب بنو امیہ نے صاع کی مقدار میں اضافہ کیا تو انھوں نے صدقۂ فطر وغیرہ جن چیزوں کے بارے میں صاعِ نبوی کی مقدار وارد تھی اسے ترک نہیں کیا، بلکہ برابر اس کا اعتبار کرتے رہے اور جن چیزوں کی مقدار صاعِ نبوی سے متعیّن نہ تھی ان میں اپنے اضافی صاع کا اعتبار کیا، اس پر امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے متنبّہ فرمایا ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قصہ مشہورہ میں اسی کی طرف رجوع فرمایا۔

واضح ہو کہ اس بحث سے ہمارا مقصود صرف اس امر کا اظہار ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اجماع کی حقانیت کے قائل ہیں اور صحیح البخاری کا یہ ترجمۃ الباب بھی اسی کا شاہد ہے کہ اجماع حق ہے، ممکن ہے، واقع ہے اور ساتھ ہی معمول بہ بھی۔ تو فرقۂ وہابیہ کا انحراف نہ صرف احادیثِ بخاری سے ہے، بلکہ امام بخاری سے بھی ہے۔

---

(۱) صحيح البخاري ج:۲، ص: ۱۰۹۰، كتابُ الاعتصام بالكتاب و السُّنّة، باب ما .... أجمع عليه الحرمان، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) فتح الباری ج: ۱۷، ص: ۲۲٤، دار إحياء التراثِ العربي، بيروت.

پانچویں دلیل، جرحِ رُواۃ کے جواز پر اہل سنت اور فرقہ وہابیہ کا اتفاق:

احادیث کریمہ کے راویوں میں جو عیوب پائے جاتے ہیں انھیں بیان کرنا اور لوگوں میں ان عیوب کی اشاعت کرنا جائز ہے مثلاً یہ کہ فلاں راوی بد حافظہ ہے، فاسق ہے، مُدلّس ہے، کذّاب ہے، وَضّاع ہے، متّہم ہے، متروک ہے، شیعی ہے، بدعتی ہے، بھیک مانگتا تھا راوی بن گیا، اَسلاف کو گالیاں دیتا ہے، قدری ہے، معتزلی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

احادیث نبویہ کے مطابق یہ عیب جوئی و عیب گوئی غیبت ہے جو حرام و گناہِ کبیرہ ہے۔ لیکن **جرحِ رُواۃ** کے جواز پر اجماعِ امت کی وجہ سے یہاں عَیب جوئی بھی جائز ہے اور عیب گوئی بھی۔ امام ابو زکریا نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اعلم أنَّ جرح الرُّواة جائز، بل واجب بالاتفاق للضرورة الدّاعية إليه لصيانة الشريعة المكرَّمة وليس هو من الغيبة المحرّمة، بل من النصيحة لله تعالیٰ ورسوله -صلّى الله عليه و سلَّمَ- والمسلمين ولم يزل فُضَلاءُ الأئمة وأخيارُهم وأهلُ الورع منهم يفعلون ذلك كما ذكر مسلمٌ في هذا الباب عن جماعات.[۱]

ترجمہ: راویوں کی جرح بالاتفاق جائز بلکہ واجب ہے کہ شریعتِ مکرمہ کی حفاظت کے لیے ضرورتِ شرعیہ اس کی داعی ہے اور یہ غیبتِ حرام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی خیر خواہی سے ہے اور ہمیشہ ائمۂ اربابِ فضل و صالحین اور اہلِ ورع و تقویٰ راویوں پر جرح کرتے رہے ہیں جیسا کہ امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ائمۂ دین کی جماعتوں سے "بابُ بَيانِ أنَّ الإسنادَ مِن الدّين "میں نقل کیا ہے۔

امام مسلم بن حجاج قشیری نیشاپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک تفصیلی باب میں کثیر علمائے امت سے رُواۃ کی جرح نقل کی ہے، پھر آخر میں یہ انکشاف فرمایا ہے:

"وأشباهُ ما ذكرنا من كلام أهل العلم في مُتَّهمي رواةِ الحديث، و إخبارهم عن معايبهم كثير، يطول الكتابُ بذكره على استِقصائه، وفيما ذكرنا

(۱) المنهاج شرح "الصحيح لمسلم" للنووي، ج: ۱، ص: ۲۰، بابُ بيانِ أنّ الإسناد مِن الدِّين، مجلس البركات، مبارك فور.

كفاية لمن تفهّم وعقل مذهب القوم فيما قالوا مِن ذلك وبيّنوا.

وإنّما ألزَموا أنفسهم الكشف عن معايبِ رُواةِ الحديث، وناقلي الأخبار، وأفتوا بذلك حين سُئلوا لما فيه من عظيم الخطر، إذ الأخبار في أمر الدين إنما تأتي بتحليل، أو تحريم، أو أمر، أو نهي، أو ترغيب، أو ترهيب. فإذا كان الراوي لها ليس بمعدنٍ للصدق والأمانة، ثم أقدم على الرواية عنه من قد عرفه، ولم يبين ما فيه لغيره ممن جهل معرفته كان آثما بفعله ذلك، غاشًّا لعوام المسلمين، إذ لا يؤمن على بعض من سمع تلك الأخبار أن يستعملها، أو يستعمل بعضُها. ولعلّها، أو أكثرها أكاذيبُ لا أصل لها. "(۱)

ترجمہ: ہم نے متّہم راویانِ حدیث اور ان کے عیوب کے بارے میں گزشتہ صفحات میں اہلِ علم کے جو اقوال و بیانات نقل کیے ہیں اس طرح کے اقوال بہت ہیں، اُن سب کے ذکر سے کتاب طویل ہو جائے گی اور ہم نے جتنے شواہد ذکر کر دیے ہیں وہ اربابِ عقل و فہم کے لیے کافی ہیں۔

اور ائمۂ حدیث و ناقدینِ حدیث نے راویانِ حدیث کے عیوب لازمی طور پر اس لیے بیان فرمائے اور مسئلہ پوچھنے پر اس کے جواز کا فتویٰ اس لیے دیا کہ اس میں دین کی عظیم مصلحت ہے۔ [جو بیانِ عیوب کے مَفسدہ پر غالب ہے] کیوں کہ یہ حدیثیں دین کے امور - حلال، حرام، امر، نہی، ترغیب، ترہیب - کے بارے میں وارد ہیں اور جب راوی صادق و امین نہ ہو اور یہ جانتے ہوئے کوئی ثقہ اس کے احوال سے بے خبر مسلمانوں سے اس کے حوالے سے حدیث روایت کرے تو وہ گنہگار ہوگا اور عوام مسلمین کو دھوکا دینے والا قرار پائے گا کیوں کہ جو لوگ یہ حدیثیں سنیں گے وہ ان سب پر یا بعض پر عمل کر سکتے ہیں اور ہو سکتا ہے وہ تمام یا اکثر حدیثیں گڑھی ہوئی ہوں جن کی کوئی اصل نہ ہو۔

کتاب و سنت میں تحریم غیبت کی صراحت کے باوجود علماے امت کے اتفاق کی بنیاد پر جرحِ رواۃ کی اجازت اجماعِ امت کی حجیت کی واضح دلیل ہے۔

اس تفصیل سے عیاں ہو گیا کہ اجماعِ امت خطا سے پاک اور حجتِ شرعی ہے اس کا ثبوت خود کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ہے۔ اور جرحِ رُواۃ کا قائل فرقۂ وہابیہ بھی ہے جس کا ثبوت اجماع سے ہے، اس کے باوجود وہابیہ اجماعِ امت کو ناقابلِ حجت قرار دیتے ہیں۔

(۱) الصحيح لمسلم، ج: ۱، ص: ۲۰، باب بيان أنّ الإسناد من الدّين ... مجلس البركات، مبارك فور.

احادیثِ متواترہ کے مقابل فرقۂ وہابیہ کا موقف:

● چناں چہ مشہور غیر مقلد عالم نواب نور الحسن خاں بن نواب صدیق حسن خاں (وفات ۱۳۳۶ھ — ۱۹۱۷ء) اپنی کتاب "عرفُ الجادی" میں لکھتے ہیں:

"پس ضرورت شد کہ پردہ از روے اجماع کہ ہیبت و خشیتِ آں در دلہاے خاص و عامہ بسیار ست برانداز یم وآنچہ در مکمنِ بطون ست بر منصۂ شہود جلوہ گر سازیم۔
و بعد ازاں کہ اجماع چیزے نیست، قیاسِ مصطلح کہ آں را دلیلِ رابع قرار دادہ اند خود مکفی المؤنہ شد۔ نہ ماند مگر آں کہ ادلّۂ دینِ اسلام و ملتِ حقۂ خیر الانام منحصر در دو چیز ست۔ یکے: کتابِ عزیز، و دیگر سنتِ مطہرہ۔ وماوراے ایں ہر دو کدام حجتِ نیّرہ وبرہان قاطع نیست۔"(۱)

ترجمہ: تو ضرورت ہے کہ اجماع کے چہرے سے پردہ ہٹا دیں جس کا خوف اور ہیبت عوام و خواص کے دلوں میں بہت ہے اور جو کچھ نہاں خانۂ دل میں ہے اسے منظر عام پر جلوہ گر کر دیں۔
اور اس کے بعد کہ اجماع کوئی چیز نہیں ہے فقہا کا قیاسِ اصطلاحی - جسے وہ دلیل رابع قرار دیتے ہیں - خود ہی ہمارے رد و ابطال سے بے نیاز ہو گیا (کہ جب فقہا کا اتفاق و اجماع کوئی چیز نہیں تو ایک فقیہ کے قیاس کی کیا حیثیت)
اب ادلّۂ دینِ اسلام دو چیزوں میں منحصر رہ گئے، ایک کتابِ عزیز، اور دوسری سنتِ مطہرہ۔ اور ان دو کے سوا کوئی بھی چیز حجتِ نَیّرہ و بُرہان قاطع نہیں ہے۔

● غیر مقلدوں کے امام، میاں نذیر حسین دہلوی اپنی کتاب "معیار الحق" میں اجماع کے تعلق سے اپنا عقیدہ یوں بیان کرتے ہیں:

"اجماع شرعی کے واسطے دو امر ضروری ہیں:
پہلا امر: یہ کہ اتفاق سارے مجتہدینِ ہم عصر کا اِس امت سے، او پر امر شرعی کے متحقق ہو — اور
دوسرا امر: یہ کہ سند اس کی قرآن اور حدیث سے پائی جائے، کیوں کہ نہ پایا جانا سند کا مستلزم خطا کو ہو گا، اور حکم کرنا دین میں بلا دلیل خطا ہے، ...
اس واسطے کہ اجماعِ شرعی عبارت ہے قولِ کُل سے اور قول، کُل کا بلا دلیلِ شرعی کے باطل

---

(۱) عَرفُ الجادی مِن جنان ھَدی الھادی ص: ۳، ناشر جمعیت اہل سنت (یعنی جمعیت وھابیت)، لاھور)

ہے تو یہ اجماع بھی باطل ہوگا۔"[1]

اس کا حاصل یہ ہے کہ کُل امت کا اجماع جس کی سند کتاب و سنت سے معلوم نہ ہو حجتِ شرعی نہیں۔

اور ہم اہل حق اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ

خدائے قدیر نے اس امت کو یہ اعزاز و شرف بخشا ہے کہ اس کا اجماع گمراہی پر نہیں ہوسکتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ متواترہ اس کی شاہد ہیں اس لیے اجماعِ کُل کی بنیاد بہر حال کتاب اللہ یا سنتِ رسول اللہ پر ہوگی، یہ الگ بات ہے کہ ہمیں اس کا علم نہ ہو، اس لیے جب اجماعِ کُل متحقق ہوگا تو ضرور اس کے لیے کوئی مستند شرعی ہوگا، لہٰذا وہ خطا سے معصوم اور حجت شرعی ہوگا۔

آپ ایک بار وہ احادیث متواترہ پھر پڑھ لیجیے، یہ شرط کہیں نہیں ملے گی کہ اجماع کی سند کتاب و سنت سے معلوم ہو تب وہ گمراہی سے پاک ہوگا۔

لہٰذا اجماع کو مطلقاً حجت نہ ماننا، یا سند کا علم نہ ہو تو اسے حجت نہ ماننا بہر حال رسول اللہ ﷺ کی احادیثِ صحیحہ متواترۃُ المعنیٰ سے انحراف ہے، ساتھ ہی یہ صحیحین سے بھی انحراف ہے کہ احادیث مذکورہ میں بہت سی احادیث صحیحین کی بھی ہیں۔

● نواب نور الحسن خاں نے اجماع کو بے اعتبار ثابت کرنے کے لیے اپنی کتاب "عرف الجادی" میں لمبی بحث کی ہے اور اس پر کئی طرح کے "منع" قائم کرتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ کسی امر پر اجماع ممکن ہی نہیں ہے، کلمات یہ ہیں:

"حاصل آں کہ وارد بر اجماع منوعات اند:

اول: منع امکانش۔ دوم: منع وقوعش۔ سوم: منعِ امکانِ نقلِ آں۔ چہارم: منع وقوع نقل۔"[2]

ترجمہ: حاصل یہ کہ اجماع پر کئی ایک "مَنع" وارد ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ اس کا اِمکان ممنوع ہے۔

---

(۱) معیار الحق، باب دوم: تقلید ائمه، مشموله کتاب انتصار الحق ص: ۴۲۳، طلبة درجه سابعه، جامعه اشرفیه.

(۲) عَرف الجادي، مِن جنان هَدی الهادي، ص: ٦.

دوسرے یہ کہ اس کا وقوع ممنوع ہے۔
تیسرے یہ کہ اِمکان نقل ممنوع ہے۔
چوتھے یہ کہ وقوعِ نقل ممنوع ہے۔

ایک طرف پیشواے وہابیہ کی یہ صراحت پیش نظر رکھیے اور دوسری طرف سرور کائنات علیه أفضل الصَّلوات و أزکی التَّحیات کی احادیثِ متواترہ کا نظارہ کیجیے جو شہادت دے رہی ہیں کہ اجماع ممکن بھی ہے اور واقع بھی، کیا اسی کا نام ہے عمل بالحدیث؟

آگاہی

ہم یہاں اپنے برادران دینی کی آگاہی کے لیے یہ وضاحت بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ اجماع کی حُجیت پر تمام اہل قبلہ کا اتفاق عہد سلف میں ہی ہو چکا ہے، اس لیے اس کے بعد کے زمانے میں کبھی کوئی اس کی مخالفت کرے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا کہ یہ خرقِ اجماع ہے جو شرعًا بہت معیوب اور نا قابل اِعتنا ہے۔

مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت میں ہے:

(مسألة: الإجماعُ حجّةٌ قطعًا) و یفید العلمَ الجازمَ (عند الجمیع) مِن أهلِ القبلة (و لا یُعتدّ بشرذمة مِن الخوارج والشِّیعة، لأنّهم حادثون بعد الاتفاق) یُشکِّکون في ضرور یاتِ الدّین مثلَ السّوفسطائیّة في الضّرور یات العَقْلِیَّةِ. اھ)[1]

ترجمہ: مسئلہ: **اجماع**، جمیع اہل قبلہ کے نزدیک قطعًا حجت ہے اور علم قطعی کا فائدہ دیتا ہے اور خوارج و شیعہ کے چھوٹے سے گروہ (کے اختلاف) کا شمار و اعتبار نہ ہوگا کیوں کہ یہ گروہ جمیعِ اہلِ قبلہ کے اتفاق کے بعد ظاہر ہوا جو ضروریاتِ دین میں بھی شک پیدا کرتا ہے جیسا کہ گروہ سوفسطائیہ ضروریاتِ عقل میں شک پیدا کرتا ہے۔

اور وہابی غیر مقلدین کا یہ گروہ تو بہت بعد کی پیداوار ہے پھر ان کا کیا شمار و اعتبار۔

الغرض احادیث صحیحہ، متواترۃُ المعنیٰ اور قرآن حکیم کی آیات سے یہ امر بخوبی ثابت ہے کہ امت مسلمہ کا اجماع خطا سے پاک ہے، حجت ہے، اس کا اتباع لازم اور اس کی مخالفت حرام و گمراہی ہے کہ یہ مخالفت فی الواقع آیاتِ قرآنِ حکیم اور احادیثِ متواترہ سے روگردانی و اِنحراف ہے۔

---

(۱) فواتح الرحموت ج: ۲، ص: ۲۶۹، الأصل الثالث: الإجماع، دار إحیاء التراث العربي، بیروت.

چند اہم اجماعی امور کا تجزیہ

(۱) اجماع کے اقسام واحکام:

بنیادی طور پر اجماع کی دو قسمیں ہیں: • اجماعِ متواتر • اجماعِ آحاد

"اجماعِ متواتر" قطعی ہوتا ہے جس کا منکر اسلام سے باہر ہوجاتا ہے اور "اجماعِ آحاد" ظنی ہوتا ہے اس کا منکر اسلام سے باہر نہیں ہوتا، ہاں گمراہ قرار پاتا ہے۔

خبر متواتر کی حجیت باب عقائد سے ہے، قرآن مقدس کا کتاب اللہ ہونا، نمازِ پنج گانہ اور روزے اور حج وزکات کا فرض ہونا اور حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلیفہ برحق ہونا سب اعتقادیات سے ہیں۔

"اجماعِ قطعی" -یا- "اجماعِ اقویٰ" کے سوا اجماع کی ساری قسمیں عقائد وفروع میں مشترک ہیں مثلاً: ظہر سے پہلے کی چار رکعت سنت کی محافظت پر اجماع، مساجد کی حاضری سے عورتوں کی ممانعت پر اجماع، ایک نشست کی تین طلاقوں کے وقوع پر اجماع۔ آگ پر پکی ہوئی چیزوں کے کھانے سے وضو نہ ٹوٹنے پر اجماع، محض دخولِ حشفہ سے وجوبِ غسل پر اجماع، بیعِ اُمِّ ولد کے عدم جواز پر اجماع، حدِّ خمر کی تعیین پر اجماع۔ وغیرہ، وغیرہ۔

(۲) اجماعِ اعتقادی اور اجماعِ اجتہادی کے درمیان فرق:

"اعتقادیات میں اجماع" اور "اجتہادیات میں اجماع" کا درجہ وحکم کئی حیثیتوں سے الگ الگ ہے۔

• اعتقادیات میں سکوت دلیل رضا ہوتا ہے[1] اور اجتہادیات میں دلیل رضا نہیں ہوتا مگر یہ کہ خارج سے کوئی قرینہ رضا پر شاہد ہو۔

---

(۱) مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں ہے: قولُ البعض مع سکوت أخرين (إجماعٌ فی الاعتقادیات إجماعا) بینا وبینکم . . . ومحلُ الخلاف الاجتهادیات، لا الاعتقادیات، فالسکوتُ فی الاعتقادیات من غیر رضابِهٖ حرامٌ، فإنّها لا بُدّ منها فی الإیمان ویکونُ السّکوت فیها مفضیا إلی البدعة الجلیّة، فالسُّکوتُ هناك یدلّ علی القطع بکونه رضاً، فافهم .(فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج:۲، ص: ۲۹۱، الأصل الثالث: الإجماع/ مسئلة: في إفتاء البعض وسکوت الباقین، دار إحیاء التراث العربي، بیروت)۱۲منہ

● اعتقادیات میں اجماع سے اختلاف کفر کلامی بھی ہوتا ہے، اور کفر فقہی بھی اور ضلالت بھی، جب کہ اجتہادیات میں اجماع سے اختلاف کفر ہوتا ہی نہیں نہ کلامی، نہ فقہی۔ ہاں! فسق وضلالت ہوتا ہے۔

● اعتقادیات میں اجماع قطعی بھی ہوتا ہے اور ظنی بھی۔ جب کہ اجتہادیات وفروع میں اجماع صرف ظنی ہوتا ہے۔

اعتقادیات اور اجتہادیات کے مختلف گوشوں کے پیش نظر یہ فرق بیان کیے گئے ہیں ورنہ بنیادی طور پر ان کے درمیان صرف ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ اعتقادیات میں اجماع قطعی ہوتا ہے اور اس کی حجیت بھی قطعی ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف اجتہادیات میں اجماع ظنی ہوتا ہے اور اس کی حجیت بھی ظنی ہوتی ہے۔

(۳) دونوں طرح کے اجماع کی خلاف ورزی مُنکَر ہے:

ہاں! اس بارے میں دونوں طرح کے اجماع میں یہ اشتراک پایا جاتا ہے کہ دونوں کی خلاف ورزی مُنکَر ہے یہی وجہ ہے کہ جب مروان نے نماز عید سے پہلے خطبہ دینا چاہا تو بعض حاضرین نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی تائید فرماتے ہوئے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بیان فرمائی اور ظاہر ہے کہ خطبۂ عید کا نماز عید سے پہلے ہونا ایک فرعی مسئلہ ہے مگر اجماعی ہے، وہ حدیث صحیح مسلم شریف میں اس طرح ہے:

① عَنْ قَيْسِ بْنِ مُسْلِمٍ عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ - وَهَذَا حَدِيثُ أَبِي بَكْرٍ – قَالَ: أَوَّلُ مَنْ بَدَأَ بِالْخُطْبَةِ يَوْمَ الْعِيدِ قَبْلَ الصَّلاَةِ مَرْوَانُ، فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ فَقَالَ: الصَّلاَةُ قَبْلَ الْخُطْبَةِ. فَقَالَ: قَدْ تُرِكَ مَا هُنَالِكَ. فَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: أَمَّا هَذَا، فَقَدْ قَضَى مَا عَلَيْهِ . سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ -صلى الله عليه وسلم- يَقُولُ « مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ».[1]

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۵۰، ۵۱، كتاب الإيمان/ باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: طارق بن شہاب بیان کرتے ہیں کہ عید کے دن نماز سے پہلے مروان نے خطبہ دینا شروع کیا تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر تنبیہ کی کہ خطبہ سے پہلے نماز ہے، تو مروان نے کہا کہ: یہ طریقہ متروک ہو چکا۔

صحابی رسول حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس شخص پر شرعاً جو واجب تھا اس نے ادا کر دیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں جو شخص بھی کوئی نافرمانی و معصیت کا کام دیکھے تو اسے اپنے ہاتھوں سے دور کر دے۔ اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے اصلاح کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

شرح مسلم میں ہے:

الْعُلَمَاء إِنَّمَا يُنْكِرُونَ مَا أُجْمِعَ عَلَيْهِ، أَمَّا الْمُخْتَلَف فِيهِ فَلَا إِنْكَار فِيهِ لِأَنَّ عَلَى أَحَد الْمَذْهَبَيْنِ كُلّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ. وَهَذَا هُوَ الْمُخْتَار عِنْد كَثِيرِينَ مِنْ الْمُحَقِّقِينَ أَوْ أَكْثَرهمْ. وَعَلَى الْمَذْهَب الْآخَر الْمُصِيب وَاحِد وَالْمُخْطِئ غَيْر مُتَعَيَّن لَنَا، وَالْإِثْم مَرْفُوع عَنْهُ.[۱]

ترجمہ: جس چیز کے معصیت ہونے پر اجماع ہو علما بس اسی پر انکار کرتے ہیں، اور جس کے معصیت ہونے میں اختلاف ہو اس پر انکار نہیں کرتے کیوں کہ ایک مذہب کے مطابق ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اور کثیر بلکہ اکثر محدثین کے نزدیک مختار یہی ہے، اور دوسرے مذہب کے مطابق صواب تک رسائی تو کسی ایک مجتہد کی ہوتی ہے (باقی کی نہیں)، البتہ خاطی متعیّن نہیں، اور اس پر گناہ بھی نہیں ہے۔

واضح ہو کہ حدیث نبوی "مَن رأیٰ منکم منکرا" میں لفظ "مَنْ" تمام علما، فقہا اور مجتہدین کو عام ہے؛ اس لیے عمومی طور پر یہ حضرات "منکر اجماعی" پر ہی انکار کریں گے اسی لیے امام ابو زکریا نووی اور دوسرے ائمہ نے اس مقام پر "منکر اجماعی" کی بات کی ہے۔

(۴) منکر مذہبی کا حکم:

مُنکَر مذہبی سے مراد وہ امور ہیں جو ایک امام کے نزدیک معصیت ہوں اور دوسرے امام کے نزدیک جائز و مشروع ہوں، جیسے: وضو میں "چوتھائی سر کا مسح" کہ ہمارے نزدیک فرض ہے اور شوافع

(۱) شرح صحيح مسلم لِلنَّوِوِي، ج:۱، ص:۵۱.

کے نزدیک نہیں، یا جیسے: ''مَسِّ ذکر'' کہ شوافع کے نزدیک ناقضِ وضو ہے اور ہمارے نزدیک نہیں۔
یوں ہی وہ تمام امور جو مذاہب اربعہ میں سے کسی مذہب میں فرض عملی یا واجب عملی ہوں اور دوسرے کسی مذہب میں نہ ہوں۔ فتاوی رضویہ جلد اول، رسالہ: ''الجود الحلو'' میں فرض عملی، فرض اعتقادی اور واجب عملی و واجب اعتقادی کا تعارف مثالوں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، تحقیق کے لیے یکسوئی کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

ایسے امور میں عمومی طور پر ہر عالم، فقیہ، مجتہد انکار نہیں کر سکتا؛ کیوں کہ ایسا ہو سکتا ہے، بلکہ واقع ہے کہ جو بات اس کے نزدیک منکر ہے وہ دوسرے فقیہ مجتہد کے نزدیک مشروع ہو، البتہ ''اصحابِ مذہب'' اپنے ''اہل مذہب'' پر ''منکر مذہبی'' کے ارتکاب پر انکار کریں گے کہ وہ امر ان کے اعتقاد اور مذہب میں شرعا معصیت ہے۔

(۵) دو صدی کے بعد کیا ''اجماعِ امت'' ہو سکتا ہے:

دو صدی کے بعد بھی اجماع امت ہو سکتا ہے، بلکہ اجماع ہوا ہے، جیسے محفل میلاد النبی ﷺ کے انعقاد پر اجماع، صلاۃ و سلام بہ حالِ قیام پر اجماع، مدارس کے قیام پر اجماع، مساجد میں مناروں کے جواز پر اجماع، وغیرہ۔ در اصل اس طرح کے اجماعات کی اصل و بنیاد کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ کے عموم و اطلاق ہیں۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ مثلاً محفل میلاد النبی ﷺ گیارہ اجزا پر مشتمل ہے: ● تلاوتِ قرآن حکیم ● حمد الٰہی و ذکرِ خداوندی ● نعتِ رسول ● بعثت نبوی کا تذکرہ ● سیرۃ المصطفیٰ وغیرہ۔

اور یہ سارے اجزا انفرادی طور پر کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ سے ثابت ہیں جن کے جواز اور استحباب و استحسان پر عہد سلف سے ہی اجماع قائم ہے، بعد میں کسی وقت ان تمام امور کا مجموعہ محفلِ میلاد شریف ہو گیا تو یہ بھی اپنے ہر جز کی طرح اجماعی ہو گا کہ حسن کا مجموعہ حسن اور اجماع کا مجموعہ اجماعی ہو گا۔ تو واقع میں یہ اجماع آج یا دو صدی بعد نہیں قائم ہو رہا ہے، بلکہ یہ تو عہد صحابہ سے ہی قائم ہے، فرق صرف یہ ہے کہ کل محفل میلاد کے نام سے مجموعی شکل میں یہ سارے امور یک جا نہ تھے، اور دو صدی بعد اجماع ہونے کا مطلب ''شکلِ مجموعی پر اجماع'' ہے۔

یا جیسے موجودہ شکل میں مدارس دینیہ کا قیام، ان میں طلبہ کا داخلہ اور قیام وطعام کا انتظام اور تعلیم وتعلّم کہ اس کی اصل "مدرسۃُ الصُّفہ" ہے اور کتاب وسنت کے نصوص بھی، مثلاً:

ارشاد باری ہے:

- "كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾"(۱)

ترجمہ: اللہ والے ہوجاؤ، اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس سبب سے کہ تم درس کرتے ہو۔

ارشاد رسالت ہے:

- "خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَهٗ." (۲)

ترجمہ: تم میں افضل وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

- "طلب العلم فریضة علی کلّ مُسلِم." (۳)

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

- "بُعِثتُ مُعلِّمًا." (٤)

ترجمہ: میں معلم بناکر مبعوث کیا گیا۔

تو درس وتدریس کے لیے مدارس کا قیام جائز ومندوب ہے جس پر عہد سلف سے اجماع قائم ہے مگر مدارس دینیہ کی موجودہ شکل پر اجماع بعد میں ہوا۔

اس طرح اس کے کثیر شواہد ہیں۔

الغرض جو امور خاص شکل وہیئت میں دو صدی بعد ظاہر ہوئے مگر ان کی اصل کتاب وسنت

---

(۱) القرآن الحكيم، سورة آل عمران: ۳، الآية: ۷۹.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۷۵۲، كتاب أبواب فضائل القرآن/ باب خيركم من تعلَّم القرآن وعلمه.

(۳) سنن ابن ماجه، ص: ٤۷، المقدمة / باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، رقم الحدى: ۲۲٤، دار احياء التراث العربى، بيروت.

(٤) سنن ابن ماجه، ص: ٤۸، المقدمة / باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، رقم الحدى: ۲۲۹، دار احياء التراث العربى، بيروت.

میں عموم واطلاق کی شکل میں موجود ہے وہ اجماعی ہیں کہ ان کی اصل پر عہدِ سلف میں اجماع رہا ہے۔

اور کتاب وسنت کے عموم واطلاق سے استدلال اجماعی امر ہے۔

چناں چہ مسلم الثبوت اور فواتح الرحموت میں ہے:

شاع وذاع احتجاجهم سلفًا وخلفًا بالعمومات على الأحكام من غير نكير من أحد، ونقل إلينا متواترًا بحيث لا مساغ للتشكيك.[1]

ترجمہ: سلف وخلف میں کلمات عام کے عموم سے احکام پر استدلال شائع وذائع ہے، اس پر کسی نے کوئی اعتراض وانکار نہیں کیا اور یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے، اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور مطلق اس حیثیت سے کہ وہ اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے نوعِ عموم سے ہے۔

(۵) آج کے دور میں اجماعِ مجتہدین نہیں ہو سکتا:

ہاں اجتہادی مسائل میں آج کے دور میں اجماع نہیں ہو سکتا، یوں ہی کسی اور مسئلے پر بھی آج کے زمانے میں اجماعِ مجتہدین کا تحقق نہیں ہو سکتا کیوں کہ موجودہ دور میں مجتہدین نہیں پائے جاتے تو ان کی طرف سے نہ آج کوئی اجتہاد ہوگا، نہ اجماع۔

ہاں اجتہادی مسائل میں چاروں ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقلید پر اجماع ہے کہ تقلید کی اصل کتاب وسنت سے ثابت ہے، جس پر عمل عہد سلف سے جاری ہے، جیسا کہ تقلید کے بیان میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

---

(۱) فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت، ج:۱، ص:۲۵٤، مسألة: للعموم صِيَغ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، لبنان.

سترہواں مسئلہ

فقہ کی چوتھی دلیل

قیاس شرعی

احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

اہل حق کا مذہب:

اہلِ حق اہلِ سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ فقہ کے دلائل چار ہیں:

(۱) کتابُ اللہ (۲) سنتِ رسول اللہ (۳) اجماعِ امت (۴) قیاس۔

درپیش مسئلے کا حکم کتاب اللہ میں مل جائے تو اس کے مطابق عمل و فتویٰ ہوگا، کتابُ اللہ میں نہ ملے تو سنتِ رسول اللہ میں اس کا حکم تلاش کیا جائے اور اس میں بھی نہ ملے تو اجماعِ امت کا سہارا لیا جائے اور اگر یہاں بھی حکم نہ ملے تو قیاس و اجتہاد کے ذریعہ کتاب و سنت و اجماع امت سے مسئلے کا حکم نکالا جائے۔

قیاس دراصل کتابُ اللہ یا سنتِ رسول اللہ یا اجماع سے ماخوذ ہوتا ہے اس لیے یہ بجائے خود کتاب و سنت و اجماع کے احکام کا کاشف و مظہر ہوتا ہے اور اسی حیثیت سے اسے فقہ کی "دلیل رابع" مانا جاتا ہے۔ لیکن علمائے وہابیہ اس کے برخلاف صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی حُجیت کے دعوے دار ہیں اور **قیاس و اجماع** کی حُجیت کا انکار کرتے ہیں۔

امام بخاری نے قیاس کی حجیت پر مُہر نبوت ثبت فرمادی:

حالاں کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری شریف میں قیاس کی حُجیت پر ایک باب قائم کیا ہے پھر اس کے تحت دو احادیث نبویہ کی تخریج کر کے اس کی حُجیت پر مہرِ نبوت ثبت فرمادی ہے۔ ہم سب سے پہلے یہاں وہ ترجمۃُ الباب اور دونوں احادیث نقل کرتے ہیں پھر مزید احادیث بھی نقل کریں گے، اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

ترجمۃُ الباب کے الفاظ ہیں:

بابُ مَنْ شبَّه أَصْلًا معلومًا بأَصْلٍ مبيَّنٍ قد بَيَّنَ اللهُ حكمَها ليَفْهَمَ السَّائِلُ[1]

ترجمہ: ایک اصلِ معلوم دوسری اصل کے ساتھ۔ جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے۔ اس لیے تشبیہ دی جائے کہ سائل کو اس کا حکم سمجھ میں آجائے۔

یہ تشبیہ خاص بھی قیاس ہے کہ قیاس کی ایک تعریف اس لفظ سے بھی کی جاتی ہے، چناں چہ جلد ہی ہم مسلم الثبوت وغیرہ سے اس کی نقل پیش کریں گے۔ اِن شاءَ الله تعالى.

دلائلِ اہلِ سنت

پہلی حدیث: تفہیم امت کے لیے قیاس سے نسب کا اثبات:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ: أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَتَى رَسُولَ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَقَالَ: إِنَّ امْرَأَتِي وَلَدَتْ غُلَامًا أَسْوَدَ،وَإِنِّي أَنْكَرْتُهُ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ-صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: «هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ؟»، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: «فَمَا أَلْوَانُهَا؟»، قَالَ: حُمْرٌ، قَالَ: «فَهَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ؟»، قَالَ: إِنَّ فِيهَا لَوُرْقًا.

قَالَ: «فَأَنَّى تُرَى ذَلِكَ جَاءَهَا»، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، عِرْقٌ نَزَعَهَا، قَالَ: «وَلَعَلَّ هَذَا عِرْقٌ نَزَعَهُ»، وَلَمْ يُرَخِّصْ لَهُ فِي الِانْتِفَاءِ مِنْهُ.[2]

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۸۸، كتاب الاعتصام، مجلس البركات، مبارك فور.

(۲) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۸۸، كتاب الاعتصام، باب من شبّه أصلا معلوما بأصلٍ مبيَّن قد بيّن الله حكمها ليفهم السائل، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عرب دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میری بیوی کے سیاہ فام لڑکا پیدا ہوا ہے، میں اسے اپنا لڑکا نہیں سمجھتا (کہ میں گورا ہوں اور وہ کالا ہے۔) رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تیرے پاس کچھ اونٹ ہیں؟ عرض کی ہاں! سرکار نے دریافت کیا کہ وہ اونٹ کس رنگ کے ہیں؟ عرض کی: سرخ رنگ کے۔ حضور نے پوچھا: اونٹوں میں کوئی بھورے رنگ کا بھی ہے؟ عرض کی: کئی ایک اونٹ بھورے رنگ کے ہیں۔ حضور نے پوچھا سرخ اونٹوں میں یہ بھورے رنگ کے کہاں سے آ گئے، تم اس بارے میں کیا سمجھتے ہو؟

تو اس شخص نے عرض کی، یا رسول اللہ (اوپر کی پشت میں کوئی اونٹ بھورا ہوگا اس کی) کوئی رگ اسے کھینچ لائی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: شاید یہ بھی (اوپر کی) کوئی رگ ہو جو اسے (گورے رنگ کی جگہ کالے رنگ کی طرف) کھینچ لائی۔

یہاں سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھورے اونٹوں سے ان کے سیاہ فام بچے کو تشبیہ دی ہے کہ جیسے سرخ رنگ کے اونٹوں سے بھورے رنگ کا اونٹ پیدا ہو سکتا ہے۔ اس سے سب کو اتفاق ہے۔ یوں ہی گورے رنگ کے ماں باپ سے سیاہ فام بچہ بھی تولد ہو سکتا ہے اور اس سے بھی سب کو اتفاق کرنا چاہیے۔

دوسری حدیث: قیاس سے حق اللہ سے سبک دوشی کی وضاحت:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-، فَقَالَتْ: إِنَّ أُمِّي نَذَرَتْ أَنْ تَحُجَّ فَمَاتَتْ قَبْلَ أَنْ تَحُجَّ، أَفَأَحُجَّ عَنْهَا؟ قَالَ: «نَعَمْ، حُجِّي عَنْهَا، أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دَيْنٌ أَكُنْتِ قَاضِيَةً؟»، قَالَتْ: نَعَمْ،

قَالَ: «اقْضُوا الَّذِي لَهُ، فَإِنَّ اللهَ أَحَقُّ بِالوَفَاءِ».[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک خاتون نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کرنے کی منت مانی تھی، مگر وہ حج سے پہلے ہی فوت ہو گئی تو کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟

حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا، ہاں! حج کر سکتی ہو، تم خود بتاؤ کہ تمھاری والدہ کے ذمہ کسی کا

---

(۱) صحيح البخاري، ج: ۲، ص: ۱۰۸۸، كتاب الاعتصام/ باب من شبّه أصلا معلوما بأصل مبيّن قد بيّن الله حكمَها ليفهم السائل، مجلس البركات، مبارك فور.

کچھ بقایا ہوتا تو کیا تم اسے ادا کرتی؟ اس خاتون نے عرض کی: ہاں! تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تو پھر اللہ کا حق ادا کرو کہ وہ ادا کیے جانے کے لائق زیادہ ہے۔

اِس حدیث پاک میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ عزّ و جل کے دَین "حج" کو بندوں کے دَین "بقایا" سے تشبیہ دی ہے اور یہ بتایا ہے کہ جیسے تمھاری ماں کے ذمہ کسی بندے کا دَین (بقایا) ہوتا اور تم ادا کر دیتی تو وہ سبک دوش ہو جاتی ایسے ہی تم جب اپنی ماں کی طرف سے حج کر لوگی تو وہ اللہ عزّ و جلّ کے فریضہ سے سبک دوش ہو جائے گی۔

ان دونوں احادیث میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیاس بھی فرمایا ہے اور قیاس کی تعلیم بھی دی ہے جس سے قیاس کی حجیت ثابت ہوتی ہے اور اس کا انکار ان احادیث صحیحہ سے اور خود صحیح بخاری و امام بخاری سے انحراف ہے۔

اب کچھ اور احادیث بھی ملاحظہ کریں:

تیسری حدیث:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إن امرأة أَتَتْ رسولَ الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ-، فقالت: إن أمّي ماتتْ وعليها صوم شهر؟

فقال: أرأيتِ، لوكان عليها دينٌ أكنتِ تقضينه؟ قالتْ: نَعَم، قال: فدَينُ الله أحقُّ بالقضاء.[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک خاتون رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ میری ماں کے ذمہ ایک مہینے کا روزہ باقی تھا اور وہ فوت ہو گئیں۔ (تو کیا میں ان کی طرف سے روزے قضا کر سکتی ہوں؟) سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر اس کے ذمہ کسی کا کچھ بقایا ہوتا تو تم اسے ادا کرتی؟ اس خاتون نے عرض کی، ہاں۔ حضور نے فرمایا: تو اللہ کا بقایا (روزہ) زیادہ ادا کیے جانے کے لائق ہے۔

چوتھی حدیث:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، قال: جاء رجلٌ إلى النبي -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ-،

(۱) الصحیح لمسلم، ج:۱، ص:۳۶۲، کتابُ الصِّیام/ باب قضاءِ الصَّوم عن المیِّت، مجلس البرکات.

فقال: يا رسولَ الله ، إن أمّي ماتت وعليها صوم شهر، أفأقضيه عنها؟

فقال: لوكان على أمّكَ دينٌ أكنتَ قاضيةً عنها، قال: نعم، قال: فدَينُ الله أحقُّ أن يُّقضى.(۱)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما کا بیان ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ یا رسولَ اللہ، میری والدہ کا انتقال ہوگیا اور ان کے ذمہ ایک ماہ کا روزہ باقی تھا تو کیا میں ان کی طرف سے (فِدیہ) ادا کردوں؟

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر تیری والدہ کے ذمہ کسی کا کوئی بقایا ہوتا تو کیا تم اس کی طرف سے ادا کرتے؟ عرض کیا: ہاں۔ حضور نے فرمایا: تو اللہ کا بقایا اس سے زیادہ حق دار ہے کہ ادا کیا جائے۔

پانچویں حدیث:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عن أخيه الفضل أنه كان رِدْفَ رسولِ الله -صلّى الله تعالى عليه وسلّمَ- غداةَ النحر، فأتتْه امرأة من خثعم فقَالت: يا رسولَ الله، إن فريضة الله في الحج على عبادِهِ أدركتْ أبي شيخا كبيرا لا يستطيع أن يركب، أفاحجُّ عنه؟

قال: نَعَم، فإنه لو كان على أبيك دينٌ قضيتِه.(۲)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ان کے بھائی فضل بن عباس رضی اللہ تعالی عنہم نے بتایا کہ وہ یوم النحر (دسویں ذی الحجّہ) کی صبح میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سواری پر پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، آپ کے پاس قبیلہ خثعم کی ایک خاتون آئیں اور عرض کی: یا رسول اللہ! اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر جو حج فرض کیا ہے وہ میرے والد پر بھی حج فرض ہو چکا ہے، وہ بہت بوڑھے ہیں۔ سوار نہیں ہوسکتے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج (بدل) کرلوں؟

حضور نے فرمایا: ہاں۔ اس لیے کہ اگر تیرے والد کے ذمہ کوئی بقایا ہوتا تو اسے ادا کرتی۔ (اسی طرح اسے بھی ادا کر۔)

---

(۱) الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۳۶۲، كتاب الصّيام/ باب قضاءِ الصوم عن الميّت، مجلس البركات.

(۲) سنن ابن ماجه، ص: ۳۱۶، ۳۱۷، كتاب المناسك/ باب الحج عن الحيّ إذا لم يستطِع، بيت الأفكار الدولية، بيروت، لبنان.

حضور سید عالم ﷺ نے اپنے آخری جملے سے یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ جیسے تیرے والد کے ذمہ کسی کا بقایا ہوتا اور تم ادا کرتی تو ادا ہو جاتا ویسے ہی اللہ کا بقایا تیرے والد کے ذمہ ہے تم اسے ادا کرو گی تو یہ بھی ادا ہو جائے گا۔

چھٹی حدیث: قیاس کی بنا پر منکرینِ زکات سے قتال کا فیصلہ اور اجماعِ صحابہ:

عَنِ أبي هُريرة، قال: لمّا تُوَفِّي رسولُ الله -صلى الله تعالى عليه وسلم- واستُخلِف أبو بكر بعده وكَفَر من كفر من العرب ... فقال أبو بكر: والله لأقاتلنَّ مَن فرّق بين الصَّلاة والزّكاة، فإنّ الزكاة حق المال، والله لو مَنعوني عِقَالا كانوا يؤدُّونه إلى رسول الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّمَ- فقاتلتُهم على منعه، فقال عمرُ بن الخطاب: فوالله ما هو إلا أن رأيتُ الله قد شرح صدر أبي بكر للقتال، فعرفت أنه الحق.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے اور کچھ عرب (زکات کی فرضیت کا انکار کرکے) کافر ہو گئے.... تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: ''اللہ کی قسم، جو لوگ نماز اور زکات کے درمیان فرق کرتے ہیں (کہ نماز کو تو فرض مانتے ہیں مگر زکات کو فرض نہیں مانتے) میں ضرور ان لوگوں سے جہاد کروں گا کہ بے شک زکات مال کا حق ہے، خدا کی قسم، اگر یہ لوگ اونٹ باندھنے کی وہ رسی بھی مجھ سے روک لیں گے جسے وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے جہاد کروں گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم، حضرت ابوبکر صدیق نے یہ فیصلہ یوں ہی نہیں کر لیا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اللہ عزوجل نے ان کا سینہ جہاد کے لیے کھول دیا تو مجھے یہ عرفان حاصل ہو گیا کہ بے شک یہ فیصلہ حق ہے۔

حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکرینِ زکات سے جہاد کا محکم فیصلہ اس لیے فرمایا کہ نماز

---

(۱) ❀ الصحيح لمسلم، ج:۱، ص:۳۷، كتاب الإيمان، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ صحيح البخاري، ج:۲، ص:۱۰۸۱، كتاب الاعتصام/ باب الاقتداء بسُنَنِ رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-، مجلس البركات، مبارك فور.

اور زکات کے احکام میں فرق نہیں کیا جا سکتا۔

مطلب یہ ہے کہ جیسے نماز فرض ہے ویسے ہی زکات بھی فرض ہے، دونوں قیامت تک کے لیے فرض قطعی ہیں اور حضور سید عالم ﷺ کے وصال کی وجہ سے زکات کی فرضیت منسوخ نہیں ہوئی، جیسے نماز کی فرضیت منسوخ نہیں ہوئی۔ اس لیے اگر کوئی نماز کی فرضیت کا انکار کرے تو وہ کافر و مرتد ہے اور اس سے جہاد لازم ہے یوں ہی اگر کوئی زکات کی فرضیت کا انکار کرے تو وہ بھی کافر و مرتد ہو جائے گا اور اس سے جہاد لازم ہو گا۔[1]

یہ نماز پر زکات کا قیاس ہے جس سے عامۂ صحابۂ کرام بشمول حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اتفاق کیا۔ اس طرح قیاس کی حجیت پر عہد صدیقی میں ہی اجماع ہو گیا۔

ساتویں حدیث: اجتہاد و قیاس سے فیصلہ کے عزم پر رسول اللہ کا الحمد للہ پڑھنا:

عن ناسٍ مِن أصحابِ مُعاذ، من أهل حمص عن معاذ بن جبل أنّ رسول الله -صلّى الله تعالىٰ عليه وسلَّم-: لـمّا بعثهُ إلى اليمن، قال: كيف تقضي إذا عرض لك قضاءٌ؟ قال: أقضي بكتاب الله، قال: فإن لم تجد في كتاب الله، قال: فبِسُنَّةِ رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-، قال: فإن لم تجد في سنة رسول الله -صلى الله تعالىٰ عليه وسلم-، قال: أجتهد رأيي و لا آلو.

قال: فضرب رسولُ الله -صلّى الله تعالى عليه وسلَّم- علىٰ صدرهٖ و قال: الحمدُ لله الذي وفّق رسولَ رسولِ الله لما يرضىٰ به رسولُ الله. رواه الترمذي و أبو داود و الدّارمي.[2]

---

(۱) جِہاد: خلیفۃ المسلمین یا اس کے ماذون کا کام ہے۔ جو مسلمان ہو، نماز اور روزے کی فرضیت کا قائل ہو، پھر بعد میں کسی ایک کے فرض ہونے کا انکار کر دے، اس کے بارے میں یہ گفتگو ہے۔ ۱۲ منہ

(۲) مشكاة المصابيح، ص: ٣٢٤، باب العمل في القضاء و الخوف منه، الفصل الثاني، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ جامع الترمذي، ج: ١، ص: ١٥٩، أبواب الأحكام عن رسول الله -صلى الله تعالى عليه وسلم-/ باب ما جاء في القاضي كيف يقضي، مجلس البركات، مبارك فور.

❀ سنن أبي داود، ص: ٣٩٧، كتاب الأقضية/ باب اجتهاد الرائ في القضاء، بيت الأفكار، بيروت.

❀ سنن الدارمي، ج: ١، ص: ٢٦٧، كتاب الفتيا وما فيه من الشدة، دار المغني للنشر والتوزيع.

❀ السنن الكبرىٰ للإمام البيهقي، ج: ١، ص: ١١٤، كتاب أداب القاضي/ باب ما يقضي به القاضي و يفتي، مجلس دائرة المعارف، حيدر أباد

ترجمہ: حمص کے رہنے والے متعدد اصحابِ مُعاذ سے روایت ہے کہ حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انھیں یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت کیا کہ جب تمھارے سامنے کوئی مقدمہ آئے گا تو فیصلہ کیسے کروگے؟ عرض کی: اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ حضور نے پوچھا: کتابُ اللہ میں حکم نہ ملے تو؟ عرض کی سنتِ رسول اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اگر سنتِ رسول اللہ میں بھی نہ پاؤ تو کیا کروگے؟ عرض کیا: کتاب وسنت سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی سستی نہیں برتوں گا۔

حضرت مُعاذ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سن کر ان کے سینے پر مارا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ ”تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے رسول اللہ کے مبعوث کو اُس طریقے کی توفیق عطا فرمائی جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم راضی ہیں۔“

اس حدیث کو امام ترمذی وابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔

اس حدیث کے بارے میں کلام ہے بعض نے کہا یہ حدیث صحیح نہیں اور بعض نے کہا صحیح ہے مگر اس حدیث کو تلقّی بالقُبول حاصل ہے، نیز مشہور ہے، معنیً متواتر ہے اس لیے معتدل رائے یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح وحجت ہے، جیسا کہ تقلید کی بحث میں حاشیے میں اس پر گفتگو ہے۔

اجتہاد کے عموم میں ”قیاس“ بھی شامل ہے علاوہ ازیں جب قضیہ کا حکم کتاب وسنت میں نہ ملے تو وہاں اجتہاد قیاس کے لیے متعیّن ہو جاتا ہے اور یہاں یہی صورت ہے اس لیے ثابت ہوا کہ قیاس حجت ہے۔

یہاں قیاس واجتہاد کا ذکر سنت کے بعد ہے جب کہ اس کا رتبہ اجماع کے بعد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عہدِ رسالت میں اجماع کی حاجت نہ تھی، کسی بھی مسئلے میں صحابہ، سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رجوع کرتے اور آپ رہنمائی فرما دیتے تو اس عہدِ مبارک میں سنت کی وجہ سے اجماع سے بے نیازی تھی۔

آٹھویں حدیث: حدِّ خمر کے ثبوت میں مولائے کائنات کا قیاس اور اجماعِ صحابہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّ الشُّرَّابَ كَانُوا يُضْرَبُونَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ –صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ– بِالأَيْدِي وَالنِّعَالِ وَالْعَصَا، حَتَّى تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ –صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ–،

وَكَانُوا فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ- أَكْثَرَ مِنْهُمْ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ-.

فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ-: لَوْ فَرَضْنَا لَهُمْ حَدًّا، فَتَوَخَّى نَحْوًا مِمَّا كَانُوا يُضْرَبُونَ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ واٰلِهٖ وَسَلَّمَ-، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ- يَجْلِدُهُمْ أَرْبَعِينَ حَتَّى تُوُفِّيَ، ثُمَّ قَامَ مِنْ بَعْدِهٖ عُمَرُ فَجَلَدَهُمْ كَذٰلِكَ أَرْبَعِينَ، حَتَّى أُتِيَ بِرَجُلٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ الْأَوَّلِينَ وَقَدْ كَانَ شَرِبَ، فَأَمَرَ بِهٖ أَنْ يُجْلَدَ، فَقَالَ: لِمَ تَجْلِدُنِي؟ بَيْنِي وَبَيْنَكَ كِتَابُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ.

فَقَالَ عُمَرُ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ-: فِي أَيِّ كِتَابِ اللهِ تَجِدُ أَنِّي لَا أَجْلِدُكَ؟ فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَقُولُ فِي كِتَابِهٖ " لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا "[1] الآيَة، فَأَنَا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، ثُمَّ اتَّقَوا وَآمَنُوا، ثُمَّ اتَّقَوا وَأَحْسَنُوا، شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ -صَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- بَدْرًا وَالْحُدَيْبِيَةَ وَالْخَنْدَقَ وَالْمَشَاهِدَ.

فَقَالَ عُمَرُ -رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالىٰ عَنْهُ-: أَلَا تَرُدُّونَ عَلَيْهِ مَا يَقُولُ؟ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ هٰذِهِ الآيَاتِ أُنْزِلَتْ عُذْرًا لِلْمَاضِينَ وَحُجَّةً عَلَى الْبَاقِينَ.

(فعذرُ المَاضِين:، بأنّهم لَقوا اللّٰہ قبلَ أن تُحرَّم عليهم الخمرُ -وحجةٌ على الباقين- السُّنن الكبرىٰ للنسائي، ج:۵، ص:۱۳۷، ۱۳۸، كتاب الحدّ في الخمر)

لِأَنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، يَقُولُ: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ"[2] الآية، ثُمَّ قَرَأَ حَتَّى أَنْفَذَ الآيَةَ الآخْرىٰ: "لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا"[3] فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ نَهَى أَنْ يُشْرَبَ الْخَمْرُ،

فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: صَدَقْتَ فَمَاذَا تَرَوْنَ، فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: نَرَى أَنَّهُ إِذَا شَرِبَ سَكِرَ، وَإِذَا سَكِرَ هَذَى، وَإِذَا هَذَى افْتَرَى، وَعَلَى الْمُفْتَرِي ثَمَانُونَ جَلْدَةً فَأَمَرَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَجُلِدَ ثَمَانِينَ.

---

(۱) القرآن الحکیم، سورۃ المائدۃ: ۵، الآیۃ: ۹۳.
(۲) القرآن الحکیم، سورۃ المائدۃ: ۵، الآیۃ: ۹۰.
(۳) القرآن الحکیم، سورۃ المائدۃ: ۵، الآیۃ: ۹۳.

قالَ الحاكمُ: هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ. وقال الحافظ الذَّهبي: صحيح.[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ شراب نوش رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ہاتھ، جوتے اور لاٹھی سے پیٹے جاتے تھے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں شراب نوش عہد رسالت سے بھی زیادہ ہو گئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "اگر ہم ان کے لیے کوئی سزا مقرر کر دیتے تو مناسب ہوتا۔" پھر انھوں نے اس امر کی تفتیش کی کہ شراب نوشوں کو عہد رسالت میں کتنے کوڑے مارے جاتے تھے۔ اس کے بعد وہ انھیں چالیس کوڑے مارتے یہاں تک کہ پردہ فرما گئے۔ پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے اور وہ بھی عہدِ صدیقی کی روایت کے مطابق چالیس کوڑے مارتے۔

یہاں تک کہ مُہاجرین اوّلین میں سے ایک صحابی- جو شراب پیے ہوئے تھے- آپ کی عدالت میں لائے گئے تو حضرت عمر نے حکم دیا کہ انھیں کوڑے مارے جائیں۔ تو وہ صحابی بولے کہ آپ مجھے کوڑے مارنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں، میرے اور آپ کے درمیان فیصل اللہ عزوجل کی کتاب "قرآن مقدس" ہے۔ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ کتابُ اللہ کی کس آیت میں ہے کہ میں تجھے کوڑے نہ ماروں؟ تو صحابی نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

"جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے انھوں نے جو کچھ چکھا ان پر کچھ گناہ نہیں"۔

اور میں ان لوگوں میں سے ہوں جو ایمان لائے، اور عمل صالح کیے، پھر تقویٰ شعار ہوئے اور ایمان پر قائم رہے، پھر ڈرے اور نیک رہے، میں غزوۂ بدر، حُدَیبیہ، خندق اور دوسرے مشاہد میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر رہا۔

حضرت عُمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرین سے فرمایا کہ آپ لوگ اس کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ آیات گزرے ہوئے صحابہ کی صفائی اور (بعد کی آیات) موجودہ صحابہ کی حجت کے طور پر نازل ہوئی ہیں۔ گزرے ہوئے صحابہ کی صفائی میں یوں ہے کہ وہ حضرات شراب کی

---

(۱) ❀ المستدرك على الصحيحين مع تلخيص الذهبي، ج: ٤، ص: ٣٧٥-٣٧٦، كتاب الحدود/ كان الشُّرَّاب يضرب على عهد النبي بالأيدي والنِّعال، مجلس دائرة المعارف، حيدر آباد.

❀ السُّنن الكبرىٰ للنسائي، ج: ٥، ص: ١٣٧، ١٣٨، كتاب الحدِّ في الخمر/ بابُ حدِّ الخمر، رقم الحديث: ٥٢٦٩، مؤسّسة الرسالة، بيروت

حرمت سے پہلے اللہ عزوجل سے جا ملے اور موجودہ صحابہ کے لیے حجت یوں ہے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ''شراب اور جوا اور بُت اور پانسے ناپاکی ہیں، شیطان کے کام ہیں۔''

پھر آپ نے دوسری آیت آخر تک پڑھی: اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیے، پھر ڈرے اور ایمان لائے، پھر ڈرے اور اچھے کام کیے۔'' تو اللہ عزوجل نے شراب پینے سے ممانعت فرمادی (لہٰذا اب جو شراب پیے وہ صالح و متقی نہیں کہ حکمِ حرمت نازل ہونے کے بعد شراب پینا گناہ ہے) تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا، اب آپ لوگوں کی رائے کیا ہے؟

اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ:

''میری رائے یہ ہے کہ جب کوئی شراب پیے گا تو نشے سے مدہوش ہوگا اور جب مدہوش ہوگا تو بکواس کرے گا اور جب بکواس کرے گا تو تہمت لگائے گا اور تہمت لگانے والے کی سزا اسّی (۸۰) کوڑے ہے۔''

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے شرابی کو اسّی کوڑے مارے گئے۔

امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاِسناد ہے، شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، امام ذہبی نے بھی اپنی تلخیص میں اسے صحیح کہا۔

مولائے کائنات کے قیاس کی تشریح اور اصحابِ رسول کا اجماع:

یہ مولائے کائنات علیِ مُرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قیاس ہے، جس کی بنیاد ''اصلِ منصوص'' کے ساتھ ''اصلِ غیر منصوص'' کی خصوصی مشابہت پر ہے۔ اس کا ذکر امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

''مَنْ شَبَّهَ أَصْلاً مَعْلُوماً بِأَصلٍ مُّبَيَّنٍ قَدْ بَيَّنَ اللهُ حُكمَهَا لِيَفْهَمَ السَّائِلُ.''

ترجمہ: ایک اصلِ معلوم کو ''دوسری اصل'' کے ساتھ۔ جس کا حکم اللہ تعالی نے بیان فرمادیا ہے۔ اس لیے تشبیہ دی جائے کہ سائل اس کا حکم سمجھ جائے۔

اور یہ قیاس کی اس تعریف کے عین مطابق ہے: القياسُ: تشبيهُ الفَرعِ بالأصل في علّة حكمه.[۱]

ترجمہ: فرع کو اصلِ منصوص کے حکم کی علت میں اصل کے مشابہ قرار دینا ''قیاس'' ہے۔

---

(۱) مسلم الثبوت وفواتح الرحموت، ج:۲، الأصل الرابع: القياس، دارُإحياء التراث العربي، بيروت.

یہ "تشبیہ خاص" شراب نوشی کے اس مسئلے میں بھی پائی جارہی ہے۔ یہاں "دوسری اصل" جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے وہ حدِّ قذف ہے اور "اصلِ معلوم" جس کا حکم کتاب وسنت میں مذکور نہیں "حدِّ شربِ خمر" ہے مگر "شربِ خمر" کا انجام چند واسطوں سے قذف ہوتا ہے اس حیثیت سے یہ قذف کے مشابہ ہے۔ بلفظ دیگر حدِّ قذف کی علت قذف ہے یعنی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگانا، اور "شربِ خمر" حدِّ قذف کی علت ہونے میں "قذف" کے مُشابہ ہے۔ یہاں اصل منصوص "قذف" ہے اور فرع "شُربِ خمر" اور حضرت سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "شربِ خمر" کو قذف کے مُشابہ ٹھہرا کر اس پر قذف کا حکم جاری کیا ہے تو اس طرح یہ قیاسِ شرعی ہوا، اس بحث کی احادیث نمبر ایک تا چھ میں بھی قیاساتِ شرعی کی بنیادوں میں یہی "تشبیہ خاص" کار فرما ہے۔

پہلے سے شرابی کو کوڑے مارنے کی سزا دی جاتی تھی مگر اسّی کوڑے مقرر نہ تھے اس لیے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بارے میں صحابہ سے رائے طلب کی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے رائے پیش کی اور شراب نوشی کو قذف کے مُشابہ ٹھہرا کر اس کو قاذف کے حکم میں رکھا، اس پر کسی صحابی نے نکیر نہیں کی۔ یہاں تک کہ جو صحابی شراب نوشی میں ماخوذ تھے اور خود بھی کتاب وسنت پر گہری نظر رکھتے تھے انھوں نے بھی کوئی نکیر نہ کی، یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حد قائم کردی تاہم سب خاموش رہے تو رائے یا قیاس کی حُجیت پر یہ اصحابِ رسول کا اجماع ہوا۔

نویں حدیث: قیاس سے ایک مسئلے کی تفہیم:

عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ ، عَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيدٍ ، قَالَ : ذَكَرَ النَّبِيُّ -صَلَّى اللهُ تَعَالَىٰ عَلَيْهِ وسَلَّمَ- شَيْئًا ، فَقَالَ : وَذَاكَ عِنْدَ أَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ ، قَالَ: قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللهِ ، وَكَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ ، وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ ، وَنُقْرِئُهُ أَبْنَاءَنَا ، وَيُقْرِئُهُ أَبْنَاؤُنَا أَبْنَاءَهُمْ، إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا ابنَ أمِّ لبيد، إِنْ كُنْتُ لَأَرَاكَ مِنْ أَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِينَةِ ، أَوَلَيْسَ هَذِهِ الْيَهُودُ ، وَالنَّصَارَى ، يَقْرَؤُونَ التَّوْرَاةَ ، وَالإِنْجِيلَ لاَ يَنْتَفِعُونَ مِمَّا فِيهِمَا بِشَيْءٍ ؟"[1]

---

(۱) ❀ مسند الإمام أحمد بن حنبل، ص: ۱۲۵۹، مسند الشاميين/ حديث زياد بن لبيد، رقم الحديث: ۱۷٦۱۲، بيت الأفكار الدولية.

❀ سنن ابن ماجه، ص: ٤۳۵، كتاب الفتن/ باب ذهاب القرآن والعلم.

❀ جامع الترمذي، عن أبي الدرداء، بمعناه، ج:۲، ص: ۹۰، أبواب العلم/ باب ما جاء في ذهاب العلم، مجلس البركات، مبارك فور.

ترجمہ: سالم بن ابوالجعد سے روایت ہے کہ حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علم کے چلے جانے کا ذکر فرمایا، تو ہم نے عرض کی، یارسول اللہ، علم کیسے چلا جائے گا حالاں کہ ہم لوگ قرآن پڑھتے اور اپنے بیٹوں کو پڑھاتے ہیں اور ہمارے بیٹے اپنے بیٹوں کو پڑھائیں گے اور یہ سلسلہ اسی طرح قیامت تک جاری رہے گا۔ (کہ قرآن محفوظ رہے گا جیسا کہ اللہ کا وعدہ ہے۔)

تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں ارشاد فرمایا:

اے اُمِّ لبید کے بیٹے، تجھے تیری ماں کھوئے، میں تو تجھے مدینہ طیبہ کے اصحابِ فقہ وفہم میں شمار کرتا ہوں، کیا یہ یہود ونصاریٰ تورات وانجیل نہیں پڑھتے لیکن وہ ان کی تعلیمات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔

سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں یہ بتایا ہے کہ جیسے یہود ونصاریٰ نے تورات وانجیل کی تعلیمات پر عمل نہیں کیا تو ان کے درس وتدریس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ویسے ہی تم لوگ بھی قرآن کی تعلیمات پر عمل نہیں کروگے تو تمھارے درس وتدریس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ کھلے طور پر قیاس ہے۔

یہ نواحادیث شریفہ ہیں جن سے قیاس کے جواز وحُجیت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قیاس کی حُجیت پر صحابۂ کرام کا اجماع بھی ہے۔ مسلم الثبوت وفواتح الرحموت میں قیاس کی حُجیت پر یہ دلائل قائم کیے گئے ہیں:

”صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان یہ بات بغیر کسی نکیر کے عام وشائع تھی کہ وہ قیاس سے استدلال فرماتے اور دلائل میں تعارض کے وقت قیاس سے ترجیح دیتے تھے اور باقی صحابہ کا سکوت قیاس سے استدلال وترجیح پر اتفاق کی وجہ سے تھا اس لیے کہ اس طرح کی دلیل پر سکوت بغیر موافقت کے نہیں ہوتا۔ چناں چہ افضلُ البشر بعدَ الانبیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منکرینِ زکات سے جہاد کے بارے میں نماز پر زکات کو قیاس کیا جس کی طرف صحابہ نے رجوع کیا، اسے تسلیم کیا اور یہ ان کی طرف سے قیاس کی حجیت پر اجماع ہے۔

اور ایک قضیہ میں حضرت صدیق اکبر نے نانی کو ناتی کا وارث قرار دیا اور دادی کو پوتے کی میراث سے محروم ٹھہرایا تو عبدالرحمن بن سہل یا خود دادی نے کہا کہ آپ نے جس عورت (دادی) کو محروم کیا ہے اگر یہاں وہ عورت فوت ہوئی ہوتی تو پوتا اس کے کُل مال کا وارث ہوتا تو انھوں نے دونوں عورتوں (نانی

اور دادی) کو سُدُس (۱/۶) میں برابر کا حق دار بنادیا۔“ (۱)

اس طرح انھوں نے اس قائل کے قیاس پر عمل کیا اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شارب کو حد لگانے کے بارے میں قاذف پر قیاس کیا اور اس پر صحابہ کرام نے اجماع فرمایا۔ (۲)

سنن وآثار کا یہ سلسلہ خاصا طویل ہے، ہم نے یہاں ان کا ایک انتخاب پیش کیا ہے جن سے بجا طور پر ایک مُنصف کے نزدیک یہ ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ قیاسِ شرعی حجت ہے اس سے خود حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم امت کے لیے استناد فرمایا ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کثیر مواقع پر اسے دلیل شریعت کے طور پر پیش کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر ارشاد ہمارے لیے حجت ہے مگر آپ کے کچھ ارشادات قیاس کی شکل میں ہیں تاکہ امت کو اس سے قیاس کی حُجیت معلوم ہو جائے۔

---

(۱) دسویں حدیث:

مجھے حدیث ان الفاظ میں ملی:

عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ قَالَ : أَتَتِ الْجَدَّتَانِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ فَأَرَادَ أَنْ يَجْعَلَ السُّدُسَ لِلَّتِي مِنْ قِبَلِ الأُمِّ ، فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ : أَمَا إِنَّكَ تَتْرُكُ الَّتِي لَوْ مَاتَتْ وَهُوَ حَيٌّ كَانَ إِيَّاهَا يَرِثُ ، فَجَعَلَ أَبُو بَكْرٍ السُّدُسَ بَيْنَهُمَا.(مؤطا الإمام مالك، ج:۳، ص:۷۳۳، كتاب الفرائض/ باب ميراث الجدة، أبو ظهبي. والسُّنَنُ الكبرى للبيهقي، ج:٦، ص: ٢٣٥، كتاب الفرائض/ باب فرض الجدة والجدتين، حيدرآباد)

ترجمہ: امام مالک روایت کرتے ہیں یحییٰ ابن سعید سے، وہ قاسم بن محمد سے، وہ فرماتے ہیں کہ دادی اور نانی دونوں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اپنے پوتے اور ناتی کے ترکے میں حصے کے لیے آئیں، حضرت صدیق نے نانی کو ایک سُدُس دینا چاہا تو ایک انصاری نے عرض کی، حضور آپ دادی کو محروم کر رہے ہیں حالاں کہ اگر یہ دونوں فوت ہو جاتیں اور یہ لڑکا زندہ ہوتا جوان کا ناتی، پوتا ہے تو وہ اپنی دادی کا وارث ہوتا (اور نانی کے ترکے سے محروم ہوتا) تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں کے درمیان سُدس کو برابر برابر تقسیم کر دیا۔

یہاں انصاری کا استدلال رائے وقیاس پر مبنی تھا کہ نانی اس مسئلے میں فوت ہوئی ہوتی تو یہ لڑکا ناتی ہونے کی حیثیت سے اس کا وارث نہ ہوتا اور دادی فوت ہوئی ہوتی تو اس کا وارث ہوتا تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ لڑکے کے فوت ہونے کی صورت میں جب نانی کو اس لیے اس کے ترکے سے حصہ مل رہا ہے کہ وہ اس کی جدّہ ہے تو دادی کو بھی ضرور اس کے ترکے سے حصہ ملنا چاہیے کہ وہ بھی اس کی جدہ ہے اور میت سے دونوں کی قرابت یکساں ہے اور دادی فوت ہوتی تو وہ اس کے ترکے سے حصہ بھی پاتا۔

الغرض حدیث کے الفاظ یہ ہوں یا وہ جو مسلم الثبوت میں ہیں دونوں صورتوں میں حضرت صدیق اکبر نے ایک فقیہ کے قیاس کو تسلیم کر کے فیصلہ صادر فرمایا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے قیاس کو حجت تسلیم کیا۔ ۱۲ منہ

(۲) فواتح الرحموت مع مسلم الثبوت (مترجما وملتقطا)، ج:۲، ص: ۳۷٦، ۳۷۷، الأصل الرابع: القياس/ مسئله: التعبُّد بتحصيل القياس والعمل بمقتضاه واقع، دار النفائس، الرياض.

فرقہ وہابیہ کا موقف:

اس کے برخلاف فرقہ وہابیہ کے اساطین اس کی حجیت کا انکار کرتے ہیں، چناں چہ نواب وحید الزماں حیدر آبادی (م:۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء) لکھتے ہیں:

● الإلهَامُ ليس بحجة شرعية... وكذلك الإجماعُ الظني والقياس.[۱]

ترجمہ: الہام حجت شرعی نہیں ہے۔۔۔ یوں ہی اجماع ظنی اور قیاس بھی حجت شرعی نہیں۔

یہی نواب صاحب اپنی ایک دوسری کتاب میں لکھتے ہیں:

الإلهَامُ ليس بحجة شرعية وكذلك الإجماع الظني والقياس.[۲]

ترجمہ: اور الہام دلیل شرعی نہیں یوں ہی اجماع ظنی اور قیاس بھی۔

نواب نور الحسن خاں بن نواب صدیق حسن خاں (م۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء) لکھتے ہیں:

● اَدلۂ دین اسلام وملتِ حقۂ خیر الانام منحصر در دو چیز ست، یکے: کتاب عزیز ودیگر: سنت مطہرہ۔ وماورائے این دو ہر کدام حجت نیّرہ وبرہانِ قاطع نیست، وبریں گزشتہ اند خیر القرون از صحابہ وتابعین وتبع ایشاں باحسان۔[۳]

ترجمہ: دین اسلام اور خیر الانام ﷺ کی ملت حقہ کے دلائل دو چیزوں میں مُنحصر ہیں۔ **ایک** کتاب عزیز اور **دوسری** سنت مطہرہ۔ اور ان دو کے سوا کوئی بھی چیز حجتِ نیّرہ وبرہان قاطع نہیں ہے اسی پر خیر القرون- صحابہ وتابعین وتبع تابعین- کا عمل رہا ہے۔

لہٰذا اجماع وقیاس دلیل شرع نہ رہے۔

محدث سورتی حضرت مولانا وصی احمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہابیہ غیر مقلدین کے عقائد شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ششم: مجتہد کا قیاس شریعت میں قابل اعتبار کے نہیں ہے، چناں چہ کتاب معیار الحق کے صفحہ ۷۹ میں اور اعتصام السنہ کے صفحہ ۳۶ میں مرقوم ہے۔[۴]

---

(۱) كنز الدقائق من فقه خير الخلايق، ص:۷، كتاب الإيمان، مطبع شوكة الإسلام، بينگلور.

(۲) نُزُل الأبرار من فقه النبي المختار، ص:٦، كتاب الإيمان، سعيد المطابع، بنارس.

(۳) عرف الجادى من جنان هدي الهادي، ص:۳، مطبع صديقى، بهو پال.

(٤) جامع الشواهد، ص:۱۱، كتب خانه امجديه، بستى.

یہ بڑے بڑے علمائے غیر مقلدین کی تصریحات ہیں جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں مگر ساتھ ہی درج بالا احادیث و آثار سے انحراف بھی کرتے ہیں کیوں کہ آپ نے گزشتہ صفحات میں جن احادیث کا مطالعہ کیا ہے ان سے مطلقاً قیاس کا حجت شرعی ہونا ثابت ہوتا ہے خواہ قیاس ظنی ہو یا قطعی، بلکہ حق یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام کے جو قیاسات منقول ہوئے وہ سب ظنی ہیں، یہاں تک کہ حضور سید عالم ﷺ نے ثبوت نسب کے لیے بھورے رنگ کے اونٹوں پر سیاہ فام لڑکے کا جو قیاس فرمایا ہے وہ بھی ظنی ہے۔

قیاس شرعی کی حیثیت دلیل ظنی کی ہے گو بعض اوقات یہ قطعی بھی ہوتا ہے۔[1]

قیاسِ مذموم سے اشتباہ نہیں ہونا چاہیے:

اب تک کی ساری گفتگو کا تعلق ”قیاس شرعی“ سے تھا جس کے لیے یہ لازم ہے کہ کوئی فقیہ مجتہد ہی شرائط معروفہ کی رعایت کے ساتھ یہ کارِ اہم انجام دے۔ اس کے مقابل ایک مذموم عمل بھی اسی سے ملتا جلتا پایا جاتا ہے جس پر بظاہر قیاس کا شبہہ ہوتا ہے اسے ہم ”قیاس فاسد“ اور ”قیاس مذموم“ کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس میں قیاس شرعی کے شرائط کی رعایت نہیں ہوتی۔ اس کو مختصراً یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جو قیاس کتاب و سنت اور اجماع امت سے ماخوذ ہو، ان کے موافق ہو وہ قیاس شرعی ہے اور جو اس کے خلاف ہو وہ قیاس مذموم ہے اس کو ایک واقعہ کی روشنی میں سمجھیے:

ایک شخص نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک مسئلے پر دوسرے مسئلے کو قیاس کرتے ہوئے دیکھا، تو چلانے لگا کہ اس فاسق کو چھوڑ دو، سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس ہے۔

امام صاحب اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے شخص تو نے بے محل کلام کیا، ابلیس نے

---

(۱) مسلم الثبوت و فواتح الرحموت میں ہے:

(وحكمه) أي حكم القياس (ثبوت حكم الأصل في الفرع والظن به بعد النظر، لا القطع) به (وإن قطع بمقدماته ومراده) ... فإذا قطع بالعلّية وجب القطع البتة، واعتبر بدلالة النص، فإنها إنما توجب القطع لكون العلّة هناك مقطوعة إه ملتقطا. (ج:۲،ص:۳۰۷، الأصل الرابع: القياس).

منار و نور الانوار میں ہے:

والأصل الرابع: القياس .... المستنبط من هذه الأصول الثلاثة، ولم يقل: إن أصول الشرع أربعة، الكتاب والسنة والإجماع والقياس. ليكون تنبيها على أن الأصول الأوّل قطعية والقياس ظني. وهذا باعتبار الأغلب والأكثر وإلا فالعام المخصوص منه البعض وخبر الواحد ظني والقياس بعلة منصوصة قطعي. إه ملتقطا. (نور الأنوار، ص: ۷،۸، مجلس البركات، مبارك فور)

اپنے قیاس کے زور سے امرالٰہی کو رد کیا جس کی صراحت قرآن شریف میں موجود ہے۔ اس لیے وہ کافر ہو گیا اور ہمارا قیاس اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل ہے کیوں کہ ہم قرآن شریف، حدیث شریف اور فقہاے صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم اتباع شرع کا قصد کرتے ہیں۔ تو ہم اور ابلیس ملعون دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں۔ تو اس شخص نے کہا کہ میں غلطی پر تھا، میں نے توبہ کی، اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو روشن کرے جس طرح آپ نے میرا دل روشن کیا۔[1]

یا جیسے سود خوروں کا بیع پر سود کا قیاس، جس کا ذکر قرآن مقدس میں اس طرح ہے: ''قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا م ''[2] بولے بیع ربا ہی کی مثل ہے، تو قرآن نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ''وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ط''[3] اور اللہ نے تو بیع کو حلال اور ربا کو حرام کیا۔

اس قیاس کی مذمت میں امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک ترجمۃ الباب قائم کر کے سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حدیث نقل کی ہے:

''علما کے دنیا سے چلے جانے کے بعد جاہل لوگ بچ جائیں گے یُسْتَفْتَوْنَ فَیُفْتُوْنَ بِرَاْیِهِمْ فَیَضِلُّوْنَ وَ یُضِلُّوْنَ۔ ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا تو وہ لوگ اپنی رائے و قیاس سے فتویٰ دیں گے، اس طرح وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔''[4]

ظاہر ہے کہ شرعی مسائل کے لیے جاہلوں کا قیاس مذموم ہی ہو گا، اب اگر یہی حکم کوئی فقہاے مجتہدین کے قیاسات شرعی پر بھی جاری کرے تو قطعاً قرین انصاف نہ ہو گا۔ قیاس فاسد پر گفتگو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے، تاہم اس قدر بیان ناگزیر تھا تاکہ ہمارے قارئین آگاہ رہیں اور ایسے قیاس کی مذمت میں جو آثار وارد ہیں ان سے کسی کو تشابہ نہ لگے۔

---

(۱) جواهر البیان ترجمہ اردو الخیرات الحِسان، ص:۲۶، گیارہویں فصل بناے مذہب امام کے بارے میں، مترجم: ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، استانبول، ترکی۔

(۲) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، الآیۃ: ۲۷۵.

(۳) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ: ۲، الآیۃ: ۲۷۵.

(٤) صحیح البخاری، ج:۲، ص:۱۰۸٦، کتاب الاعتصام/ باب ما یذکر من ذم الرای وتکلف القیاس، مجلس برکات، مبارک فور.

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

فہرست جلد اوّل

نمبر شمار .... مضامین .... صفحہ نمبر

مقدمہ

پہلا باب : عقائد کے بیان میں

پہلا مسئلہ

امتناعِ کذبِ باری کا عقیدہ، کتاب و سنت کی روشنی میں

دوسرا مسئلہ

ختم نبوت، احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

تیسرا مسئلہ

امتناعِ نظیر، کتاب وسنت کی روشنی میں

چوتھا مسئلہ

تعظیم رسول ﷺ، کتاب وسنت کی روشنی میں

پانچواں مسئلہ

بارگاہِ الٰہی میں رسول اللہ اور مومنین کی عزّت

چھٹا مسئلہ

شفاعت، کتاب و سنت کی روشنی میں

ساتواں مسئلہ

علمِ غیبِ رسول، کتاب وسنت کی روشنی میں

آٹھواں مسئلہ

عقیدۂ حاضر و ناظر، کتاب و سنت کی روشنی میں

نواں مسئلہ

توسُّل ونِدا، احادیث کریمہ کی روشنی میں

دسواں مسئلہ

تصرفاتِ انبیا علیہم الصلاۃ والسلام، کتاب و سنت کی روشنی میں

گیارھواں مسئلہ

شارع اسلام ﷺ کے تشریعی اختیارات کے شواہد

بارھواں مسئلہ

مدینۂ منوّرہ کے حرم ہونے کے شواہد

تیرھواں مسئلہ

"اللہ چاہے پھر اللہ کے رسول" کہنا جائز ہے۔

چودھواں مسئلہ

مسلمانوں کو مشرک قرار دینے کی شناعت

پندرھواں مسئلہ

تقلیدِ عرفی کا وجوب، کتاب وسنت کی روشنی میں

سولھواں مسئلہ

اِجماعِ امت، کتاب و سنت کی روشنی میں

سترھواں مسئلہ

فقہ کی چوتھی دلیل: قیاس شرعی، احادیثِ نبویہ کی روشنی میں

☆☆☆☆☆